بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

المواهب اللدنیہ (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف کا تعارف

نام ونسب

آپ کا نام احمد بن محمد ہے اور امام قسطلانی کے نام سے مشہور ہیں' کنیت ابو العباس' لقب شہاب الدین ہے خاندانی نسبت سے قتیبی' جائے پیدائش کے لحاظ سے مصری اور بعد میں قاہرہ میں سکونت کی وجہ سے قاہری کہلاتے ہیں علامہ قسطلانی اپنے دور کے بہت بڑے امام' فن قرأت کے ماہر' چودہ روایتوں کے مشاق جید قاری' علم وفن میں جحت باخبر اور روشن دماغ فقیہ اور سند المحدثین' صاحب تصانیف کثیرہ اور بڑے باکمال آدمی تھے' شیخ ابو بکر بن احمد بن حمیرہ نحاس رحمہ اللہ تعالیٰ کی دختر نیک اختر حضرت حلیمہ آپ کی والدہ محترمہ ہوتی ہیں۔[1]

ولادت اور ابتدائی تعلیم

امام قسطلانی بارہ (۱۲) ذی القعدہ ۸۵۱ھ کو مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی' مصر ہی میں قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید وقرأت اور صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی' تجوید میں آپ نے شاطبیہ اور جزریہ پڑھیں اور نحو میں الوردیہ یاد کی۔

مشائخ اور اساتذہ

آپ نے اپنے وقت کے بے بدل شیخ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسب فیض کے علاوہ اور بھی متعدد جلیل القدر اساتذہ کرام اور مشائخ عظام سے استفادہ کیا جن میں سے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) امام عمر بن قاسم انصاری نشار رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) علامہ عبدالغنی ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) علامہ شہاب بن اسد رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) علامہ خالد الازہری نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) علامہ فخر مقسمی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۷) حضرت شیخ برہان عجلونی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) حضرت شیخ الاسلام شیخ زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ

(۹) صحیح البخاری آپ نے حضرت شیخ علوی شاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھی جو پانچ مجالس میں مکمل ہوئی' نیز آپ نے مکہ معظمہ میں بھی متعدد علماء سے تحصیل علم کی' علماء مکہ مکرمہ میں سے حضرت شیخ النجم ابن فہد رحمہ اللہ تعالیٰ اور جلیل القدر محدثہ اور شیخۃ الحدیث' زینب بنت امام شوبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۲ ص ۱۰۳' شذرات الذہب ج ۸ ص ۱۲۱' الکواکب السائرہ ج ۱ ص ۱۲۶' معجم المؤلفین ج ۲ ص ۸۵' النور السافر ص ۱۱۳' خطط مبارک ج ۶ ص ۱۱' الأعلام ج ۱ ص ۲۳۲' معجم المطبوعات ص ۱۵۱۱

شخصی صفات

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ زاہد' قانع' پاکباز و پارسا اور کثیر الأسقام یعنی سینہ او داغ داغ از درد بود شخص تھے۔ حضور نبی مکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل. سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام کو پہنچتی ہیں پھر جو ان کے قریب ہو اور جو اس قریب کے قریب ہو۔

یہ تکالیف آدمی کے دین میں اس کے تصلب اور خفت کی مقدار سے کم و بیش ہوتی ہیں۔ بہر کیف

دلوں کو بخش گئے ہیں قرار کی دولت
تمام عمر تڑپ کر گزارنے والے

اگر آپ سے تقریر یا تحریر میں کوئی سہو یا غلطی ہوئی اور کسی نے اس کا رد کیا تو دلائل سامنے آ جانے اور حق واضح ہو جانے پر آپ فوراً حق کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک بہت عمدہ لہجے میں پڑھتے تھے' آواز میں سوز تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامع کمالات شخصیت بنایا تھا' آپ نرم خو' ملنسار' محبت کرنے اور تواضع سے پیش آنے والے آدمی تھے۔

امام العلائی آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہ کان فاضلا محصلا دینا عفیفا متقللا من عشرۃ الناس ء الا فی المطالعۃ والتالیف والاقراء و العبادۃ. آپ فاضل' صاحب رائے' دیانت دار اور پاک دامن ہونے کی وجہ سے دلآویز شخصیت کے مالک تھے مگر اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے خلوت پسند' مردم گریز اور کم آمیز تھے۔

بقول شاعر

کہتے ہیں فرشتے دل آویز ہے مؤمن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مؤمن

خود کو مطالعہ' تصنیف و تالیف' درس و تدریس اور عبادت میں مشغول رکھتے تھے۔ اور بس! گویا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ قطعہ ان کی مکمل سوانح حیات کا احاطہ کرتا ہے' جو آپ نے اپنے متعلق فرمایا تھا کہ:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو ے
جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

کیونکہ ہمارے بزرگ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا و آخرت کا تصور یہ رہا ہے کہ

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل' اسے دنیا سمجھتے ہیں

''جامع غمری'' میں وعظ کے لیے مجلس منعقد کرتے تو لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا وعظ کہنے میں آپ کی نظیر کوئی نہ تھا۔ صوفیت کے مکمل قائل تھے' یعنی صوفیت اور صوفیاء کرام کے ساتھ کامل عقیدت رکھتے تھے' چنانچہ اس کی بدولت آپ کو قرافہ صغریٰ (قرافہ خورد) میں شیخ احمد بن أبی عباس حرار کا جانشین مقرر کیا گیا تھا اور اس دور میں آپ نے طلبہ کو

پڑھانے اور لکھنے لکھانے کا زیادہ شغل رکھا۔

آپ نے حج فرض کے علاوہ متعدد نفلی حج بھی ادا کیے اور تین مرتبہ آپ نے حرمین شریفین میں مجاورت کی سعادت بھی حاصل کی' ایک مرتبہ جب آپ کم سن تھے اور آپ کی عمر ۹ برس تھی یعنی ۸۶۰ھ اور دوسری مرتبہ ۸۸۴ھ میں اور تیسری مرتبہ ۸۹۴ھ میں آپ مجاور اور معتکف ہوئے۔

بالجملہ آپ جلیل القدر امام' ثقہ عالم اور حافظ القرآن اور حافظ الحدیث تھے حسن تقریر اور حسن تحریر دونوں پر قادر تھے بہترین ''لکھارو'' اور اچھے ''بلارو'' تھے' تقریر نہایت فصیح و بلیغ اور لطیف اشارات پر مشتمل ہوتی تھی اسی طرح آپ کا تصنیف و تألیف کا انداز اور اسلوب بھی بہت عمدہ ہے' مضمون کی ترتیب اور ترصیف ایسے لطیف پیرائے میں کرتے ہیں کہ عبارت میں کوئی ابہام اور الجھاؤ نہیں ہوتا' اپنے ہم عصروں کے لیے باعث زینت اور ان میں ایک صاف ستھرے اور کھرے آدمی کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے آپ کی کوئی ایک بھی عیب گیری کرنے والا نہیں تھا آپ کے معاصرین نے آپ کو قبول اور تسلیم کیا اور اکابر کا ہر عصر میں ہمیشہ سے یہ طریقہ بھی رہا ہے۔

امام شعراوی آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام قسطلانی کا قد دراز تھا اور آپ بہت خوبصورت تھے' تھوڑے سے بال سفید ہو گئے تھے جو سیاہ بالوں میں بڑے اچھے لگتے تھے۔

آپ چودہ روایتوں میں قرأت کرتے تھے آواز میں کمال کا سوز تھا جب قرآن مجید پڑھتے تو پتھر سے پتھر دل آدمی بھی رو پڑتا تھا' نماز کی امامت میں جب قرآن مجید پڑھتے تو لوگ جھوم جاتے اور روتے روتے گر جاتے تھے۔

امام شعراوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جب آپ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ مبارکہ کے پاس مقیم ہوئے اور اس مجاورت اور قرب کی وجہ سے آپ کو جذب کی کیفیت حاصل ہو گئی تھی اور ''مواہب اللدنیہ'' آپ نے مجذوبیت سے صحو کی حالت میں آنے کے بعد تصنیف فرمائی ہے' مواہب اللدنیہ کے شارح مامون بن محی الدین الجنان لکھتے ہیں:

مواہب اللدنیہ میں آپ نے ''سید وفا'' کے کلام سے بہت زیادہ استشہاد کیا ہے اور آپ نبی کریم ﷺ کی رفعت قدر کے بیان میں غلو کی طرف مائل تھے حتیٰ کہ آپ نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل قرار دینے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ بھی مدینۂ رسول ﷺ کے مکہ معظمہ سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (الکواکب السائرہ ج ۱ ص ۱۲۷)

وفات

امام احمد بن محمد قسطلانی کی وفات آٹھ محرم الحرام ۹۲۳ھ کو ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون' آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا واقعہ یہ ہوا کہ آپ کو خبر ملی کہ سلطان غوری کے کسی مصاحب نے شیخ ابراہیم بن عطاء اللہ مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سر قلم کرا دیا ہے آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ اس وقت سواری پر تھے اس خبر کا صدمہ برداشت نہ کر سکے' متاثر ہو کر گر گئے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی' لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لائے اور اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا' جمعہ کی نماز کے بعد جامع الأزہر میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جامع الأزہر کے قریب قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ

تعالٰی کے مدرسہ میں "قبّہ" میں آپ کو دفن کیا گیا' آپ کی متواضع طبیعت اور حُسن معاشرت کی وجہ سے لوگ آپ کی وفات سے بہت متاثر ہوئے اور جامع ازھر کے علاوہ دمشق میں بھی لوگوں کی ایک جماعت نے آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی' جن میں شیخ برہان ابن ابی شریف بھی شریک تھے۔ ابن ایاس نے بیان کیا کہ آپ کی وفات کے دن اتفاق سے یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اسی دن سلطان سلیم نے مصر پر چڑھائی کر کے اس مملکت کا اقتدار سنبھال لیا تھا۔

مصنفات

النور السافر میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے قلم اور زبان دونوں میں بڑی سعادت اور برکت رکھی تھی آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں جن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی زندگی میں آپ کی تصانیف کے اونٹوں لد کر بیرون ملک جاتے تھے اور ان تصانیف میں آپ کے اخلاص عمل اور حُسن نیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کی مقبول عام و خاص تصنیف المواہب اللدنیہ کو لوگوں کے نزدیک وہ مقبولیت اور پذیرائی نصیب ہوئی کہ لوگ انتہائی مہنگے دام دے کر بھی اس کتاب کو خوش دلی کے ساتھ خرید لیتے تھے' آپ نے مواہب اللدنیہ کے علاوہ بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (یہ شرح دس جلدوں میں ہے) (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۲ و معجم المطبوعات ص ۱۵۱۱)

(۲) الاسعاد فی تلخیص الارشاد (کشف الظنون ج ۱ ص ۶۹)

(۳) امتاع الاسماع والابصار (مصدر السابق ج ۱ ص ۱۶۶)

(۴) الانوار المضیۃ فی شرح البردۃ (مصدر السابق ج ۱ ص ۱۳۳۵)

(۵) تحفۃ السامع والقاری بختم صحیح البخاری (مصدر السابق ج ۱ ص ۳۶۶)

(۶) رسالۃ فی الربع المجیب (کشف الظنون ج ۱ ص ۸۶۷)

(۷) الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبد القادر رحمہ اللہ تعالٰی (مصدر السابق ج ۱ ص ۹۱۹)

(۸) زہر الریاض (مصدر السابق ج ۲ ص ۹۷۰)

(۹) العقود السنیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریہ (یہ علم قرأت میں ہے) (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۷۹۹)

(۱۰) فتح الدانی فی شرح حرز الامانی (یہ شاطبیہ کی شرح ہے اس میں آپ نے ابن جزری کی زیادات کو ملا دیا اور ساتھ وہ فوائد عجیبہ بیان کیے ہیں کہ دوسری جگہ نہیں ملتے) (مصدر السابق ج ۱ ص ۶۴۷۔ ج ۲ ص ۱۳۳۲)

(۱۱) فتح المواہبی فی مناقب الشاطبی (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۳۳۵)

(۱۲) الکنز فی حمزۃ و ہشام علی الھمز (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۱۹)

(۱۳) اللّٰلی السنیۃ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۳۴)

(۱۴) لطائف الاشارات لفنون القرأت (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۵۱)

(۱۵) لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار (ج ۲ ص ۱۵۶۳)

(۱۶) مدارک المرام فی مسالک الصیام (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۶۴۱)

(۱۷) مراصد الصلات فی مقاصد الصلوٰۃ (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۶۵۲)

(۱۸) مسالک الحنفاء الی مشارع الصلوٰۃ علی النبی المصطفٰے (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۶۶۲)
(۱۹) مشارق الأنوار المضیئۃ فی شرح الکواکب الدریۃ (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۳۳۵، ۱۶۸۸)
(۲۰) منھاج الابتھاج فی شرح الجامع الصحیح لمسلم بن الحجاج (یہ صحیح مسلم شریف کے نصف تک کی شرح ہے اور آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے) (مصدر السابق ج ۲ ص ۵۵۸)
(۲۱) منھاج الھدایۃ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۴۷)
(۲۲) المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (یہ کتاب سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موضوع پر ہے) (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۸۹۶، معجم المطبوعات ص ۱۵۱۲)
(۲۳) نزھۃ الأبرار فی مناقب الشیخ أبی العباس أحمد الحرار (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۹۳۸)
(۲۴) نفائس الأنفاس فی الصحبۃ واللباس (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۹۶۵)
(۲۵) النور الساطع فی مختصر الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع للسخاوی (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۰۹۰)
(۲۶) یقظۃ ذوی الاعتبار فی موعظۃ أھل الاغترار (مصدر السابق ج ۲ ص ۲۰۵۰)

کتاب کا تعارف

''مواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ'' حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ پر ایک جامع کتاب ہے، اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور خاتم الأنبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے ابتداء ولادت پاک سے انتہاءِ وصال شریف تک تسلسل زمانی کے ساتھ سیرت طیبہ کے احوال و واقعات کو بیان کیا گیا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی صفات حمیدہ، خصائل کریمہ، جمال خلق اور حسن خلق، آپ کے خدام وموالی، ازواجِ مطہرات، سواری کے جانوروں، اسلحہ کے اقسام واسماء، لباس مبارک، آپ کے معجزات، غزوات وسرایا، وفود اور بعوث کا بیان ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب کو دس مقاصد پر تقسیم کیا اور ہر مقصد کے تحت کئی کئی عنوان آتے ہیں۔

کتاب کی فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتاب سیرت مصطفٰی ﷺ کے موضوع پر کتنی جامع کتاب ہے۔

''مواھب اللدنیہ'' کے متعلق علماء کرام رحمھم اللہ تعالٰی کے تأثرات

شیخ ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

''مواھب اللدنیہ'' جلیل القدر، عظیم الاثر، کثیر النفع کتاب ہے اور اس باب (سیرت نبویہ) میں اس کی نظیر کوئی نہیں ہے (یعنی سیرت مصطفٰی ﷺ کے موضوع پر یہ ایک منفرد جامع کتاب ہے)۔ (شذرات الذھب ج ۸ ص ۱۲۲)

علامہ زرقانی شارح مواھب اللدنیہ میں لکھتے ہیں:

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالٰی نے یوں تو کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں سے یہ ''مواھب اللدنیہ'' بہت عظیم کتاب ہے اس کتاب کی سطور سے اللہ عزوجل کے جلال اور بزرگی کے انوار پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس کے صفحات پر الفاظ نبوت و رسالت کو اس طرح جوڑ دیا گیا ہے جیسے گلاب کی پتیوں پر شبنم کے قطرات اٹکتے ہوئے ہوں، مصنف نے

اس میں (عبارت والفاظ کی) ترتیب بھی بڑی خوبصورت رکھی ہے اور دلائل و براہین سے اس کی ترصیع وتزئین کا کام بھی محکم اور مضبوط بنیادوں پر کیا ہے' گویا

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ می دارد — برنگ اصحاب صورت رابہ بُو ارباب معنیٰ را

اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو قبولیت کی پوشاک پہنائی ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول کے نزدیک مواہب اللدنیہ سیرت نبویہ کے موضوع پر لکھی گئی اکثر دوسری کتابوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

اعتراف

مصنف نے مواہب اللدنیہ میں ایک بڑی حد تک قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''الشفاء'' پر اعتماد کیا اور اس سے استفادہ کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے انہوں نے اپنی اس کتاب مواہب اللدنیہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ:

ولم اکن والله اهلا لذلک ولم ار نفسی فیما هنالک ' لصعوبة هذا المسلک ومشقة السیر فی طریق لم یکن لمثلی یسلک وانما هو نکتة سرقراء تی کتاب الشفاء بحضرة التخصیص و الأصطفا فی مکتب التادیب و التعلیم.

علامہ زرقانی جو اس کتاب کے شارح ہیں لکھتے ہیں کہ:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ کہا ہے کیونکہ انہوں نے واقعی کتاب الشفاء کے انوار سے بھی اقتباس کیا اور فائدہ اٹھایا ہے جس طرح کہ انہوں نے علامہ عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''فتح الباری'' سے خوب خوب خوشہ چینی کی ہے اور علامہ قسطلانی نے اس بات کا اپنی شرح کے مقدمہ اور خاتمہ دونوں جگہ برملا اعتراف فرمایا ہے وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''مستمدا من فتح الباری فیض فضله الساری'' اور کتاب کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:''واستفتحت مغالیق المعانی بمغاشیح فتح الباری''۔

نیز لکھتے ہیں:

وقد انتهت کتابة النسخة المنقولة منها النسخة المبارکة النافعة ان شاء الله تعالى فی خامس عشر شعبان المکرم سنة تسع و تسعین ثمانمائة و کان الأبتداء فی المسودة المذکورة ثانی یوم قدومی من مکة المشرفة صحبة الحاج فی شهر محرم سنة ثمان و تسعین و ثما نمائة.

مواہب اللدنیہ کی شروحات

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

کہ خاتم المحدثین علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۲۲ھ نے مواہب اللدنیہ کی چار جلدوں میں ایک جامع شرح لکھی ہے' شارح نے اپنی شرح میں حضور اکرم ﷺ کے شمائل مبارک' سیرت پاک اور صفات کریمہ سے متعلق احادیثِ مبارک کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ (کشف الظنون ج۲ص ۱۸۹۷)

اس طرح شیخ ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی المتوفی ۱۰۸۷ھ نے بھی المواہب اللدنیہ کی موٹی موٹی پانچ جلدوں میں شرح لکھی ہے' شیخ لأمنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاصۃ السیر میں اس کو نقل کیا ہے اور علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تلخیص کر کے اس کا نام ''الأنوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ'' رکھا ہے جو ۱۳۱۰ھ میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

غلام نصیر الدین نصیر گولڑوی (معلم' جامعہ نعیمیہ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان رحم والا ہے، اسی پر میرا اعتماد ہے اور ہم اسی سے مدد کے طلب گار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملے میں ہمیں رشد و ہدایت مہیا فرما۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر نازل ہو۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے آسمانِ ازل میں معارف نبوتِ محمدیہ کے انوار کا سورج طلوع کیا اور اسرار رسالت کے اُفق سے صفاتِ احمدیہ کی تجلی کے مظاہر کو روشن کیا۔ میں اس (ذات والا صفات) کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے اپنی ازلیت کے سوابق [1] پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنیاد رکھی اور اپنی ابدیت کے لواحق [2] پر آپ کی رسالت کے ستونوں کو بلند کیا۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ اپنی یکتائی میں عظمت و جلال کے ساتھ ایک ہے، منفرد ہے، اور استحقاق کمال کے ساتھ اپنی وحدانیت میں واحد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ نوع انسانی میں سے اشرف اور خاص لوگوں کی آنکھوں کی پتلی ہیں۔ عدنان کی اولاد کے خالص خلاصہ میں سے چنے

---

[1] ازلیت کے سوابق سے مراد وہ امور ہیں کہ ازل میں ان کا اعتبار کیا گیا اور وہ دوسرے امور سے پہلے ہیں، ان کو سوابق اس لیے کہا کہ یہ نبوت کی بنیاد کو ظاہر کرنے والے ہیں اور یہ وجود عالم سے پہلے معتبر ہیں۔

[2] ابدیت سے وہ زمانہ مراد ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور اس کی کوئی انتہا نہیں اور لواحق اس لیے کہا کہ معجزات کا محل ہے اور یہ عالم کے وجود میں آنے کے بعد ہے۔ یہ وہ معجزات ہیں جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

ہوئے ہیں۔ عجائب پر مشتمل آیات کا عطیہ پانے والے اور عمومِ رسالت نیز عجائباتِ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (حق و باطل کے درمیان) فرق کرنے والے جامع راز ہیں اور نوعِ انسانی میں سے سب سے زیادہ قُرب کے ساتھ مخصوص' ازلی حقائق کا منبع و مرکز اور ان حقائق کے مفردات کے جامع اور منیر ہیں' اور جنت میں تشریف لے جائیں گے تو ان حقائق کے ساتھ خطبہ دینے والے ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بیت المعمور ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لیے خاص کیا اور اپنے انس کے حقائق کو جمع کرنے والا بنایا۔ کائنات کا مرکزی نقطہ اور حکمت و عرفان کا منبع ہیں۔ اہلِ معارف اور منتخب افراد میں سے جو آپ کی ذاتِ اقدس کو اچھے عطیات کے لیے آواز دیتا ہے تو آپ مد و وفا کے سمندر سے فیضان جاری کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا۔

فانت رسول اللہ اعظم کائن وانت لکل الخلق بالحق مرسل

''پس آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور کائنات میں سب سے بڑے اور آپ تمام مخلوق کے لیے حق کے ساتھ بھیجے گئے''۔

علیک مدارا الخلق اذ انت قطبہ وانت منار الحق تعدو و تعدل

''تمام مخلوق آپ کے گرد گھومتی ہیں کیونکہ آپ اس کا قطب ہیں اور آپ منارۂ حق ہیں بلندی کی طرح جاتے اور عدل کرنے والے ہیں''۔

فوادک بیت اللہ دار علومہ وباب علیہ منہ للحق یدخل

''آپ کا قلب اقدس اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے علوم کا مرکز ہے اور ایسا دروازہ ہے جس سے حق داخل ہوتا ہے''۔

ینابیع علم اللہ منہ تفجرت ففی کل حی منہ للہ منہل

''علم الٰہی کے چشمے اسی سے پھوٹتے ہیں اور ہر زندہ میں اسی سے اللہ تعالیٰ کے علم کا چشمہ جاری ہے''۔

منحت بفیض الفضل کل مفضل فکل لہ فضل بہ منک یفضل

''آپ کو ہر فضیلت عطا ہوئی اور جس کو بھی فضیلت ملتی ہے وہ آپ ہی سے حاصل کرتا ہے''۔

نظمت نثار الانبیاء فتاجھم لدیک بانواع الکمال مکلل

''آپ نے انبیاء کرام کی بکھری ہوئی شریعتوں کو جمع کیا پس ان کا تاج آپ کے پاس ہے جو ہر قسم کے کمال کے ساتھ مکمل ہے''۔

فیا مدۃ الامداد نقطۃ خطہ و یاذروۃ الاطلاق اذ یتسلسل

''اے امداد کے محور و مرکز اور اے سخاوت کے کوہ عظیم''۔

محال یحول القلب عنک واننی وحقک لا اسلو ولا اتحول

''یہ بات محال ہے کہ دل آپ سے پھر جائے اور آپ کے حق کی قسم میں نہ تو صبر کرسکتا ہوں نہ آپ کی محبت سے پھر سکتا ہوں''۔

علیک صلاۃ اللہ منہ تواصلت　　صلاۃ اتصال عنک لا تنصل

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل ایسی رحمتیں ہوں جو آپ سے کبھی زائل نہ ہوں''۔

سدرۃ المنتہیٰ کے باسیوں کی نگاہیں آپ کے حسن کی عظمت سے حیران رہ گئیں اور اکابر انبیاء کی ارواح مقدسہ آپ کے مشاہدۂ کمال کی طرف مشتاق ہوئیں اور ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) کی ارواح اور ذاتوں کی توجہ آپ کی عمدہ خوشبو کی طرف مبذول ہے اور عقل والوں کی گردنیں آپ کی روشن آنکھوں اور آپ کے دیدار کی طرف دراز ہوئیں۔

پس آپ کو بلند مقدس مقامات کی طرف معراج کرایا اور نہایت عمدہ راز پر مطلع فرمایا جو اس کے علم میں ہے اور اپنے قرب خاص سے نوازا' چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ حرم تعظیم میں خدمت کے لیے کھڑی ہوئیں اور فرشتے بلند مقامات پر تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور عشاق کی ارواح مقامات شوق میں فریفتگی کا اظہار کرتی تھیں ۔

کل الیک بکلہ مشتاق
وعلیہ من رقبائہ احداق
یھواک ما ناح الحمام بایکۃ
اولاح برق فی الدجی خفاق
شوق الیہ لا یزال یدیرہ
فجمیعہ لجمیعہ عشاق

''سب کے سب مکمل طور پر آپ کے مشتاق ہیں اور ان پر ان کے رقیبوں کی نظر ہے''۔
''جب تک کبوتر درخت پر بولتا ہے یا اندھیری رات میں بجلی چمکتی ہے' آپ کی طرف شوق مائل ہوتا ہے''۔
''وہ اسے ہمیشہ گردش میں رکھتا ہے' پس وہ سب آپ کے عشاق ہیں''۔

چاند آپ کے مشاہدہ کا مشتاق ہوا' تو پھٹ گیا' پس اس سے بدبخت (کفار) کے دل پھٹ گئے اور آپ کی جدائی میں کھجور کا خشک تنا رویا اور پھٹ گیا تو اس سے جاہل منافقوں کے دل پھٹ گئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

وکان انشقاق البدر اکبر ایۃ
تشق قلوب الحاسدین وتفرث

''چاند کا پھٹ جانا بہت بڑی علامت ہے' پس حاسدین کے دل اور جگر پھٹ گئے''۔

آپ کی بعثت کی قندیل سے اولین حقائق کی بجلیاں چمک اٹھیں اور آپ کے دعوت عامہ کے سامنے خلاصہ مخلوق کے خاص افراد بھی جھک گئے۔ آپ سچے عزائم کے ساتھ ہمیشہ راہ خداوندی میں جہاد کرتے رہے اور آپ نے متفرقات اسلام کو ان کی جہات کے متفرق ہونے کے بعد جمع کیا حتیٰ کہ آپ کے دین کے تمام کمالات اور حجت بالغہ درجہ کمال کو پہنچ گئے اور آپ کی تمام امی امت پر اللہ تعالیٰ کی کثیر نعمت مکمل ہو گئی، پھر آپ کو اختیار دیا گیا تو آپ نے اعلیٰ علیین میں انبیاء کرام علیہم السلام کی رفاقت (یا اللہ تعالیٰ کے قرب) کو اختیار فرمایا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامتی کے قدموں میں قائم رکھتے ہوئے سلامتی کے گھر اور عزت والے جنت الفردوس کی طرف منتقل فرمایا اور دائمی گھر میں عزت و تکریم کے اعلیٰ مقام میں ٹھکانہ دیا اور قیامت کے دن آپ کو عطیات شرف عطا فرمائے گا۔ پس آپ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی۔

آپ حامد ہیں کہ ان محامد (تعریفی کلمات) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں جو آپ کو اس نے الہام کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور عالم ارواح میں بہت بڑا مقام اور بلند درجہ عطا کیا۔ عمدہ صلوات، اعلیٰ سلام اور روز افزوں برکات آپ کی پاکیزہ آل اور نیک و صالح صحابہ کرام پر ہوں جو کبھی ختم نہ ہوں اور نہ ہی کبھی شمار میں آ سکیں۔

حمد و صلوۃ کے بعد!

یہ کتاب، رحمانی مہربانیوں کی خوشبوؤں کے لطائف میں سے ایک لطیفہ اور ربانی عطیات میں سے ایک عطیہ ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شرف سے کچھ کمالات کی خبر دیتی ہے۔ آپ پر افضل صلوات اور زیادہ سے زیادہ سلام ہو، آپ کو نبوت سب سے پہلے عطا ہوئی اور غایات احدیت میں[1] آپ کی نبوت ثابت ہوئی۔ گزشتہ زمانوں میں آپ کی احمدیت کی خوشخبری دی گئی اور گزشتہ امتوں میں آپ کی محمدیت ظاہر ہوئی۔ آپ کی ولادت مبارکہ جس کی فجر کی روشنی تمام مخلوق تک پہنچی، اس کی نشانیوں کے انوار کی چمک عام ہے اور ان نشانیوں کی فجر کے چاند نے اطراف عالم کا دورہ کیا۔ یہ لطیفہ ان سب باتوں کی خبر دیتا ہے۔

نیز یہ لطیفہ آپ کی رضاعت اور پرورش کے لطائف اور آپ کے معراج، بعثت اور ہجرت کے اسرار کے چشموں اور آپ کی عبودیت (بندہ ہونا) کے معارف کی خوشبو اہل ولایت کے دلوں کے کناروں میں جاری ہے۔ آپ کے پاکیزہ احوال کے عمدہ سانسوں اور آپ کی بلند سیرت کے حقائق کی باریکیوں کی اس لطیفہ نے خبر دی حتیٰ کہ آپ روضہ قدس احدیت (جنت) میں منتقل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزو شرف والی آیات اور عمدہ و اعلیٰ معجزات کے ساتھ جو شرف بخشا اور آیات قرآنیہ میں آپ کا ذکر کر کے آپ کو رفعت عطا فرمائی، آپ کے عمدہ اخلاق اور خصلتوں، عموم رسالت کے ساتھ آپ کی تخصیص، آپ سے محبت کو واجب کرنے اور آپ کی سنت پر چلنے، رسل عظام کے مقام حضور میں آپ کو جامع

---

[1] وہ غایات (انتہائیں) جو احد (ذات) کی طرف منسوب ہیں اور غایات سے مراد وہ امور ہیں جن سے کمال کا ظہور مکمل ہوتا ہے وہ کمال جو ہر چیز کے ساتھ مختص ہے۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۳)

سیادت و قیادت عطا کرنے، شفاعت عظمیٰ کی فضیلت سے نوازنے جو اولین و آخرین کو شامل ہوگی اور اس کے علاوہ جو کچھ آپ کو عطا کیا اور نبوت و دلائل کی عجیب خبریں عطا کیں، ان سب باتوں سے آپ کو عظمت عطا کرنے کی خبر بھی اسی لطیفہ سے حاصل ہوتی ہے۔

میں ان تمام باتوں کو بے دینوں کے خلاف دلائل قاہرہ اور موحدین کے لیے نفع بخش ذکر کے طور پر لایا ہوں، نیز یہ ہدایت یافتہ لوگوں کے مصمم ارادوں کو بیدار کرنے والی کتاب ہے۔

اللہ کی قسم! میں اس (تصنیف) کا اہل نہ تھا اور راستہ مشکل ہونے اور اس کی مشقت کے باعث میں سمجھتا تھا کہ میرے جیسا آدمی اس جگہ چل نہیں سکتا۔

لیکن اس کا نکتہ یہ ہے کہ میں روضہ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیان "ریاض الجنہ" میں کتاب الشفاء (حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف) لوگوں کے سامنے پڑھا کرتا تھا اور انوار تجلیات احمد کی جلوہ گاہوں میں آپ کی صفات خلقت کے محاسن اور عظمت اخلاق عالیہ کی تجلیات سے منور ہو رہا تھا اور آپ کی سیرت طیبہ کے سر(راز) کے ذریعے آپ کے طریقہ مبارکہ کے ارفع آسمان تک سیر کرتا تھا، نیز آپ کی سنت مطہرہ کے باغ سے لطف اندوز ہوتا تھا اور عطیہ خداوندی کے لیے دست سوال دراز کئے ہوئے تھا کہ اس کا جاری فیض حاصل ہو۔

تو اس عطیہ والے نے مجھے اپنے محفوظ حقائق سے عطیہ عطا فرمایا اور باریک اُمور جو پوشیدہ تھے، ان میں سے کچھ میرے لیے ظاہر کئے، تو فتح محمدی کے سبب بصیرتِ استبصار کی آنکھ کھل گئی اور دیکھنے والے نے اسرار و رموز کے باغ کی سیر کی، پس سنت نبویہ کے وہ اُمور جن کو کسی نے چھوا تک نہیں، میں نے ان کی ہر صورت کو معنی کی شکل میں ظاہر کیا اور میں نے معارف کے چراغ دان میں روشن چراغ سے ہر قسم کی روشنی حاصل کی اور ہر نکتہ صوفیہ کی خوشبو سونگھی، نیز کتاب عزیز قرآن پاک کی آیات کی عمدہ تاویل کی مختلف ٹہنیوں سے پھل چنے۔ میں صبح و شام اس عطیہ کے باغات میں رہا اور صبح و شام شراب طہور سے لطف اندوز ہوتا رہا، حتیٰ کہ معانی کے بادل ریاض مبانی (اصول) کی زمین پر اس زور سے برسے کہ اس کی کلیاں کھل اُٹھیں اور جواہر علوم کی نفاستوں سے اس کے اوراق مرصع ہوگئے اور اسرار حقائق کے پھل چننے کے لیے وہ عمدہ ہوگئے۔ عجائبات الفاظ کے حوض جامع کلمات کی مٹھاس کے ساتھ ابل پڑے، ابنائے عشق کے دلوں کے خطباء نے عشق کے مقدس منبر پر خطبہ دیا۔ وہ خطیب اس حبیب کے محاسن سے آواز دے رہا ہے جو شریف القدر ہے۔ تو شراب راحت کے جوہر سے نفیس ارواح جھومنے لگیں اور عشاق کے بزرگ لوگ طرب انگیز آواز سے محبوب کے جمال کی طرف مائل ہوئے اور خالص آواز والوں اہل وفا کے خلاصہ و منتخب لوگوں کی موجودگی میں یہ اشعار بار بار پڑھتے ہوئے آئے ۔

حضر الحبیب وغاب عنه رقیبه

حسبی نعیم زال عنه حسیبه

داوی فؤادی الوصل من ادوائه

طوبی لقلبی والحبیب طبیبہ
صدق المحب حبیبہ فی حبہ
فحباہ صدق الحب منہ حبیبہ
لباہ لب فؤادہ فاجابہ
لما دعاہ الی الغرام؛ وجیبہ
ولجامع الاھواء جیعل حبہ
ولحسنہ خطب القلوب خطیبہ

"حبیب آگیا اور اس سے رقیب غائب ہو گیا۔ مجھے وہ نعمت کافی ہے، جس کا حساب لینے والا چلا گیا"۔
"میرے دل کی بیماری کا علاج وصل سے کیا میرے دل کی خوشخبری ہو کہ حبیب اس کا طبیب ہے"۔
"محب نے محبوب کو محبت میں صادق پایا تو حبیب نے اسے اپنی سچی محبت عطا کی"۔
"محب کو اس کے دل نے بلایا تو اس نے کہا حاضر ہوں جبکہ اس نے عشق کی طرف بلایا"۔

خواہشات کے جامع کے لیے اس کی محبت کو دعوت دی گئی اور اس حسن کے خطیب نے دلوں کو نکاح کا پیغام دیا (یعنی اس حبیب کا حسن دلوں کے وصال کے لیے خود خطیب بن گیا)۔

جب عقلمند لوگوں کے دل کے کانوں نے ان عطیات کے بارے میں سنا تو ان میں سے خاص لوگوں کی آنکھیں ایسی کتاب میں اس خطاب کے خلاصہ جوہر کی تلخیص کی طرف متوجہ ہوئیں جو عطائے نبویہ کے چہرے سے رکاوٹ کے نقاب کو دور کر دے، پس میں نے ان کے مقاصد کے حصول اور ان کے مطالب لکھنے کے لیے قلم کی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں درستگی کی طرف مائل تھا اور جو کچھ مجھے غیب کی پوشیدگیوں سے عطا ہوا، میں اسے اس کتاب میں بطور امانت رکھنے لگا۔ میں نے اس سلسلے میں قوت والے اور عطا کرنے والے (اللہ) سے مدد طلب کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آسانی پیدا کر دی اور جو کچھ وہاں تھا، مکمل کر دیا، پس میں نے پوشیدہ دلیل کو واضح کیا اور راستے کی سختی کو آسان کر دیا۔

میں نے اس کتاب کا نام "المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ" رکھا نیز سالک و قاصد کے لیے آسان کرنے کی خاطر اسے ان مقاصد پر مرتب کیا:

پہلا مقصد

اللہ تعالیٰ کا ازل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت[1] کا شرف عطا فرمانا، اپنی مجلس انس

[1] حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبوت ایک ایسی صفت ہے جس سے نبی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی کے لیے چند امور خاص ہیں:
(ا) نبی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حقائق کا علم ہوتا ہے۔

(اگلے صفحہ پر جاری ہے......)

میں آپ کے منشور رسالت کو ظاہر کرنا' اپنی کرامت کو حظائر قدس (مقامات شرف) میں عنایت کی مہر ثبت کرنا' نسب شریف کی طہارت، حمل مبارک کے وقت ظاہر ہونے والی نشانیاں' ولادت، رضاعت، پرورش، حقائق بعثت وہجرت کی باریکیاں اور آپ کے غزوات و سرایا' وفود کا بھیجنا اور سیرت مبارکہ، یہ تمام باتیں پروان چڑھنے سے وصال مبارک تک' یہاں تک کہ آپ روضہ مطہرہ میں منتقل ہوئے' سالوں کی ترتیب سے ذکر کی گئی ہیں۔

دوسرا مقصد

اس مقصد میں آپ کے اسمائے شریفہ کا ذکر ہے جو آپ کے اخلاق عالیہ کی خبر دیتے ہیں' نیز آپ کی پاکیزہ اور قابل احترام اولاد' امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات' چچاؤں' پھوپھیوں' رضاعی بھائیوں' دادیوں' نانیوں' خدام' غلاموں' دربانوں کا ذکر اور وہ خطوط جو احکام و شرائع کے بارے میں اہل اسلام کو لکھے گئے' اور حکمرانوں کو لکھے گئے خطوط' آپ کے موذنین' خطباء' حدی خوانوں' شعراء' آلات جنگ' سواریوں اور حاضر خدمت ہونے والے وفود کا ذکر ہے اور اس میں دس فصلیں ہیں۔

تیسرا مقصد

اس مقصد میں آپ کے کمال خلقت' جمال صورت' عمدہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف جو بارگاہ خداوندی سے عطا ہوئے اور جس چیز کی طرف آپ کی حیاتِ طیبہ کو ضرورت ہے' کا بیان ہے اور اس مقصد کے تحت تین فصلیں ہیں۔

چوتھا مقصد

اس مقصد میں معجزات کا بیان ہے جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور صدق رسالت پر دلالت کرتے ہیں' نیز جو نشانیاں اور کرامات آپ کے ساتھ خاص ہیں' ان کا بیان ہے اور اس میں دو فصلیں ہیں۔

پانچواں مقصد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں مثلاً معراج شریف اور اسراء اور

(۲) نبی کے لیے نبوت ایک ایسی صفت ہے جس سے عادت کے خلاف کام پورے ہو جاتے ہیں جس طرح عام انسانوں کے لیے ان کے ارادے سے کوئی کام ہوتا ہے۔

(۳) نبی اور عام انسانوں میں اس طرح فرق ہے جس طرح دیکھنے والے اور اندھے میں فرق ہوتا ہے۔ نبی فرشتوں کو دیکھتا اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۴) نبی کو آئندہ پیش آنے والے (اور پوشیدہ) امور کا ادراک ہوتا ہے۔

جو آپ پر لطف عمیم ہوا کہ آپ قرب الٰہی میں مکالمے، مشاہدے اور آیاتِ کبریٰ (بڑی نشانیوں) کے ساتھ مشرف ہوئے، ان کا ذکر ہے۔

چھٹا مقصد

آیات قرآنیہ میں آپ کی قدر و منزلت کی عظمت، رفعت ذکر، صدق نبوت اور ثبوت بعثت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت، اللہ تعالیٰ کا آپ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا، منصب جلیل کی بلندی، آپ کی اطاعت اور اتباع سنت کا وجوب، اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل و کرم اور احسان سے انبیاء کرام سے عہد لینا کہ اگر وہ آپ کو پائیں تو آپ پر ضرور ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں، پہلی کتب یعنی تورات وانجیل میں اس بات کی شہادت کہ آپ صاحب رسالت اور بزرگی والے ہیں، ان تمام اُمور کو اس مقصد کے تحت بیان کیا گیا ہے اور اس میں دس فصلیں ہیں۔

ساتواں مقصد

اس مقصد کے تحت بیان کیا گیا کہ آپ سے محبت کرنا اور آپ کی سنت کی اتباع نیز آپ کی سیرت طیبہ اور طریقہ مبارکہ سے ہدایت حاصل کرنا واجب ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے آل و اصحاب، رشتہ داروں اور اولاد سے محبت کرنا فرض ہے، نیز آپ پر درود شریف اور سلام بھیجنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کے شرف و فضل کو بڑھایا، اس مقصد میں تین فصول ہیں۔

آٹھواں مقصد

مریضوں اور آفت زدہ لوگوں کے لیے (آپ کا بیان کردہ) علاج معالجہ، خوابوں کی تعبیر، آپ کا غیب کی خبریں دینا اس مقصد کے تحت بیان ہوا اور اس میں تین فصلیں ہیں۔

نواں مقصد

اس مقصد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق عبادات کی باریکیوں کا بیان ہوا اور اس کے تحت سات فصول ہیں۔

دسواں مقصد

اس مقصد میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال اور آپ کو اپنی طرف منتقل کرنے کے ذریعے آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔ آپ کی قبر شریف اور عالیشان مسجد کی زیارت، نیز آپ کو آخرت میں ایسے

فضائل سے فضیلت بخشا جن میں اولیت، جامعیت اور زیادہ تکریم ہے نیز بلند درجات عطا فرمانا۔ علاوہ ازیں انبیاء و مرسلین کی حاضری کے مقام میں آپ کو خصوصی قرب کے خصائص سے مشرف فرمانے، مقام محمود اور شفاعت کے ساتھ آپ کی تعریف، اولین و آخرین کے اجتماع میں آپ کی انفرادی قیادت، جنت عدن میں سعادت کے درجات کے ساتھ ترقی اور مزید عطا کے دن نیکی اور زائد انعام کے ساتھ آپ کو اعلیٰ سے اعلیٰ بلندیوں کی عطا کا ذکر ہے اور اس میں تین فصول ہیں۔

اور عزت و بزرگی والے اللہ تعالیٰ سے اس کی بزرگی اور اشرف نبی کے طفیل سوال ہے کہ وہ اس کتاب کی قبولیت اور اس کی طرف (لوگوں کی) توجہ کے ذریعے میری مدد فرمائے اور مجھے، اس کے لکھنے والے، پڑھنے اور سننے والے اور تمام مسلمانوں کو نبوی مہربانیوں میں سے باعث مسرت سوالوں کو پورا کرے اور انتہائی مراد عطا فرمائے۔ صراط مستقیم اسی کے ذمہ کرم پر ہے اور وہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشمولات مقصد اوّل

(۱) اللہ تعالیٰ کا آپ کو ازل میں اولیت نبوت سے سرفراز فرمانا اور اپنی مجلس موانست میں آپ کے منشور رسالت کو ظاہر کرنا اور حظائر قدس (مقاماتِ شرف) میں آپ کی کرامت پر مہر عنایت ثبت کرنا۔

(۲) آپ کے نسب پاک کی طہارت۔

(۳) حمل شریف اور ولادت مبارکہ کی عظیم نشانیوں کے دلائل۔

(۴) رضاعت اور پرورش۔

(۵) بعثت نبوی کے حقائق کی باریکیاں۔

(۶) ہجرت مبارکہ۔

(۷) معارف غزوات، سرایا (جن جنگوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے) اور وفود بھیجنے کے لطائف۔

(۸) سیرت نبوی

یہ سب باتیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز زندگی سے وصال شریف اور روضہ مطہرہ میں منتقلی تک سالوں کے حساب سے بالترتیب بیان ہوں گی۔

تمہیدی کلمات

اے عقل سلیم کے مالک اور کمال و تمام کے اوصاف سے متصف! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے (بھی) صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ جب حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کا رزق مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انوار صمدیہ سے حقیقت محمدیہ کو بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا، پھر اس (حقیقت محمدیہ) سے تمام عالموں کو وہ بلند تھے، یا پست، اپنے ازلی ارادے اور علم کے مطابق جیسے فیصلہ فرمایا، وجود میں لایا پھر آپ کو آپ کی نبوت کی خبر دی اور رسالت کی خوشخبری عطا فرمائی۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام آپ کے ارشاد کے مطابق روح اور جسم کے درمیان تھے۔

پھر اس سے ارواح کے چشمے پھوٹے تو ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) میں آپ کی حقیقت کا ظہور ہوا۔ یہ نہایت روشن منظر اور شیریں مقام ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جنسوں سے بلند جنس اور تمام موجودات اور انسانوں کے سب سے بڑے باپ ہیں۔

اور جب آپ کے حق میں اسم باطن کے ساتھ زمانہ آپ کے جسمانی وجود اور اس کے ساتھ روح کے تعلق تک پہنچا تو زمانے کا حکم اسم ظاہر کی طرف منتقل ہوا اور اب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر جسم اور روح کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے۔ اگرچہ آپ کا خمیر مبارک بعد میں بنا (جسمانی خمیر) لیکن آپ کی قدر و قیمت واضح ہوگئی، پس آپ خزانہ سرالٰہی ہیں اور نفاذ امر کا مقام ہیں یعنی ایسا مقام جہاں سے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر امر آپ سے نافذ ہوتا ہے اور ہر بھلائی آپ سے ہی منتقل ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

الا بابی من کان ملکا وسیدا
وآدم بین الماء والطین واقف

"سنو! میرا باپ اس ذات پر قربان ہو جو اس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھا جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور گارے کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے"۔

فذاك الرسول الابطحی محمد
له فی العلا مجد تلیدو طارف

"اور یہ ابطحی رسول[1] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلندی میں بزرگی کو پانے والے ہیں، وہ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ (لفظی معنی قدیم و حادث ہے)"۔

اتی بزمان السعد فی آخر المدی
وكان له فی كل عصر مواقف

"آپ سب سے آخری نبی بن کر تشریف لائے اور آپ کو ہر زمانے میں جانا جاتا تھا اور آپ کے

[1]: بطحاء مکہ مکرمہ کی طرف نسبت ہے۔

ہر زمانے میں احوال تھے''۔

اتی لانکسار الدھر یجبر صدعہ
فاثنت علیہ السن و عوارف

''آپ زمانے کی خرابی کو دور کرنے کے لیے تشریف لائے اور تمام زبانوں اور تمام اُمور معروفہ نے آپ کی تعریف کی''۔

اذا رام امرا لا یکون خلافہ
ولیس لذالک الامر فی الکون صارف

''آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی تھی اور زمانے میں اس امر کو رد کرنے والا کوئی نہیں''۔

نبوت میں سبقت

حضرت امام مسلم نے اپنی صحیح (صحیح مسلم) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصی (اور عاص بھی ہے لیکن اہل عرب کے نزدیک عاصی صحیح ہے) رضی اللہ عنہما سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم ج۲ص۳۳۵' باب حجاج آدم وموسیٰ' حدیث:۲۶۵۳)

اور جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا اس میں یہ بھی لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

انی عند اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ. بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس وقت بھی) آخری نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۴ص۱۲۷' مرویات عرباض بن ساریہ' شعب الایمان للبیہقی ج۲ص۱۳۲' فصل فی شرب اصلہ' المستدرک للحاکم ج۲ص۴۱۸' کتاب التفسیر)

اس حدیث کو (حضرت امام احمد بن حنبل کے علاوہ) حضرت امام بیہقی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا اور (امام حاکم نے) فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

لفظ (منجدل) کا معنی یہ ہے کہ روح پھونکنے سے پہلے آپ کا جسم اقدس زمین پر ڈالا گیا تھا۔

حضرت میسرہ ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: (اس وقت سے) جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۵ص۵۹' مرویات میسرۃ الفجر)

یہ مسند امام احمد بن حنبل کی روایت ہے' امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی اسے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

(تاریخ کبیر للبخاری ج۷ص۳۷۴' حلیۃ الاولیاء ج۹ص۵۳' مستدرک حاکم ج۲ص۶۰۹)

عام لوگوں کی زبان پر جو الفاظ مشہور ہیں یعنی:

کنت نبیا وادم بین الماء والطین. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام

پانی اور گارے کے درمیان تھے۔

تو اس روایت کے بارے میں ہمارے شیخ علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ ان کے علوم سے نفع عطا فرمائے، نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں فرمایا کہ ہمیں اس عبارت کے ساتھ یہ حدیث معلوم نہیں۔

(المقاصد الحسنہ ص ۳۲۷، حدیث: ۸۴۸)

حافظ ابن رجب نے "لطائف" میں فرمایا کہ بعض محدثین نے اس حدیث (حدیث میسرہ رضی اللہ عنہ) کو "کنت" کی بجائے "کتبت" کے الفاظ سے روایت کیا (یعنی آپ کب نبی لکھے گئے)۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۹)

میں (امام قسطلانی) کہتا ہوں کہ ہم نے ابو عمرو اسماعیل ابن نجید کی حدیث سے جزء میں اسی طرح روایت کیا۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں "متی کتبت نبیا" آپ کب سے نبی لکھے گئے؟ فرمایا:

کتبت نبیا وادم بین الروح والجسد۔

میں اس وقت نبی لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس روایت کو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ملا کر ہم آپ کی نبوت کا خارج میں وجوب یا ثبوت اور ظہور مراد لیتے ہیں کیونکہ کتب کا لفظ اس بات کے لیے استعمال ہوتا ہے جو واجب ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ: ۱۸۳)

تم پر روزے فرض کیے گئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ (المجادلہ: ۲۱)

میں نے لازم کر دیا کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ (لطائف المعارف، ص ۱۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اس حدیث کو حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، باب المناقب حدیث: ۳۶۸۸)

اور ہم نے ابو سہل قطان کے امالی کی ایک جزء سے نقل کیا۔ حضرت سہل بن صالح ہمدانی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آخر میں مبعوث ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مقدم کیسے ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب اولاد آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا تو پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں، کیوں نہیں! اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مقدم ہوئے جبکہ آپ کی بعثت آخر میں ہوئی۔

وجود سے پہلے نبوت سے موصوف

سوال: نبوت ایک وصف ہے اور وصف کے لیے موصوف کا موجود ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ وصف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد حاصل ہونا چاہیے تھا تو وجود مسعود اور رسالت سے پہلے آپ کیسے نبوت سے موصوف ہوئے؟

جواب: حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النفخ والتسویہ" میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے، نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر وارد ہونے والے (اسی قسم کے) اعتراض کا جواب بھی دیا ہے، آپ نے فرمایا:

کنت اول الانبیاء خلقا واخرھم بعثا۔ — میں تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلا اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔

(حضرت امام غزالی نے فرمایا:) یہاں خلق سے تقدیر مراد ہے ایجاد (وجود میں لانا) نہیں کیونکہ آپ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر سے پیدا ہونے سے پہلے بطور مخلوق (بشری حیثیت سے) موجود نہ تھے، (اگرچہ آپ کا نور سب سے پہلے تخلیق ہوا، ۱۲ ہزاروی) لیکن غایات (انتہائیں) و کمالات، تقدیر میں پہلے اور وجود میں بعد میں آتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ان (اہل عرب) کے اس قول کا یہی مطلب ہے، وہ کہتے ہیں:

اول الفکرۃ آخر العمل وآخر العمل اول الفکرۃ۔ — آغاز میں فکر آخر میں عمل کی شکل اختیار کرتا ہے اور عمل کی آخری صورت پہلے فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ انجینئر جو کسی مکان کا نقشہ بناتا ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہن میں مکان کی صورت آتی ہے لہٰذا وہ ایک مکمل مکان کا اندازہ لگالیتا ہے اور اس کا سب سے آخری عمل مکمل مکان ہوتا ہے تو مکمل مکان پہلے بطور تقدیر اور آخر میں وجود کے اعتبار سے اس کے سامنے آتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اینٹیں تیار کرنا، دیواریں بنانا اور شہتیر رکھنا ایک انتہا اور کمال کا وسیلہ ہے۔ اور یہی انتہا و کمال مکان ہے۔

پس یہی مکان انتہائے مقصود ہے اور اسی کے لیے آلات و اعمال کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "کنت نبیا" میں اسی مذکورہ بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقدیراً نبی تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد یہی تھا کہ آپ کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منظر عام پر لایا جائے اور آپ کو تدریجاً پاک بنایا جائے حتیٰ کہ آپ صفات کاملہ تک پہنچ جائیں۔

انہوں نے فرمایا: اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ گھر کے دو وجود ہوتے ہیں: ایک وجود انجینئر کے ذہن اور دماغ میں ہوتا ہے اور دوسرا وجود وہ ہے جو ذہن سے باہر گھر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وجود ذہنی، خارجی وجود کا سبب ہوتا ہے اور وہ لامحالہ پہلے ہوتا ہے۔ اسی طرح تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ پہلے تقدیر میں لائے اور پھر اس تقدیر کے مطابق اسے وجود عطا فرمائے۔ امام غزالی کا یہ قول

شیخ تقی الدین کے اس قول سے رد کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا تو آپ کے ارشاد گرامی "کنت نبیا" میں اسی روح شریف یا حقائق میں سے ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہوگا اور ہماری عقلیں حقائق کی معرفت سے قاصر ہیں۔ ان حقائق کو ان کا خالق جانتا ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے نور کے ذریعے مدد دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ان حقائق کو جس وقت چاہے جو چاہے عطا فرماتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہی یہ وصف (وصف نبوت) عطا فرمایا کہ اس نے اس حقیقت محمدیہ کو قبول نبوت کے لیے تیار کیا اور اسی وقت آپ کو عطا فرمایا' پس آپ نبی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا اور آپ کی رسالت کی خبر دی تاکہ فرشتوں اور ان کے علاوہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا اعزاز ہے۔

تو اس وقت بھی حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) موجود تھی' اگرچہ آپ کا جسم اقدس جو وصف نبوت سے موصوف ہے بعد میں وجود میں آیا۔ اور حقیقت محمدیہ اس وقت بھی ان اوصاف شریفہ سے موصوف تھی جو بارگاہ خداوندی سے آپ کو مرحمت ہوئے' البتہ بعثت و تبلیغ بعد میں وقوع پذیر ہوئی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور آپ کی ذات اور حقیقت مبارکہ کی اہلیت کی وجہ سے ہے' وہ فوری طور پر حاصل ہوا' اس میں کوئی تاخیر نہیں۔ آپ کو نبی بنانے اور کتاب' حکم اور نبوت عطا کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح مقدم ہے اور جو چیز بعد میں حاصل ہوئی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (جسمانی طور پر) ظہور ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ عنقریب آپ نبی ہوں گے' وہ اس مفہوم تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے موصوف ہونے سے یہ بات سمجھنا مناسب ہے کہ یہ بات آپ کے لیے اس وقت ثابت تھی اور اگر اس سے محض اس کے مستقبل میں ہونے کا علم مراد ہو تو آپ کی یہ خصوصیت نہ ہوگی کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر نبی کی نبوت کا اس وقت بھی علم تھا اور اس سے پہلے بھی۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس خصوصیت کا ہونا ضروری ہے اسی لیے آپ نے یہ خبر دی تاکہ امت کو علم ہو جائے اور انہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و منزلت کس قدر ہے۔

حضرت شعبی (ابو عمرو عامر بن شراحیل کوفی رحمہ اللہ) سے مروی ہے' ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے (اور) جب مجھ سے عہد لیا گیا۔ اس کو حضرت (ابو عبد اللہ محمد) ابن سعد رحمہ اللہ نے جابر جعفی (جابر بن

یزید بن حارث رحمہ اللہ) سے روایت کیا۔ ابن رجب نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول، ص ۱۴۸)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مبارک تیار کیا گیا تو اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال کر نبوت عطا کی گئی اور آپ سے عہد لیا گیا۔ پھر آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک کی طرف لوٹایا گیا۔ حتی کہ آپ اس وقت باہر تشریف لائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے تشریف لانے کے لیے مقدر فرمایا تھا۔ لہٰذا تخلیق کے اعتبار سے آپ سب سے اول ہیں۔

سوال: اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پہلے ہوئی ہے۔

جواب: یہ بات لازم نہیں آتی کیونکہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا جسم اقدس روح کے بغیر تھا (زندگی کی حالت نہ تھی) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ تھے جب آپ کو نکالا گیا اور آپ سے وعدہ لیا گیا لہٰذا آپ تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر ہیں۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو اس وقت نکالا گیا جب ان میں روح پھونکی جا چکی تھی۔ اکثر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں جب کہ یہاں بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے اس وقت نکالا گیا اور نبوت عطا کی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام کے جسم اقدس میں روح پھونکی نہیں گئی تھی۔

جواب: بعض علماء کرام نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے پہلے ہی باہر لایا گیا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تخلیق نوع انسانی کا مقصود ہے۔ یہی خلاصہ مخلوق اور عین نوعِ انسانی ہیں بلکہ نوع انسانی کے ہار کا وہ گراں موتی ہیں جو ہار کے درمیان ہوتا ہے اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اور گزشتہ احادیث اس بات کی صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

انبیاء کرام سے عہد لیا گیا

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد بھیجے گئے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جائے اور وہ (انبیاء کرام) زندہ ہوں تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ کی مدد کریں اور ہر نبی نے اپنی قوم (امت) یہ وعدہ لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے، عماد بن کثیر (اسماعیل بن عمر بن کثیر قیسی المعروف حافظ ابن کثیر) نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔[1]

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق فرمائی تو آپ کے نور کو حکم دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے انوار کی طرف دیکھے تو آپ کے نور میں سے نور نے ان کو یوں

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۳۹۳ تحت آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین (آخر تک) (کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ)

ڈھانپ لیا کہ اس کے سبب وہ بول پڑے: اے ہمارے رب! ہمارے نور کو کس نے ڈھانپ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (حضرت) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور ہے، اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو میں تمہیں نبی بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ پر اور آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم پر گواہ رہوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: ۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے پکا وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرنا۔

حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت شریفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ کے بلند مرتبہ کی تعظیم کو جس انداز میں بیان کیا گیا وہ پوشیدہ نہیں ہے اور اس میں یہ بات بھی ہے کہ اگر فرض کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے زمانے میں تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف بھیجے ہوئے ہوتے، پس آپ کی رسالت و نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب کے لیے عام ہے اور تمام انبیاء کرام اور ان کی امتیں آپ کی امت میں شامل ہیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی:

بعثت الی الناس کافۃ۔

مجھے تمام لوگوں کے لیے کفایت کرنے والا نبی بنا کر بھیجا گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵۹، صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸، کتاب التیمم)

صرف ان لوگوں سے خاص نہیں جو آپ کے زمانہ مبارکہ سے قیامت تک ہوں گے بلکہ پہلے والوں کو بھی شامل ہے اور اس سے اس حدیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد۔

میں نبی تھا اور ابھی حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس کے بعد حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے نبی ہیں، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اسی طرح دنیا میں شب معراج آپ نے سب کی امامت فرمائی اور اگر ایسا ہو جاتا کہ آپ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام میں سے کسی کے دور میں تشریف لاتے تو ان پر اور ان کی امتوں پر لازم ہوتا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی بات کا وعدہ لیا ہے۔

اس سلسلے میں مزید گفتگو چھٹے مقصد کے تحت آئے گی۔

آپ کا خمیر مبارک

عارف ربانی حضرت عبداللہ بن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "بھجۃ النفوس" میں اور ان سے پہلے ابن سبع رحمہ اللہ نے "شفاء الصدور" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ زمین کے دل اور اس کی رونق و نور سے مٹی لائیں۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ جزء اول ص ۳۴) حضرت جبریل علیہ السلام جنت الفردوس اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کے ہمراہ زمین پر اترے اور آپ کی قبر انور کے مقام سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ نہایت سفید روشن تھی ـــــ اسے جنت کی نہروں میں سے تسنیم کے پاک و صاف پانی میں گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہوگئی جس کی بہت بڑی شعاع تھی۔ پھر فرشتے اسے لے کر عرش اور کرسی کے گرد نیز آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور سمندروں میں لے کر گھومے، پس فرشتوں اور تمام مخلوق نے حضرت آدم علیہ السلام کی پہچان سے پہلے ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ۔ (فصلت: ۱۱)

تم دونوں آؤ، خوشی سے یا ناخوشی سے تو انہوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔

تو کعبہ شریف کے مقام اور جو اس کے برابر آسمان میں ہے، نے جواب دیا (یعنی قبول کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خمیر مبارک کا اصل زمین کی ناف (مرکز) سے ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: یہ اس بات کی خبر ہے کہ زمین سے صرف اسی جگہ نے جواب دیا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر (موتی) ہے اور مقام کعبہ سے ہی زمین کو پھیلایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل کائنات ہیں اور کائنات آپ کے تابع ہے۔ اور کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے امی کہتے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ ام القریٰ (تمام بستیوں کی اصل) ہے اور اس (مکہ مکرمہ) کا درہ (موتی یعنی محمد علیہ السلام) تمام مخلوق کی اصل ہے۔

سوال: انسان کی مٹی اسی جگہ کی ہوتی ہے جہاں اس کا مدفن ہوتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بھی مکہ مکرمہ میں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کا خمیر مبارک وہاں سے ہے۔

جواب: عوارف المعارف کے مصنف (علامہ عمر شہاب الدین بن محمد بن عمر سہروردی رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ ان کے عوارف سے ہمیں بھی فیض یاب فرمائے اور ان کی شفقت بھری توجہ کو ہماری طرف متوجہ فرمائے، اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ پانی جب موج میں آیا تو جھاگ کناروں کی طرف پھینکی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر پاک

مدینہ طیبہ کے اس مقام کے مقابل واقع ہوا جہاں آپ کی قبرانور ہے، پس آپ مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ آپ کا خمیر مکی ہے اور قبرانور مدینہ طیبہ میں ہے۔ (عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ باب اول ص ۴۶)

ابن طغربک (امام محدث سیف الدین ابی جعفر رحمہ اللہ) کی کتاب المولد الشریف (جس کا نام الدر النظیم فی مولد النبی الکریم) میں ہے:

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ یوں کہیں: یااللہ! تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے آدم! اپنا سر اٹھاؤ، انہوں نے سر اٹھایا تو عرش میں اور اس کے اردگرد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پوچھا یہ نور کیسا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اس نبی کا نور ہے جو تیری اولاد میں سے ہوگا اور اس کا نام آسمان میں احمد اور زمین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، اگر وہ نہ ہوتا تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ آسمان و زمین کو پیدا کرتا۔

اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امام حاکم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۵)

شاعر (صالح بن حسین) نے کیا خوب کہا۔

وکان لدی الفردوس فی زمن الرضی
واثواب شمل الانس محکمة السدی

"حضرت آدم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں فردوس کے قریب تھے، اُنس کی جمعیت کے کپڑے تانے میں مضبوط تھے"۔

یشاهد فی عدن ضیاء مشعشعا
یزید علی الانوار فی الضوء والهدی

"آپ جنت عدن میں ایسے نور کا مشاہدہ کر رہے تھے جو پھیلا ہوا تھا اور انوار متعارفہ سے زیادہ روشن اور ہدایت میں زائد تھا"۔

فقال الهی ما الضیاء الذی اری
جنود السماء تعشوا الیه ترددا

"پوچھا یااللہ! یہ میں کیا روشنی دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کے لشکر حیرانگی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں"۔

فقال نبی خیر وطئ الثری
وافضل من فی الخیر راح او اغتدی

"فرمایا: یہ وہ نبی ہیں جو نرم مٹی کو روندنے والوں میں سے بہتر ہیں اور صبح و شام نیکی میں گزارنے

والوں سے بھی افضل ہیں"۔

تخیرته من قبل خلقك سيدا
والبسته قبل النبيين سؤددا

"میں نے آپ کو پیدا کرنے سے پہلے ان کو سرداری کے لیے منتخب کیا اور انبیاء کرام سے پہلے ان کو سرداری کا لباس پہنایا"۔

سوال: اشاعرہ (اہلسنت و جماعت کا وہ طبقہ وہ حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے اقوال پر عمل پیرا ہے) کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کی کوئی غرض نہیں ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا باعث کیسے بنی؟

جواب: دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض افعال کی علت حکمتوں اور مصالح کو قرار دیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے افعال کی غایت اور منافع ہیں تو ان کے اقدام کا ایسا باعث اور علتیں نہیں ہیں جو ان کو عمل میں لانے کی مقتضی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ بات محال ہے اس لیے کہ اس طرح یہ افعال اس کے غیر کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس بات پر نصوص قرآنی شاہد ہیں' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (معرفت) کے لیے پیدا کیا۔

ان کی تخلیق کو عبادت کے ساتھ ملایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو پیدا کیا اور ان پر عبادت فرض کی۔ پس تعلیل لفظی ہے' حقیقی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ منافع سے بے نیاز ہے' پس اس کا فعل کسی منفعت کی خاطر نہیں ہوتا جو اس کی طرف یا کسی اور کی طرف لوٹے' کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ عمل کے واسطے کے بغیر دوسروں تک منفعت پہنچائے۔

سب سے پہلی مخلوق

حضرت عبدالرزاق (بن ہمام بن نافع حمیری رحمہ اللہ) نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا' پھر قدرت (خداوندی) سے وہ نور چکر کاٹنے لگا جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اس وقت لوح و قلم' جنت و دوزخ' فرشتے' آسمان' زمین' سورج' چاند' جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا: پہلے جز سے قلم کو' دوسرے حصے سے لوح کو اور تیسرے سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے حصے کو چار اجزاء کو تقسیم فرمایا: پہلے جز سے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو پیدا فرمایا' دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتوں کو پیدا فرمایا' پھر

چوتھے جز کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا: تو پہلے جز سے آسمانوں کو، دوسرے سے زمینوں کو اور تیسرے سے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا، اور چوتھے جز کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا: پہلے جز سے مومنوں کی آنکھوں کا نور پیدا فرمایا، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور تیسرے سے ان کے مانوس ہونے کا نور پیدا کیا اور وہ توحید ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(مصنف عبد الرزاق بحوالہ الدر المنظیم فی بیان حکم مولد النبی الکریم، ص ۱۸)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا نور محمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے بعد سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا؟

حضرت ابو یعلی ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ عرش قلم سے پہلے ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قدر اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مقرر فرمائی اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۲۳، کتاب القدر باب حجاج آدم و موسیٰ علیہ السلام، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۶۹)

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ تقدیر، عرش کو پیدا کرنے کے بعد واقع ہوئی اور تقدیر اس وقت مقرر ہوئی جب قلم کو پیدا کیا کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اول ما خلق اللہ القلم قال اکتب قال رب وما اکتب قال اکتب مقادیر کل شئی۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۰، کتاب السنہ)

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا تو فرمایا: لکھ۔ اس نے پوچھا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔

اس حدیث کو حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

(مسند امام احمد جلد ۵ ص ۳۱۷، مرویات)

ان دونوں نے ابو رزین عقیلی کی روایت سے بھی مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الماء خلق قبل العرش۔

بے شک پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا۔

(مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۱-۱۲، جامع ترمذی جلد ۳ ص ۱۳۸، ابواب التفسیر، تفسیر سورہ ہود)

اور امام سدی (اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی الکبیر رحمہ اللہ) نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی چیز کو پانی سے پہلے پیدا نہیں کیا۔

روایات میں تطبیق

اس روایت اور پہلی روایات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ قلم کی اولیت نور نبوی محمدی، پانی اور عرش کے علاوہ (مخلوقات) کی نسبت سے ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر ایک کی اوّلیت اس کی جنس کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہے یعنی انوار میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور (نور محمدی) کو پیدا فرمایا، اسی طرح دوسری اشیاء بھی اپنی اپنی ہم جنس کے حوالے سے پہلے مخلوق ہوئیں۔ "احکام ابن قطان" میں ابن مرزوق کی روایت سے ہے وہ حضرت علی بن حسین (حضرت امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ ان کے دادا (اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعة عشر الف عام۔

میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں نور کی حالت میں تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو یہ نور آپ کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ آپ کی پیشانی میں چمکتا تھا، چنانچہ وہ تمام انوار پر غالب آگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے تخت مملکت پر بلندی عطا فرمائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے اپنے پروں پر اٹھا کر تمام آسمانوں میں پھرائیں تاکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عظیم بادشاہی کے عجائب دیکھیں۔

تخلیق آدم اور ان کو سجدہ

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: روح، حضرت آدم علیہ السلام کے سر انور میں (دنیوی سالوں کے حساب سے) ایک سو سال رہی۔ آپ کے سینے میں ایک سو سال اور پنڈلیوں اور پاؤں میں ایک سو سال رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے اور اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں، پس انہوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ذلیل و رسوا کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرایا گیا تھا۔ یہ عبادت کا سجدہ نہ تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو تعظیمی سجدہ کیا تھا۔[1]

پس حقیقت میں مسجود اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات تھی اور حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سجدہ کیا، پھر حضرت میکائیل علیہ السلام، ان کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام،

---

[1] ہماری شریعت (شریعت محمدیہ) میں مخلوق کے لیے کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ کسی کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک ہے اور اس کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنا گمراہی ہے، ۱۲ ہزاروی۔

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے بعد تمام مقرب فرشتوں نے سجدہ کیا۔
حضرت ابوالحسن نقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ فرماتے ہیں: اسی لیے ان کو لوح محفوظ کی تولیت کی صورت میں اجر ملا۔ (کہ آپ لوح محفوظ سے آگاہ ہیں اور اس میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، وہاں کی باتیں فرشتوں کی طرف منتقل کرتے ہیں..... زرقانی شرح المواہب)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ سجدہ جمعہ کے دن زوال سے عصر کے درمیان ہوا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ کے طور پر ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ اس وقت آپ سو رہے تھے، ان کا نام حوا اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک زندہ انسان سے پیدا کی گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت حوا علیہا السلام کو دیکھ کر ان سے اطمینان حاصل کرنا اور ان کی طرف مائل ہونا چاہا تو فرشتوں نے کہا: اے آدم! ٹھہر جائیے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مہر ادا کرنے سے پہلے آپ ان کے قریب نہیں جاسکتے۔ پوچھا: ان کا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: تین مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجیں۔
ابن جوزی نے اپنی کتاب "سلوۃ الاحزان" میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے قرب کا ارادہ کیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے ان سے مہر طلب کیا (کیونکہ وہ فرشتوں سے مہر کا ذکر سن چکی تھیں) حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اسے کیا دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میرے محبوب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیس مرتبہ درود بھیجیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

درخت سے کھانا

پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام) کے لیے جنت کی نعمتوں کو مباح اور جائز قرار دیا لیکن گندم کے درخت کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔ کہا گیا ہے کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا۔ ابلیس نے ان دونوں سے حسد کیا تو سب سے پہلے حسد اور تکبر کرنے والا ابلیس ہے۔ وہ جنت کے دروازے تک آیا اور کسی حیلے سے جنت کے اندر داخل ہوگیا پھر وہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے پاس آیا[1] وہاں کھڑا ہو کر اس طرح رویا پیٹا کہ ان دونوں کو بھی غمگین کرگیا تو سب سے پہلے نوحہ کرنے والا شیطان تھا۔ انہوں نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: تم دونوں کی وجہ سے رو رہا ہوں، تم مرجاؤ گے اور

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: شیطان سانپ کے منہ میں تھا اور باجوں کے ساتھ گا رہا تھا۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے سنا تو خیال کیا کہ سانپ ہی گا رہا ہے۔ ابلیس نے کہا: آگے آؤ۔ انہوں نے جواب دیا: ہمیں ہمارے رب نے اس درخت کے قریب جانے سے روک دیا۔ اس پر وہ رویا۔ (زرقانی شرح المواہب اللدنیہ ص ۶۴)

ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ کیا میں تمہیں ایسا درخت نہ بتاؤں جو دائمی زندگی کا باعث ہے، تم دونوں اس سے کھاؤ۔ اس نے ان کے سامنے قسم بھی کھائی کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے تو سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا بھی وہی ہے اور اسی نے سب سے پہلے دھوکہ بازی کی۔

حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اس کی تعریف کی حتیٰ کہ انہوں نے بھی کھایا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی جھوٹی قسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جرأت نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! جنت کی جو نعمتیں میں نے آپ لوگوں کے لیے مباح کی تھیں، کیا اس درخت کے مقابلے میں وہ آپ کو کافی نہیں تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں، میرے رب! تیری عزت کی قسم! کافی تھیں لیکن میں نے خیال کیا کہ کوئی بھی تیرے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت و جلال کی قسم! میں آپ کو زمین کی طرف اتاروں گا اور آپ کی زندگی مشقت بھری ہوگی، پس آپ کو جنت سے اتارا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا: حوا نے میرے سامنے اس کی تحسین کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اسے اس کی یہ سزا دوں گا کہ اس (عورت) کا حمل بھی مشقت سے ہوگا اور بچے کی ولادت بھی مشقت سے ہوگی اور میں اس (عورت) کو مہینے میں دو مرتبہ خون (حیض) میں مبتلا کروں گا۔ (یہ مطلب نہیں کہ اسے مہینے میں دو مرتبہ حیض آئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے یا وہ اس کی مستحق ہے، ۱۲ زرقانی شرح مواہب)۔[1]

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف اتارا گیا تو آپ تین سو سال تک روتے رہے اور آپ کے آنسو خشک نہیں ہوتے تھے۔ مسعودی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود) کہتے ہیں: اگر تمام زمین والوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے وہ آنسو زیادہ ہوں گے جو جنت سے باہر تشریف لاتے وقت آپ کی آنکھوں سے جاری ہوئے۔

حضرت مجاہد (بن جبیر مخزومی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک روتے رہے۔ آپ نے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آنسوؤں کے ذریعے تر لکڑی، زنجبیل (سونٹھ) صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حوا علیہا السلام بھی روتی رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آنسوؤں سے لونگ اور خوشبو پیدا فرمائی۔

---

[1] حاکم اور ابن منذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حیض کی ابتدا حضرت حوا سے ہوئی جب وہ زمین پر اتاری گئیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کے مرد و عورتیں اکٹھے نماز پڑھتے تھے تو عورتیں بن سنور کر جاتیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر کے مسجد میں جانے سے روک دیا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر کیا۔ احادیث کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حیض تو پہلے سے تھا لیکن بنی اسرائیل کی عورتوں کو سزا کے طور پر اس میں زیادہ مبتلا کیا۔ (زرقانی جلد اول ص ۶۶)

وعظ و نصیحت

اے انسان! دیکھو تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام ایک عمل پر کس طرح تین سو سال تک روتے رہے تو اے کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگو! تمہارا کیا حال ہے؟ اے عقلمندو! عبرت حاصل کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام جب بھی فرشتوں کو اوپر جاتے اور اترتے ہوئے دیکھتے تو اپنے وطن اصلی کا شوق بڑھ جاتا اور وہ مقام اور پڑوسی (فرشتے) یاد آ جاتے۔ اے گناہ گارو! اس لغزش سے بچو جب محبوب اپنے محب سے کہے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان فراق ہے۔ اے سلیم العقل انسان! دیکھو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کس طرح تخت مملکت پر بیٹھے پھر انہوں نے ایک لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھایا جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ان کو جنت سے باہر آنا پڑا، تو اے ان کی اولاد! گناہوں کے انجام سے بچو کیونکہ اسی کے باعث ان کے مقام میں فرق پڑا اور وہ اپنے مرتبہ سے نیچے آئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش گناہ کبیرہ تھی یا صغیرہ؟

سوال: جس عمل کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنا پڑا۔ اگر وہ گناہ کبیرہ تھا تو انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب صحیح نہیں اور اگر وہ صغیرہ تھا تو اس کے سبب یہ سارا عمل کیوں ہوا کہ لباس اتر گیا اور آپ کو جنت سے اترنے کا حکم دیا، وغیرہ وغیرہ؟

جواب: علامہ جار اللہ زمخشری (صاحب کشاف) نے جواب دیا کہ یہ صغیرہ گناہ تھا جو آپ کے قلبی اعمال یعنی اخلاق اور اذکار و افکار سے ڈھانپا ہوا تھا اور یہ قلبی اعمال بہت بڑی عبادات اور عظیم تر عمل ہیں (اور جب صغیرہ گناہ عبادات کے پردے میں ہو تو اس پر گرفت نہیں ہوتی) اور آپ کو جو کچھ حکم ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے گناہ کی خرابی کو ظاہر کیا جائے اور خوف دلایا جائے اور یہ بات آپ اور آپ کی اولاد پر لطف و کرم کا باعث تھی، تاکہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں۔[1] (تفسیر کشاف جلد اول ص ۲۷۵)

نزول آدم علیہ السلام کی حکمت

اے مخاطب! دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر آنے میں کس قدر لطف و کرم اور حکمت خداوندی ہے۔ اگر آپ کا نزول نہ ہوتا تو مجاہدین کا جہاد اور مجتہدین کا اجتہاد ظاہر نہ ہوتا، توبہ کرنے والوں کی سانسوں کی آوازیں اوپر نہ جاتیں اور گناہ گاروں کے آنسوؤں کے قطرے نہ اترتے۔ اے آدم علیہ السلام! اگرچہ

[1] امام قرطبی فرماتے ہیں: انبیاء کرام سے گناہ صغیرہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے لیکن بھول کر ہوتا ہے۔ ہاں جو گناہ صغیرہ ہلکے پن کو ظاہر کرے جیسے ایک لقمہ چوری کرنا تو یہ ان سے صادر نہیں ہوتا لیکن جمہور فقہاء مالکی، حنفی، شافعی کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام تمام صغیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی، وہ بے شمار فوائد کا باعث بنی جو آپ کو اور آپ کی اولاد کو حاصل ہوئے۔ (زرقانی جلد اول ص ۶۸)

آپ کو دارِ قرب سے اتارا گیا لیکن میں (خداوند تعالیٰ) قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ اگر جنت سے باہر تشریف لانے کی وجہ سے آپ کا دل ٹوٹا ہے تو میں ان لوگوں کے قریب ہوں جن کے دل میرے لیے ٹوٹتے ہیں۔ اگر آپ سے آسمانی تسبیح کرنے والوں کی آوازیں منقطع ہوگئی ہیں تو میں نے اس کے عوض زمین میں گناہ گاروں کا رونا عطا کیا ہے، گناہ گاروں کا رونا مجھے ان کی تسبیح سے زیادہ پسند ہے۔ تسبیح کرنے والوں کی آوازوں میں بعض اوقات فخر اور تکبر آجاتا ہے، لیکن گنہگاروں کے رونے کو انکساری اور عاجزی زینت بخشتی ہے۔ (حدیث شریف میں ہے)۔

لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذنبون ثم یستغفرون فیغفرلھم۔[1]

اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم کو لائے گا جن سے گناہوں کا ارتکاب ہوگا پھر وہ بخشش طلب کریں گے اور ان کو بخش دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵، کتاب التوبہ، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۹، مرویات)

وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ بندے پر لطف و کرم کرے تو اس کی آزمائشوں کو عطیات میں بدل دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہے تو اس کی بہت محنت بھی اسے فائدہ نہیں دیتی اور یہ اس کے لیے وبال بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی دلیل سکھائی[2] اور ان کو وہ بات القاء کی جو ان کی قبولیت توبہ کا باعث بنی۔

اور شیطان لعین کو ایک طویل عرصہ تک عبادت کرنے کے باوجود اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اس کا عمل بکھری ہوئی گرد و غبار بن گیا۔ ارشاد فرمایا: یہاں سے نکل جا (کیونکہ)

فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ○ وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔ (الحجر: ۳۴-۳۵)

یہاں سے (جنت سے) نکل جا، پس بیشک تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے عدل فرماتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہتی اور جب اس کے لیے اپنے فضل کو بچھا دیتا ہے تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

---

[1] اس حدیث شریف میں گناہ کی ترغیب نہیں بلکہ طلب مغفرت کی ترغیب دی گئی اور یہ بات واضح ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اسے بخشش طلب کرنا چاہیے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ طلب مغفرت کے لیے قصداً گناہ کا مرتکب ہوا۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] دلیل یہ سکھائی کہ انہوں نے عرض کیا: میرا خیال نہیں تھا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اور قبولیت توبہ کے لیے ان کو "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔" پڑھنا سکھایا یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (زرقانی جلد اول ص ۷۰)

دیکھو جب مخلوق پر حضرت آدم علیہ السلام کے وہ فضائل ظاہر ہوئے جو علم کی وجہ سے ان کو ملے اور علم، عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور جنت عمل اور مجاہدہ کی جگہ نہیں ہے، وہ تو نعمتوں اور مشاہدہ کی جگہ ہے تو ان سے کہا گیا: اے آدم علیہ السلام! مجاہدے کی زمین پر اتریں اور خواہشات کے لشکروں کے مقابلے میں خوب کوشش کے ساتھ صبر کریں تو گویا آپ گزشتہ زندگی (جنت والی زندگی) میں ہوں گے اور پہلے سے زیادہ کامل نعمتوں کی طرف لوٹیں گے۔

جب ابلیس لعین نے حسد کیا تو آپ کو اذیت پہنچانے کی کوشش کی حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کا سبب بنا اور اس بیوقوف کو سمجھ نہ آئی کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے تشریف لے جائیں گے تو ان کے فضائل بڑھ جائیں گے اور پھر آپ پہلی حالت سے زیادہ کامل حالت میں واپس تشریف لائیں گے۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں جنت میں ہی بخش دیتا تو میرا کرم ظاہر نہ ہوتا کیونکہ اس طرح میں ایک شخص کو بخشتا بلکہ میں ان کو دنیا کی طرف لے جاؤں گا اور وہ (قیامت کے دن) ہزاروں لوگوں کو لے کر آئیں حتیٰ کہ میں ان (حضرت آدم علیہ السلام) کو بھی بخش دوں گا اور ان لوگوں کو بھی تاکہ میرا جود و کرم ظاہر ہو، نیز اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کی پشت میں اولاد ہے اور جنت پیدائش کی جگہ نہیں ہے اور یہ بھی مقصد تھا کہ جن لوگوں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں، ان کو دنیا میں ہی ان کی پیٹھ سے نکال دے۔

اے مخاطب! انشاء اللہ جنت ہمیں دی جائے گی اور اس عطیہ کی خبر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ چکی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (البقرہ: ۲۵)	اور آپ ان لوگوں کو خوشخبری دیجئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے کہ بے شک ان کے لیے باغات (جنت) ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کس جنت میں تھے؟

اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس جنت میں ٹھہرے تھے۔ کہا گیا ہے کہ آپ "جنت الخلد" میں ٹھہرے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ کسی جنت میں ٹھہرے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے امتحان گاہ بنایا تھا کیونکہ جنت خلد میں داخلہ قیامت کے دن ہوگا نیز یہ جزا اور ثواب کا گھر ہے۔ تکلیف امر اور نہی کا گھر نہیں ہے، سلامتی کا گھر ہے ابتلاء و امتحان کا گھر نہیں ہے۔ ٹھہرنے کا گھر ہے، منتقلی کا گھر نہیں ہے۔

جو حضرات جنت الخلد کا قول کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عارضی داخلہ تھا جو قیامت سے پہلے واقع ہوا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معراج کی رات جنت الخلد میں تشریف لے گئے۔ جہاں تک ان

مذکورہ باتوں کا تعلق ہے کہ جو کچھ حضرت آدم علیہ السلام کو پہنچا وہ جنت الخلد میں نہیں ہوتا تو یہ اس وقت کی بات ہے جب قیامت کے دن مومن وہاں جائیں گے جس طرح تمام آیات کا سیاق و سباق اس بات پر دلالت کرتا ہے تو ان باتوں کی نفی مومنوں کے وہاں داخل ہونے سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔[1]

حضرت آدم علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا

روایات میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے تو آپ نے عرش کے پایوں اور جنت کے ہر مقام پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا ہوا دیکھا۔ عرض کیا: اے میرے رب! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کا وہ بیٹا ہے کہ اگر اسے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا۔ انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! اس بیٹے کے صدقے اس باپ پر رحم فرما۔ پس آواز دی گئی:

اے آدم! اگر آپ تمام آسمانوں اور زمین والوں کے حق میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تو ہم آپ کے اس توسل کو قبول کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا، ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے میرے رب! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ جس ذات کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے، وہ تجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بے شک وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جب تو نے اس کے توسل اور واسطے سے سوال کیا ہے تو میں نے تجھے بخش دیا اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا ——— اس حدیث کو امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس میں حضرت عبدالرحمن منفرد (اکیلے) ہیں۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔ امام طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ "وہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں"۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ ص ۴۸۹، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۵، تاریخ دمشق ابن عساکر جلد ۲ ص ۳۶۰)

---

[1] ابن بطال نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ اہلسنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ جنت الخلد میں ہی سکونت پذیر رہے، کیونکہ "یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ" میں الجنت پر الف لام عہد کا ہے اور جنت الخلد ہی معروف و مشہور ہے "اور یہ جو فرمایا کہ آپ وہاں بھوکے ننگے نہ ہوں گے تو یہ اسی جنت کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن عساکر (حافظ ابوالقاسم علی بن حسین بن ہبۃ اللہ دمشقی شافعی) نے نقل کی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے۔ میری مخلوق میں کوئی بھی میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزت والا نہیں۔ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لیے پیدا کیا کہ ان کو آپ کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مقام ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۱۳۶)

عارف کبیر ابوالحسن علی شاذلی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے، وہ اپنے قصیدے کے شروع میں لکھتے ہیں:

سکن الفواد فعش ھنیئا یا جسد — ھذا النعیم ھو المقیم الی الابد
روح الوجود حیاۃ من ھو واجد — لولاہ ما تم الوجود لمن وجد
عیسی و آدم والصدور جمیعھم — ھم اعین ھو نورھا لما ورد
لو ابصر الشیطان طلعۃ نورہ — فی وجہ آدم کان اول من سجد
او لو رای النمرود نور جمالہ — عبد الجلیل مع الخلیل ولا عند
لکن جمال اللہ جل فلا یری — الا بتخصیص من اللہ الصمد

"دل ٹھہر گیا پس اے جسم تو زندہ رہ، تجھے مبارک ہو یہ نعمت ہی دائمی باقی رہنے والی ہے"۔

"وجود کی روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حیات ہیں جو ان کو پائے، اگر آپ نہ ہوتے تو کسی صاحب وجود کا وجود مکمل نہ ہوتا"۔

"حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام اور تمام بڑی بڑی شخصیات آنکھیں ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نور ہیں جیسا کہ آیا ہے"۔

"اگر شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے میں آپ کے نور کو دیکھ لیتا تو وہی سب سے پہلے سجدہ کرتا"۔

"اور اگر نمرود آپ کے نور جمال کو دیکھتا تو خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ مل کر رب جلیل کی عبادت کرتا اور دشمنی نہ کرتا"۔

"لیکن اللہ تعالیٰ کا جمال تو بلند و بالا ہے، اسے وہی دیکھتا ہے جسے اللہ بے نیاز اس مقصد کے لیے خاص کرتا ہے"۔

نسب شریف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا دورِ جاہلیت کی خرابیوں سے پاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان سے سکون حاصل کریں جب آپ ان سے یکجا ہوئے تو ان کی برکات حضرت حوا علیہا السلام کو حاصل ہو گئیں تو ان بہترین سالوں میں (جو تقریباً نو سو یا آٹھ سو اسی سال تھے... زرقانی) حضرت حوا کے ہاں بیس مرتبہ کے حمل نے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ حضرت شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام اس ذات کی وجہ سے عطا فرمایا جن کے سعد کو نبوت کی اطلاع دی۔ (اور وہ سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو انھوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو اپنی اولاد پر وصی مقرر فرمایا، پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے (انوش) کو وہی وصیت کی جو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمائی تھی کہ اس نور (نور محمدی) کو پاکیزہ عورتوں کی طرف منتقل کریں اور یہ وصیت مسلسل جاری رہی، ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی رہی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نور حضرت عبدالمطلب اور (ان کے بعد) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی خرابیوں (اور زناکاریوں) سے محفوظ رکھا جیسا کہ صحیح اور حسن روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وماولدنی من سفاح الجاھلیۃ شئی ماولدنی الانکاح الاسلام۔

میری ولادت میں دورِ جاہلیت کی زناکاری کا کوئی دخل نہیں، میری ولادت اسلام کے طریقہ نکاح کی مطابق ہوئی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۱۹۰، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۴، الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۹۴)

السفاح (سین کے کسرہ یعنی زیر سے) زنا کو کہتے ہیں اور یہاں مراد یہ ہے کہ ایک عورت کسی شخص سے ایک مدت تک ناجائز تعلقات قائم رکھتی پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لیتی۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو مائیں (دادیاں نانیاں وغیرہ سب مراد ہیں) لکھی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں دورِ جاہلیت کا زنا یا کوئی دوسرا طریقہ نہیں پایا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۶۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن ادم الی ان ولدنی ابی وامی لم یصبنی من نکاح الجاھلیۃ شئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۷۴)

میں نکاح کی صورت میں آیا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے میرے ماں باپ تک کہیں زنا نہیں اور نہ ہی جاہلیت کے نکاح کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔

امام طبرانی نے اسے معجم اوسط میں ذکر کیا۔ (طبرانی اوسط جلد ۵ ص ۳۶۶) ابو نعیم اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۱۹۰)

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میرے ماں باپ کبھی بھی جاہلیت کے طریقے پر ایک دوسرے سے نہیں ملے (اور) اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل فرمایا جو صاف ستھرے اور مہذب تھے۔ جب بھی دو شاخیں بنیں، میں ان میں سے سب سے بہتر شاخ میں ہوا۔ (دلائل النبوۃ جز اول ص ۱۱)

انہی سے مروی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ۔ (الشعراء: ۲۱۹)

اور آپ کا سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہونا۔

اس آیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں یعنی نبی سے نبی کی طرف منتقل کیا حتیٰ کہ آپ کو نبی کی صورت میں لایا گیا...
(اسے امام بزار نے مسند بزار میں روایت کیا)۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۱۰)

انہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے، فرمایا:
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں سے منتقل ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی والدہ مطہرہ نے آپ کو جنم دیا۔ اسے ابو نعیم نے روایت کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۲) آیت کریمہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہی میں سے تشریف لائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں: جاہلیت کی ولادت آپ تک نہیں پہنچی نیز فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نکاح سے پیدا ہوا، سفاح (جاہلیت کے طریقہ زنا) سے نہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (مندرجہ بالا) آیت تلاوت فرمائی اور اس "انفسکم" میں فاء پر فتحہ (زبر) پڑھی اور فرمایا:

انا انفسکم نسبا وصھرا وحسبا لیس فی ابائی من لدن آدم سفاح کلھا نکاح۔

میں، نسبی طور پر سسرالی رشتہ سے اور حسب کے اعتبار سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔ میرے آباء و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے (اب تک) کہیں

بھی زنا نہیں، سب نکاح سے پیدا ہوئے۔

اس حدیث کو ابن مردویہ (حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ مردویہ اصبہانی) نے ذکر کیا ہے۔ ابو نعیم کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نقل کرتی ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو چھان مارا، پس مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی بھی دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی بنو ہاشم سے افضل کسی کی اولاد کو دیکھا۔ امام طبرانی نے اسے اوسط میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس متن کے صفحات پر صحت کی چمک ظاہر ہے۔
(یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

بہترین زمانہ اور بہترین گھرانہ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى كنت من القرن الذى كنت منه۔

میں اولاد آدم کے سب سے بہترین زمانے میں مبعوث ہوتا رہا حتیٰ کہ میرا یہ زمانہ آیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب)

صحیح مسلم میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ سے قریش کو منتخب کیا، قریش سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۵ کتاب الفضائل، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، ابواب المناقب)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله خلق الخلق فجعلني في خير فرقهم وخير الفريقين ثم تخير القبائل فجعلني في خير القبيلة ثم تخير البيوت فجعلني في خير بيوتهم فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین گروہ میں رکھا اور دو گروہوں میں سے بہتر قبیلے میں رکھا پھر گھروں کو شرافت میں منتخب کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا پس میں ذات اور گھر کے اعتبار سے سب بہتر ہوں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، ابواب المناقب، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۷۰)

امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے۔
امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله اختار خلقه فاختار منهم بني ادم ثم اختار بني آدم فاختار منهم العرب ثم اختيارني من العرب فلم ازل خيارا من خيار الا من احب العرب فبحبي احبهم ومن ابغض العرب فببغضي ابغضهم۔
(مستدرک حاکم جلد اول ص ۷۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں انتخاب فرمایا تو ان میں سے انسانوں کو چنا، پھر انسانوں میں سے انتخاب فرمایا تو ان میں سے اہل عرب کو مختار بنایا پھر اہل عرب میں سے مجھے منتخب کیا۔ پس میں ہمیشہ لوگوں میں سے بھی بہتر رہا۔ سنو! جو شخص اہل عرب سے محبت کرتا ہے تو وہ میری محبت میں ایسا کرتا ہے اور جو اہل عرب سے نفرت کرتا ہے تو اس کا باعث مجھ سے بغض رکھنا ہے۔

اکلوتے صاحبزادے (صلی اللہ علیہ وسلم)

جان لو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ولادت میں کسی بھائی اور بہن کو شریک نہیں کیا گیا تاکہ آپ کے والدین کریمین کا انتخاب آپ پر مکمل ہو اور ان کا نسب بھی آپ کے ساتھ خاص ہو اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نسب کے ساتھ مختص ہو جائیں جو نبوت کی انتہا اور شرف و بزرگی کی تکمیل ہے۔
اب جب تمہیں آپ کے نسب شریف کا حال معلوم ہو جائے گا اور تم آپ کی ولادت مبارکہ کی طہارت کو جان لوگے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معزز آباء و اجداد کا خلاصہ ہیں۔
آپ عربی، ابی (تمام مخلوق کی اصل) ابطحی (وادی بطحاء مکہ سے تعلق رکھنے والے) حرمی (حرم والے) ہاشمی اور قریشی ہیں۔ بنو ہاشم کا انتخاب ہیں۔ عرب کے بہترین قبیلوں میں سے منتخب و مختار اور سب سے اعلیٰ نسب والے ہیں اور آپ کا حسب مضبوط ہے۔ آپ عمدہ خوشبو والے ہیں اور آپ کی اصل نہایت پاک اور معزز ہے۔ زبان میں حد درجہ فصاحت، بیان نہایت واضح، میزان اعمال جھکا ہوا (وزنی)، ایمان سب سے زیادہ صحیح، مددگاروں کے اعتبار سے بہت غالب، ماں باپ کی طرف سے سب اچھے گروہ والے اور اپنے شہر مقدس (مکہ مکرمہ) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ہاں سب سے معزز ہیں۔

سلسلۂ نسب شریف

آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ذبیح کہلاتے ہیں۔ (آپ کے بدلے میں سو اونٹ ذبح کئے گئے تھے)۔
حضرت عبداللہ، حضرت عبدالمطلب (رضی اللہ عنہما) کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد تھا یہ ابن اسحٰق کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ کے سر

مبارک میں پیدائشی طور پر سفید بال تھے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عامر تھا۔ یہ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص۵) مجد شیرازی نے بھی ان کی اتباع میں یہ بات کہی ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی کیونکہ حارث آپ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام تھا۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام عبدالمطلب اس لیے ہے کہ آپ کے والد ہاشم مکہ مکرمہ میں تھے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: اپنے غلام کو یثرب (مدینہ طیبہ) سے لاؤ۔ اس لیے آپ کا نام عبدالمطلب (مطلب کا غلام) پڑ گیا۔
کہا گیا ہے کہ آپ کے چچا مطلب آپ کو اپنے پیچھے بٹھا کر مکہ مکرمہ لائے، آپ کا لباس اچھا نہ تھا چنانچہ ان سے پوچھا جاتا تو وہ کہتے یہ میرا غلام ہے کیونکہ بھتیجا کہتے ہوئے وہ شرم محسوس کرتے تھے۔ جب ان کو شہر میں لے آئے اور ان کی (ظاہری) حالت درست کر دی تو ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اسی لیے آپ کو عبدالمطلب کہا جاتا ہے۔
اہل عرب میں سب سے پہلے آپ ہی نے خضاب لگایا تھا، آپ کی عمر ایک سو چالیس سال ہوئی ہے۔
حضرت عبدالمطلب، حضرت ہاشم کے بیٹے تھے۔ ہاشم کا نام عمرو تھا، ان کو ہاشم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قحط سالی کے دوران لوگوں کو چوری کھلاتے تھے۔ (ہاشم توڑنے والے کو کہتے ہیں) ہاشم کے والد عبد مناف تھے اور ان کا نام مغیرہ تھا... اور وہ (عبد مناف) قصی کے بیٹے تھے۔ (صاد پر زبر ہے اسم تصغیر ہے قصی) یعنی دور کیونکہ آپ اپنے قبیلے سے دور قضاعہ کے علاقے میں تھے جب آپ اپنی والدہ فاطمہ کے پیٹ میں تھے۔ قصی کا نام مجمع تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابو کم قصی کان یدعی مجمعا
به جمع الله قبائل من فهر

"تمہارے باپ قصی کا نام مجمع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بنو فہر کے قبائل کو جمع کیا"۔
کہا گیا ہے کہ ان کا نام زید تھا۔ حاکم ابو احمد کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا نام یزید تھا۔
قصی، کلاب کے بیٹے تھے، یہ لفظ یا تو مصدر سے منقول ہے جو مکالبہ کے معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں: "کالبت العدو مکالبة" میں نے دشمن سے کھلم کھلا دشمنی کی (اسے تنگ کیا) یا کلاب، کلب کی جمع ہے کیونکہ وہ کثرت مراد لیتے تھے جیسے درندے کو سباع (جمع کا صیغہ) کہتے ہیں۔
ایک اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے بیٹوں کے بُرے نام کیوں رکھتے ہو جیسے کلب (کتا) ذئب (بھیڑیا) جب کہ تمہارے غلاموں کے نام اچھے ہوتے ہیں جیسے مرزوق (رزق دیا گیا) رباح (نفع) اس نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے رکھتے ہیں اور غلاموں کے نام اپنے حوالے سے رکھتے ہیں۔ یعنی ہمارے بیٹے دشمنوں کے لیے تیار

کئے جاتے ہیں اور وہ ان کے سینے میں (پیوست ہونے والے) تیر ہیں تو ان لوگوں نے اس قسم کے نام پسند کیے۔

کلاب کا نام حکیم تھا اور کہا گیا ہے کہ عروہ تھا...

کلاب، مرہ کے بیٹے تھے اور وہ کعب کے بیٹے تھے۔ انہوں (مرہ) نے سب سے پہلے عروبہ (جمعہ) کے دن لوگوں کو جمع کیا (اس کو یوم عروبہ کہتے تھے) اس دن قریش ان کے پاس جمع ہوتے اور وہ ان کو خطبہ دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتے اور بتاتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اور وہ قریش کو حکم دیتے کہ ان کی اتباع کرنا اور ان پر ایمان لانا اور اس سلسلے میں یہ شعر پڑھتے:

یالیتنی شاهد فحواء دعوته

حین العشیرة تبغی الحق خذلانا

"کاش! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے وقت موجود ہوں۔ جب قبیلہ، حق کو ذلیل کرنے کے لیے سرکشی کرے گا"۔

وہ (کعب) لوی کے بیٹے ہیں (لُوَیّ) اللای کی تصغیر ہے جو العصا کے وزن پر ہے اور یہ لفظ بیل کے لیے بولا جاتا ہے۔

لوی، غالب کے بیٹے ہیں، غالب، فہر کے بیٹے ہیں اور فہر کا نام قریش ہے۔ قریش قبیلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ ان سے اوپر والے کنعانی کہلاتے ہیں، قریشی نہیں کہلاتے۔ صحیح قول یہی ہے۔

فہر، مالک کے اور مالک، نضر کے بیٹے ہیں (نضر کا نام قیس ہے)۔ قیس، کنانہ کے اور کنانہ، خزیمہ کے بیٹے ہیں (خزیمہ، خزمہ کی تصغیر ہے)، خزیمہ، مدرکہ کے اور وہ (مدرکہ) الیاس کے بیٹے ہیں۔

ابن انباری (حافظ ابوبکر محمد بن قاسم بن انباری) کے قول کے مطابق الیاس ہمزہ کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے اور قاسم بن ثابت کے قول کے مطابق فتحہ (زبر) کے ساتھ ہے جو امید کی ضد (مایوسی) ہے۔ اس میں لام تعریف کے لیے اور ہمزہ وصل کے لیے ہے۔

(امام علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ) سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ زیادہ صحیح ہے۔ الیاس وہ پہلے شخص ہیں جو قربانی کے لیے بیت الحرام کی طرف اونٹ لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی پیٹھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے لیے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) سنا کرتے تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۸)

الیاس مضر کے بیٹے ہیں۔ اونٹوں کے لیے حدی (اونٹوں کے ساتھ جو کچھ گایا جاتا ہے) کی ابتدا انہوں نے ہی کی تھی اور وہ بہت خوش آواز تھے۔

مضر کے بیٹے نزار ہیں (نون کے نیچے کسرہ (زیر) ہے) اور یہ لفظ، نزر سے بنا ہے جس کا معنی قلت ہے۔ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی اور ان کے باپ نے ان کی آنکھوں کے درمیان نور محمدی چمکتا ہوا دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کھانا کھلایا اور فرمایا کہ اس بچے کے حق کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے،

اس کے لیے ان کا نام نزار ہو گیا۔ نزار، معدّ کے اور معد، عدنان کے بیٹے ہیں۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص۱۷۹، الطبری تاریخ الامم والملوک جلد ۲ ص۱۹۱ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص۵ تا ۸)

نسب میں عدنان پر رک جانا

ابن دحیہ (امام حافظ ابو الخطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد) فرماتے ہیں: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اس سے آگے متجاوز نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ؎

ونسبه عز هاشم من اصولها
ومحتدها المرضى اكرم محتد
سمت رتبة علياء اعظم بقدرها
ولم تسم الا بالنبى محمد

"اور ہاشم کی عزت کی نسبت اس کے اصول سے ہے اور ان کی پسندیدہ اصل سب اصلوں سے زیادہ معزز ہے"۔
"ان کا بلند مرتبہ مزید بلند ہو وہ اپنی قدر میں کس قدر اعظم ہے اور یہ بلند مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے"۔
اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یوں کہا ؎

قد علا بابن ذرى شرف
كما علت برسول الله عدنان

"بہت سے باپ ہیں جنہوں نے بیٹے کے سبب سے شرف کی بلندیوں کو حاصل کیا جیسے عدنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بلندی پائی"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہ فرماتے پھر رک جاتے اور دو یا تین بار ارشاد فرماتے: نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا۔ اس حدیث کو (امام عماد الاسلام ابو الشجاع دیلمی رحمہ اللہ نے) مسند الفردوس میں نقل کیا ہے لیکن امام سہیلی نے فرمایا کہ اس حدیث کے سلسلے میں زیادہ صحیح ثابت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔
(الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص۸، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۹۴، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۴۹، طبقات ابن سعد جلد اول ص۵۶)

امام سہیلی کے علاوہ لوگوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے:

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ۔ (ابراہیم: ۹)

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور وہ) نوح (علیہ السلام) کی قوم ہے۔ اور قوم عاد و ثمود ہے اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں' ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اور پھر ارشاد فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا یعنی وہ علم انساب کا دعویٰ کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس علم کی نفی کی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: عدنان تک نسب معلوم ہے اور اس کے اوپر کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ وہ کیا ہے؟ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس باپ ہیں جن کی پہچان نہیں۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۸)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم معد بن عدنان سے اوپر کسی معروف شخصیت کو نہیں پاتے۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۸)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو سلسلہ نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک لے جاتا ہے تو انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا: اسے اس بات کی خبر کس نے دی ہے؟

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک لے جانے کے سلسلے میں بھی اسی طرح کی بات مروی ہے۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۸)

تو ہمارے لیے مناسب بات یہی ہے کہ ہم عدنان سے اوپر (والے نسب) سے اعراض کریں کیونکہ الفاظ کا تغیر و تبدل اور ملاوٹ زیادہ ہے اور ان ناموں میں دشواری ہے جبکہ فائدہ بہت کم ہے۔

حافظ ابو سعد (عبدالرحمن بن حسن نیشاپوری جو اصلاً اصفہانی ہیں) نے حضرت ابوبکر بن ابی مریم سے' انہوں نے سعید بن عمرو انصاری سے' انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے کعب احبار سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوا اور وہ بالغ ہو چکے تھے۔ تو ایک دن آپ حطیم میں آرام فرما ہوئے۔ جب بیدار ہوئے تو سرمہ اور تیل لگا ہوا تھا اور آپ نے نہایت عمدہ اور خوبصورت جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ آپ حیران ہو گئے اور آپ کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔ آپ کے والد نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور ان کو پورا واقعہ بتایا۔ انہوں نے کہا جان لو کہ آسمان کے معبود نے اس غلام کی شادی کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کے والد نے قیلہ نامی خاتون سے ان کی شادی کرا دی جن سے حارث نامی بیٹا ہوا اور پھر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ہند بنت عمرو سے نکاح کیا۔ حضرت عبدالمطلب سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور ان کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چمکتا تھا۔ جب قریش کو قحط پہنچتا تو وہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر ثبیر پہاڑ کی طرف لے جاتے اور ان کے توسل سے

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے۔ نیز بارش کے لیے دعا کرتے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ بارش عطا کرتا تھا۔

ہاتھی والے

جب اصحمہ نجاشی کی طرف سے مقرر کردہ یمن کا بادشاہ "ابرہہ" بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا اور حضرت عبدالمطلب کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! وہ اس گھر کو گرا نہیں سکے گا کیونکہ اس گھر کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔

پھر ابرہہ آیا اور قریش کے اونٹ اور بکریاں لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے چار سو اونٹ بھی شامل تھے۔

حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کے ہمراہ ثبیر پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک نے ان کی پیشانی پر چاند کی طرح ایک دائرہ بنایا اور اس کی شعاعیں بیت اللہ شریف پر پڑنے لگیں جیسے چراغ کی شعاعیں ہوتی ہیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے یہ بات دیکھی تو فرمایا: اے قریش کی جماعت! واپس لوٹ جاؤ۔ اس معاملہ میں تمہاری مدد کی گئی۔ اللہ کی قسم! جب بھی یہ نور دائرے کی شکل اختیار کرتا ہے تو ہمیں کامیابی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ وہ الگ الگ واپس ہو گئے۔

پھر ابرہہ نے اپنی قوم کے ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ (قریش) لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو وہ جھک گیا اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، نیز اس کے منہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسی آواز بیل کے منہ سے ذبح کے وقت نکلتی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو وہ عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ قریش کے سچے راہنما ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب، ابرہہ کے پاس تشریف لائے تو اس نے اپنے عظیم سفید ہاتھی کے مہاوت (فیل بان) کو حکم دیا کہ اس ہاتھی کو حاضر کیا جائے۔ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کی طرح ابرہہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو اونٹ کی طرح بیٹھ گیا اور سجدے میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو بولنے کی طاقت دی تو اس نے کہا: اے عبدالمطلب! اس نور پر سلام ہو جو آپ کی پشت میں ہے۔ کتاب "النطق المفهوم" میں اسی طرح ہے۔[1] (یہ ابن طغربک کی کتاب ہے۔)

---

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی اور آپ کی آمد کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم قریش کو نبوت کی نعمتوں سے مالا مال کرنا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی ورنہ اہل مکہ مشرک تھے اور ابرہہ وغیرہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اہل مکہ سے افضل تھے..... ۱۲ ہزاروی۔

ابرہہ کا کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے آنا

جب ابرہہ کا لشکر کعبہ شریف کو گرانے کے لیے (مکہ مکرمہ کی حدود میں) داخل ہوا تو ہاتھی بیٹھ گیا جو ان کے ساتھ تھا چنانچہ انھوں نے اس کے سر پر بہت بھاری ضرب لگائی تاکہ وہ اُٹھ کھڑا ہو لیکن اس نے انکار کر دیا، جب انھوں نے اسے یمن کی طرف پھیرا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ابابیل پرندے بھیجے، ہر پرندے کے پاس تین پتھر تھے، ایک پتھر چونچ میں اور دو پتھر پاؤں میں تھے، یہ کنکریاں مسور کی دال کے برابر تھیں۔ وہ جس پر پڑتیں، اسے ہلاک کر دیتیں، چنانچہ وہ بھاگتے ہوئے اور مختلف راستوں میں گرتے پڑتے نکل کھڑے ہوئے، ابرہہ بیمار ہو گیا، اس کی انگلیوں کے پورے ایک ایک کر کے گر گئے اور اس سے پیپ اور خون جاری ہو گیا حتیٰ کہ وہ دل پھٹ جانے سے مر گیا۔

قرآن میں ہاتھی والوں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا، ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۔ (الفیل: ۵-۱)

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں (فوجیں) بھیجیں کہ انھیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انھیں کر ڈالا جیسے کھیتی کی پتی بھوسہ؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے فرمایا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حالانکہ یہ واقعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے واقع ہوا؟

جواب: یہاں "دیکھنے" سے مراد علم اور یاد کرنا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی خبر متواتر ہے اور اس سے حاصل ہونے والا علم ضروری ہے جو قوت میں دیکھنے کے برابر ہے۔

یہ واقعہ نبوت کی تقویت کا باعث تھا

یہ واقعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف پر دلالت کرتا ہے اور آپ کی نبوت کی بنیاد اور اس کے لیے تقویت کا باعث ہے، نیز یہ آپ کی قوم (قریش) کا اعزاز ہے کہ ان کی شان یوں ظاہر ہوئی کہ باقی عرب ان کے قریب ہوئے اور انھوں نے دوسرے لوگوں پر ان کے فضل و شرف کو تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان

سے ابرہہ کے مکرو فریب کو دور کیا حالانکہ تمام عرب مل کر بھی اس سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ سب کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ارہاص تھا۔ (نبوت کے اعلان سے پہلے جو خلاف عقل واقعہ ظاہر ہوا اس کو ارہاص کہتے ہیں)۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ بعثت سے پہلے معجزات کا ظہور جائز ہے اور یہ نبوت کے آغاز کی علامت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر بادل سایہ کرتے تھے۔ (التفسیر الکبیر للامام فخر الدین الرازی ج ۳۲ ص ۹۷)

لیکن علامہ سید علی جرجانی نے شرح مواقف میں دوسروں (یعنی جمہور) کی اتباع میں اس بات کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے معجزے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ دعویٰ سے مقدم نہ ہو، بلکہ اس سے ملا ہوا ہو، جس طرح مقصد رابع میں انشاء اللہ بیان ہوگا۔

حجاج کا کعبہ شریف کو گرانا

سوال: حجاج (بن یوسف ثقفی) نے خانہ کعبہ کو گرایا لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا (کیوں)؟

جواب: ابرہہ کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص کے طور پر واقع ہوا (یعنی نبوت کی بنیاد تھی) اور ارہاص کی ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے تھی۔ جب آپ کی نبوت کا ظہور اور تاکید ہوگئی اور اس پر قطعی دلائل قائم ہوگئے تو اب اس قسم کے واقعہ کی ضرورت نہ رہی۔ واللہ اعلم بالصواب

زمزم کو کھودنا اور واقعۂ ذبح

حضرت عبدالمطلب کا خواب

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کی یہ پریشانی دور کی اور ابرہہ ناکام واپس ہوا تو ایک دن آپ حطیم میں سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک عظیم خواب دیکھا چنانچہ آپ خوفزدہ حالت میں بیدار ہوئے اور قریش کے کاہنوں (نجومیوں) کے پاس تشریف لے جا کر انہیں اپنا خواب سنایا۔ کاہنوں نے کہا: اگر آپ اس خواب کے بیان میں سچے ہیں تو آپ کی پشت سے وہ شخصیت ظاہر ہوگی جس پر آسمانوں اور زمین والے ایمان لائیں گے اور وہ لوگوں میں ایک واضح نشان ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ (بنت عمرو بن عائذ) سے شادی کی اور وہ حضرت عبداللہ کے ساتھ حاملہ ہو گئیں جو ذبیح کہلاتے ہیں۔ ذبح کے سلسلے میں ان کا واقعہ مشہور ہے جسے راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے۔

واقعۂ ذبح کا سبب

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قصۂ ذبح کا سبب ان کے والد حضرت عبدالمطلب کا زمزم کا کنواں کھودنا تھا کیونکہ عمرو بن حارث جرہمی کی قوم نے جب حرم کعبہ میں (قتل و غارت کی) حرکات شروع کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے لوگ مسلط کیے جو ان کو وہاں سے نکالیں تو عمرو بن حارث نے عمدہ مال (جو خانہ کعبہ کے لیے بطور ہدیہ آئے تھے) زمزم کے کنوئیں میں ڈال دیئے اور اس کو اچھی طرح بند کر دیا اور خود اپنی قوم کے ساتھ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت سے زمزم کا کسی کو علم نہ تھا حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب کے خواب میں اس سے پردہ اٹھایا گیا۔ اور آپ نے اسے دیکھا چنانچہ آپ نے کچھ نشانیوں کے ذریعے اسے کھودنے کی طرف راہنمائی کی۔

قریش نے عبدالمطلب کو اس کام سے منع کیا پھر کچھ بے وقوفوں نے آپ کو اذیت پہنچائی اور یوں آپ سخت آزمائش میں پڑ گئے۔ اس وقت آپ کا ایک ہی بیٹا (یعنی حارث) تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ ان کے دست و بازو بنے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو قربانی کے طور پر ذبح کر دیں گے، پھر حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودا اور یہ آپ کے لیے اعزاز و افتخار کا باعث بنا۔

نذر کو پورا کرنا

جب حضرت عبدالمطلب کے ہاں دس بیٹے مکمل ہو گئے جن کے نام اس طرح ہیں: حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، حمزہ، ابوطالب، عبداللہ، عباس اور ان بیٹوں کے ذریعے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی تو ایک رات حضرت عبدالمطلب کعبہ مطہرہ کے پاس آرام فرما تھے، آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اے عبدالمطلب! اس گھر کے رب کے لیے اپنی نذر کو پورا کیجئے۔ آپ گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا جو فقراء اور مساکین کو کھلا دیا۔ پھر سو گئے اور خواب میں دیکھا کہ اس سے بڑی چیز قربان کر رہے ہیں۔ جب آپ بیدار ہوئے تو ایک بیل کی قربانی دی۔ پھر سو گئے تو دیکھا کہ اس سے بڑی چیز کی قربانی دے رہے ہیں۔ چنانچہ بیدار ہونے کے بعد آپ نے اونٹ کی قربانی دی اور (اس کا گوشت) مساکین کو کھلا دیا۔ پھر جب آرام فرما ہوئے تو آواز آئی: اس سے بھی بڑی چیز قربان کیجئے۔ پوچھا: اس سے بڑی چیز کیا ہے؟ (آواز دینے والے نے کہا) کہ اپنے بیٹے کی قربانی دیجئے جس کی نذر مانی تھی۔

حضرت عبدالمطلب بہت زیادہ غمگین ہو گئے اور اپنی اولاد کو جمع کر کے ان کو نذر ماننے کی خبر دی اور اسے پورا کرنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کی اطاعت کریں گے، آپ ہم میں سے کس کو ذبح کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک، ایسا تیر لے جس کی نوک نہ ہو اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لائے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے ان سے وہ تیر لیے اور ہبل (بت) کے پاس چلے گئے جو کعبہ شریف کے درمیان تھا اور وہ لوگ اس کی تعظیم کرتے اور اس کے پاس قرعہ اندازی کرتے تھے اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ اس پر راضی ہو جاتا، وہاں جو شخص مقرر تھا وہ قرعہ اندازی کرتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے یہ تیر اس قیم (مقرر شخص) کو دیئے اور خود کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام قرعہ نکلا اور وہ آپ کو اپنی اولاد میں سے سب سے زیادہ محبوب تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اساف اور نائلہ (بتوں) کی طرف تشریف لے گئے۔ اساف اور نائلہ دو ایسے بت تھے جن کے پاس قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ قریش کے سردار ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کو اس ذبح کی اجازت نہیں دیتے جب تک آپ اپنے رب سے معذرت نہ کر لیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ رسم جاری ہو جائے گی اور ہر شخص اپنے بیٹے کو لا کر ذبح کرے گا۔

انھوں نے کہا: فلاں کاہنہ عورت کے پاس جائیں۔ (امام قسطلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس عورت کا نام قطبہ تھا جیسا کہ حافظ عبدالغنی نے "کتاب المبہمات" میں ذکر کیا ہے اور ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ اس کا نام سجاح تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۳)

(قریش کے سرداروں نے کہا:) شاید وہ آپ کو کوئی ایسی بات بتائے جس میں آپ کے لیے کشادگی ہو۔

چنانچہ وہ خیبر میں (اس عورت کے پاس) گئے اور حضرت عبدالمطلب نے اس کو تمام واقعہ سنایا۔ اس نے پوچھا: تمہارے ہاں دیت (خون بہا) کی مقدار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: دس اونٹ۔ عورت نے کہا: واپس اپنے شہر جاؤ اور اپنے صاحب (حضرت عبداللہ) کو بھی اور دس اونٹوں کو بھی تیروں سے فال نکالنے کی جگہ لاؤ، پھر حضرت عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالو اگر قرعہ تمہارے ساتھی کے نام نکلے تو دس اونٹوں کا اضافہ کرو، پھر اسی طرح قرعہ اندازی کرو، اسی طرح کرتے جاؤ حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے، پھر جب اونٹوں کے نام پر قرعہ نکلے تو ان کو قربان کر دو، اس طرح تمہارا رب بھی راضی ہو جائے گا اور تمہارے ساتھی کی جان بھی چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ وہ لوگ مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے اور حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کو لائے اور حضرت عبدالمطلب کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے، چنانچہ آپ کے بیٹے کے نام قرعہ نکلا۔ وہ دس دس اونٹ زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ یہ تعداد سو اونٹوں تک پہنچ گئی تو اب اونٹوں کے نام قرعہ نکلا، چنانچہ اونٹوں کو ذبح کر کے چھوڑ دیا گیا۔ ان سے کسی بھی انسان، پرندے اور درندے کو (کھانے سے) نہ روکا گیا۔

دو ذبیحوں کے بیٹے

اسی لیے روایت میں ہے جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ (تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۳۵۰، سورۃ صافات)

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شہر خشک ہو گئے اور پانی بھی خشک ہو گیا نیز مال اور عیال ضائع ہو گئے پس مجھے اس چیز سے عطا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اے "ابن الذبیحین" (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) فرماتے ہیں: (یہ سن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اس بات پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ مکمل حدیث انشاء اللہ عنقریب بیان ہو گی۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۵۴)

ذبیحین سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہیں۔

ذبیح کون؟ حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق علیہما السلام

اگرچہ بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے پس اگر یہ بات صحیح ہو تو اہل عرب چچا کو اب (باپ) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ

کیا تم موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت ہوا؟ انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے

اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ ۔(البقرہ: ۱۳۳) آباء و اجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے اس میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی کہ اگر وہ ان کے لیے یہ معاملہ آسان کر دے تو وہ اپنے کسی ایک بیٹے کی قربانی دیں گے، پس ان کو باہر لائے اور ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام قرعہ نکلا۔ انہوں نے ان کو ذبح کرنا چاہا تو بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والے حضرت عبداللہ کے ماموں آڑے آئے اور انہوں نے کہا: اپنے رب کو راضی کریں اور بیٹے کا فدیہ دیں، چنانچہ انہوں نے سو اونٹنیاں فدیہ میں دیں، پس ایک ذبیح حضرت عبداللہ ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

ابن قیم نے کہا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا اسی لیے یوم نحر (قربانی کے دن) اسی مقام پر قربانیاں رکھی گئی ہیں جس طرح صفا مروہ کے درمیان سعی اور جمرات (ستونوں) کو کنکریاں مارنا اسی مقام پر رکھا گیا تاکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کا واقعہ یادگار رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ مکہ مکرمہ میں تھیں، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کی والدہ وہاں نہ تھیں۔(زادالمعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

(ابن قیم نے) مزید کہا کہ اگر ذبح کا واقعہ شام میں ہوتا جس طرح اہل کتاب کا خیال ہے یا جو لوگ ان سے یہ بات لیتے ہیں تو قربانیاں شام میں ہوتیں مکہ مکرمہ میں نہ ہوتیں۔(زادالمعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے ذبیح کو حلیم قرار دیا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے رب کے حکم کے مطابق ذبح کے لیے تیار کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر حلیم کون ہو سکتا ہے جبکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو (حلیم کی بجائے) علیم فرمایا۔
(زادالمعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے انسانی عادت میں یہ بات جاری فرمائی ہے کہ سب سے پہلی اولاد، بعد والی اولاد کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے رب سے اولاد کا سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا کیا تو آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور "خلت" ایک ایسا منصب ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ صرف محبوب سے محبت کی جائے اور اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو تو جب بچے نے باپ کے دل کا ایک کونہ حاصل کر لیا تو خلت کی غیرت نے آکر اس کو خلیل کے دل سے نکال دیا چنانچہ اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا، پس جب وہ ذبح کرنے کے لیے تیار ہوئے اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ تھی تو اس وقت خلت شرکت کے عیب سے پاک ہو گئی اور اب ذبح کی کوئی مصلحت باقی نہ رہی کیونکہ مصلحت تو یہی تھی کہ ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا جائے اور مقصود عزم اور اطمینان قلبی تھا جو حاصل ہو گیا چنانچہ حکم منسوخ ہو گیا اور ذبیح کا فدیہ دے دیا گیا اور خلیل نے اپنا خواب سچ کر

دکھایا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

ان الذبیح هدیت اسماعیل
نطق الکتاب بذاك والتنزیل
شرف به خص الاله نبینا
وابانه التفسیر والتاویل

"اے مخاطب جو ہدایت حاصل ہو بے شک وہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ کتاب اللہ گواہ ہے یہ وہ شرف ہے جس کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص ہیں' اس بات کو تفسیر و تاویل نے ظاہر کیا ہے"۔

معافی بن زکریا نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے علماء میں سے مسلمان ہونے والے ایک شخص سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ اس نے کہا: امیر المومنین! اللہ کی قسم! بے شک یہودی جانتے ہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں لیکن اے عرب والو! وہ (یہودی) تم سے حسد کرتے ہیں کہ وہ (ذبیح) تمہارے باپ قرار نہ پائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت ذکر کی ہے اس لیے وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ (جد امجد) ہیں۔

صبر کی وصیت

اے خلیل! دیکھو اس واقعہ میں کتنا بڑا راز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ٹوٹ پھوٹ کے بعد ان کے نقصان کی تکمیل اور شدت کے بعد لطف و کرم کی راہ دکھاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے کی دوری' تنہائی' غربت اور بیٹے کے ذبح کے لیے سر تسلیم خم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قدموں کے آثار اور نشانات کو اپنے مومن بندوں کے لیے حج کے مناسک قرار دیا اور قیامت تک وہ مقامات جائے عبادت قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن لوگوں کو ان کو کمزوری' ذلت' انکساری اور صبر نیز اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی قضا پر راضی ہونے کے بعد بلندی عطا کرنا چاہتا ہے ان کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ (القصص: ۶،۵)

اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں اور انہیں زمین میں قبضہ دیں۔ (کنزالایمان)

اور ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

(الجمعہ: ۴)

حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادوں کے بارے میں تحقیق

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ جب ان کے بیٹے دس کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو ان میں سے کسی ایک کی قربانی دیں گے جبکہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ سے اس نذر کو پورا کرنے کے بعد نکاح کیا پس حضرت عبدالمطلب کے دو بیٹے حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نذر کو پورا کرنے کے بعد پیدا ہوئے جبکہ ان دو کو ملا کر آپ کے بیٹوں کی تعداد دس بنتی ہے۔

امام سہیلی نے (روض الانف میں) فرمایا کہ اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بارہ تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر ان لوگوں کا قول صحیح ہو جو صرف دس کا قول کرتے ہیں زیادہ کا نہیں تو ولد کا لفظ بیٹوں اور پوتوں دونوں پر حقیقتاً بولا جاتا ہے بطور مجاز نہیں اور حضرت عبدالمطلب نے جب اپنی نذر پوری کی تو اس وقت آپ کے بیٹے اور پوتے کل دس تھے۔

(السیرہ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد اول ص ۱۰۴)

حضرت عبداللہ سب سے چھوٹے بیٹے نہ تھے

سیرت کی بعض کتب میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ غیر معروف بات ہے۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی والدہ سے جنم لینے والوں میں سے آپ سب سے چھوٹے تھے ورنہ حضرت حمزہ حضرت عبداللہ سے اور حضرت عباس، حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہم) سے چھوٹے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت یاد ہے، میں اس وقت تین سال یا اس کے لگ بھگ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا تو میں نے آپ کو دیکھا۔ عورتیں مجھ سے کہنے لگیں: اپنے بھائی (بھتیجے) کا بوسہ لو تو میں نے آپ کو چوما۔ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کس طرح سب سے چھوٹے ہو سکتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد اول ص ۱۰۳)

لیکن بکائی (زیاد بن عبداللہ بن طفیل عامری) نے یہ بات ذکر کی ہے البتہ اس روایت کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ جب حضرت عبدالمطلب نے ان کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اس وقت (موجودہ اولاد میں سے) سب سے چھوٹے تھے۔ پھر ان کے بعد حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۳)

حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ سے نکاح---ایک عورت کی پیشکش

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ اونٹوں کی قربانی سے واپس تشریف لائے تو بنو اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک خاتون کے پاس سے گزرے، وہ کعبۃ اللہ کے پاس تھی اور اس کا نام قتیلہ تھا لیکن اسے رقیقہ بنت نوفل کہا جاتا تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارکہ کو دیکھا اور آپ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے تو اس نے کہا: جتنے اونٹ اس وقت آپ کی طرف سے ذبح کیے گئے ہیں وہ آپ کو دیتی ہوں اسی وقت مجھ سے ہم بستری کریں (یعنی نکاح کے بعد) کیونکہ اس نے آپ کے چہرہ انور میں نبوت کا نور دیکھا اور اسے یہ امید تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شکم میں تشریف لائیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ ہوں، ان کی مخالفت اور ان سے جدائی اختیار نہیں کر سکتا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے اس کو یہ جواب دیا:

اما الحرام فالممات دونہ
والحل لاحل فاستبینہ
فکیف بالامر الذی یتغینہ
یحمی الکریم عرضہ و دینہ

"جہاں تک حرام کام کا تعلق ہے تو موت اس سے کم بات ہے اور حلال کا تو وجود نہیں ہے پس تو اسے ظاہر کر (طلب کر)"۔

"وہ کام کیسے ہو سکتا ہے جو تو چاہتی ہے۔ عزت والا شخص اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے"۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۴)

ابو نعیم، خرائطی اور ابن عساکر نے حضرت عطا (بن رباح بن اسلم جمحی) کے طریقے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلے کہ ان کا نکاح کریں تو مقام تبالہ کی ایک کاہنہ کے پاس سے گزرے اور وہ یہودی مذہب سے تعلق رکھتی تھی، اس نے (آسمانی) کتب پڑھ رکھی تھیں اور اس کو فاطمہ بنت مر خثعمیہ کہا جاتا تھا اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارکہ میں نور نبوت دیکھا تو وہی بات کہی۔ (جو پہلے گزر چکی ہے) (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۳۹)

حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کا نکاح

پھر حضرت عبدالمطلب ان کو لے کر تشریف لے گئے حتیٰ کہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس آئے اور وہ ان دنوں نسب و شرف کے اعتبار سے بنو زہرہ قبیلے کے سردار تھے چنانچہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ سے کیا اور حضرت آمنہ اس وقت اپنے نسب اور مقام کے اعتبار سے قریش

میں افضل خاتون تھیں۔ (باپ اور ماں دونوں کی طرف سے)۔

تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ جب حضرت آمنہ آپ کے نکاح میں آئیں تو وہیں آپ ان کے قریب تشریف لے گئے۔ منیٰ کے دنوں میں سوموار کے دن جمرہ کے پاس شعب ابو طالب میں ان سے قربت کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن اطہر میں جلوہ گر ہوئے، پھر وہاں سے باہر آئے اور اس عورت کے پاس سے گزرے جس نے گزشتہ روز اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کل تو مجھ سے مطالبہ کر رہی تھی اور آج نہیں کرتی، کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: تم سے وہ نور جدا ہو گیا جو کل تمہارے پاس تھا لہٰذا آج مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں، میرا ارادہ تو اس نور کو حاصل کرنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنا منظور نہ تھا اس نے جہاں چاہا رکھ دیا۔

حمل مبارک

اور جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکم اطہر میں اٹھانے کا شرف حاصل کیا تو اس وقت بے شمار عجائبات ظاہر ہوئے اور آپ کی ولادت کے سلسلے میں عجیب و غریب باتیں پائی گئیں۔

چنانچہ تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا کہ جب حضرت عبداللہ کا پاکیزہ نطفہ اور محمدی موتی، آمنہ قرشیہ کے صدف مبارک (شکم اطہر) میں ٹھہر گیا تو عالم ملکوت و جبروت میں آواز دی گئی کہ پاک و مشرف مقامات کو معطر کرو نیز (آسمانوں اور ان کے ارد گرد) علامات تعظیم ظاہر کرو اور ملائکہ مقربین میں سے منتخب فرشتوں کے لیے پاک صاف صفوں میں عبادات کے سجادے بچھاؤ۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو صدق و صفا سے موصوف ہیں۔ آج پوشیدہ نور (محمدی) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں منتقل ہو چکا ہے، وہ آمنہ جو بہت بڑی اور غالب عقل کی مالک اور حسب و نسب کے اعتبار سے فخر والی اور عیبوں سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو قریب اور دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے، اس نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو اس سردار، مصطفےٰ اور حبیب کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ حضرت آمنہ نسب کے اعتبار سے اپنی قوم میں سے افضل اور عمدہ ہیں اور اپنی اصل اور فرع کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ اور طیب ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ، خطیب بغدادی (حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت) کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور یہ ماہ رجب المرجب میں جمعۃ المبارک کی رات تھی تو اللہ تعالیٰ نے خازن جنت رضوان فرشتے کو حکم دیا کہ جنت الفردوس کو کھول دیں اور ایک منادی آسمانوں اور زمین میں اعلان کرے کہ سنو! وہ نور جو پوشیدہ خزانہ ہے اور اس سے ہادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے، اس رات اپنی والدہ کے بطن اطہر میں جاگزیں ہو گیا ہے، وہاں اس کی تخلیق کی تکمیل ہو گی اور وہ لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بن کر تشریف لائیں گے۔

اور حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے کہ اس رات آسمانوں اور ان کے کناروں نیز زمینوں اور اس کے اجزاء میں اعلان کیا جائے کہ وہ نور مکنون جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہو گی آج رات حضرت

آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں قرار پکڑ چکا ہے۔ مبارک ہو حضرت آمنہ کو، ان کو مبارک ہو یا طوبیٰ لہا ثم یا طوبیٰ۔ فرمایا اس دن دنیا بھر کے بت اوندھے ہوگئے اور قریش جو سخت قحط سالی اور تنگی کا شکار تھے ان کے لیے زمین سر سبز اور درخت پھل دار ہوگئے اور ان کے پاس ہر طرف سے بھلائی ہی بھلائی آنے لگی، چنانچہ اس سال کو جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک اپنی والدہ کے بطن اطہر میں منتقل ہوا اور حمل ٹھہرا، فتح اور سرور کا سال کہا جانے لگا۔

طوبیٰ... قاموس کے مطابق یہ لفظ پاک، اچھا اور بھلائی کے معنی میں آتا ہے... دوسرے اہل لغات کے نزدیک اس کا معنی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ضحاک کہتے ہیں: طوبی کا معنی عطیہ ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا معنی نعمتیں ہے، اور حدیث شریف میں ہے:

طوبی للشام فان الملائکۃ باسطۃ اجنحتہا علیہا　　شام کے لیے مبارک ہو کیونکہ فرشتے اس پر اپنے پروں کو پھیلائے کھڑے ہیں۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۳ ابواب المناقب)

تو یہاں یہ لفظ طیب سے فعلی کے وزن پر (طوبی) ہے اس سے جنت اور طوبیٰ کا درخت مراد نہیں ہے۔

حمل کا ہلکا اور بوجھ دار نہ ہونا

ابن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث شریف میں ہے: حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کے پاس کوئی آیا اور کہا گیا کہ اس امت کے سردار آپ کے شکم اطہر میں تشریف فرما ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۵ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۸۲) آپ فرماتی ہیں: مجھے حمل کا احساس تک نہ ہوا نہ میں نے اس کا بوجھ محسوس کیا اور نہ مجھے کسی چیز کی خواہش ہوئی جیسا کہ عورتیں پاتی ہیں، البتہ یہ کہ مجھے حیض (کا خون) آنا بند ہوگیا۔ میں نیند اور بیداری کے درمیان (والی حالت میں) تھی کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے شکم مبارک میں تمام مخلوق کا سردار ہے، پھر اس نے مجھے مہلت دی حتیٰ کہ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ یوں کہو:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد۔　　میں اس بچے کو ہر شر سے واحد ذات (اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں دیتی ہوں۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۸، تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۳۶)

پھر اس کا نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" رکھنا۔

ابن اسحٰق کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے کہ اسے یہ تعویذ ڈالنا۔ آپ فرماتی ہیں: جب میں بیدار ہوئی تو میرے سرہانے سونے کا ایک صحیفہ تھا جس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے ۔

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد
وکل خلق رائد من قائم و قاعد
عن السبیل حائد علی الفساد جاھد
من نافث او عاقد وکل خلق مارد
یاخذ بالمراصد فی طرق الموارد

"میں اس بچے کو ذات واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حاسد کے شر سے..."
"ہر طالب برائی سے وہ کھڑا ہے یا بیٹھا ہے"
"جو سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور فساد کے لیے کوشاں ہے..."
"ہر جادوگر اور گرہیں باندھنے والے نیز ہر سرکش مخلوق سے"
"جو پانی کے راستوں میں گھات لگائے بیٹھے ہیں"۔

حافظ عبدالرحیم عراقی نے کہا ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے یہ اشعار اسی طرح ذکر کیے ہیں اور ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے قرار دیا ہے، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میری شان کا ظہور اس طرح ہے کہ میں اپنے باپ (جد اعلیٰ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میں اپنے ماں باپ کی سب سے پہلی (اور سب سے آخری) اولاد ہوں اور میری والدہ نے حمل کا بوجھ محسوس کیا جس طرح دیگر عورتیں محسوس کرتی ہیں اور وہ اپنی سہیلیوں سے اس بوجھ کی شکایت کرنے لگیں، پھر میری ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے بطن اطہر میں جو کچھ ہے وہ نور ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے حمل کے دوران بوجھ محسوس کیا جب کہ دیگر احادیث میں ہے کہ انہیں بوجھ محسوس نہیں ہوا؟

ابو نعیم حافظ نے ان دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ ابتدائی حالت میں بوجھ تھا اور جب حمل ٹھہر گیا تو ہلکا پھلکا محسوس ہوتا تھا۔ تو دونوں صورتیں عام عادت کے خلاف اور اس کے برعکس تھیں۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حاملہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس رات قریش کے تمام جانور بول پڑے کہ رب کعبہ کی قسم! حضرت آمنہ کے شکم اطہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ دنیا والوں کے امام اور چراغ ہیں۔ تمام دنیوی بادشاہوں کے تخت اوندھے پڑ گئے اور مشرق کے جنگلی جانور خوشخبری دینے کے لیے مغرب کے جنگلی درندوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اسی طرح سمندری مخلوق بھی ایک دوسرے کو خوشخبری دینے لگی اور حمل کے تمام مہینوں میں انہیں ایک آواز زمین سے اور ایک ندا آسمان سے آنے لگی کہ تمہیں خوشخبری ہو، وہ

وقت آچکا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم برکتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو رہے ہیں۔۔۔ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔
دوسروں سے منقول ہے کہ اس دن کوئی ایسا مکان نہ تھا جو روشن نہ ہوا ہو اور اس دن ہر جگہ نور ہی نور تھا اور جانور بولنے لگے تھے۔

مدت حمل

ابوزکریا یحیٰ بن عائذ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں پورے نو مہینے تشریف فرما رہے۔ اس دوران حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سر یا پیٹ میں کوئی درد اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اور حاملہ عورتوں کو جو تکلیف ہوتی ہیں' آپ ان سے محفوظ رہیں۔ آپ فرماتی تھیں: اللہ کی قسم! میں نے اس سے بڑھ کر ہلکا اور زیادہ بابرکت حمل نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال

جب حمل مبارک کو دو ماہ گزر گئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت فوت ہوئے جب آپ پنگھوڑے میں تھے (حافظ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید انصاری) دولابی نے یہ بات کہی ہے جب کہ حضرت احمد بن ابی خثیمہ فرماتے ہیں: اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کسی نے سات مہینے کا ذکر کیا اور کسی نے کہا کہ آپ اٹھائیس ماہ کے تھے لیکن پہلے قول کو ترجیح ہے۔
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب قریش کے ساتھ تجارت سے واپس تشریف لائے تو کمزور تھے۔ وہ لوگ مدینہ طیبہ کے پاس سے گزرے[1] (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) تو آپ بنو عدی بن نجار کے پاس ٹھہر گئے جو آپ کے ماموں تھے۔ آپ وہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے' جب دوسرے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بھائی حارث کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے ہیں اور ان کو دار النابعہ میں دفن کر دیا گیا ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ آپ کو مقام ابواء میں دفن کیا گیا۔
حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان کی وفات پر یہ اشعار کہے

---

[1] مدینہ طیبہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ یثرب بن قائل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے پوتے قائل کا بیٹا تھا۔ جو سب سے پہلے وہاں اترا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ (پاک) رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کہے' وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے۔ یہ طابہ (طیبہ) ہے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے منقول ہے۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۱۳۰) ۱۲ ہزاروی۔

عفا جانب البطحاء من آل هاشم
وجاور لحدا خارجا فی الغمائم
دعته المنایا دعوة فاجابها
وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم
عشیة راحوا یحملون سریره
تعاوره اصحابه فی التزاحم
فان تک غالته المنایا وریبها
فقد کان معطاء کثیر التراحم

"بنو ہاشم سے وادی بطحاء کا کنارہ خالی ہو گیا، وہ ایسی قبر میں چلے گئے جو انکے گھر والوں سے دور ہے"۔
"موتوں نے ان کو بلایا تو انہوں نے قبول کیا اور موت نے اس ہاشمی نوجوان جیسا کوئی نہیں چھوڑا"۔
"جس رات وہ ان کی چارپائی اٹھائے جا رہے تھے تو بھیڑ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مشکل سے پکڑاتے تھے"۔

"اگرچہ موت اور اس کے حادثات نے ان کو غفلت میں آلیا لیکن وہ بہت زیادہ عطیات دینے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے کہا: اے ہمارے معبود اور اے ہمارے سردار! تیرا نبی یتیم رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کا محافظ اور مددگار ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین سے کیوں یتیم بنایا گیا؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ آپ پر مخلوق کا کوئی حق نہ ہو۔ ابوحیان (محمد بن یوسف اندلسی) نے "البحر" میں یہ بات نقل کی ہے۔

ولادت سے متعلق بعض منکر احادیث

ابونعیم نے حضرت عمر بن قتیبہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا اور وہ علم کا برتن تھے، وہ فرماتے ہیں: جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور اس دن سورج کو بہت بڑا نور پہنایا گیا اور اس سال اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کو اجازت دی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حاملہ ہوں ——— اس حدیث پر طعن کیا گیا ہے۔

ابوسعید عبدالملک نیشاپوری نے اپنی کتاب "الکبیر" میں ذکر کیا جیسا کہ ان سے "کتاب السعادة والبشریٰ" کے

مصنف نے نقل کیا، وہ حضرت کعب سے ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ جب حمل کو چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا: اے آمنہ! تو تمام جہانوں میں سے بہتر انسان کے ساتھ حاملہ ہوئی ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا اور اپنے معاملے کو چھپا کر رکھنا۔ فرماتی ہیں: پھر جب میرے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو دوسری عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے (ولادت کا وقت ہوا) اور کسی مرد عورت کو میرے بارے میں معلوم نہ تھا، میں گھر میں تنہا تھی۔ حضرت عبدالمطلب اس وقت طواف میں مشغول تھے، میں نے کسی چیز کے گرنے کی زبردست آواز سنی اور ایک خوفناک سا معاملہ ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ گویا ایک سفید پرندے کا پر میرے دل (سینے) کو چھو رہا ہے۔ اس سے میرا ڈر اور جو خوف مجھے لاحق ہوا تھا سب زائل ہو گیا۔ پھر میں نے دیکھا تو ایک سفید مشروب تھا، میں نے اسے لیا تو مجھے بلند پایہ نور حاصل ہوا، پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا جو (لمبائی میں) کھجور کے درخت کی طرح تھیں گویا عبد مناف کی بیٹیوں میں سے ہوں۔ انہوں نے مجھے گھیر رکھا تھا، میں متعجب تھی اور کہہ رہی تھی کوئی میری مدد کرے، ان کو کیسے علم ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم (علیہما السلام) ہیں اور یہ جنتی حوریں ہیں۔ میں سخت مشکل میں مبتلا تھی اور مجھے پہلے سے بھی زیادہ کھڑاک کی آواز آ رہی تھی اور میں بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔

میں اسی حالت میں تھی کہ سفید دیباج (ریشمی کپڑا) آسمان و زمین کے درمیان لٹکایا گیا اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اسے لوگوں سے چھپاؤ (یعنی جب ان کی ولادت ہو) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ فضا میں کھڑے ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کا ایک غول ہے جو آگے بڑھ رہا ہے۔ اس نے میرے حجرے کو گھیر لیا ہے، ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ ہٹایا تو میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور میں نے تین جھنڈے گاڑے ہوئے دیکھے: ایک جھنڈا مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا خانہ کعبہ کی چھت پر گاڑا گیا تھا۔ اب بچے کی پیدائش کا وقت ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ سجدہ ریز ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو آسمان کی طرف اس طرح اٹھایا ہوا ہے جس طرح عجز و انکساری کرنے والا شخص کرتا ہے۔

پھر میں نے سفید بادل دیکھا جو آسمان کی طرف سے آیا ہے اور اس نے آپ کو ڈھانپ لیا حتیٰ کہ آپ مجھ سے غائب ہو گئے۔ میں نے کسی ندا دینے والے سے سنا کہ اس (بچے) کو زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھراؤ اور سمندروں میں داخل کرو تاکہ وہ (سب) ان کو ان کے نام، صفت اور صورت کے ساتھ پہچان لیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا اسم گرامی ماحی (مٹانے والا) ہے، ان کے زمانے میں شرک کو مکمل طور پر مٹا دیا جائے گا، پھر جلد یہ بادل چھٹ گئے (اور آپ نظر آنے لگے) ——— اس حدیث میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ (امام زرقانی فرماتے ہیں:

مصنف نے اسے اس لیے ذکر کیا کہ میلاد شریف کے ضمن میں یہ روایت معروف و مشہور ہے ---- ۱۲ ہزاروی)

خطیب بغدادی نے بھی اپنی سند سے اسی طرح ذکر کیا ہے جس طرح "السعادۃ والبشریٰ" کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے ایک بہت بڑا بادل دیکھا جس میں روشنی تھی، میں اس میں گھوڑوں کی آواز اور پروں کی حرکت نیز لوگوں کی گفتگو سنتی تھی حتیٰ کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور آپ مجھ سے غائب ہوگئے، چنانچہ میں نے ایک منادی سے سنا جو اعلان کر رہا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زمین کا چکر لگواؤ اور آپ کو ہر ذی روح پر پیش کرو، وہ جن ہوں یا انسان، فرشتے ہوں یا پرندے یا وحشی جانور، اور آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کا خلق، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی اطاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور آپ کو اخلاق انبیاء کرام علیہم السلام (کے سمندر) میں غوطہ دو۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ پھر میرے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید اور سبز ریشمی کپڑا جسے خوب لپیٹا گیا ہے، آپ کی مٹھی میں ہے اور اس سے پانی نکل رہا ہے۔ اسی دوران ایک کہنے والا کہتا ہے، بس کرو بس کرو، تمام دنیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں ہے، زمین کی تمام مخلوق خوشی خوشی آپ کے قبضے میں آچکی ہے۔ آپ فرماتی ہیں: پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ چودھویں شب کے چاند کی طرح نظر آرہے ہیں اور آپ کی خوشبو خالص کستوری کی طرح پھیلتی ہے اور تین شخص ہیں: ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید ریشم ہے، اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی جس سے دیکھنے والوں کو حیرانگی ہوتی تھی۔ اس نے اسے اس لوٹے سے سات مرتبہ دھویا پھر آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر لگائی گئی، اس کے بعد آپ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور ایک ساعت کے لیے اپنے پروں کے درمیان داخل کردیا اور اس کے بعد میری طرف لوٹا دیا۔

اس حدیث کو ابو نعیم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث منکر ہے۔[1]

میلاد شریف کے بارے میں دیگر روایات

حافظ ابو بکر بن عائذ نے اپنی کتاب "المولد" میں روایت کیا ہے جیسا کہ ان سے شیخ بدر الدین زرکشی نے شرح بردۃ المدیح میں نقل کیا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ

[1] حدیث منکر وہ حدیث ہوتی ہے جس میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف راوی کی مخالفت کرے۔

علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو جنت کے خازن فرشتے رضوان نے آپ کے کان مبارک میں کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مبارک ہو، آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا علم دیا گیا، پس آپ ان سب سے زیادہ علم والے ہیں اور آپ کا قلب اقدس ان سے زیادہ شجاعت سے بھرپور ہے۔

حضرت محمد بن سعد ایک جماعت سے حدیث نقل کرتے ہیں جن میں حضرت عطا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ مجھ سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک ایسا نور برآمد ہوا جس سے آپ کے لئے مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہی روشنی ہوگئی پھر آپ ہاتھوں پر ٹیک لگائے ہوئے زمین پر تشریف لائے پھر آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ (طبقات ابن سعد، جلد اول، ص ۱۰۰)

امام طبرانی نے روایت کیا کہ جب آپ زمین پر تشریف لائے تو آپ کی مٹھی بند تھی اور آپ شہادت کی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے جس طرح کوئی شخص اس انگلی کے ذریعے تسبیح بیان کر رہا ہو۔

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت ام عثمان ثقفیہ (فاطمہ بنت عبداللہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو میں نے دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا ہے اور میں نے ستاروں کو دیکھا کہ وہ قریب آ رہے ہیں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ عنقریب وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل، بزار، طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں (اس وقت بھی) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور آخری نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے؛ (دلائل النبوۃ جز اول ص ۹) اور عنقریب میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا میں اپنے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اسی طرح خوابیں دیکھتی رہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات آپ کے لئے روشن ہو گئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷، ۱۲۸، شعب الایمان للبیہقی جلد ۲ ص ۱۳۴، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۱۳)

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابو نعیم نے حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ حضرت ام سلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، آپ فرماتی ہیں: جس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے حتیٰ کہ میں نے ان (محلات) کو دیکھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۴۶)

ابو نعیم نے ہی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بنو سعد کی اس خاتون سے روایت کرتے

ہیں جس نے آپ کو دودھ پلایا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ گویا مجھ سے ایک شہاب (ستارہ) برآمد ہوا جس سے زمین روشن ہوگئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے۔

حضرت ہمام بن یحییٰ حضرت اسحٰق بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ جب میں نے ان کو جنا تو مجھ سے ایک نور برآمد ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے تو مجھ سے آپ کی ولادت اس پاکیزگی کے ساتھ ہوئی کہ آپ کے ساتھ کوئی گندگی نہ تھی۔ ابن سعد نے اسے روایت کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۰۲)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

انت لما ولدت اشرقت الارض　　وضاءت بنورك الافق

فنحن فی ذاك الضياء وفی　　النور وسبل الرشاد نخترق

"جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے افق منور ہوگیا"۔

"پس ہم اس روشنی اور نور اور ہدایت کے راستے میں چل رہے ہیں"۔

لطائف (لطائف المعارف) میں (صاحب کتاب حافظ عبدالرحمٰن بن رجب نے) فرمایا کہ آپ کی ولادت کے وقت نور کے نکلنے میں اس نور کی طرف اشارہ تھا جو آپ لے کر آئے اور اس کے ذریعے تمام اہل زمین کو ہدایت ملی، نیز اس کی وجہ سے شرک کا اندھیرا دور ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ۔ (المائدہ: ۱۶،۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اور روشن کتاب آئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا پر چلتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکالتا ہے۔

آپ کے ساتھ نکلنے والے نور کے ساتھ بصریٰ کے محلات کا روشن ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ملک شام آپ کے نور نبوت سے خاص کیا گیا کیونکہ وہ آپ کی حکومت میں شامل ہوا جس طرح حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ پہلی کتابوں میں یوں مرقوم ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، آپ کا مقام ہجرت یثرب (مدینہ طیبہ) اور آپ کی حکومت شام میں ہے۔

تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا اور آپ کی سلطنت شام پر مکمل ہوئی، اسی لئے شب معراج آپ کو شام یعنی بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا جس طرح آپ سے پہلے حضرت ابراہیم نے شام کی طرف ہجرت فرمائی، اسی مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اسی سرزمین پر میدان حشر ہوگا۔

امام احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

علیکم بالشام فانها خیرة الله من ارضه یجتبی الیها خیرته من عباده۔

تم پر شام (میں ٹھہرنا) لازم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور وہ اپنے اچھے بندوں کو اس کی طرف جمع کرتا ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۰، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۳۶، مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۵۱)

ابو نعیم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے اور انہوں نے اپنی والدہ الشفاء (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں: جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وِلادت باسعادت ہوئی تو آپ میرے ہاتھ میں تشریف لائے اور آپ نے آواز نکالی (یعنی چیخ ماری) تو میں نے کسی کہنے والے سے سنا جو کہہ رہا تھا: "یرحمک الله" (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے) حضرت شفاء فرماتی ہیں: میرے لئے مشرق و مغرب کے درمیان جگہ روشن ہوگئی حتیٰ کہ میں نے روم کے بعض محلات دیکھے۔ فرماتی ہیں: پھر میں نے آپ کو لباس پہنایا (بعض نسخوں کے مطابق البنتہ، یعنی میں نے آپ کو دودھ پلایا بھی آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے قریب کیا تاکہ دودھ نوش فرمائیں) اور آپ کو لٹا دیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندھیرے، رعب اور لرزے نے مجھے گھیر لیا پھر آپ کو مجھ سے غائب کردیا گیا تو میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ تم ان کو کہاں لے گئے تھے؟ اس نے کہا: "مشرق کی طرف۔" حضرت شفاء فرماتی ہیں: یہ بات میرے دل میں ہمیشہ اسی طرح رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، پس میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں تھی۔

ولادت نبوی کے عجائبات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے عجائب میں وہ بات بھی ہے جسے امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا تھا اسے سمجھتا تھا کہ ایک صبح ایک یہودی چلانے لگا: اے یہودیوں کے گروہ! اے یہودیوں کی جماعت! چنانچہ وہ سب اس کے پاس جمع ہوگئے۔ میں سن رہا تھا وہ کہنے لگے: تیرے لئے ہلاکت ہو کیا بات ہے؟ اس نے کہا: حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جس کے باعث آج رات آپ کی ولادت ہوئی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک یہودی مکہ مکرمہ میں رہتا تھا، جس رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس نے کہا: اے جماعت قریش! کیا آج رات تم لوگوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا: دیکھو آج اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان علامت ہے۔ وہ واپس گئے اور معلوم کیا تو کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی ان قریش کے ہمراہ آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس گیا چنانچہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ جب یہودی نے علامت دیکھی تو

بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا: اے قریش! بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اے گروہ قریش سنو! اللہ کی قسم! اس نبی کو تمہارے ذریعے ایسی شوکت حاصل ہو گی کہ اس کی خبر مشرق و مغرب میں پھیلے گی، اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۱، تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۴۸)

آپ کی ولادت کے عجائب میں سے وہ بات بھی ہے جو ایوان کسریٰ میں زلزلہ بپا ہونے کے سلسلے میں مروی ہے کہ اس کے چودہ کنگرے گر گئے، بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہو گیا نیز ایران کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے (جل رہی تھی اور) کبھی نہ بجھی تھی... جیسا کہ امام بیہقی اور ابو نعیم نے نیز خرائطی نے الھواتف میں ذکر کیا اور ابن عساکر سے بھی منقول ہے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۴۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۳۶)

چودہ کنگرے گرنے میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ان کنگروں کی تعداد کے مطابق حکمران (مرد و عورتیں) یہاں حکمرانی کریں گے۔ چنانچہ ابن ظفر کے بیان کے مطابق (ایران میں) چار سالوں میں دس حکمرانوں نے حکومت کی۔ ابن سید الناس (ابو الفتح محمد بن محمد الیعمری الاندلسی) نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک باقی حکمرانوں نے حکومت کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۹)

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائب میں سے یہ بات بھی ہے کہ شہاب (ستاروں) کے ذریعے آسمان کی مزید حفاظت کی گئی اور وہاں تک شیطان کی رسائی ختم ہو گئی۔ نیز ان (شیاطین) کو وہاں کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سننے سے منع کر دیا گیا۔ (ابو محمد عبداللہ بن ابو زکریا یحییٰ بن علی) شقراطیسی نے کیا اچھا کہا ہے، وہ کہتے ہیں:

ضاءت لمولده الافاق واتصلت
بشری الهواتف في الاشراق والطفل
وصرح كسرى تداعى من قواعده
وانقض منكسر الارجاء ذا ميل
ونار فارس لم توقد وما خمدت
مذ الف عام ونهر القوم لم يسل
خرت لمولده الاوثان وانبعثت
ثواقب الشهب ترمي الجن بالشعل

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت تمام آفاق روشن ہو گئے اور صبح و شام ہمیں غیبی ہاتفوں سے خوشخبری ملنے لگی"۔

"کسریٰ کا محل اپنی بنیادوں سمیت گر گیا اور اس کے کنارے بہت جلدی گرنے لگے اور ایران کا آتش کدہ نہ جل سکا حالانکہ ایک ہزار سال سے یہ آگ کبھی نہ بجھی تھی اور قوم کا دریا (بحیرہ ساوہ) جاری نہ ہو سکا نیز آپ کی ولادت کے وقت بت سرنگوں ہو گئے اور شہاب (ستارے) اپنے شعلوں سے شیطانوں

کو مارنے لگے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی۔ (لطائف المعارف ص ۱۸۴)

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم، خطیب (بغدادی) اور ابن عساکر نے متعدد طرق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اعزاز و کرامت عطا کی ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ ضیاء (ضیاء الدین ابو عبداللہ) نے المختارہ (المختارہ فی الحدیث) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

(تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۱۳۲، المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۷ ص ۸۸، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۲۴، کنز العمال جلد ۱۱ ص ۴۱۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے، اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں فرمایا: تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۳)

حافظ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کی صحت کا علم نہیں تو، تواتر کیسے ہوگا؟ لیکن ان کو یوں جواب دیا گیا کہ احادیث کے تواتر سے اس حدیث کی شہرت اور کتب سیرت میں کثرت سے منقول ہونا مراد ہو سکتا ہے۔ وہ تواتر جو محدثین کی اصطلاح ہے اور اس میں سند کا اعتبار ہوتا ہے، مراد نہیں ہے۔

ختنہ کے بارے میں دوسرا قول بھی ہے، حافظ زین الدین العراقی سے منقول ہے کہ کمال بن عدیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ شدہ پیدا ہونے سے متعلق احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات ثابت نہیں ہے، وہ اسی بات پر ڈٹ گئے۔ ابن قیم نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے اور پھر کہا کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں ہے، بہت سے لوگ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

(زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بچہ چاند (کے جوبن) میں پیدا ہوتا ہے (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے) تو اس کا قلفہ (پیشاب گاہ کا سوراخ) کھل جاتا ہے۔ پس وہ ختنہ شدہ کی طرح ہوتا ہے۔ ابن درید (محمد بن حسن لغوی) کی تصنیف "الوشاح" میں ہے کہ ابن کلبی کہتے ہیں:

---

[1] امام زرکشی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح، حاکم کی تصحیح سے زیادہ درجہ رکھتی ہے۔ مغلطائی نے بھی اسے صحیح قرار دیا نیز ابو نعیم نے اسے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۱۳۶)

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد بارہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے جن میں سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ انبیاء کرام حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت نوحؑ، حضرت سام، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت شعیب، حضرت یحییٰ، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام ہیں۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی کیا گیا۔)

اس عبارت میں مجاز کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ ختنہ کاٹنے کا نام ہے اور یہ بات یہاں ظاہر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کاٹنے کے بغیر اس صورت میں پیدا فرماتا ہے۔ لہٰذا اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس صورت پر پیدا فرماتا ہے کہ عضو کٹا ہوا ہوتا ہے۔

ختنہ کے بارے میں تین قول

اس اختلاف کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے بارے میں تین قول حاصل ہوئے:

(۱) آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۲) آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے پیدائش کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا، دعوت کا اہتمام کیا اور آپ کا نام محمد رکھا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

یہ بات ولید بن مسلم نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور ابن عبدالبر نے تمہید میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔

(۳) آپ کا ختنہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوا جیسا کہ ابن قیم اور دمیاطی (حافظ امام شیخ المحدثین شرف الدین ابو محمد عبدالمومن بن خلف الشافعی المتوفی سنۃ خمس و سبعمائۃ) نے ذکر کیا۔

نیز مغلطائی (امام حافظ علاء الدین بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ) نے بھی ذکر کیا، ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا ختنہ کیا جب کہ آپ کے دل کو دھویا گیا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۶ ص ۳۸۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم جزء اول ص ۴۶)

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے بھی ابو بکرہ کی حدیث سے ذکر کیا لیکن امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے (یعنی یہ ایسی حدیث ہے جو قابل اعتماد راویوں کی روایت کے مقابلے میں ایسے راویوں نے روایت کی ہے جو قابل اعتماد نہیں ہیں)[۱]

---

[۱] جن لوگوں کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا نہیں ہوئے، ان کا استدلال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لائق یہی بات تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن آزمائشوں کا ذکر ہے ان میں ایک آزمائش ختنہ بھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت آزمایا گیا لہٰذا ختنہ کے ساتھ بھی آپ کی آزمائش ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ختنہ شدہ پیدا ہونے کا فلسفہ یہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی شرمگاہ نہ دیکھ سکے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحتاً مروی ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۱۵۰) ۱۲ ہزاروی۔

ختنہ کا شرعی حکم

ختنہ بچے کے قلفے کو کاٹنا جو اس کے عضو تناسل کے سرے کو ڈھانپتا ہے اور بچی کی شرمگاہ کے اوپر والے حصے سے کچھ چمڑا کاٹنا ہے۔ مرد کے ختنہ کو "اعذار" اور عورت کے ختنہ کو "خفاض" کہتے ہیں۔ علماء کرام کا اس کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک ختنہ سنت ہے واجب نہیں، حضرت امام مالک، حضرت امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ کا یہی قول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اسے واجب کہتے ہیں، مالکیوں میں سے سحنون (عبدالسلام بن سعید تنوخی قیروانی المتوفی ۲۴۰ھ) کے قول کا تقاضا بھی یہی ہے، بعض اصحاب شافعی کے نزدیک مردوں کے حق میں ختنہ واجب ہے جبکہ عورتوں کے حق میں سنت ہے۔

سنت کا قول کرنے والوں کی دلیل ابو الملیح بن اسامہ کی روایت ہے۔ (ان کا نام عامر یا زید یا زیادہ ہے اور وہ تابعی ہیں) وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

الختان سنة للرجال مكرمة للنساء۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۷۵)

ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے محض عزت کا باعث ہے (مردوں کے مقابلے میں کم درجہ میں ہے)۔

اس حدیث کو حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

جو حضرات اسے واجب قرار دیتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت سے مراد خلاف واجب نہیں بلکہ اس سے طریقہ مراد ہے اور انہوں نے اس کے واجب ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النحل: ۱۲۳)

یہ کہ آپ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا ہے۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اختتن ابراهيم النبي عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة بالقدوم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اسی (۸۰) سال کے تھے تو تیشے کے ساتھ آپ نے اپنی ختنہ کی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۷۳، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۵، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۴۱۵)

امام ابوداؤد نے نقل کیا کہ ایک نئے مسلمان ہونے والے شخص سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الق عنك شعر الكفر واختتن۔

اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور اپنی ختنہ کرو۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۹۸، مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۱۵)

قفال نے اس کے وجوب پر یوں استدلال کیا ہے کہ قلفہ کا باقی رہنا نجاست کو روکتا ہے اور نماز کی صحت میں رکاوٹ بنتا ہے، لہٰذا اسے دور کرنا واجب ہے۔[1]

ختنہ کی حکمت

حضرت امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں: ختنہ کی حکمت یہ ہے کہ حشفہ میں قوی رکاوٹ ہوتی ہے پس جب تک وہ قلفہ کے ساتھ چھپا رہتا ہے مباشرت (جماع) کے وقت لذت زیادہ ہوتی ہے اور جب قلفہ کاٹ دیا جاتا ہے تو لذت کمزور پڑ جاتی ہے اور یہی بات ہماری شریعت کے زیادہ لائق ہے لذت کو ختم کرنا نہیں جس طرح مانوی کرتے ہیں۔[2] یہ افراط (حد سے بڑھنا) ہے اور قلفہ کو باقی رکھنا تفریط (کمی کرنا) ہے لہٰذا درمیانی راہ ختنہ کرنا ہے۔

اور جب ہم (شافعی مسلک کے لوگ) ختنہ کو واجب سمجھتے ہیں تو ہمارے مذہب کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ اس کا وقت بلوغت کے بعد ہے جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کس کی طرح تھے؟ (کتنی عمر کے تھے) فرمایا: میں اس وقت ختنہ شدہ تھا اور وہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے ختنہ نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ کتاب الاستیذان) اور ہمارے بعض اصحاب شافعی فرماتے ہیں: بچے کے ولی پر واجب ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے اس کی ختنہ کرے... اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

[1] حضرت امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اور پھر یہ کہ اس طرح عورتوں کی ختنہ بھی واجب ہونی چاہئے مردوں کی تخصیص کیوں ہے (لہٰذا یہ سنت ہے واجب نہیں)۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۲۹)

[2] مانی بن فاتک زندیق کے ماننے والے مانوی کہلاتے ہیں۔ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سابور کے زمانے میں منظر عام پر آیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے کہا کہ عالم کی دو اصل ہیں: خیر کا خالق نور ہے اور شر کا خالق اندھیرا ہے اور یہ دونوں قدیم ہیں۔

ولادت مبارکہ کا زمانہ اور وقت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سال ولادت میں اختلاف ہے۔ اکثر (مورخین) کے نزدیک عام الفیل سال ولادت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ بعض علماء نے اس قول کو متفق علیہ قرار دیا ہے اور فرمایا: اس کے خلاف جتنے اقوال ہیں وہ وہم ہیں۔
اور مشہور یہ ہے کہ آپ واقعۂ فیل (ہاتھی والا واقعہ جو پہلے ذکر ہوا) کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے۔ ایک جماعت کے ساتھ امام سہیلی کا بھی یہی موقف ہے۔ (السیرۃ النبوۃ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۷)
ایک قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت واقعۂ فیل کے پچپن دن بعد ہوئی ہے۔ دوسروں کے علاوہ دمیاطی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واقعۂ فیل کے ایک مہینہ یا چالیس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ اس واقعہ کے دس سال بعد آپ پیدا ہوئے۔ (مغلطائی کہتے ہیں یہ قول صحیح نہیں ہے) یہ بھی کہا گیا کہ ولادت مبارکہ واقعۂ فیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔
مشہور یہ ہے کہ آپ واقعۂ فیل کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ ہاتھی کا واقعہ آپ کی نبوت کا مقدمہ اور آغاز تھا ورنہ اصحاب فیل ابن قیم کے قول کے مطابق اہل کتاب (نصاریٰ) تھے اور اس وقت اہل مکہ کے دین کے مقابلے میں ان کا دین بہتر تھا کیونکہ اہل مکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان (اہل مکہ) کو اہل کتاب پر مدد دی۔ اس میں کسی بندے کا دخل نہ تھا بلکہ یہ اس عظمت والے نبی کی آمد کی خبر تھی جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے نیز عزت والے شہر (مکہ مکرمہ) کی تعظیم کی وجہ سے ایسا ہوا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۱)

ولادت نبوی کا مہینہ

اس مہینے میں بھی اختلاف ہے جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ربیع الاول شریف کا مہینہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور ابن جوزی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔
(الوفا لامام ابن جوزی جلد اول ص ۹۰)
لیکن یہ (اتفاق) محل نظر ہے کیونکہ ماہ صفر کا قول بھی کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ربیع الثانی میں

پیدا ہوئے۔ کسی نے کہا کہ آپ کی ولادت رجب میں ہوئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ماہ رمضان المبارک کا قول بھی کیا گیا ہے۔ یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جو صحیح نہیں لیکن ان لوگوں کے قول کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ ایام تشریق میں حاملہ ہوئی تھیں۔ سب سے زیادہ تعجب خیز قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت عاشوراء (دس محرم) کو ہوئی۔

ولادت کا دن

مہینے کے کس دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے، اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کوئی متعین دن نہیں ہے، آپ ربیع الاول شریف کے کسی سوموار کو پیدا ہوئے لیکن جمہور کے نزدیک یہ دن متعین ہے۔

پس کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر آپ کی ولادت ہوئی۔ ایک قول کے مطابق آٹھ ربیع الاول کا دن تھا۔ شیخ قطب الدین عسقلانی (شافعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء حدیث نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی بات منقول ہے۔ اس معاملے کی معرفت رکھنے والے اکثر حضرات کا مختار قول یہی ہے۔ حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے یہی قول اختیار کیا۔ قضاعی (ابو عبداللہ محمد بن سلامہ فقیہ شافعی) نے "عیون المعارف" میں اس پر اہل میقات کا اجماع نقل کیا ہے۔ امام زہری نے یہ بات حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور وہ اہل عرب کے نسب اور تاریخ کو زیادہ جاننے والے تھے، انہیں یہ بات اپنے والد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوئی۔

کہا گیا کہ آپ کی ولادت دس ربیع الاول شریف کو ہوئی اور کہا گیا کہ ولادت نبوی بارہ ربیع الاول شریف کو ہوئی اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ وہ اسی دن آپ کے مولد شریف (جائے ولادت) کی زیارت کرتے ہیں۔[1]

کسی نے کہا: سترہ ربیع الاول، کسی نے اٹھارہ ربیع الاول، اور کسی کا قول ہے کہ ابھی ربیع الاول کے آٹھ دن باقی تھے کہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، کہا گیا ہے کہ یہ دونوں قول جن لوگوں سے منسوب ہیں ان سے صحیح ثابت ہی نہیں ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول شریف کو سوموار کے دن ہوئی، ابن اسحٰق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۷ حاشیہ)

نیز یہ کہ ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاول ہی تھا۔ محرم، رجب، رمضان یا کوئی دوسرا معزز و محترم مہینہ نہیں تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عز و شرف کا تعلق کسی مہینے سے نہیں، بلکہ مقامات کی طرح زمانے

[1] معلوم ہوا کہ اہل عرب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے حتیٰ کہ آپ کے مولد شریف کی زیارت بھی کرتے تھے اور اسے بدعت نہیں سمجھتے تھے۔ میلاد شریف کے خلاف بدعت کے فتووں کا رواج نجدیوں کی اختراع ہے..... ۱۲ ہزاروی۔

کو بھی آپ سے نسبت کی وجہ سے شرف حاصل ہوا۔
اگر آپ کی ولادت ان مہینوں میں سے کسی مہینے میں ہوتی تو یہ وہم کیا جاتا کہ آپ کو فلاں مہینے کی وجہ سے شرف اور مرتبہ ملا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت ان مہینوں کے علاوہ مہینے میں رکھی تاکہ اس مہینے پر آپ کی عنایت اور آپ کے ذریعے اس کی کرامت کا اظہار ہو۔
جب جمعۃ المبارک کا یہ عالم ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ہوئی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں کوئی مسلمان بندہ بھلائی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے تو اس وقت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس میں تمام مرسلین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن یعنی سوموار کو وہ عبادات نہیں رکھیں جو جمعہ کے دن رکھیں جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے یعنی جمعہ کی نماز اور خطبہ وغیرہ' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و اکرام کے طور پر آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے سوموار کے دن آپ کی امت پر تخفیف رکھی' ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور اس رحمت میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے دن کسی خاص عبادت کا مکلف نہیں بنایا۔

وقت ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت میں بھی اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ سوموار کا دن ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذاک یوم ولدت فیہ وانزلت علی فیہ النبوۃ۔ یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مبعوث ہوا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۸ کتاب الصیام)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ دن کے وقت پیدا ہوئے۔
مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ سوموار کے دن آپ کو نبوت دی گئی (اعلان نبوت فرمایا) سوموار ہی کے دن آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ طیبہ میں سوموار کے دن داخل ہوئے اور حجر اسود کو بھی سوموار کے دن نصب فرمایا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۷۷' تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۳۳) اسی طرح فتح مکہ کا واقعہ اور سورہ المائدہ کا نزول بھی سوموار کے دن ہوا۔

یہ بھی مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سوموار کے دن فجر کے وقت ہوئی۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مرالظہران کے مقام پر ایک شامی راہب تھا جس کو عیصی کہا جاتا تھا۔ وہ کہتا تھا: اے اہل مکہ! عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ اہل عرب اس کے دین کو اختیار کریں گے اور وہ عجم کا بھی مالک ہوگا۔ یہ اس (بچے) کا زمانہ ہے چنانچہ جب بھی مکہ مکرمہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا اس کے بارے میں پوچھا جاتا۔ جب وہ صبح ہوئی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلب، عیصی راہب کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اسے آواز دی تو وہ متوجہ ہوا اور کہا (اے عبدالمطلب!) اس بچے کے باپ ہو جاؤ۔ تحقیق وہ بچہ جس کے بارے میں، میں تم سے بیان کرتا تھا وہ سوموار کے دن پیدا ہوگا سوموار کے دن اعلان نبوت کرے گا اور اس کا وصال بھی سوموار کے دن ہوگا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا: اس رات کی صبح ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا: آپ نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیصی راہب نے کہا: اللہ کی قسم! میں چاہتا تھا کہ وہ بچہ آپ کے گھرانے میں ہی پیدا ہو۔ اس بچے میں تین امتیازی خصوصیات ہیں اور وہ پائی گئی ہیں: ایک یہ کہ اس کا ستارہ گزشتہ رات طلوع ہوا، دوسری یہ کہ وہ آج کے دن پیدا ہوا اور تیسری یہ کہ اس بچے کا نام محمد ہے۔

اس روایت کو ابو جعفر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابو نعیم نے دلائل (دلائل النبوۃ) میں اسے ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۷۲)

کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت "غفر" کے طلوع ہونے کے وقت ہوئی اور یہ چھوٹے چھوٹے تین ستارے ہیں جن کے پاس چاند اترتا ہے اور یہ انبیاء کرام کی ولادت کا وقت ہے اور شمسی مہینوں میں سے یہ نیسان کے موافق ہے اور یہ برج حمل ہے اور اس مہینے کے بیس دن گزر چکے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت رات کے وقت ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا۔ جس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس نے کہا: اے گروہ قریش! کیا آج رات تم لوگوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا: آج رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان ایک علامت ہے۔ جس میں چند بال ہیں جو اکٹھے ہیں گویا وہ گھوڑے کی کلغی ہے۔

چنانچہ وہ یہودی کے ساتھ گئے اور اسے آپ کی والدہ کے ہاں لے گئے اور کہنے لگے: اپنا بچہ لائیے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو باہر لائیں تو انہوں نے پیٹھ مبارک سے کپڑا ہٹا کر وہ علامت دیکھی اور یہودی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو انہوں نے پوچھا: تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۱)

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت دن کے وقت ہوئی اور جو کچھ ستاروں کے اترنے کے بارے میں مروی ہے اسے ابن دحیہ نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس سے آپ

کی ولادت رات کے وقت ثابت ہو رہی ہے اور فرمایا کہ اس بات کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ زمانہ نبوت خلاف عادت باتوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور جائز ہے کہ دن کو بھی ستارے اتریں۔

لیلۃ القدر اور شب میلاد

اگر تم کہو کہ جب ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ رات کے وقت ہوئی ہے تو لیلۃ القدر افضل ہے یا میلاد شریف کی رات؟

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی رات افضل ہے اور اس کی تین وجوہ ہیں:

(۱) میلاد شریف کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے اور لیلۃ القدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور جس چیز کو مشرف ذات کی وجہ سے شرف حاصل ہوا وہ اس ذات سے زیادہ شرف والی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس ذات کو عطا کی گئی اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں، پس اس اعتبار سے میلاد شریف کی رات افضل ہے۔

(۲) لیلۃ القدر کو شرف اس لئے حاصل ہے کہ اس میں فرشتے اترتے ہیں اور میلاد شریف کی رات اس لئے افضل ہے کہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور جس ذات کی وجہ سے میلاد شریف کی رات مشرف ہوئی وہ ذات ان (فرشتوں) سے افضل ہے جن کے ذریعے لیلۃ القدر کو شرف حاصل ہوا۔ یہی زیادہ صحیح پسندیدہ قول ہے۔

(۳) شب قدر میں صرف امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر فضل خداوندی ہوتا ہے جب کہ میلاد شریف کی رات میں تمام موجودات پر فضل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا پس اس طرح تمام مخلوق کو نعمت حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس رات کا نفع عام ہوا اور یہ رات افضل قرار پائی۔

تو اے مہینے! تو کس قدر شرف کا حامل ہے اور تیری راتیں کس قدر قابل احترام ہیں گویا ہاروں کے موتی ہیں اور اے چہرہ مبارکہ! یہ مولود کس قدر شرف و عزت والا ہے، پس وہ ذات پاک ہے جس نے اس کی ولادت باسعادت کو دلوں کے لئے بہار اور اس کے حسن کو بے مثال بنایا۔

يقول لنا لسان الحال منه
وقول الحق يعذب للسميع
فوجهي والزمان وشهر وصفي
ربيع في ربيع في ربيع

"اور آپ زبان سے ہمیں فرماتے ہیں اور سچی بات سننے والے کو میٹھی لگتی ہے، کہ میرا چہرہ، زمانہ اور ولادت کا مہینہ بہار میں بہار میں بہار ہے"۔

مدت حمل اور جائے ولادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مدت والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں رہے، اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نو مہینے، کسی نے کہا آٹھ مہینے، کسی نے کہا سات ماہ اور کسی کا قول ہے کہ چھ مہینے مدت حمل ہے۔

اور آپ کی ولادت اس مکان محترم میں ہوئی جو (بعد میں) حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس رہا اور اسے "شعب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اس سے پہلے یہ مکان عقیل بن ابی طالب کے پاس تھا۔ ان کے بیٹے نے محمد بن یوسف پر بیچا۔ (آج کل وہاں ایک لائبریری قائم ہے اور اس کے قریب سے سرنگ نکلتی ہے جو منیٰ کی طرف جاتی ہے... ۱۲ ہزاروی)

کہا گیا ہے کہ اس مکان کو ردم کہا جاتا ہے، کسی نے کہا عسفان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ولادت کے وقت دودھ پلانا

آپ کو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی تو ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا...

(ابولہب کے مرنے کے بعد) اسے خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: آگ میں ہوں البتہ ہر سوموار کی رات میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور میں ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں، اس نے انگلی کی طرف اشارہ کیا اور یہ (سہولت) اس وجہ سے ہے کہ میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا جب اس نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی، نیز اس نے آپ کو دودھ پلایا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۴، کتاب النکاح)

(محدث) ابن جوزی نے کہا کہ جب ابولہب کافر کا یہ حال ہے۔ جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا (قرآن میں فرمایا: تبت یدا ابی لھب و تب۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ ہلاک ہو۔) اسے ولادت نبوی کی خوشی میں جہنم کے اندر بھی اچھا بدلہ دیا گیا تو وہ مسلمان جو عقیدہ توحید پر قائم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی مناتا ہے اور جس قدر ممکن ہو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خرچ کرتا ہے، مجھے اپنی زندگی کی قسم! اللہ کریم کی طرف سے اسے یہ جزا ملے گی کہ وہ اس کو اپنے عام فضل و کرم سے نعمتوں والے باغات میں داخل کرے گا۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد

مسلمان ہمیشہ سے ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے میں محافل کا انعقاد کرتے چلے آئے ہیں، وہ

دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، (یوں وہ اپنی) نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں (یعنی ولادت مبارکہ کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے ان کو بیان کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان کا اہتمام کرتے ہیں) اور ان مسلمانوں پر ہر قسم کا فضل اور برکات ظاہر ہوتی ہیں۔

میلاد شریف کی محافل کے سلسلے میں اس بات کا تجربہ ہوا ہے کہ اس سال امن قائم رہتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لئے فوری خوشخبری ملتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو میلاد شریف کے مہینے کی راتوں کو عیدیں بناتا ہے تاکہ یہ (عید) ان لوگوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث بنے جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ (اور اس بیماری کا سبب وہ غصہ ہے جو ان کو میلاد شریف سے ہوتا ہے۔... ۱۲علامہ زرقانی)

میلاد شریف کی محافل کو لغویات سے پاک رکھا جائے

ابن حاج (ابو عبداللہ محمد بن محمد عبدری فارسی رحمہ اللہ) نے "المدخل" میں ان لوگوں کا سخت رد کیا ہے جو میلاد شریف کی محافل میں خواہشات کی تکمیل کے لئے بدعات[1] لہو و لعب اور مزامیر کے ساتھ گاتے ہیں۔[2] پس اللہ تعالیٰ اچھے ارادے کا ثواب عطا فرمائے اور ہمیں سنت کے مطابق راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[3] بے شک وہی ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

ذکر رضاعت

(صوفیاء میں سے اہل اشارہ نے) ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو کہا گیا کہ اس در یتیم کی پرورش کون کرے گا جس کی مثل کسی کا مقام نہیں۔ پرندوں نے کہا: ہم اس بچے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں اور اس کی خدمت عظیمہ کو غنیمت جانتے ہیں۔ جنگلی جانوروں نے کہا: ہمیں اس کا زیادہ حق ہے کہ یہ

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ میلاد شریف کی پاکیزہ محفل ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہونی چاہئے جیسے ابن حاج رحمہ اللہ نے خود وضاحت فرمائی کہ کھیل کود اور گانا بجانے سے اس محفل کو پاک رکھا جائے۔ بزرگان دین کا یہی عقیدہ ہے اور محفل میلاد کو ہی بدعت قرار دینا یہ بزرگوں کا عقیدہ نہیں بلکہ بعض لوگوں کی خواہشات کا نتیجہ ہے۔... ۱۲ہزاروی

[2] المدخل لابن الحاج جلد ۲ ص ۳ فصل المولد۔

[3] امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی، ہم شکر کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ (فرماتے ہیں:) اس سے معلوم ہوا کہ جس دن کوئی احسان ہوا ہو اس دن شکر ادا کرنا چاہئے اور حضور علیہ السلام کی ولادت سے بڑی نعمت کونسی ہو سکتی ہے اور شکر کی کئی صورتیں ہیں جیسے سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوت وغیرہ۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۱۴)

شرف و عظمت ہم حاصل کریں۔ چنانچہ زبان قدرت سے اعلان ہوا کہ اے تمام مخلوق! بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی سابق حکمت قدیمہ میں لکھ دیا ہے کہ اس کے نبی کریم کو دودھ پلانے کا شرف حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا۔

حدیث حلیمہ رضی اللہ عنہا

ابن اسحٰق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم رحمہم اللہ کی روایت کے مطابق حضرت حلیمہ[1] بنت ابوذویب عبداللہ بن حارث سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں بنو سعد بن بکر کی کچھ خواتین کے ہمراہ مکہ مکرمہ آئی، یہ قحط کا سال تھا اور ہم دودھ پینے والے بچے تلاش کر رہے تھے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۴۶)

میں اپنی ایک دراز گوش پر آئی اور میرے ساتھ ہمارا ایک بچہ (عبداللہ بن حارث) اور بوڑھی اونٹنی تھی۔ اللہ کی قسم وہ ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھی اور ہم (بھوک کی شدت کی وجہ سے) بچے سمیت رات بھر نہ سوئے۔ میرے پستانوں میں اس قدر دودھ نہ تھا کہ بچے کو کافی ہوتا اور اونٹنی کا دودھ بھی نہ تھا کہ غذا کا کام دیتا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۸ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۳۲)

ہم مکہ مکرمہ پہنچے، اللہ کی قسم! ہم میں سے جس عورت کو معلوم ہوا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا لیکن ہر عورت نے انکار کر دیا۔ قسم بخدا! میری تمام ساتھی عورتوں نے کوئی نہ کوئی بچہ لے لیا اور میرے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا بچہ نہ تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اپنی ان ساتھی عورتوں کے ساتھ یوں واپس جاؤں کہ میرے پاس کوئی بچہ نہ ہو، میں جا کر اس یتیم بچے کو لے لیتی ہوں، میں گئی تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا اور اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس کے نیچے ایک سبز ریشمی کپڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے سانس لے رہے تھے۔ میں نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھا تو مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ جاگ نہ جائیں۔ میں کچھ قریب ہوئی اور اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ پر رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور مجھے دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولیں۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے نور نکلا جو آسمان کے اندر چلا گیا اور میں دیکھ رہی تھی۔ میں نے آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنا دایاں پستان آپ کے دہن مبارک میں دے دیا۔ آپ نے جس قدر چاہا دودھ نوش فرمایا پھر میں نے آپ کو بائیں جانب پھیرا تو آپ نے دودھ نہ پیا، بعد میں بھی آپ کی یہی حالت رہی...

اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے باخبر کر دیا تھا کہ اس دودھ میں آپ کے ساتھ کوئی

---

[1] حضرت حلیمہ سعدیہ کے بارے میں ہے کہ آپ غزوۂ حنین کے دن حاضر ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے چادر بچھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ انھوں نے حضور علیہ السلام اور ان سے عبداللہ بن جعفر نے احادیث روایت کی ہیں۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۴۱ بحوالہ الاستیعاب)

اور بھی شریک ہے۔ لہٰذا آپ کے دل میں عدل کا الہام فرمایا۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے (رضاعی) بھائی نے بھی سیر ہو کر پیا۔

پھر میں نے آپ کو لے لیا اور سیدھی اپنی منزل پر لے آئی۔ میں نے آپ کو دودھ پلایا تو آپ نے بھی اور آپ کے (رضاعی) بھائی نے بھی سیر ہو کر پیا۔ میرا خاوند اونٹنی کی طرف گیا تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے اس کا اس قدر دودھ دوہا کہ میں نے اور میرے خاوند دونوں نے سیر ہو کر پیا اور ہم نے ایک اچھی رات گزاری۔ میرے خاوند نے کہا: اے حلیمہ! خدا کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم نے مبارک شخصیت کو حاصل کیا ہے، کیا تو نہیں دیکھتی کہ جب سے ہم نے اس بچے کو لیا ہے ہم نے خیر و برکت کے ساتھ رات گزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ خیر و برکت عطا فرمائے گا۔

ایک روایت، جسے ابن طغربک نے "النطق المفهوم" میں ذکر کیا ہے، کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب میرے خاوند نے یہ بات دیکھی تو کہا کہ خاموش رہنا اور یہ بات چھپائے رکھنا، جس رات یہ بچہ پیدا ہوا اس وقت سے یہود کے علماء کو نہ دن کی زندگی اچھی لگتی ہے اور نہ ہی رات کو نیند آتی ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عورتوں نے ایک دوسری کو الوداع کہا اور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے رخصت ہوئی، پھر میں اپنی دراز گوش پر سوار ہو گئی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے رکھا۔ فرماتی ہیں: میں نے دراز گوش کو دیکھا کہ اس نے کعبہ شریف کی طرف تین سجدے کئے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر چل پڑی حتیٰ کہ ان دوسرے لوگوں کے جانوروں سے آگے نکل گئی جو میرے ساتھ تھے۔ وہ سب مجھ پر تعجب کرنے لگے اور عورتیں جو میرے پیچھے تھیں مجھ سے کہنے لگیں: اے ابوذویب کی بیٹی! تیری یہ دراز گوش وہی ہے جس پر تو آئی تھی حالانکہ اس وقت تو ہمارے ساتھ بھوکی تھی، یہ سواری کبھی تجھے جھکا دیتی اور کبھی بلند کر دیتی تھی؟

تو میں جواب میں کہتی: اللہ کی قسم! یہ وہی دراز گوش ہے، چنانچہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگیں: اس کی بڑی شان ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس دراز گوش سے سنتی تھی، وہ کہہ رہی تھی: اللہ کی قسم! میری ایک شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد زندگی دی اور کمزوری کے بعد میرا موٹاپا مجھے لوٹا دیا۔ اے بنو سعد کی عورتو! اللہ تم پر رحم کرے، تم غفلت میں ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ میری پیٹھ پر کون ہے؟ میری پیٹھ پر تمام نبیوں میں سے بہتر انسان، تمام رسولوں کے سردار اور تمام جہانوں کے رب کا محبوب ہے۔

ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم بنو سعد کے ٹھکانوں پر آئے اور میرے علم کے مطابق اس زمین سے بڑھ کر کوئی زمین غیر آباد (اور خشک) نہ تھی۔ لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو میری بکریاں سیر ہو کر چرتیں اور خوب دودھ والی ہو گئیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے لیکن دوسرے لوگ ایک قطرہ دودھ نہ دوہتے اور نہ ان کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہوتا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے وہ لوگ جو وہاں اترے

تھے، اپنے چرواہوں سے کہتے کہ وہاں چرایا کرو جہاں ابو ذویب کی بیٹی کے چرواہے چراتے ہیں۔ پس ان کی بکریاں شام کو بھوکی واپس آتیں اور دودھ کا ایک قطرہ تک نہ دیتیں جبکہ میری بکریاں سیر ہو کر اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۹)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس قدر برکت عطا فرمائی جس کے باعث حضرت حلیمہ کے جانور زیادہ ہو گئے، ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ اس خیر اور سعادت کو پہچانتیں اور اس سے بھلائی اور اضافہ کے ساتھ کامیابی حاصل کرتیں۔

لقد بلغت بالهاشمی حلیمة
مقاما علا فی ذروة العز والمجد
وزادت مواشیها و اخصب ربعها
وقد عم هذا السعد کل بنی سعد

"ہاشمی (دریتیم) کے ذریعے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا عزت و بزرگی کی بلند چوٹی تک پہنچ گئیں۔ ان کے جانور زیادہ اور ان کے مکان میں (یا قوم میں) تر و تازگی آ گئی اور یہ سعادت تمام بنو سعد کو حاصل ہوئی"۔

ابن طراح کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ محمد بن معلی ازدی کی کتاب الرقیص میں دیکھا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جن اشعار کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہلاتی تھیں۔ (لاڈ پیار کرتیں) ان میں یہ اشعار بھی ہیں۔

یا رب اذا اعطیته فابقه
واعله الی العلا وارقه
وادحض اباطیل العدا بحقه

"اے میرے رب! تو نے ہمیں یہ بچہ دیا ہے تو اسے باقی رکھنا اور ان کو بلند مقام تک پہنچانا۔ آپ کے بارے میں دشمن جو باطل خیال کریں اسے دور کر دے"۔

دوسرے حضرات کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء آپ کی پرورش کرتیں اور بہلاتیں اور یوں کہتیں

هذا اخ لم تلد امی   ولیس من نسل ابی و عمی
فدیته من مخول معمی   فانمه اللهم فیما تلنمی

"یہ میرے بھائی ہیں (لیکن) ان کو میری ماں نے نہیں جنا اور نہ ہی یہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں، میں اس پر اچھے ننھیال اور اچھے ددھیال کو فدا کر دوں۔ یا اللہ! جن کو تو بڑھاتا ہے ان میں ان کو بھی بڑھا"۔

امام بیہقی نے نیز امام صابونی (شیخ الاسلام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن الصابونی) رحمہم اللہ نے "المائتین" میں اور خطیب بغدادی اور ابن عساکر (دونوں) نے اپنی اپنی تاریخ میں اور ابن طغربک سیاف نے

"المنطق المفہوم" میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت آپ کی نبوت کی اس علامت نے دی ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا آپ پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کر رہے ہیں اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ جس طرف اشارہ کرتے وہ ادھر جھک جاتا۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس سے گفتگو کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے روکتا تھا، نیز جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا...

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایت صرف احمد بن ابراہیم جیلی نے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور امام صابونی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند اور متن غریب ہے لیکن معجزات کے سلسلے میں اس کا ذکر اچھا ہے۔[2]

(الصابونی فی المائتین والخطیب وابن عساکر بحوالہ کنز العمال جلد ۱۱ ص ۳۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۶)

پنگھوڑے میں گفتگو اور بعض دیگر خصوصیات

(شرح بخاری) فتح الباری میں سیرت واقدی سے نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت کے وقت کلام کیا اور ابن سبع نے خصائص میں لکھا ہے کہ آپ کا پنگھوڑا مبارک فرشتوں کے حرکت دینے سے حرکت کرتا تھا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ ص ۳۴۴)

امام بیہقی اور ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ میں نے آپ کا دودھ چھڑایا اور آپ نے پہلا کلام کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا" اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار حمد ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے لئے پاکیزگی بیان کرتا ہوں۔ جب آپ باہر جانے کی عمر کو پہنچے تو آپ باہر تشریف لے جاتے اور بچوں کو کھیلتا ہوا دیکھتے لیکن الگ رہتے۔[3]

(الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۱۳۴، ۱۳۷)

---

[1] فقیہ اعظم قافلہ سالار عشق رسالت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

[2] محدثین کی عادت ہے کہ وہ عقائد اور احکام کے علاوہ احادیث کی قبول میں نرمی سے کام لیتے ہیں بشرطیکہ موضوع (من گھڑت) حدیث نہ ہو نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت تین سال کے تھے۔

(شرح زرقانی جلد اول ص ۱۷۲، ۱۷۳) ۱۲ ہزاروی۔

[3] ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ باہر تشریف لے جاتے۔ آپ کا بھائی بچوں کے ساتھ کھیلتا تو آپ الگ رہتے، پھر اس کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے: ہم اس مقصد کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۱۷۳) ۱۲ ہزاروی۔

ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں، ان کی بے خبری میں آپ اپنی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بکریوں کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی تلاش میں نکلیں حتی کہ آپ کو آپ کی بہن (حضرت شیماء) ک ساتھ پایا تو پوچھا: اس گرمی میں (باہر کیوں آئے؟) آپ کی ہمشیرہ نے جواب دیا: اماں جان! میرے بھائی کو گرمی نہیں لگتی، میں نے دیکھا کہ بادل آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کھڑے ہوتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب آپ چلنے لگتے تو بادل بھی چل پڑتا حتی کہ اس جگہ تشریف لائے۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۵۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنی جلدی پروان چڑھتے اتنی جلدی دوسرے بچوں کی نشوونما نہیں ہوتی تھی۔

شق صدر کا واقعہ

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب میں نے آپ کو دودھ پلانا بند کیا تو ہم آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے حالانکہ ہم شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ ہمارے پاس مزید ٹھہریں کیونکہ ہم نے آپ کے وجود مسعود کے ذریعے برکات حاصل کیں، چنانچہ ہم نے آپ کی والدہ ماجدہ سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کو (مزید وقت) ہمارے پاس چھوڑیں حتی کہ آپ کو مزید قوت وطاقت حاصل ہو جائے۔ ہمیں ان پر مکہ مکرمہ کی وبا کا خوف ہے، ہم مسلسل مطالبہ کرتے رہے حتی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ بھیج دیا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر واپس لوٹ آئے۔

اللہ کی قسم! ہماری واپسی کے دو یا تین مہینے بعد آپ اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ ہمارے گھروں کے پیچھے بکریوں کے ساتھ تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کو لٹایا اور آپ کا پیٹ مبارک چاک کیا۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: میں اور آپ کے (رضاعی) باپ باہر نکل کر آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور آپ کا رنگ بدل چکا ہے۔ آپ کے (رضاعی) باپ نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا: بیٹا! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو شخص آئے جن کا لباس سفید تھا انہوں نے مجھے لٹایا اور میرا پیٹ چاک کیا پھر اس سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی، پھر پہلی حالت پر لوٹا دیا۔ پھر ہم آپ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ آپ کے (رضاعی) باپ نے کہا: اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ہمارے اس بیٹے کو کوئی گزند نہ پہنچے، ہمارے ساتھ چلو ہم اسے اس کے گھر والوں کو لوٹا دیں اس سے پہلے کہ وہ بات آپہنچے جس کا ہمیں خوف ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے آپ کو لیا حتی کہ مکہ مکرمہ میں آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: بچے کو واپس کیوں لے آئے؟ تم دونوں اس کی بہت زیادہ حرص رکھتے تھے۔

ہم نے کہا: ہمیں ان کے ضائع ہونے اور تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ سچ بتاؤ؟ انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا حتی کہ ہم نے ان کو پورا واقعہ بتا دیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہیں اس بچے پر شیطان کا خوف ہوا۔ قسم بخدا! ہرگز نہیں، شیطان اس بچے تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرے اس بچے کی بہت بڑی شان ہے تم اسے چھوڑ جاؤ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، وہ بنو عامر کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں: اس حدیث کو ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر قبیلے میں دودھ پیتا تھا کہ ایک دن میں وادی کے وسط میں اپنے کچھ ہم عمر بچوں کے ساتھ تھا کہ تین اشخاص پر مشتمل ایک جماعت آئی۔ ان کے پاس سونے کا ایک تھال تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھیوں کے درمیان سے مجھے پکڑا اور دوسرے بچے خوف زدہ ہو کر قبیلے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان (آنے والوں) میں سے ایک نے میرا قصد کیا اور نہایت آرام سے مجھے زمین پر لٹا دیا اور سینے کی ہڈی کے مقام سے ناف کے نیچے تک چاک کیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور مجھے اس کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا پھر انہوں نے میرے پیٹ سے آنتیں نکال کر ان کو برف سے نہایت اچھی طرح دھو کر ان کو واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر دوسرا اٹھا اور اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ اور اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ کے اندر ڈالا اور میرا دل نکالا۔ میں دیکھ رہا تھا، اس نے اسے چاک کیا اور اس سے گوشت کا سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا، پھر اپنے ہاتھ سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا جیسے کسی چیز کو پکڑ رہا ہو۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک نورانی انگوٹھی ہے جو آنکھوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے، اس نے اس کے ساتھ میرے دل پر مہر لگائی تو وہ بھر گیا اور یہ نبوت اور حکمت کا نور تھا، پھر اس دل کو بھی اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ میں اس انگوٹھی کی ٹھنڈک ہمیشہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔

پھر تیسرے نے کہا: تم ہٹو اور اس نے سینے سے ناف تک اپنا ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ تمام جگہ مل گئی جو چیری گئی تھی، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت آرام سے مجھے اٹھایا اور پہلے (فرشتے) سے کہا: ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ انہوں نے میرا وزن کیا تو میں ان سے بھاری نکلا، پھر کہا کہ ایک سو امتیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ پھر بھی میرا وزن زیادہ نکلا، پھر کہا کہ ایک ہزار کے ساتھ تولو۔ چنانچہ میں ان سے بھی زیادہ وزنی تھا۔ اس نے کہا: ان کو چھوڑ دو، اگر تم تمام امت کے ساتھ ان کا وزن کرو گے تو یہ سب پر بھاری ہوں گے، پھر انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور میرے سر پر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا پھر کہنے لگے: اے محبوب! مت گھبرائیں، اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھ بھلائی کا کیا ارادہ کیا گیا ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جلد اول ص ۳۷۳)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے بیٹے ضمرہ (عبداللہ) کے ہمراہ تھی جو خوفزدہ حالت میں دوڑتا ہوا آیا، اس کی پیشانی پر پسینہ تھا اور وہ روتے ہوئے آواز دے رہا تھا۔ اے باپ! اے ماں! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں، تم ان کو زندہ

حالت میں نہیں پاؤ گے۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور وہ آپ کو ہمارے درمیان سے اچک کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا حتیٰ کہ ناف کے نیچے تک ان کی چھاتی کو چاک کیا۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس تین شخص (فرشتے) آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا تھا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۴۰) (آگے مکمل حدیث ہے)

سوال: کیا قلب اقدس کو (خاص) تھال میں دھونا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا کسی دوسرے نبی کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا؟

جواب: تابوت اور سکینہ[1] سے متعلق خبر میں آیا ہے کہ اس میں ایک تھال تھا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں کو دھویا گیا تھا۔ یہ بات طبری نے ذکر کی ہے، عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں اسے سدی کی روایت سے منسوب کیا جو بواسطہ ابو مالک، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

سوال: قلب مقدس کو مہر لگانے کا کیا مقصد تھا؟

جواب: اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کے اختتام کی طرف اشارہ تھا۔ یہ مسلمہ بات ہے اگر یہ مہر آپ کے ساتھ مخصوص ہو، لیکن جب یہ بات ثابت ہو کہ یہ (مہر) آپ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر نبی کے ساتھ اسی طرح ہوا تو اب حکمت یہ ہوگی کہ یہ ایک علامت ہے جس سے نبی کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ مہر نبوت سے متعلق تفصیل عنقریب بیان ہوگی اور وزن کرنے سے مراد (حقیقی وزن نہیں) بلکہ محض اعتبار ہے پس اس سے مراد فضیلت میں ترجیح دینا ہے اور فرشتوں کا اس کام کو انجام دینا اس مقصد کے تحت تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہو جائے تاکہ آپ دوسروں کو خبر دیں اور وہ اس بات کا اعتقاد رکھیں کیونکہ یہ امور اعتقادیہ میں سے ہے۔

شق صدر متعدد بار ہوا

دوسری مرتبہ آپ کا سینہ مبارک اس وقت چاک ہوا اور قلب مبارک نکالا گیا جب حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی تو شق صدر ہوا۔ اپنے اپنے مقام پر اس کا بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ...

ابو نعیم نے "الدلائل" میں روایت کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس کے یا اس کے

---

[1] تابوت وہ صندوق تھا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتیں تھیں۔ یہ صندوق حضرت آدم علیہ السلام پر اترا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں: اس میں تورات تھی اور اس صندوق سے (جس میں انبیاء کرام کے تبرکات بھی تھے) جو سکون حاصل ہوتا تھا اسے سکینہ کہا گیا۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۵۲)

لگ بھگ تھے تو اس وقت بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ واقعہ میں ایسا ہوا۔[1]

پانچویں مرتبہ شق صدر کا واقعہ بھی مروی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر اور اس سے لوتھڑا نکالنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن کے خیالات سے پاک کر دیا جائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ہی مردانگی کے اوصاف سے موصوف ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش نہایت کامل احوال عصمت وغیرہ پر ہوئی۔

مہرِ نبوت

مروی ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں مبارک کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۵۱۳) اور اس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور وہ دلہن کے لیے تیار کی گئی مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۱، کتاب الوضوء)

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کے بائیں کاندھے کی چپنی ہڈی کے پاس مسوں کے تل کی طرح تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۰، باب اثبات خاتم النبوۃ) یہ بھی مروی ہے کہ بائیں کاندھے کی پچھلی جانب تھی۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۸۲)

ابو نعیم کی کتاب میں دائیں کاندھے کا ذکر ہے، مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۱، باب اثبات خاتم النبوۃ، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۹۰)

صحیح حاکم میں ہے کہ یہ بالوں کا مجموعہ تھی۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۶) بیہقی کی دلائل میں ہے کہ وہ جسم میں ایک زخم کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۲۶۵، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۳۵، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۴۲۵) شمائل ترمذی میں ہے کہ یہ ایک ابھرا ہوا گوشت تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۳، ما جاء فی خاتم النبوۃ) عمرو بن اخطب کی حدیث میں ہے کہ مہر نبوت ایسی چیز کی طرح تھی جس سے مہر لگائی جاتی ہے۔ ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ مہر نبوت بندقہ (گولی) کی طرح تھی۔

ترمذی شریف اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں ہے کہ مہر نبوت سیب کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۲۶۵) روض الانف میں ہے: مہر نبوت پچھنے کے اس نشان کی مثل تھی جو گوشت لیے ہوئے ہو۔ (الروض الانف مع السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۱۹) ابن ابی خیثمہ کی تاریخ میں ہے کہ یہ ایک ایسا سبز تل تھا جو گوشت میں گڑا تھا اور اس کے اوپر چڑا تھا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ زردی مائل سیاہ تل تھا جس کے گرد کچھ بال جمع تھے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں۔ تاریخ قضاعی میں ہے کہ تین بال تھے جو اکٹھے تھے۔۔۔

---

[1] یہ واقعہ اس وقت ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دس سال تھی۔ دو فرشتے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۵۳)

امام محمد بن علی حکیم ترمذی کی کتاب (نوادر الوصول) میں ہے کہ مہر نبوت کبوتری کے انڈے کی طرح تھی جس کے اندر "اللہ وحدہ لا شریک لہ" لکھا ہوا تھا اور اس کے ظاہر پر تحریر تھا: "توجہ حیث کنت فانک المنصور" جس طرف چاہیں متوجہ ہوں آپ کی مدد کی جائے گی۔

ابن عائذ کی "کتاب المولد" میں ہے کہ وہ نُور تھا جو چمکتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

ابن ابی عاصم کی روایت میں ہے کہ یہ کبوتری کے بالوں کے گچھے کی طرح بالوں کا ایک گچھا تھا۔ ابوایوب فرماتے ہیں کہ یہ کبوتری کی چونچ پر موجود نشان کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

(ابوعبداللہ حاکم) نیشاپوری کی تاریخ میں ہے کہ یہ گوشت کی گولی کی مثل تھا جس میں گوشت سے "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مہر نبوت چھوٹے انجیر کی طرح سیاہی مائل تھی اور پیٹھ کی ہڈیوں سے ملی ہوئی تھی۔ آپ فرماتی ہیں: آپ ﷺ کے وصال کے وقت میں نے اسے ہاتھ لگایا تو مہر نبوت اُٹھالی گئی تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰) یہ تمام اقوال حافظ مغلطائی نے (الزہر الباسم میں) نقل کیے ہیں۔

بعض روایات پر جرح

(شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے) فتح الباری میں فرمایا: یہ جو کہا گیا ہے کہ مہر نبوت پچھنہ لگانے کے اثر (نشان) کی طرح تھی یا وہ سیاہ تل یا سبز تل کی طرح تھی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا یا یہ کہ (یہ لکھا ہوا تھا کہ) "آپ جہاں چاہیں جائیں آپ کی مدد کی جائے گی" ان باتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے۔ صحیح ابن حبان میں جو کچھ آیا ہے کہ اسے صحیح قرار دیا تو یہ غفلت کا نتیجہ ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد۶ ص ۳۱)

(نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان) ہیثمی رحمہ اللہ نے موارد الظمآن میں حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ لفظ کہ وہ گوشت کی گولی کی طرح تھی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا تو اس میں بعض راویوں نے مہر نبوت اور وہ مہر جس سے آپ مہر لگاتے تھے، میں خلط ملط کر دیا۔ (موارد الظمآن لابن حبان ص ۵۱۴) حاشیہ پر (ان کے شاگرد) حافظ ابن حجر کی تحریر ہے کہ جس بعض کا ذکر ہے وہ اسحٰق بن ابراہیم سمرقند کے قاضی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

روایات میں مطابقت

بعض علماء نے فرمایا کہ مہر نبوت کے بارے میں راویوں کے اقوال میں اختلاف ہے لیکن (حقیقت میں) یہ اختلاف نہیں بلکہ جسے جو بات سمجھ آئی بیان کر دی۔ تمام الفاظ کا مقصود ایک ہے اور وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اسے بالوں سے تعبیر کیا تو اس لیے کہ اس کے اردگرد بال تھے جو اس کے اوپر چڑھے ہوئے تھے جس طرح دوسری روایات میں ہے۔

امام قرطبی (ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم انصاری قرطبی مالکی فقیہ محدث رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: جو احادیث ثابت ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مہر نبوت آپ کے بائیں کاندھے کے پاس سُرخ اُبھری ہوئی چیز تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو کبوتری کے انڈے جتنی ہوتی اور جب بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی جتنی ہوتی۔
(المفہم للقرطبی جلد ٦ ص ١٣٦)

حضرت قاضی عیاض (ابوالفضل عیاض بن موسیٰ السبتی الاندلسی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ان روایات کا مفہوم تقریباً ایک جیسا ہے کیونکہ ان میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کے جسم مبارک میں کبوتری کے انڈے اور حجلہ (عروسی) کی گھنڈی کے برابر ابھرا ہوا گوشت تھا۔ مٹھی کے برابر ہونے سے متعلق قول ظاہر میں اس کے خلاف ہے لیکن زیادہ روایات کے مطابق اس کی تاویل یوں ہوگی کہ بند مٹھی کی طرح تھی لیکن حجم میں چھوٹی تھی یعنی کبوتری کے انڈے جتنی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مہر اس چیز کا نشان تھا جو دو فرشتوں نے آپ کے کاندھوں کے درمیان لگایا تھا۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد ٧ ص ٣١٣)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول ضعیف بلکہ باطل ہے کیونکہ فرشتوں نے آپ کے سینہ مبارکہ اور پیٹ مبارک کو چاک کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول جو صحیح مسلم میں ہے اس بات پر گواہ ہے اور وہ آپ کے قلب اقدس کے ذکر میں مقصد ثالث میں بیان ہوگا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے آپ کے سینۂ اقدس میں سلائی کا نشان دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص ٩٢، مسند امام احمد جلد ٣ ص ١٢١)

لیکن اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ حضرت عتبہ بن عبد السلمی کی حدیث جو امام احمد اور امام طبرانی نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ جب دو فرشتوں نے آپ کا سینہ مبارکہ چاک کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کی سلائی کرو، پس اس نے سلائی کی اور اس پر مہر نبوت ثبت کی۔ (مسند امام احمد جلد ٤ ص ١٨٤) پس جب یہ بات ثابت ہے کہ مہر نبوت آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان تھی تو حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ جب سینہ مبارکہ چاک کیا گیا پھر سلائی کی گئی حتیٰ کہ پہلے کی طرح جڑ گیا اور مہر نبوت دونوں کاندھوں کے درمیان واقع ہوئی تو یہ اس مہر کا نشان تھا۔ جب کہ امام نووی وغیرہ رحمھم اللہ یہ سمجھے کہ دونوں کاندھوں کے درمیان ہونے کا قول چیر پھاڑ سے متعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ مہر کے نشان سے متعلق ہے۔ اس صورت میں حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول باطل نہیں ہوتا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ مہر نبوت بائیں کاندھے کے اوپر والے حصے میں تھی۔

کیا مہر نبوت ولادت کے وقت تھی؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مہر نبوت کے ساتھ پیدا ہوئے یا وہ ولادت کے بعد رکھی گئی۔ اس میں دو قول ہیں: امام بزار وغیرہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں واضح طور پر مہر نبوت کا وقت اور اس کی کیفیت ذکر کی گئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! آپ کو اپنی نبوت کا علم کیسے اور کس چیز سے ہوا؟ حتیٰ کہ آپ نے یقین کر لیا؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو آنے والے آئے اور ایک روایت میں ہے کہ دو فرشتے آئے، اس وقت میں مکہ مکرمہ کی وادی بطحاء میں تھا۔ ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا: کیا وہ شخص یہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہی ہے۔ اس نے کہا: ایک آدمی کے ساتھ اس کا وزن کریں۔ (آخر تک حدیث گزر چکی ہے) (سنن دارمی جلد اوّل ص ۱۷)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان کا پیٹ چاک کریں پس اس نے میرا پیٹ چاک کیا اور میرا دل نکالا، پھر اس سے وہ حصہ نکالا جو شیطان کے طمع کی جگہ ہے اور جما ہوا خون بھی نکالا اور ان دونوں کو پھینک دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ان کے پیٹ کو اس طرح دھو دو جس طرح برتن کو دھوتے ہیں اور دل کو کپڑے کی طرح دھو دو، اس کے بعد ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کے پیٹ مبارک کو سی دو، چنانچہ اس نے میرے پیٹ کو سی دیا اور مہر نبوت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھی جس طرح اب ہے، پھر وہ دونوں مجھ سے ہٹ گئے۔ گویا میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار)

ابو نعیم نے "الدلائل" میں نقل کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ فرماتی ہیں کہ فرشتے نے آپ کو اس پانی میں تین بار غوطہ دیا جو وہ (چاندی کے لوٹے میں) لایا تھا، پھر سفید ریشم کا ایک ٹکڑا نکالا تو اس میں ایک انگوٹھی تھی جس سے آپ کے کاندھے پر مہر لگائی جو چھپائے گئے انڈے کی طرح تھی اور وہ زہرہ ستارے کی طرح چمکتی تھی۔ بعض نے کہا کہ ولادت کے وقت مہر نبوت موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبوتِ انبیاء کی علامات

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ان کے دائیں ہاتھ میں نبوت کی علامات تھیں لیکن ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتِ نبوت آپ کے کاندھوں کے درمیان تھی۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۷۷)

پس اس بنیاد پر مہر نبوت کے دونوں کاندھوں کے درمیان دل کے مقابل رکھنے کی وجہ سے آپ کو دوسرے انبیاء کرام سے خاص کیا گیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چار سال کے ہوئے، کسی نے کہا: پانچ سال، کسی کا قول ہے کہ چھ سال،

کسی نے سات سال کا قول کیا اور نو سال بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ کی عمر بارہ سال ایک مہینہ اور دس دن ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا مقام ابواء میں انتقال ہو گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ مقام حجون میں شعب ابی ذئب کے پاس آپ کا وصال ہوا۔ قاموس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کے دار رائعہ میں مدفون ہیں۔

(القاموس المحیط جلد ۳ ص ۲۱۳)

ابن سعد نے حضرت ابن عباس اور امام زہری رضی اللہ عنہم سے نیز عاصم بن عمرو بن قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا اور ان تمام روایات کا مفہوم ایک ہے۔

انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ طیبہ میں بنوعدی بن نجار قبیلے میں آپ کے (آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے) ماموؤں سے ملنے تشریف لے گئیں۔ آپ کے ساتھ حضرت ام ایمن بھی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دار التابعہ میں اتارا اور وہاں ایک مہینہ قیام فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بعد میں) ان باتوں کو یاد کیا کرتے تھے جو اس وقت پیش آئیں۔ آپ نے اس مقام کو دیکھ کر فرمایا کہ میری والدہ مجھے یہاں لائی تھیں اور میں بنوعدی بن نجار کے کنوئیں (تالاب) میں بہت اچھی طرح تیرتا تھا اور یہودیوں کی ایک جماعت مجھے دیکھا کرتی تھی۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں: میں نے ان (یہودیوں) میں سے ایک سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ (مدینہ طیبہ) ان کی ہجرت کا مقام ہے۔ میں نے ان کی یہ تمام باتیں یاد رکھیں پھر آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ واپس تشریف لائیں۔ جب مقام ابواء میں پہنچے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۱۶)

ابونعیم نے امام زہری کے طریقے سے نقل کیا وہ حضرت اسماء بنت رہم سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جس بیماری میں انتقال فرمایا میں اس میں موجود تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کی عمر کے تھے اور پروان چڑھ رہے تھے، اس وقت آپ اپنی والدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھ کر یہ اشعار کہے۔

بارک اللہ فیک من غلام ... یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجا بعون الملک المنعام ... فودی غداۃ الضرب بالسھام
بمائۃ من ابل سوام ... ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام ... من عند ذی الجلال والاکرام
تبعث فی الحل و فی الحرام ... تبعث فی التحقیق والاسلام
دین ابیک البر ابراھام ... فاللہ انھاک عن الاصنام
ان لا توالیھا مع الاقوام

"اے بچے! اللہ تعالیٰ تجھے بابرکت فرمائے، اے اس شخصیت کے بیٹے!
جو شدت موت سے انعام کرنے والے بادشاہ کی مدد سے محفوظ رہا، جب قرعہ اندازی میں اس کا نام نکلا
تو ایک سو قیمتی اونٹ اس کے فدیہ کے طور پر دیئے گئے، اگر وہ بات سچی ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے
تو تُو جلال و اکرام والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث ہوگا،
تُو حلال و حرام کے بیان کے لیے (یا حرم شریف اور اس سے باہر والوں کی طرف) نیز احقاقِ حق اور اسلام کے بیان کے لیے مبعوث ہوگا
جو تیرے مطیع و محسن باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے،
پس اللہ تعالیٰ نے تجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے"۔۔۔
پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہر زندہ شخص نے مرنا ہے، ہر جدید چیز پرانی ہو جاتی ہے اور بڑی عمر کو پہنچنے والے کے لیے فنا ہے۔ میں فوت ہونے والی ہوں اور میرا ذکر باقی رہے گا۔ میں نے بھلائی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ) چھوڑی، میں نے ایک پاک بچے کو جنم دیا۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا، پس ہم آپ پر جنوں کا نوحہ سنتے تھے اور اس سے ہمیں یہ اشعار یاد ہیں۔

نبکی الفتاة البرة الامينة ذات الجمال العفة الرزينة
زوجة عبد الله والقرينة ام نبی الله ذی السكينة
و صاحب المنبر بالمدينة صارت لدی حفرتها رهينة

"ہم اس نوجوان خاتون پر روتے ہیں جو نیکوکار اور امانت دار تھیں، حُسن و جمال، پاک دامنی اور وقار والی تھیں"۔
"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ مبارکہ اور ساتھی نیز باوقار نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ ماجدہ تھیں"۔
"وہ نبی جو مدینہ طیبہ میں صاحبِ منبر ہوں گے، آپ (حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا) اپنی قبر مبارک میں بطور رہن جاگزیں ہو گئیں"۔

نبی اکرم ﷺ کے والدین کی نجات

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا ایمان

مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے وصال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

(محدث حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ ابو العباس مکی) طبری نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غم اور افسردگی کے عالم میں مقام حجون میں تشریف لائے اور جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں ٹھہرے پھر خوش خوش واپس تشریف لائے اور فرمایا: میں نے اپنے رب سے عرض کیا تو اس نے میری ماں کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر ان کو واپس لوٹا دیا۔

(اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد اوّل ص ۲۶۴، الناسخ والمنسوخ من الحدیث ص ۲۸۴)

ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں اس طرح روایت کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حجۃ الوداع فرمایا تو آپ حجون کی گھاٹی سے اس طرح گزرے کہ آپ رو رہے تھے اور غمزدہ تھے۔ آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رو پڑی، پھر آپ اُترے تو فرمایا: اے حمیرا! (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بطور محبت فرمایا یعنی اے گوری!) کسی چیز کو پکڑ لو (تاکہ گر نہ جاؤ) چنانچہ میں نے اونٹ کے ایک پہلو کا سہارا لے لیا۔ کافی دیر تک میں اسی طرح رہی پھر آپ ﷺ میری طرف واپس تشریف لائے تو آپ خوش تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر کے پاس گیا اور اپنی ماں کے بارے میں سوال کیا کہ یا اللہ! ان کو زندہ کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں۔[1] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد اوّل ص ۲۶۵ الناسخ والمنسوخ من الحدیث ص ۲۸۴، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اوّل ص ۱۱۳)

والدین کریمین کے ایمان کی خبر

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا اور وہ دونوں آپ ﷺ پر ایمان لائے --- امام سہیلی نے (روض الانف میں) ذکر کیا، اسی

[1] معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مومن تھے، ان کو ایمان سے بے بہرہ سمجھنے والے خود ایمان سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے... ۱۲ہزاروی۔

طرح الخطیب نے "السابق واللاحق" میں ذکر کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۱۳)

امام سہیلی نے فرمایا کہ اس کی سند میں کچھ مجہول لوگ ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے' اسے قرآن پاک اور اجماع رد کرتا ہے۔[1]

والدین کریمین کی نجات

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کو یقین کے ساتھ بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات پانے والے ہیں اور وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔

ایک دوسرے عالم نے اس (پہلے عالم) کا رد کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے واضح الفاظ میں کہا ہو کہ موت کی وجہ سے عمل کے منقطع ہونے کے بعد ایمان فائدہ دیتا ہو' اگر کوئی خصوصیت کا دعویٰ کرے تو اس کے ذمہ دلیل ہے۔

اور اس شخص (منکر) کے لیے ابوالخطاب بن دحیہ کی عبارت دلیل ہے کہ جو شخص کفر کی حالت میں مرجائے اسے واپسی کے بعد ایمان فائدہ نہیں دیتا بلکہ اگر وہ (اسبابِ عذاب کو) دیکھتے ہوئے ایمان لائے تو بھی فائدہ نہیں تو واپس لوٹنے کی صورت میں کس طرح فائدہ ہوگا۔

(مفسر امام محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح) قرطبی رحمہ اللہ نے "التذکرہ" میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص آپ کے وصال تک مسلسل بڑھتے رہے تو یہ بات ان فضائل اور اعزازات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا عقلی اور شرعی طور پر ممتنع نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کا جو شخص قتل کیا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور اس نے اپنے قاتل کے بارے میں بتایا۔ (گائے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ بقرہ میں مذکور ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردوں کو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) زندہ کیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا۔[2]

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: اس سے صرف حدیث کا ضعف لازم آتا ہے موضوع ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے موضوع نہیں۔ جہاں تک ابن دحیہ کے قول کا تعلق ہے تو امام سیوطی نے فرمایا کہ ان کا اسے قرآن کے خلاف قرار دینا محدثین کا طریقہ نہیں۔ محدثین سند سے کلام کرتے ہیں اسی لیے شامی نے کہا کہ اگر ابوالخطاب (ابن دحیہ) اس کو صرف موضوع قرار دیتے اور قرآن کی مخالفت کے قول سے خاموش رہتے تو یہ اچھی بات ہوتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب ہوتا۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۶۸)

[2] ایک شخص نے کہا کہ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کریں میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اس کی بیٹی کو زندہ کیا۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اسے آواز دی تو اس نے لبیک کہا۔ اسی طرح انصار کا ایک نوجوان فوت ہوگیا۔ اسکی ماں بوڑھی اور نابینا تھی تو اسکا بیٹا زندہ ہوا۔ اس طرح دیگر کئی واقعات ہیں۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۷۲)

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بعد ان کا ایمان لانا ممنوع نہیں ہے اور یہ آپ کی کرامت و فضیلت میں اضافہ کا باعث ہے۔

اس کے بعد انہوں نے (امام قرطبی نے) فرمایا کہ ابن دحیہ نے جو کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مرجائے (آخر تک عبارت چند سطور پہلے گزر چکی ہے) تو یہ بات مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوٹایا، اسے امام طحاوی (ابو جعفر احمد بن محمد بن سالم الازدی طحاوی مصری حنفی رحمہ اللہ) نے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ اگر سورج کا لوٹنا نفع بخش نہ ہوتا اور اس کے ذریعے وہ وقت دوبارہ نہ آتا تو اللہ تعالیٰ اسے واپس نہ لوٹاتا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان دونوں کے ایمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے سلسلے میں نفع بخش ہے۔

بعض حضرات نے سورج کے لوٹانے کے بارے میں وارد حدیث پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ معجزات کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔[1]
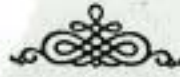
[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: جن لوگوں نے اس حدیث پر طعن کیا ہے مثلاً امام احمد وغیرہ، انہوں نے بعض جھوٹے لوگوں کی روایت کی وجہ سے کیا ہوگا ورنہ جن طرق سے یہ حدیث مروی ہے ان کی بنیاد پر اسے ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا۔
(زرقانی جلد اوّل ص ۱۷۲)

والدین کریمین کی نجات پر دلائل

(۱) زمانہ فترت میں انتقال کر جانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی نجات کے قائلین نے یوں بھی استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں انتقال فرما گئے تھے اور اس سے پہلے (بعثت سے پہلے) عذاب نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (الاسراء: ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول کو نہ بھیجیں۔

وہ فرماتے ہیں: اہلِ کلام و اصول میں سے ائمہ اشاعرہ اور فقہاء کرام میں سے شافعیہ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص انتقال کر جائے اور اس تک دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو وہ دنیا سے یوں رخصت ہوتا ہے کہ اسے نجات حاصل ہوتی ہے۔

(۲) انبیاء کرام کے آباء و اجداد مومن تھے

حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں فرمایا:

کہا گیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا اور اس پر چند وجوہ سے استدلال کیا گیا: ایک یہ کہ انبیاء کرام کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے، اس بات پر بھی کئی دلائل ہیں، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱۸-۲۱۹)

وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہوتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نُور مبارک ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا تو اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے۔ (التفسیر الکبیر للامام الرازی، سورۂ شعراء آیت ۲۱۹، جلد ۱۴ ص ۱۷۴)

پھر فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کے آباء واجداد مشرک نہیں تھے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا:)

لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات۔ — میں (میرا نور) ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

(تفسیر البحر المحیط جلد ۷ ص ۴۹)

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (التوبہ: ۲۸) — بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

پس ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو۔

سابقہ دلائل پر اعتراضات

ان دلائل پر اعتراض کیا گیا کہ ارشادِ خداوندی:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱۹) — اور جب آپ سجدے کرنے والوں میں منتقل ہوتے تھے۔

(اس آیت میں) اس دعویٰ پر دلالت نہیں ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ تہجد پڑھنے والوں کے احوال معلوم کرنے کے لیے ادھر ادھر تشریف لے جاتے جیسا کہ مروی ہے کہ جب رات کی نماز کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات صحابہ کرام کے گھروں کے چکر لگائے تاکہ دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ان کی عبادت کی زیادہ حرص رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ان کی آواز سنی (جو مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی) تو ان کے گھروں کو بھڑوں کے چھتے کی طرح پایا۔

(تفسیر البیضاوی' الشعراء: ۲۱۹' جلد ۳ ص ۱۱۷)

اور اس بات پر نص وارد ہوئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کفر پر مرا جس طرح بیضاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ (التوبہ: ۱۱۴) — جب ان کے لیے ظاہر ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے برأت کا اظہار کر دیا۔

اور یہ کہنا کہ وہ آپ کا چچا تھا یہ کسی دلیل کے بغیر ظاہر سے پھر جانا ہے۔

(تفسیر البیضاوی جلد اوّل ص ۲۲' التوبہ: ۱۱۴)

امام ابوحیان نے "البحر" میں "وتقلبک فی الساجدین" کی تفسیر کے قریب نقل کیا کہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد مومن تھے اور انہوں نے اس (مذکورہ بالا) آیت

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین۔ میں ہمیشہ پاک لوگوں کی پشتوں سے منتقل ہوتا رہا۔

(تفسیر البحر المحیط جلد ۷ ص ۴۹)

عدم نجات کے قائلین کے دلائل اور ان پر اعتراضات

ابن جریر نے علقمہ بن مرثد سے، انہوں نے سلیمان بن بریدہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ایک قبر کے نشانات کے پاس تشریف لائے، آپ وہاں تشریف فرما ہوئے اور خطاب فرمانے لگے پھر کھڑے ہوگئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دیکھ رہے تھے آپ نے کیا عمل کیا؟ فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے طلبِ بخشش کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی، تو آپ ﷺ کو اس دن سے زیادہ روتے ہوئے کبھی نہ دیکھا گیا۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ ص ۴۷، طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۱۶)

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قبروں کی طرف اشارہ فرمایا تو ہم آپ کے پیچھے چلے، چنانچہ آپ تشریف لائے اور ان میں سے ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے، پھر آپ روئے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو بلایا، پھر ہمیں بھی بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں روتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے دُعا مانگنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی[1]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے طلبِ مغفرت کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

تو مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو والد کے لیے اولاد پر طاری ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۶ ص ۱۸۹۷ سورۃ توبہ آیت ۱۱۳)

---

[1] امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا لیکن امام ذہبی نے اس کا رد کیا کیونکہ اس میں ایک راوی ایوب بن ہانی ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بخاری شریف کے مطابق یہ آیت مکہ مکرمہ میں ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی اس لیے اس کا حضرت آمنہ کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۷۸)

اور صحیح مسلم میں ہے کہ میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں اپنی ماں کے لیے مغفرت طلب کروں تو اس نے مجھے اجازت نہ دی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی، پس تم قبروں کی زیارت کر سکتے ہو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۳۱۴، کتاب الجنائز)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اس بات پر تھا کہ انہوں نے آپ کا زمانہ نہ پایا اور آپ پر ایمان نہ لا سکیں۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد ۳ ص ۴۵۲، کتاب الجنائز)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ جب وہ واپس پلٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اور تیرا دونوں کے باپ[1] جہنم میں ہیں۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۴، کتاب الایمان)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر پر مرجائے وہ جہنم میں جائے گا اور مقربین کی قرابت اسے نفع نہیں دے گی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص فترت کے زمانے میں اہلِ عرب کے طریقے یعنی بت پرستی پر مرے وہ بھی جہنم میں جائے گا اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دعوت (اسلام کی دعوت) پہنچنے سے پہلے مواخذہ ہوا کیونکہ ان لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پہنچی تھی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۴، کتاب الایمان بر حاشیہ)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص حالت شرک میں فوت ہو جائے وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ وہ بعثت سے پہلے انتقال کرے کیونکہ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خالص دین کو بدل دیا اور اسے شرک میں تبدیل کر کے شرک کے مرتکب ہوئے اور اس پر ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے اور تمام رسولوں علیہم السلام کے ادیان سے اول سے آخر تک یہ بات معلوم ہے کہ شرک قبیح عمل ہے اور اس کی سزا جہنم بیان کی گئی ہے، اور مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی سزاؤں کے بارے میں احادیث مبارکہ امت میں ہر صدی میں معروف رہی ہیں تو مشرکین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت بالغہ ہے اور یہ ہر وقت اور ہر زمانے میں ہے اور اگر صرف وہ فطرت ہی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کو اپنی ربوبیت کی توحید پر پیدا کیا اور فطرت و عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا ہونا محال ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ محض اس فطرت کے تقاضے کے مطابق عذاب نہیں دے گا بلکہ رسل عظام کی دعوت توحید زمین میں ہمیشہ سے معلوم ہے تو مشرک جہنم میں عذاب کا مستحق ہے کیونکہ اس نے رسل عظام کی دعوت کی مخالفت کی ہے، پس وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا جس طرح جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

---

[1] اس سے مراد ابو طالب ہیں حضور علیہ السلام کے والد حضرت عبد اللہ مراد نہیں ہیں اور اہلِ عرب چچا کو باپ کہتے ہیں۔
(شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی جلد اول ص ۳۶۵)

ابو عبداللہ ابی کا امام نووی کے کلام کا تعاقب

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے علامہ ابو عبداللہ الابی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم (اکمال الاکمال) میں امام نووی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا کلام پر اعتراض کیا۔ امام نووی نے فرمایا تھا کہ جو شخص زمانہ فترت میں عربوں کے طریقے یعنی بت پرستی پر مرجائے وہ جہنم میں جائے گا۔ (آخر تک) (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۱۴ کتاب الایمان)

تو امام ابو عبداللہ ابی فرماتے ہیں: امام نووی کے کلام میں غور کرو کہ یہ خود اپنے بعض حصے کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جس تک دعوت پہنچی ہو وہ اہلِ فترت نہیں کیونکہ اہلِ فترت وہ لوگ ہیں جو رسل عظام کے زمانوں کے درمیان ہوتے ہیں یعنی پہلا رسول ان کی طرف مبعوث نہیں ہوا اور دوسرے رسول کا زمانہ انہوں نے نہیں پایا جیسے وہ اہلِ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انہوں نے نہیں پایا۔ اس وضاحت کے مطابق دو رسولوں کے درمیان کا زمانہ، زمانہ فترت ہے۔ جس طرح حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ، لیکن فقہاء کرام جب زمانہ فترت کی بات کرتے ہیں تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ مراد ہوتا ہے۔۔۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمان سے روایت کیا کہ یہ چھ سو سال کا زمانہ ہے۔۔۔

اور جب قطعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب تک حجت نہ پائی جائے عذاب نہیں ہوگا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو (زمانہ فترت والوں کو) عذاب نہیں ہوگا۔۔۔

سوال: اگر تم کہو کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ زمانہ فترت والوں کو عذاب ہوگا جیسے حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۲۳، صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۹۹، کتاب المناقب) اور میں نے ڈھال والے کو جہنم میں دیکھا اور یہ شخص اپنی ڈھال کے ساتھ چوری کرتا تھا، جب لوگوں کو علم ہو جاتا تو کہتا کہ یہ چیز میری ڈھال کے ساتھ اٹک گئی تھی۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۹، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۹۸، کتاب الکسوف)

جواب: اس کے کئی جواب ہیں:

(۱) یہ احادیث خبر واحد ہیں جو قطعی دلائل کے مقابل نہیں آسکتیں۔

(۲) ان لوگوں کے عذاب کا ذکر ہوا اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

(۳) ان احادیث میں عذاب کا ذکر ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اہلِ فترت ہونے کے باوجود معذور نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا جیسے بت پرستی کرنے والے اور شریعتوں کو بدلنے والے۔۔۔

تو اہلِ فترت تین قسم کے لوگ ہیں:

(۱) جس نے اپنی بصیرت سے توحید کا ادراک کیا پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو شریعت میں داخل نہیں ہوئے جس طرح قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور ان میں سے بعض شریعت حق میں داخل ہوئے اس کا جو اثر باقی تھا جیسے تبع اور اس کی قوم جن کا حمیر سے تعلق تھا، اہلِ نجران، ورقہ بن نوفل اور ان کے چچا عثمان بن حویرث۔

(۲) اہلِ فترت میں سے دوسری قوم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے دین کو بدل دیا اور شرک کیا، توحید پر قائم نہ ہوئے نیز انہوں نے اپنے لیے خود شریعت گھڑلی۔ کسی چیز کو حلال کیا اور کسی کو حرام قرار دیا اور ایسے لوگ زیادہ ہیں جیسے عمرو بن لحی نے سب سے پہلے عربوں کے لیے بت پرستی کا طریقہ جاری کیا اور احکام گھڑے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (ایسے جانور تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے) کا طریقہ اسی نے شروع کیا اور باقی عربوں نے اس کی اتباع کی۔

(۳) تیسری قسم کے اہلِ فترت وہ ہیں جنہوں نے نہ تو شرک کیا اور نہ ہی عقیدۂ توحید اپنایا، نہ کسی نبی کی شریعت کو اپنایا اور نہ اپنے لیے کوئی شریعت اور دین گھڑا بلکہ وہ زندگی بھر ان باتوں سے بے خبر رہے۔ جاہلیت میں بعض لوگوں کی یہی حالت تھی۔

جب اہلِ فترت کی تین اقسام ہیں تو جن لوگوں کے عذاب سے متعلق صحیح روایات آئی ہیں وہ دوسری قسم کے اہلِ فترت ہیں کیونکہ وہ خبیث امور کے ذریعے حد سے تجاوز کرکے کافر ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام اہلِ فترت کو کفار اور مشرکین قرار دیا۔ قرآنِ پاک میں جب ان میں سے کسی ایک کی حالت بیان کی جاتی ہے تو ان کو کافر و مشرک کہا جاتا ہے، جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ[1] (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے۔

پھر فرمایا:

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

لیکن انہوں نے کفر کیا۔ (انہوں نے یہ نام رکھے۔)

اور تیسری قسم کے لوگ ہی حقیقت میں اہلِ فترت ہیں[2] اور ان کو عذاب نہیں ہوگا۔۔۔ جہاں تک پہلی قسم والوں کا تعلق ہے جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو تو حضور علیہ السلام نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک جماعت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔

جہاں تک عثمان بن حویرث، تبع اور اس کی قوم نیز اہلِ نجران کا تعلق ہے تو ان کا حکم اہلِ دین والا حکم ہے جو دین میں داخل ہوئے جب تک وہ اسلام نہ قبول کریں جو تمام دینوں کو منسوخ کرنے والا ہے۔ ابو عبداللہ ابی کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بعثت سے متعلق حدیث میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] مشرکین کچھ جانوروں کو بتوں کے ناموں پر چھوڑتے تھے، ان پر سواری کرنا یا ان کو کھانا جائز نہ سمجھتے، یہ ان کے نام ہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی ان ہی میں شامل ہیں کیونکہ ان تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۸۴)

اس مسئلہ میں مصنف علیہ الرحمہ کی رائے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ (معلومات ہمیں) حاصل ہوئیں، زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ اس مسئلہ میں بحث مباحثہ نہ کیا جائے، چونکہ اس دور کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہو رہی ہے اس لیے اس تفصیل کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

حبا الله النبی مزید فضل علی فضل وكان به رووفا
فاحیا امه وكذا اباه لایمان به فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذا قدیر وان كان الحدیث به ضعیفا

"اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا اور وہ آپ پر مہربان ہے"۔

"کہ اس نے آپ کے والدین کو زندہ کیا تاکہ وہ ایمان لائیں اور یہ آپ پر فضل لطیف ہے"۔

"پس اس کو تسلیم کرو کیونکہ وہ قدیم ذات اس بات پر قادر ہے اگرچہ اس سلسلے میں وارد حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو"۔

ایسی بات کے ساتھ ان کا ذکر کرنے سے بچو جس میں نقص ہو کیونکہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے، اس لیے کہ عام طور پر معاشرے میں یہی طریقہ جاری ہے کہ جب کسی شخص کے باپ کا کسی عیب کے ساتھ ذکر کیا جائے یا اس کا کوئی ایسا وصف بیان کیا جائے جس میں نقص ہو تو اس کے ذکر سے اس کے بیٹے کو اذیت پہنچتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تؤذوا الاحیاء بسب الاموات۔ فوت شدہ لوگوں کو گالی دے کر زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۲)

اس حدیث کو امام طبرانی نے "الصغیر" میں روایت کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا کفر ہے۔ ہمارے نزدیک (یعنی شافعی مسلک کے مطابق) ایسے شخص کو قتل کیا جائے اگر توبہ نہ کرے۔[1]

اس سلسلے میں ان شاء اللہ معجزات کے بیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں بحث آئے گی۔ بعض علماء کرام نے والدین کریمین کے ایمان پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک ارادے پر اچھا ثواب عطا کرے۔[2]

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے والا کافر ہے اور فقہ مالکی کے مطابق تو ایسا شخص توبہ کرے تب بھی قتل کیا جائے۔

[2] حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جو لوگ بعثت سے پہلے انتقال کر گئے ان کے بارے میں یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ (قیامت کے دن) امتحان کے وقت اطاعت کریں گے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و اکرام کی وجہ سے ہوگا تاکہ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

"الاحکام" میں فرمایا: "ہم امید رکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب ان تمام لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے جو خوشی خوشی وہاں جائیں گے اور نجات پائیں گے البتہ ابو طالب نے بعثت کا زمانہ پایا لیکن ایمان نہیں لائے۔[1] (الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۴ ص ۱۱۸)

[1] مالکی فقیہ و امام قاضی ابو بکر سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے تو انہوں نے فرمایا: وہ شخص ملعون ہے۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۸۶)

حیاتِ مبارکہ (بعثت سے پہلے)

چچا اور دادا کی کفالت میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اُمِ ایمن نے آپ کی پرورش کی (اسی لیے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے:

انت امی بعد امی- میری (سگی) ماں کے بعد تم میری ماں ہو۔

جب آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب جو آپ کی کفالت کرتے تھے انتقال فرما گئے۔ (اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں) بعض نے کہا کہ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال ایک مہینہ اور دس دن تھی، کسی نے نو سال، کسی نے دس سال، کسی نے چھ سال اور کسی نے تین سال کہا ہے اور یہ بات محلِ نظر ہے۔ اور اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ایک قول کے مطابق ایک سو چالیس سال تھی۔

پھر (ان کے بعد) حضرت ابو طالب نے آپ کی کفالت کی اور ان کا نام عبد مناف تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کو اس بات کی وصیت کی تھی کیونکہ وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔

آپ کے توسل سے بارش کا برسنا

ابنِ عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں آیا تو وہ لوگ قحط میں مبتلا تھے۔ قریش نے کہا: اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑ گیا اور اہل و عیال بھوک کا شکار ہیں، آیئے بارش کی دعا مانگیں۔ چنانچہ ابو طالب چلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ بادلوں والے دن کا سورج ہے اور اس سے سخت کالے بادل روشن ہو رہے ہیں، اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔

حضرت ابو طالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کو کعبہ شریف سے لگا دیا اور بچے نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا پس ادھر ادھر سے بادل اُمڈنے لگے اور اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ وادی سے پانی بہنے لگا اور دیہات اور شہر والے سیراب ہو گئے۔ اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا ؎

وابيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للارامل
يلوذ به الهلاك من آل هاشم فهم عنده فى نعمة وفواضل

"وہ روشن چہرہ کہ اس کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے آپ یتیموں کے فریادرس اور مساکین

(مردوں اور عورتوں) کے محافظ ہیں"۔

"آل ہاشم میں ہلاکت کے قریب پہنچنے والے آپ سے التجا کرتے ہیں تو وہ آپ کے ہاں نعمتیں اور فضل پاتے ہیں"۔

الشمال ثاء پر کسرہ کے ساتھ پناہ گاہ اور مددگار اور کہا گیا ہے کہ تنگی کے وقت کھانا کھلانے والا "عصمة للارامل" ان کو ضائع ہونے اور حاجت سے بچانے والا "الارامل" مساکین مراد ہیں مرد ہوں یا عورتیں، مرد و عورت دونوں کے لیے الگ الگ بولا جاتا ہے لیکن عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور ان کے لیے ہی زیادہ مستعمل ہے۔ اس کا واحد "ارمل" اور "ارملہ" ہے۔

یہ بیت، حضرت ابو طالب کے قصیدہ سے ہیں۔ ابن اسحٰق نے اسے مکمل ذکر کیا ہے اور اس میں اسّی (۸۰) سے زیادہ اشعار ہیں۔ جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا ارادہ کیا اور جو لوگ اسلام لانے کا ارادہ کرتے تھے ان کو آپ سے بھگانا چاہا تو ابو طالب نے یہ اشعار کہے۔ قصیدے کے آغاز میں یوں ہے ۔

لما رایت القوم لا ود عندهم	وقد قطعوا کل العری والوسائل
وقد جاهرونا بالعداوة والاذی	وقد طاوعوا امر العدو المزایل
اعبد مناف انتم خیر قومکم	فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل
فقد خفت ان لم یصلح الله امرکم	تکونوا کما کانت احادیث وائل
اعوذ برب الناس من کل طاعن	علینا بسوء او ملح بباطل
و ثور من ارسی ثبیرا مکانه	و راق لبر فی حراء و نازل
وبالبیت حق البیت فی بطن مکه	و تالله ان الله لیس بغافل
کذبتم و بیت الله نبزی محمدا	ولما نطاعن دونه و نناضل
و نسلمه حتی نصرع حوله	و نذهل عن ابنائنا والحلائل

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۱۲)

"جب میں نے قوم (قریش) کو دیکھا کہ ان کے ہاں (ہماری) محبت نہیں ہے اور انہوں نے تمام تعلق اور وسائل منقطع کر دیئے ہیں"۔

"انہوں نے کھلم کھلا ہم سے دشمنی کی اور اذیت پہنچائی اور انہوں نے جدائی ڈالنے والے دشمن کی اطاعت کی"۔

"اے عبد مناف! تم قوم کے بہترین لوگ ہو، اپنے معاملے میں ہر کمینے حقیر کو شریک نہ کرو"۔

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے کو بہتر نہ کرے تو مجھے ڈر ہے کہ تم وائل کی باتوں کی طرح ہو جاؤ گے"۔

"میں ہر اس شخص سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جو بُرائی کے ساتھ ہم پر طعنہ کرتا ہے، ہمیشہ باطل پر

رہتا ہے"۔

"مجھے کوہ ثور کی قسم! کوہ شیر کو اپنی جگہ ثابت رکھنے والے کی قسم! اور اس شخص کی قسم جو نیکی کے ساتھ کوہ حرا پر چڑھے اور اترے"۔

"اور سچے گھر کی قسم جو مکہ مکرمہ کی وادی میں ہے اور اللہ کی قسم! وہ اللہ بے خبر نہیں ہے"۔

"بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گئے ہو حالانکہ ہم ان کی طرف سے نیزوں اور تیروں سے لڑیں گے"۔

"ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم آپ کے گرد قتل ہو جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں"۔

ابن التین نے کہا کہ ابو طالب کے ان اشعار میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ وہ آپ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت کی معرفت رکھتے تھے کیونکہ بحیری (راہب) وغیرہ نے اس بات کی خبر دی تھی۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر نے ابن تین کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ ابو طالب نے یہ اشعار بعثت نبوی کے بعد کہے ہیں اور ابو طالب کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے واقف ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ شیعہ حضرات نے اس سے ابو طالب کے مسلمان ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں: میں نے علی بن حمزہ بصری کی ایک جزء (کتاب) دیکھی ہے جس میں اس نے ابو طالب کے اشعار جمع کیے ہیں اور گمان کیا کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر دنیا سے رخصت ہوئے اور حشویہ گروہ کا خیال ہے کہ وہ کفر کی حالت پر مرے اور اپنے موقف پر ایسا استدلال کیا جس میں کوئی دلالت نہیں۔ حافظ ابن حجر کا کلام (جو کتاب الاستسقاء میں ہے) مکمل ہوا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۱۳)

شام کی طرف سفر اور بحیری کا واقعہ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال ہو گئی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔ جب بصریٰ پہنچے تو بحیری راہب نے آپ کو دیکھا۔ اس راہب کا نام جرجیس تھا؛ اس نے آپ کو آپ کے وصف سے پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا کہ یہ (بچہ) تمام جہانوں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا: جب تم لوگ گھاٹی سے اترے تو تمام درخت اور پتھر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور یہ نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے، نیز میں ان کو مہر نبوت کے ذریعے پہچانتا ہوں جو آپ کے کاندھے مبارک کی تختی کے نیچے سیب کی طرح ہے اور ہم نے اپنی کتب میں ان کا تذکرہ پایا ہے۔ بحیری نے ابو طالب سے کہا کہ آپ اس بچے کو واپس لے جائیں کیونکہ یہودیوں کی طرف سے اس کو خطرہ ہے۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۵، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۲)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے نقل کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔

بحیریٰ (باء پر فتحہ (زبر) حاء کے نیچے کسرہ (زیر) یاء ساکن اور راء پر کھڑی زبر کے ساتھ ہے) امام ذہبی رحمہ اللہ "تجرید الصحابہ" میں فرماتے ہیں کہ بحیریٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ ابن مندہ اور ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا۔ (معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۱۸۷) اور یہ قول اس بات پر مبنی ہے جب صحابی کی تعریف یوں کی جائے کہ جس نے آپ کو دیکھا ہو لیکن کیا نبوت کی حالت میں دیکھا ہو یا عام دیکھنا مراد ہے حتیٰ کہ وہ بھی (صحابی قرار پائے) جس نے نبوت سے پہلے آپ کو دیکھا اور اس (اعلانِ نبوت) سے پہلے ہی دینِ ابراہیمی پر انتقال کر گیا؟ یہ بات محلِ نظر ہے اور اس کے بارے میں بحث ان شاء اللہ ساتویں مقصد میں آئے گی۔

امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کی اور اسے حسن قرار دیا۔ امام حاکم نے بھی اسے نقل کر کے صحیح قرار دیا۔۔۔

(امام حاکم نے کہا:) اس سفر میں سات رومی آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تو بحیریٰ ان کے سامنے آیا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: اس مہینے میں اس نبی نے نکلنا تھا، ہر راستے پر لوگ بھیجے گئے ہیں۔ بحیریٰ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے جس کام کو اللہ تعالیٰ کرنا چاہے اسے کوئی روک سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ راوی کہتے ہیں پھر انہوں نے بحیریٰ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہاں ہی ٹھہر گئے، نیز ابو طالب نے آپ کو واپس کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیرت نگاروں کے ہاں مشہور ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۶) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا کیونکہ اس کے آخر میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا کیونکہ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متاہل (بالغ اور شادی شدہ) نہیں تھے اور نہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں اور اس عبارت (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا) کے سوا کوئی بات منکر (غیر معروف) نہیں لہٰذا اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ الفاظ کسی دوسری روایت سے اس میں داخل کیے گئے ہیں اور کسی راوی کو وہم ہو گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۲۰۷)

امام بیہقی اور ابو نعیم رحمہما اللہ کی روایت میں ہے کہ بحیریٰ اپنی عبادت گاہ میں تھا کہ اس نے آپ کو سواروں کے درمیان آتے ہوئے یوں دیکھا کہ بادل صرف آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ آئے حتیٰ کہ اس کے قریب ایک درخت کے سائے میں اُترے۔ اس نے بادل کی طرف دیکھا کہ اس نے درخت پر سایہ کیا اور درخت کی شاخیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک گئیں حتیٰ کہ درخت آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۶)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ بحیریٰ اٹھا اور اس نے آپ کو بغل میں لیا اور آپ کے احوال معلوم کرنے لگا جو آپ کی نیند، ہیئت اور دیگر امور کے بارے میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا تو جو کچھ آپ کی صفت سے متعلق بحیریٰ کو معلوم تھا آپ کا بیان اس کے موافق تھا پھر اس نے آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت کو اسی طریقے پر دیکھا جو اس کے پاس محفوظ و معلوم تھا۔

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ کی (رضاعی) بہن شیماء بنت حلیمہ نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ بادل آپ پر سایہ فگن ہے، جب آپ رکتے ہیں تو وہ بھی رُک جاتا ہے اور جب آپ چلتے ہیں تو وہ بھی چل پڑتا ہے۔۔۔اسے ابو نعیم اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ۔

ان قال یوما ظللتہ غمامۃ هی فی الحقیقۃ تحت ظل القائل

"اگر آپ کسی دن دوپہر کے وقت چل رہے ہوتے تو بادل آپ پر سایہ کرتا لیکن حقیقت میں بادل بھی آپ کے زیرِ سایہ ہے"۔

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے بعض اہلِ معرفت سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک معتدل تھا آپ گرمی اور سردی محسوس نہیں کرتے تھے اور وہ بادل جو آپ پر سایہ فگن تھا وہ آپ کے اعتدال سے ہی پیدا ہوا۔[1]

ابن مندہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تشریف لے گئے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی۔ آپ دونوں تجارت کی غرض سے شام کی طرف تشریف لے گئے حتیٰ کہ ایک جگہ اُترے جہاں بیری کے درخت تھے۔ آپ وہاں سائے میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راہب کی طرف تشریف لے گئے جس کا نام بحیریٰ تھا۔ آپ اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ اس نے کہا: درخت کے سائے میں کون شخص ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ درخت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرے گا۔ یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ گئی، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو انہوں نے آپ کی اتباع کی۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں فرمایا: اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ ابوطالب کے سفر کے علاوہ کوئی دوسرا سفر ہے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات احادیث مبارکہ کے خلاف ہے کیونکہ احادیث مبارکہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی سردی محسوس فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے: ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر سے سایہ کیا جب آپ دھوپ میں تھے۔ (اس کے علاوہ بھی روایات ہیں)

(شرح زرقانی علی المواهب جلد اوّل ص ۲۳۹)۔۔۔۱۲ ہزاروی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کے لیے آپ ﷺ کا سفر

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد رضی اللہ عنہا کے لیے تجارت کی خاطر ان کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر بصریٰ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ تہامہ میں سوق حباشہ تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور ذوالحجہ کی چودہ راتیں باقی تھیں۔ آپ درخت کے سائے میں اُترے تو نسطورا راہب نے کہا: اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کوئی نہیں اُترا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں اُترا۔

میسرہ نے دوپہر کے وقت مشاہدہ کیا کہ دو فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر رہے ہیں۔ جب یہ قافلہ دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ پہنچا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بالاخانے میں تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر ہیں اور دو فرشتے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ بات ابونعیم نے روایت کی ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۵۴، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۰)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اس واقعہ کے دو مہینے اور پچیس دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ کہا گیا ہے کہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اکیس سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ تیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دورِ جاہلیت میں طاہرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آپ ابوہالہ بن زرارہ تمیمی کے نکاح میں تھیں۔ ابوہالہ سے آپ کے ہاں (دو بیٹے) ہند اور ہالہ (رضی اللہ عنہما) پیدا ہوئے، پھر عتیق بن عابد مخزومی سے نکاح ہوا تو ہند پیدا ہوئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال اور چند ماہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام دیا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۲۲) تو آپ نے اپنے چچوں سے اس بات کا ذکر کیا۔ ان میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ آپ خویلد کے پاس گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے نکاح کیا اور بیس جوان اونٹ مہر مقرر ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۲۲) اس نکاح میں ابوطالب اور مضر قبیلہ کے سردار بھی موجود تھے تو ابوطالب نے (درج ذیل) خطبہ دیا:

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم، وزرع اسماعیل، وضئضئ معد، وعنصر مضر، وجعلنا حضنة بیته، وسواس حرمه، وجعل لنا بیتا محجوجا، وحرما آمنا، وجعلنا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے، اسمٰعیل علیہ السلام کی کھیتی سے، معد کی اصل سے اور مضر کے عنصر سے پیدا کیا۔ ہمیں اپنے گھر (بیت اللہ شریف) کا نگران اور حرم کا متولی بنایا۔ ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور

الحکام علی الناس، ثم ان ابن اخی هذا، محمد بن عبدالله، لا یوزن برجل الا رجح به، فان کان فی المال قل، فان المال ظل زائل، وامر حائل، ومحمد ممن قد عرفتم قرابته، وقد خطب خدیجة بنت خویلد وبذل لها من الصداق ما آجله وعاجله من مالی کذا وهو واللہ بعد هذا له نبا عظیم وخطر جلیل۔

وہ عزت اور امن والا گھر ہے نیز ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا، پھر میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جس سے بھی اس کا وزن (مقابلہ) کیا جائے۔ اسے ترجیح حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے لیکن مال تو زائل ہونے والی چیز ہے اور فانی ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی قرابت تم لوگ جانتے ہو۔ انہوں نے (میرے اس بھتیجے نے) خدیجہ بنت خویلد کو نکاح کا پیغام دیا اور میرے مال سے ایک مقدار بطور مہر دیا جس میں نقد بھی ہے اور ادھار بھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میرے اس بھتیجے کے لیے بہت بڑی خبر اور عظیم معاملہ ہے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا گیا۔

ابن اسحق کے قول کے مطابق خویلد نے آپ کا نکاح کیا اور دولابی وغیرہ نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بارہ اوقیہ اور نش سونا دیا اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور نش نصف اوقیہ ہوتا ہے (یعنی کل پانچ سو درہم ہوئے۔)

کعبۃ اللہ کی تعمیر

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال ہو گئی (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اوّل ص ۱۹۷) تو (اس وقت) قریش کو کعبہ شریف کے سیلاب کی وجہ سے گرنے کا خوف ہوا تو انہوں نے باقوم جو قبطی بڑھئی تھا اور سعید بن عاصی کا (آزاد کردہ) غلام تھا اور اس نے منبر شریف بھی بنایا تھا، کو کعبہ شریف کی تعمیر کے لیے بلایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک ہوئے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ وہ لوگ اپنے کندھوں پر تہبند رکھتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے گر پڑے اور آواز دی گئی کہ اپنے ستر کا خیال رکھیں اور یہ پہلی آواز تھی جو آپ کو دی گئی۔ ابو طالب یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے! اپنا تہبند سر پر رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جو کچھ پہنچا (گرنا مراد ہے) وہ اسی برہنگی کی وجہ سے پہنچا۔[1]

---

[1] تعمیر کعبہ کے موقع پر جب حجر اسود کو دیوار میں نصب کرنے کا وقت آیا تو اختلاف پیدا ہو گیا، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنو شیبہ سے داخل ہو گا وہ فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ایک چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھا جائے اور پھر ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی چادر کے کنارے کو پکڑے۔ جب چادر کو سب نے مل کر اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دیا اور یوں لڑائی کا امکان ختم ہو گیا... ۱۲ ہزاروی۔

بعثت نبوی

بعثت کا وقت

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہو گئی، بعض نے کہا چالیس سال چار مہینے، کسی نے دس دن زائد اور کسی نے دو مہینے زائد کا قول کیا ہے، رمضان شریف کے سترہ دن گزر چکے تھے، بعض نے کہا سات دن اور ایک قول کے مطابق چوبیس راتیں گزر چکی تھیں اور سوموار کا دن تھا۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ عام الفیل کے اکتالیس سال بعد سوموار کے دن جب کہ ربیع الاول کے آٹھ دن گزر چکے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ ربیع الاول شریف کا آغاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت اور دونوں جہانوں کے لیے کفالت کرنے والا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

سوموار کے دن بعثت پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت گواہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے (صحیح مسلم میں) نقل کی ہے، وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۶۸، لطائف المعارف ص ۱۸۹، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۹۳)

ابن قیم نے "الہدی النبوی" میں کہا کہ ماہ رمضان المبارک میں بعثت کا قول کرنے والوں کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرۃ: ۱۸۵) رمضان المبارک کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔

ان حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا سب سے پہلا اعزاز نزولِ قرآن کی صورت میں دیا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اوّل ص ۳۱)

دوسرے حضرات نے کہا: بے شک مکمل قرآنِ پاک لیلۃ القدر میں بیت العزۃ کی طرف نازل کیا گیا پھر تیئس سال کے عرصہ میں حسبِ واقعات تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعثت کی ابتداء ماہ رجب میں ہوئی۔

ابتدائے وحی کی حدیث

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعبیر کے بیان میں (اور تفسیر کے بیان میں بھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کے نُور کی طرح ظہور پذیر ہوتا اور آپ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت کرتے اور اس کے لیے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور مزید سامان لے جاتے، حتیٰ کہ اچانک ایک دن حق آیا اور آپ غارِ حرا میں تھے۔

ایک فرشتہ وہاں آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا "اقرء" (پڑھئے) (آپ فرماتے ہیں) میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے پکڑ کر بھینچا حتیٰ کہ مجھے تکلیف ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھئے۔ میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا جس سے مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر چھوڑا اور کہا: پڑھئے۔ میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے پکڑا اور تیسری بار بھینچا حتیٰ کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر چھوڑا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (العلق: 5-1)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خُون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو آپ کا قلبِ اقدس دھڑک رہا تھا حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ۔" گھر والوں نے چادر اوڑھائی حتیٰ کہ آپ کا خوف زائل ہوگیا تو فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا تھا؟ پھر فرمایا: مجھے اپنی جان کا خوف پیدا ہوگیا تھا۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۳)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: ہرگز نہیں! آپ کو خوشخبری ہو، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور امورِ حق پر ان کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ کے بھائی یعنی آپ کے چچا کے بیٹے تھے۔ یہ وہ شخص تھے جو دورِ جاہلیت میں عیسائی رہے اور وہ کتاب کو عبرانی زبان میں لکھتے تھے اس لیے انجیل میں سے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا وہ اسے عبرانی زبان میں لکھتے۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی بھی زائل ہو گئی تھی۔

---

[1] خوف کی وجہ آگے حدیث شریف کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو رہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے سے سنو! ورقہ بن نوفل نے پوچھا: آپ نے کیا دیکھا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتا دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا، کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو (شہر سے) نکال دے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جو شخص بھی یہ چیز (نبوت) لے کر آیا جو تم لے کر آئے ہو اس سے لوگوں نے دشمنی کی، اگر مجھے وہ دن حاصل ہوا تو میں آپ کی نہایت مضبوط مدد کروں گا۔

لیکن زیادہ وقت نہ گزرا کہ ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا اور وحی (بھی) رُک گئی، حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے۔ (امام زہری فرماتے ہیں:) جیسا کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ اس غم کی وجہ سے کئی بار آپ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں سے چھلانگ لگانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ جب بھی کسی پہاڑی کی چوٹی پر جاتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے آجاتے اور عرض کرتے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو سکون مل جاتا اور اس کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ واپس لوٹ آتے۔ پھر جب وحی نہ آتی تو آپ دوبارہ اسی ارادے سے چل پڑتے۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور وہی بات کہتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۴ کتاب التفسیر)

اس حدیث کے معانی کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اپنے نفس کا ڈر ہے تو اس سلسلے میں علماء کرام نے گفتگو کی ہے۔ (حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن عباس) اسماعیلی رحمہ اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ خوف اس بات کا ضروری علم حاصل ہونے سے پہلے تھا کہ آپ کے پاس جو آیا وہ فرشتہ تھا، آپ پر یہ بات گراں تھی کہ کہیں آپ کو مجنون نہ کہا جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو قوم کا خوف تھا کہ وہ آپ کو قتل نہ کر دیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ آپ بشر تھے (اگرچہ بے مثل بشر تھے) اس لیے دوسرے انسانوں کی طرح آپ کو بھی قتل اور اذیت کا خوف تھا (کیونکہ یہ بشری تقاضا ہے)۔

آپ کا یہ فرمانا کہ میں "پڑھنے والا نہیں ہوں" (ما انا بقارئ) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کسی سے نہیں پڑھا، پس میں کتاب نہیں پڑھتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں (وحی کی) ابتدا خواب سے اس لیے کی گئی کہ اچانک فرشتے کے آنے اور واضح طور پر اچانک نبوت کے آنے سے بشری قوت کے لیے برداشت ممکن نہ ہوتی لہٰذا نبوت کے خصائل اور کرامت کی خوشخبریوں سے آغاز کیا گیا۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد اول ص ۴۷۹)

سوال: تین بار ما انا بقارئ کیوں فرمایا؟

جواب: ابوشامہ (ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم مقدسی دمشقی شافعی رحمہ اللہ) نے اس کا جواب دیا ہے جو فتح الباری میں اس طرح ہے کہ پہلی بار "ما انا بقارئ" کہنا رک جانے پر محمول کیا جائے، دوسری بار محض نفی پر اور تیسری بار استفہام پر محمول کیا جائے۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۴)

تین بار آپ کو دبانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کی توجہ کسی دوسری طرف نہ رہے اور اس بات کو ظاہر کیا گیا کہ یہ معاملہ بہت سخت ہے، اس میں آپ کو خبردار کیا گیا کہ عنقریب آپ کو بھاری قول سے واسطہ پڑے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد خیال اور وسوسے کا دُور کرنا تھا کیونکہ یہ جسم کی صفات سے نہیں پس جب یہ بات جسم پر واقع ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جنوں میں سے نہیں ہیں؟

جواب: اس کا جواب دو طریقوں پر ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کیے جن کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پہچان حاصل ہوئی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات عطا فرمائے جن کے ذریعے ہم نے آپ کو پہچانا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کی ذات والا صفات) میں ایک علم ضروری پیدا فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے (بھیجے ہوئے) فرشتہ ہیں جن اور شیطان نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس بات کا علم عطا کیا کہ ان سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا نہیں اور ان کو بھیجنے والا بھی ان کا رب ہے کوئی دوسرا نہیں۔

اور ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا کہ کاش میں اس وقت جوان ہوتا تو اس سے مراد اعلانِ نبوت ہے یعنی کاش میں ظہورِ نبوت کے وقت جوان ہوتا حتیٰ کہ آپ کی خوب مدد کرتا (لفظ جذع، جوانی استعمال کیا) لفظ جذع جانوروں کے دانتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ جانور ہیں جو جوان ہوں۔

درختوں اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا

امام بیہقی رحمہ اللہ نے علاء بن جاریہ ثقفی کے طریقے سے بعض اہلِ علم سے نقل کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی فرمانے کا ارادہ کیا اور اس کی ابتدا نبوت سے فرمائی تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سلام کہتا اور آپ اسے سنتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے مڑکر اور دائیں بائیں دیکھتے تو درخت اور اس کے گرد پتھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ سلام، نبوت کے اعتبار سے یوں ہوتا:

السلام علیک یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۵۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۶)

ابتداء وحی کے بارے میں دوسری حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک مہینے تک غارِ حرا میں رہا جب وہاں ٹھہرنے کا وقت پورا ہوا تو میں اُتر آیا پس مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا، بائیں طرف دیکھا تو کچھ بھی دکھائی نہ دیا، پیچھے دیکھا تو بھی کچھ نظر نہ آیا، میں نے سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا تو میں نے کچھ دیکھا (حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا) تو میں اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکا چنانچہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آگیا اور میں نے کہا:

دثرونی دثرونی۔ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔

اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔ (المدثر: ۳-۱)

اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھئے، پس لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔

اور یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۹۰، کتاب الایمان، مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۰۶)

نبوت کسبی چیز نہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں ٹھہرنا طلب نبوت کے لیے نہ تھا کیونکہ نبوت کا مقام طلب یا اکتساب سے بلند ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے اور ایک خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ منصب رسالت کو کہاں رکھے۔[1]

آپ کا قلبی اضطراب خوشی کی وجہ سے تھا

جس قلبی اضطراب کا ذکر کیا گیا وہ حضرت جبریل علیہ السلام سے خوف کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے اور آپ نہایت مضبوط دل والے تھے بلکہ آپ اپنے حال پر خوش ہوئے اور یہ اضطراب اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوجہ ہونے کی وجہ سے تھا آپ کو ڈر ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو جاؤں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت کے بوجھ کی وجہ سے آپ کو خوف ہوا۔

---

[1] نبوت کا منصب عظیم الشان شخصیات کو عطا ہوا اور وہ بشر ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اس لیے وہ بے مثل بشر تھے ... ۱۲ ہزاروی۔

نزولِ قرآن کا آغاز

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عتیق! ان کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جائیں چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئے اور آپ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: جب میں تنہا ہوتا ہوں تو آواز آتی ہے اے محمد! اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں بھاگ جاتا ہوں۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: جب یہ ندا آئے تو نہ بھاگیں بلکہ ٹھہرے رہیں اور جو کچھ سنیں وہ مجھے بتائیں۔ جب آپ تنہا ہوئے تو آواز آئی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ٹھہرے رہے تو آواز دینے والے نے کہا: پڑھیں "الحمدللہ رب العالمین" (پوری سورۃ فاتحہ) پھر کہا: پڑھئے "لا الہ الا اللہ"... الحدیث۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۵۸)

جن لوگوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی انہوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں سے سب سے پہلے "اقرء باسم ربک الذی خلق" (سورۃ العلق) نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ (الدر المنثور جلد ۶ ص ۳۶۸) اور یہی بات حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عبید بن عمیر رحمہ اللہ (تابعی) سے بھی مروی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی صحیح بات ہے اور سلف و خلف جمہور کا یہی مسلک ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے جو مروی ہے کہ سب سے پہلے "یایھا المدثر" نازل ہوئی تو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ضعیف بلکہ باطل ہے، یہ آیات وحی کے رُک جانے کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۹۰ کتاب الایمان، حاشیہ)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ والی روایت جس میں سورۃ فاتحہ کو پہلی وحی قرار دیا گیا جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے تو امام بیہقی نے فرمایا: یہ حدیث منقطع ہے۔[1] اور اگر یہ حدیث محفوظ ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ "اقرء باسم ربک" اور "یایھا المدثر" کے نزول کے بعد اس کے اُترنے کی خبر دی گئی ہو۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۵۹)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ اس قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس کا بطلان ذکر کا محتاج نہیں، اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ قرآن پاک (کی آیات) لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ مانگنے کے بارے میں کہا جیسا کہ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام جب پہلی بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) پناہ مانگئے۔ آپ نے فرمایا: "استعیذ بالسمیع العلیم من الشیطن الرجیم" میں شیطان مردود سے سننے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

[1] حدیث منقطع وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی ساقط ہو۔ (مذکور نہ ہو)

پھر کہا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھیں، اس کے بعد کہا: پڑھئے "اقرء باسم ربک الذی خلق" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت یہی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ اثر (حدیث) غریب[1] ہے، ہم نے اس لیے اسے ذکر کیا تاکہ اس کا علم ہو جائے کیونکہ اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے۔

غارِ حرا کیوں اختیار فرمایا؟

ابن ابی جمرہ نے ایک سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء کا انتخاب کیوں فرمایا کہ آپ وہاں جا کر علیحدگی میں عبادت فرماتے تھے، دوسرے مقامات کو کیوں اختیار نہیں فرمایا؟

اس کا جواب یوں دیا کہ اس غار کو دوسرے غاروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں لوگوں سے دُوری، دلجمعی کے ساتھ عبادت اور بیت اللہ کی زیارت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے گویا اس میں آپ کے لیے تین عبادتیں جمع ہو گئیں: (۱) تنہائی (۲) عبادت اور (۳) بیت اللہ شریف کی زیارت۔ جبکہ دوسرے غاروں میں یہ تین باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (غارِ حراء سے کعبہ شریف بالکل سامنے ہے)

(امام مفسر عبداللہ بن محمد قرشی) مرجانی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے غارِ حراء کے فضائل اور اس کی خصوصیات کے بارے میں کہا۔

تامل حراء فی جمال محیاہ ... فکم من اناس من حلاحسنہ تاھوا
فمما حوی من جا لعلیاہ زائرا ... یفرج عنہ الھم فی حال مرقاہ
بہ خلوۃ الھادی الشفیع محمد ... وفیہ لہ غار لہ کان یرقاہ
وقبلتہ للقدس کانت بغارہ ... وفیہ اتاہ الوحی فی حال مبداہ
وفیہ تجلی الروح بالموقف الذی ... بہ اللہ فی وقت البداءۃ سواہ
وتحت تخوم الارض فی السبع اصلہ ... ومن بعد ھذا اھتز بالسفل اعلاہ
ولما تجلی اللہ قدس ذکرہ ... لطور تشظی فھو احدی شظایاہ
ومنھا ثبیر ثم ثور بمکہ ... کذا قد اتی فی نقل تاریخ مبداہ
و فی طیبۃ ایضا ثلاث فعدھا ... فعیرا و ورقانا واحدا رویناہ
ویقبل فی ساعۃ الظھر من دعا ... بہ ینادی من دعانا اجبناہ
و فی احد الاقوال فی عقبۃ حرا ... اتی ثم قابیل لھابیل غشاہ
ومما حوی سرا حوتہ صخورہ ... من التبر اکسیرا یقام سمعناہ

[1] حدیث غریب وہ حدیث صحیح جس کا راوی ایک ہو، وہ غریب کہلاتی ہے۔

سمعت به تسبیحها غیر مرة واسمعته جمعا فقالوا سمعناه
به مرکز النور الالهی مثبتا فلله ما احلی مقاما باعلاه

"حراء کے چہرے میں غور کرو کتنے ہی لوگ ہیں جو اس کے حُسن کے زیور سے سرگشتہ ہیں"۔

"یہ اپنی فضیلت کے باعث آنے والے کے غم کو دُور کر دیتا ہے جب وہ اس پر چڑھتا ہے"۔

"یہ ہادی دو جہاں شفیع امم صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ نشینی کا مقام ہے اور اس میں ایک غار ہے جس پر آپ ﷺ تشریف لے جاتے تھے"۔

"آپ ﷺ کا قبلہ بیت المقدس سے غار میں تھا اور شروع شروع میں وہیں آپ کے پاس وحی آتی تھی"۔

"اور حرا میں جبریل امین نے اس موقف میں تجلی کی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اسے درست وہموار کیا"۔

"اس کی اصل ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور پھر اس اصل کے سبب اوپر والے حصے نے جنبش کی"۔

"اور جب پاک ذکر والے اللہ نے طور پر تجلی فرمائی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ان ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا حرا ہے"۔

"اور ان ہی ٹکڑوں میں سے کوہ ثبیر اور پھر کوہ ثور ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ نقل تاریخ میں حرا کی ابتدا اسی طرح ہوئی"۔

"اور مدینہ طیبہ میں تین ہیں، تم ان کی گنتی کرو: جبل عیر، جبل ورقان اور جبل احد، یہ تینوں بھی کوہ طور کے ٹکڑے ہیں"۔

"اور اس میں ظہر کے وقت دُعا کرنے والے کی دُعا قبول ہوتی ہے اور آواز دی جاتی ہے کہ جو شخص ہم سے دُعا کرتا ہے ہم اس کی دُعا قبول کرتے ہیں"۔

"ایک قول یہ بھی ہے کہ حرا کی پچھلی جانب قابیل آیا اور اس نے ہابیل کو قتل کیا"۔

"غارِ حرا میں جو سونے اور چاندی کے ٹکڑے ہیں وہ اس کی چٹانوں میں بھی ہیں، وہ اکسیر ہیں۔ یہی بات ہم نے سنی ہے"۔

"میں نے کئی بار وہاں تسبیح سنی اور دوسروں کو بھی سنائی تو انہوں نے کہا: ہم نے بھی سنی ہے"۔

"حرا میں نُورِ الٰہی کا مرکز قائم ہے اور اللہ کی قسم اس کے اوپر ٹھہرنا کتنا میٹھا (پسندیدہ) ہے"۔

وحی کے آغاز پر شقِ صدر

ابو نعیم نے روایت کیا کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام نے آپ کے سینہ مبارکہ کو چاک کر

کے اسے دھویا پھر فرمایا: "اقرء باسم ربک" (آخر تک)

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ورقہ بن نوفل نے کہا: آپ کو خوشخبری ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت پر ہیں (کہ ان کی طرح آپ پر بھی وحی نازل ہوئی) اور آپ نبی مرسل ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اوّل ص ۶۹)

(ابوداؤد سلیمان بن جارود بصری) طیالسی اور حارث (بن محمد بن ابی اسامہ) رحمہما اللہ نے بھی اپنی اپنی مسندوں میں اس موقع پر شقِ صدر کے بارے میں روایت کیا ہے--- اور اس میں حکمت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی ہو آپ اسے مضبوط دل کے ساتھ طہارت کے نہایت کامل احوال میں حاصل کریں۔

مراتبِ وحی

ابن قیم وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو متعدد مراتب پر مکمل کیا۔ (جو درج ذیل ہیں)

(۱) سچا خواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح سامنے آتی۔

(۲) جو کچھ فرشتہ آپ کے دل اور نفس میں ڈالتا تھا اس حال میں کہ وہ نظر نہیں آتا تھا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا الطلب۔

بیشک روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل (نفس) میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس ہرگز دُنیا سے نہیں جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق حاصل کر لے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھی طلب رکھو۔

(زاد المعاد لابن قیم جلد اوّل ص ۳۲، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴، التمہید جلد اوّل ص ۲۸۴)

اس حدیث کو ابن ابی الدنیا (عبداللہ بن محمد بن عبید اموی) نے "کتاب القناعۃ" میں نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

(۳) فرشتہ انسانی صورت میں آتا اور آپ سے مخاطب ہوتا حتیٰ کہ آپ اس سے سن کر یاد کر لیتے۔ فرشتہ آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتا تھا۔ یہ بات امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کی ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ خوبصورت اور جمیل تھے، جب آپ تجارت کے لیے تشریف لے جاتے تو کجاووں سے (پردہ نشین) عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے باہر نکل آتی تھیں۔

سوال: جب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ملتے تو ان کی روح کہاں ہوتی تھی، اگر وہ جسم میں ہوتی جس کے چھ سو پر تھے تو جو آپ کے پاس آتا وہ نہ تو جبریل علیہ السلام کی روح ہوتی

اور نہ ان کا جسم اور اگر اس جسم میں ہوتی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں تھا تو وہ بہت بڑا جسم مر جاتا تھا یا روح سے خالی ہو جاتا تھا اور وہ روح اس جسم سے منتقل ہو کر اس جسم میں آجاتی تھی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے مشابہ تھا۔(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶)

جواب: اس کا جواب اس طرح دیا گیا جیسے (علامہ بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ حنفی) عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات بعید نہیں ہے کہ روح کا انتقال موت کا باعث نہ ہو، پس جسم زندہ رہے اس کے معارف سے کچھ بھی کم نہ ہو اور اس کی روح کا دوسرے جسم کی طرف منتقل ہونا اسی طرح ہو جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں چلی جاتی ہیں اور ارواح کے جدا ہونے سے جسموں کا مر جانا عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ایک طریقہ جاری فرمایا جو ان کے علاوہ مخلوق میں ضروری نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶)

(۴) بعض اوقات وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور یہ آپ پر بہت سخت ہوتی تھی حتیٰ کہ سخت سردی کے دن آپ کی پیشانی سے پسینہ بہتا تھا اور بوجھ کی وجہ سے آپ کا اونٹ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں وحی آئی اور آپ کی ران حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو اس پر بوجھ پڑا حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جاتی۔(زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں امام طبرانی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتا تھا اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ سخت بخار میں مبتلا ہو جاتے اور چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح کا بہت زیادہ پسینہ آتا تھا، پھر وحی موقوف ہو جاتی اور آپ مجھ پر بولتے جاتے اور میں لکھتا تھا۔ ابھی میں فارغ نہیں ہوتا تھا کہ وحی کے بوجھ کی وجہ سے میرا پاؤں ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ میں کہتا: میں اپنے پاؤں سے کبھی چل نہیں سکوں گا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ المائدہ نازل ہوئی تو قریب تھا کہ سورت کے بوجھ سے آپ کی اونٹنی کا بازو (اگلی ٹانگ) ٹوٹ جائے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے (اپنی مسند میں) (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۵) اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا۔

(۵) آپ فرشتے کو اصلی صورت میں دیکھتے تھے اور اس کے (حضرت جبریل علیہ السلام کے) چھ سو پر تھے، وہ جو چاہتے آپ کی طرف وحی کرتے اور دو مرتبہ ایسا ہوا کہ جیسا کہ سورۃ النجم میں ہے۔[1]

(۶) جب آپ آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا آپ کی طرف وحی فرمائی، جیسے نمازوں کی فرضیت وغیرہ۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام کرنا جیسے حضرت موسیٰ علیہ

---

[1] ابتدائے بعثت کے وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو افق میں دیکھا اور دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ سورۂ نجم میں ہے: اور آپ نے ان کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔

السلام سے کلام فرمایا۔

ابن قیم نے کہا کہ بعض علماء نے وحی کا آٹھواں مرتبہ بھی ذکر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ سے کسی حجاب کے بغیر کلام کرنا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

کلام ابن قیم کے بارے میں عراقی کی رائے

شیخ الاسلام الولی ابن عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن قیم نے یہ بیان امام سہیلی رحمہ اللہ کی "الروض" سے بیان کیا لیکن انہوں نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ جبرئیل علیہ السلام سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی کے کچھ کلمات لے کر آتے تھے۔ (کتب) صحاح کے طریقے سے ثابت ہے حضرت شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اسرافیل علیہ السلام مقرر ہوئے۔ تین سال تک وہ آپ کے سامنے ظاہر ہوتے اور وحی کے کلمات اور دیگر آداب لاتے رہے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام متعین ہوئے تو وہ قرآن پاک لے کر آئے۔

اور جہاں تک ابن القیم کی چھٹی بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اوپر یعنی معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی اور ساتویں صورت جو بلاواسطہ کلام ہے اگر اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی ہی ہے تو وہ پہلی صورتوں میں داخل ہے کیونکہ اس حالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل صورت پر تھے یا انسانی شکل میں اور دونوں صورتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ وحی بھیجنا مراد ہے اور یہی ظاہر ہے تو یہ بعد والی صورت ہے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ بعض نے وحی کا آٹھواں مرتبہ بھی بیان کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حجاب کے بغیر گفتگو کرنا ہے تو یہ ان لوگوں کے مذہب پر (صحیح) ہے جو رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور یہ اختلافی مسئلہ ہے، اس پر گفتگو ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ چھٹے مرتبے سے ابن قیم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی مراد لی ہو اور اس میں اور اس سے پہلے والی صورت میں مقام وحی کے اعتبار سے مغایرت ہے یعنی جو آسمانوں کے اوپر ہوئی بخلاف پہلی صورتوں کے کیونکہ وہ زمین پر واقع ہوئی ہیں۔

اور یہ نہ کہا جائے کہ اقسام وحی کا تعدد ہونا اس زمینی ٹکڑے کے اعتبار سے ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے اور یہ ناممکن بات ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ وحی جو آسمان میں ہوئی اور وہ مشاہدۂ غیب کے اعتبار سے ہے وہ وحی زمین پر ہونے والی وحی کا غیر ہے کیونکہ مقامات مختلف ہیں۔

مراتب وحی کا تتمہ

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس سے بھی زائد مراتب ہیں:

○ اللہ تعالیٰ کا آپ کے خواب میں گفتگو کرنا جس طرح امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت اچھی صورت میں آیا (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) اور فرمایا: اے محمد! ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتے) کس بات میں اختلاف کرتے ہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۶۸، المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۴۹، العلل المتناہیہ لابن جوزی جلد ۲ ص ۳۰)

○ ایک اور مرتبہ ہے اور وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں اور زبان پر اس وقت جاری فرماتا جب آپ احکام کے سلسلے میں اجتہاد فرماتے کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اجتہاد فرماتے آپ کا اجتہاد صحیح ہوتا اور آپ خطا سے معصوم تھے۔ اور یہ بات آپ کے حق میں عادت کی خلاف ہے، امت کے کسی فرد کو یہ بات حاصل نہیں اور دل میں جو بات ڈالی جاتی تھی یہ اس سے الگ بات ہے کیونکہ یہ اجتہاد سے حاصل ہے اور دل میں ڈالنا دوسری بات ہے۔

○ ایک اور مرتبہ ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی صورت میں آنا کیونکہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ہاں معروف تھے، اس بات کو ابن منیر نے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ تیسرے مرتبہ میں داخل ہے جو ابن قیم نے ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

(قاضی ابو عبداللہ الحسین بن حسین بن حلیم شافعی فقیہ) حلیمی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ وحی چھیالیس اقسام پر آئی ہے۔ انہوں نے اس کی غالب صورتیں ذکر کی ہیں جیسا کہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ یہ حامل وحی کی صفات ہیں اور ان کا مجموعہ ما قبل مذکورہ اقسام میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۱۸)

ابن منیر نے ذکر کیا ہے کہ وحی کے تقاضوں کے مطابق وحی کی حالت مختلف ہوتی تھی، اگر کسی وعدے یا خوشخبری سے متعلق وحی ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں اترتا اور کسی مشقت کے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتا اور اگر عذاب کے وعدہ (یعنی وعید) اور ڈر سنانے سے متعلق وحی ہوتی تو وہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی۔

حضرت جبریل علیہ السلام کتنی بار اترے

ابن عادل نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ، حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چار سو مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ اترے، یہ ابن عادل کا قول ہے۔

نماز کا پہلی بار حکم

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت اچھی صورت اور

بہترین خوشبو کے ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے آپ میری طرف سے جنوں اور انسانوں کے لیے رسول ہیں، پس ان کو "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف بلاؤ۔ پھر انہوں نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا، اس سے حضرت جبریل علیہ السلام نے وضو کیا پھر آپ سے عرض کیا کہ وضو فرمائیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ سے بھی کہا کہ آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا۔ اس کے بعد وہ آسمان پر تشریف لے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ جس پتھر، ڈھیلے اور درخت سے گزرتے وہ کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ" حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ خوشی سے بے ہوش ہو گئیں، پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تو انہوں نے وضو کر کے آپ کے ہمراہ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو پڑھائی تھی۔ شروع میں نماز دو رکعتیں فرض تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سفر میں اسی کو برقرار رکھا اور سفر کے علاوہ کی نماز کو مکمل کیا۔

حضرت مقاتل (بن سلیمان بلخی مفسر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: شروع شروع میں دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کے وقت فرض تھیں، ارشاد خداوندی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔ (غافر: ۵۵) — اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح شام اور صبح کے وقت بیان کیجئے۔

فتح الباری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقعۂ معراج سے پہلے یقیناً نماز پڑھتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام بھی نماز ادا کرتے تھے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ کہا گیا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز فرض تھی، اس کی دلیل یہ ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا۔ (طٰہٰ: ۱۳۰) — اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے ڈرانا اور توحید کی طرف بلانا واجب ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے رات کا قیام فرض کیا جس طرح سورۂ مزمل کے شروع میں مذکور ہے، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جس طرح اسی سورت کے آخر میں ہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے آپ کو معراج کرایا اور اس رات پانچ نمازیں فرض کر کے اسے منسوخ کیا۔ اور جو کچھ اس روایت میں ذکر کیا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضو سکھایا اور اس کا حکم دیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وضو کی فرضیت معراج سے پہلے ہوئی۔[1] (شرح مسلم للقاضی عیاض جلد ۲ ص ۱۱)

---

[1] حضرت جبریل علیہ السلام کے سکھانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کے استاذ اور معلم قرار پائے کیونکہ وہ تو ایک واسطہ تھے، سکھانے والا اور احکام بھیجنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

وحی کا رک جانا

پھر کچھ عرصہ وحی رک گئی جس سے آپ بہت پریشان اور غمگین ہوئے۔ کچھ عرصہ وحی کا رک جانا فترت کہلاتا ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خوف لاحق ہوا وہ چلا جائے اور وحی کے دوبارہ آنے کا شوق پیدا ہو۔ اور وحی کے رکنے کا زمانہ تین سال تھا جیسا کہ ابن اسحٰق نے یقین کے ساتھ یہ بات کہی۔ (لیکن اس مدت میں اختلاف ہے)۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶)

امام احمد رحمہ اللہ کی تاریخ میں ہے نیز یعقوب بن سفیان نے حضرت شعبی سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نبوت (وحی) نازل ہوئی جب آپ چالیس سال کے تھے۔ تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام یہ ذمہ داری نبھاتے رہے، وہ آپ کو کچھ سکھاتے تھے لیکن قرآن پاک ان کی زبان پر نازل نہیں ہوا۔ جب تین سال مکمل ہوئے تو یہ ذمہ داری حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سپرد ہوئی اور بیس سال تک ان کی زبان کے واسطہ سے قرآن پاک نازل ہوا۔ ابن سعد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۳۳، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۹۱، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶)

نبوت و رسالت

یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کی نبوت، رسالت سے مقدم ہے۔ جس طرح ابو عمرو وغیرہ نے کہا ہے۔ ابو امامہ بن نقاش نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ سورۃ "اقرء" کے نزول میں نبوت ہے اور سورۃ "المدثر" کے نزول کے ذریعے آپ کی رسالت کا اعلان ہے کیونکہ اس سورت میں آپ کو ڈر سنانے، خوشخبری دینے اور شرعی احکام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

اور یہ بات پہلی بات کے بعد ہے کیونکہ جب سورۂ اقرء انسانی طور طریقوں یعنی پیدائش، تعلیم اور افہام (سمجھانا) پر مشتمل ہے تو مناسب تھا کہ سب سے پہلے یہی سورت نازل ہو، یہ طبعی اور فطری ترتیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے علم، فہم، حکمت اور نبوت وغیرہ جو کچھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اس کا ذکر کیا جائے اور بندوں کی تعریف کے مقام پر اس بات کے ذریعے احسان فرمائے جو ان کو فہمی، نطقی اور خطی بیان کے ذریعے نعمت عطا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے کہ آپ اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے بندوں کو ڈرائیں۔
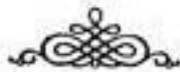
سب سے پہلے کون ایمان لایا؟

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا

آپ پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو عورتوں میں سے نہایت سچی تھیں ایمان لائیں اور وہ صدیقیت کے حقوق اور مشقتیں برداشت کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں ڈر لگتا ہے تو انہوں نے عرض کیا: آپ کو خوشخبری ہو اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۴) پھر انہوں نے آپ کی صفات، اخلاق اور اچھی خصلتوں سے استدلال کیا کہ جو شخص ان صفات کا مالک ہوتا ہے وہ کبھی بھی رسوا نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد امت کے صدیق اور اسلام میں سبقت کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے راہ خداوندی میں آپ کو قوت فراہم کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں ۔

اذا تذكرت شجوى من اخى ثقة فاذكر اخاك ابابكر بما فعلا

خير البرية اتقاها واعدلها بعد النبى واوفاها بما حملا

والثانى التالى المحمود مشهده واول الناس قدما صدق الرسلا

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۴۴، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۵، دیوان حسان ص ۸۳)

"جب تم کسی شخص کو یاد کرو کہ وہ اپنے بھائی کے لیے مشقتیں برداشت کرتا ہے تو تم اپنے بھائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے اچھے کاموں کے ذریعے یاد کرو"۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ مخلوق میں سے سب سے بہتر، سب سے بڑے متقی اور زیادہ عدل کرنے والے اور اپنی ذمہ داری کو زیادہ پورا کرنے والے ہیں"۔

"آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اور تابع ہیں۔ آپ کی قبر تعریف کے قابل ہے، آپ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی"۔

ابو عمر (ابن عبدالبر) نے اسے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق، امام نخعی (ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی) ابن ماجشون، محمد بن منکدر اور اخنس نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے تو اس بنیاد پر یوں کہا جائے گا کہ مردوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور بچوں میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا کیونکہ اس وقت آپ بچے تھے، بالغ نہیں ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا۔

سبقتکم الی الاسلام طرا صغیرا ما بلغت اوان حلمی

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۳)

"میں تم سب سے اسلام میں سبقت لے گیا کیونکہ میں بچہ تھا بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا تھا"۔

اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ طبری نے اسی طرح بیان کیا۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں شامل ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ ابن شہاب اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۷)

پہلے اسلام لانے والے کے بارے میں اقوال

ابن عبدالبر نے کہا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مطلقاً سب سے پہلے ایمان لائیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۳ ص ۲۹) یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل نے اسلام قبول کیا اور جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پایا، رسالت کو نہیں پایا لیکن سیرت کی کتابوں میں آیا اور ابونعیم کی گزشتہ روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ انہوں نے کہا: آپ کو خوشخبری ہو، میں بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہوں جس کی خوشخبری حضرت (عیسیٰ) ابن مریم علیہ السلام نے دی اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے دین کی مثل پر ہیں اور آپ نبی مرسل ہیں۔ عنقریب آپ کو جہاد کا حکم دیا جائے گا اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا۔

تو یہ قول اس بات میں واضح ہے کہ ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی ہے۔

(سراج الدین ابو حفص عمر بن رسلان) بلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس اعتبار سے مردوں میں سے سب سے

پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔ عراقی نے (علوم حدیث کے سلسلے میں) ابن صلاح (کی کتاب) پر اپنے نکات میں یہی بات کہی ہے اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔

عراقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے اسلام لانے پر اکثر علماء سے نقل کیا اور ابن عبدالبر نے اس بات پر اتفاق ذکر کیا ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۷)

ثعلبی (احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری) رحمہ اللہ نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، اختلاف اس میں ہے کہ ان کے بعد سب سے پہلے کون اسلام لایا۔

زیادہ مناسب قول

(شیخ الاسلام تقی الدین ابو عمرو عثمان) ابن صلاح رحمہ اللہ نے فرمایا: سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، بچوں یا نوعمر حضرات میں سے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آزاد کردہ غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے۔

طبری نے کہا کہ تمام روایات میں تطبیق دی جائے اور ان کو صحیح سمجھتے ہوئے یوں کہا جائے کہ مطلق طور پر (عورت مرد وغیرہ کا لحاظ کیے بغیر) سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شروع میں اسلام لائے لیکن آپ بچے تھے ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، جبکہ پہلے عربی بالغ مرد جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ظاہر بھی کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما تھے۔ نیز آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

طبری نے کہا کہ یہ متفق علیہ بات ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن لوگوں نے کہا کہ مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان لوگوں کے قول کو بھی اسی بات پر محمول کیا جائے گا یعنی بالغ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے جو مجھے نہیں دی گئیں: اسلام کے پھیلانے میں انہوں نے مجھ سے سبقت کی، انہوں نے ہجرت مجھ سے پہلے کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے اور اس وقت نماز قائم کی جب میں شعب بنی ہاشم میں تھا، وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور میں چھپاتا تھا۔

"فضائل ابوبکر" کے مصنف نے اس روایت کو ذکر کیا اور حضرت خیثمہ نے اس کو معنوی طور پر ذکر کیا۔ جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا تعلق ہے تو آپ

جب اٹھارہ سال کے تھے (اور) اس وقت اہل مکہ شام کی طرف تجارت کا ارادہ کرتے تھے (اور) بحیرٰی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تھا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یقین پیدا ہوگیا تھا۔ میمون بن مہران کا قول ہے، فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیرٰی کے زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اس ایمان سے مراد آپ کی صداقت پر یقین ہے یعنی وہ یقین جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں ثابت ہوا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے اور شام کی طرف سفر بعثت سے پہلے ہوا۔

پہلا گروہ جو اسلام لایا

حضرت زید بن حارثہ کے بعد حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوّام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے، آپ ان حضرات کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، اسلام لائے اور نماز پڑھی۔

پھر ان نو شخصیات (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی المرتضٰی، حضرت خدیجۃ الکبرٰی حضرت زید بن حارثہ اور وہ پانچ صحابی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے) کے بعد حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح، ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما اسلام لائے، اسی طرح حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی، عثمان بن مظعون جمحی اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہ نیز عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۵)

ابن سعد نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام الفضل، اسماء بنت ابی بکر اور ان کی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

ابن اسحٰق وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں اسلام کیسے لائیں۔ آپ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال ہوئی۔ مغلطائی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے، پھر مرد اور عورتیں گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۸۰)

دعوت اسلام کے لیے جدوجہد

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں اسے (مشرکین کے سامنے) ظاہر کریں۔

اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے: فاصدع بما تؤمر (الحجر: ۹۴) آپ کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے اس

کو ظاہر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرأت فرماتے تھے حتیٰ کہ آیت کریمہ فاصدع بما تؤمر نازل ہوئی تو آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلند آواز سے قرأت فرمائی۔

امام بیضاوی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں: اس کا معنی بلند آواز سے دلیل دینا یا حق و باطل کے درمیان فرق کرنا ہے، اس لفظ کا اصل معنی ظاہر کرنا اور ممتاز کرنا ہے۔ "ما" مصدریہ یا موصولہ ہے اور راجع محذوف ہے یعنی جن شرعی احکام کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے (ان کو بیان کریں "فاصدع بما تؤمر بہ" یہاں بہ محذوف ہے) (تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۳۰۸)

پوشیدہ دعوت کی مدت

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال بعد نازل ہوئی اور اس مدت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔

قریش کا موقف

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا (اس دوران) آپ کی قوم نہ تو آپ سے دور ہوئی اور نہ آپ کا رد کیا یہاں تک کہ آپ نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا اور ان کی برائی بیان فرمائی اور یہ چوتھے سال کی بات ہے جیسا کہ عتقی نے بیان کیا۔

اب وہ لوگ آپ کے خلاف اور آپ کی عداوت میں اکٹھے ہوئے البتہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی وجہ سے اس جرم سے بچایا (وہ بچ گئے) آپ کے چچا ابو طالب نے آپ پر شفقت کے باعث آپ کا دفاع کیا اور ان لوگوں کے راستے میں حائل ہو گئے۔

معاملہ بہت سخت ہو گیا اور لوگ ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف دشمنی ظاہر کی۔ ان میں سے جو مسلمان ہو گئے تھے ان پر قریش کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ وہ ان کو عذاب دینے لگے اور وہ دین کے معاملے میں آزمائش میں پڑ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب اور بنو ہاشم کے سبب محفوظ رکھا البتہ ابولہب اور بنو مطلب آپ کی مدد میں شریک نہ ہوئے۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے پاس تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اتنے میں قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے ابو طالب کے پاس جا پہنچے۔ ابو طالب نے کہا: جب اونٹ چراگاہ سے واپس آتے ہیں اگر کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے پر

مہربان ہوئی تو میں ان کو تمہارے حوالے کردوں گا۔[1] ابوطالب نے کہا۔

والله لن يصلوا اليك بجمعهم حتى اوسد فى التراب دفينا
فاصدع بامرك ما عليك غضاضة وابشر وقر بذاك منك عيونا
ودعوتنى وزعمت انك ناصحى ولقد صدقت وكنت ثم امينا
وعرضت دينا لا محاله انه من خير اديان البرية دينا
لولا الملامة او حذارى سبه لوجدتنى سمحا بذاك مبينا

"اللہ کی قسم! وہ سب کے سب بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں مٹی میں دفن نہ ہو جاؤں"۔
"آپ کو جو حکم دیا گیا اسے ظاہر کیجئے آپ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ آپ کو خوشخبری ہو اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے"۔
"آپ نے مجھے دعوت دی بے شک آپ خیر خواہ ہیں، آپ نے سچ کہا اور آپ امانت دار ہیں"۔
"آپ نے میرے سامنے جو دین پیش کیا وہ لامحالہ تمام دینوں سے بہتر ہے"۔
"اگر ملامت و عار کا ڈر نہ ہوتا تو آپ ضرور مجھے اس دین کو ظاہر کرنے والا اور فیاض پاتے"۔

مذاق اڑانے والے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاق اڑانے والوں سے محفوظ رکھا جیسے ارشاد فرمایا:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الحجر: ۹۴) اور مشرکین سے منہ پھیر لیں۔

وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی طرف توجہ نہ کریں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۔ (الحجر: ۹۵) بے شک ہم مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں آپ کو کفایت کرنے والے ہیں۔

یعنی ان کو ہلاک کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے ہم کافی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ قریش کے معزز افراد میں سے پانچ شخص تھے: ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل، حارث بن قیس، اسود بن عبد یغوث اور اسود بن مطلب۔

یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے اور مذاق اڑانے میں مبالغہ کرتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں آپ کو ان سے کفایت کروں، پھر ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا وہ تیر بنانے والے کی طرف گزرا، اس کے کپڑے سے ایک تیر لٹک گیا۔ وہ تیر کی تعظیم کی وجہ سے اسے لینے کے لیے نہ مڑا اور وہ اس کی ایڑی کی ایک رگ میں پیوست ہو گیا اور پھر وہ مر گیا۔ اور عاصی کے تلوے کی طرف اشارہ کیا تو اس میں کانٹا چبھا جس سے پاؤں پھول کر چکی کی طرح ہو گیا پس وہ

[1] ابوطالب نے یہ بات اس لیے کہی کہ وہ لوگ ان کے پاس عمارہ بن ولید کو لے کر آئے اور کہا کہ اسے اپنا بیٹا بنالیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیں دے دیں تاکہ ہم ان کو قتل کردیں۔

بھی مر گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حارث کی ناک کی طرف اشارہ کیا تو اس سے پیپ بہنے لگی اور وہ مر گیا۔ اسود بن یغوث درخت میں جڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ اپنا سر درخت سے ٹکرانے لگا اور اپنا چہرہ کانٹوں پر مارتا حتیٰ کہ وہ بھی مر گیا اور اسود بن عبدالمطلب کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو وہ اندھا ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی طرف سے جو اذیت برداشت کی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' اور ابولہب پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا: اے لوگو! یہ شخص تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۹۲) ولید بن مغیرہ نے آپ کو جادوگر کہا اور اس کی قوم نے اس کی پیروی کی۔[1] قریش نے بھی آپ کو اذیت پہنچائی اور آپ کو شاعر' کاہن اور مجنون کہا۔ ان میں سے بعض آپ کے سر انور پر مٹی ڈالتے اور آپ کے دروازے پر خون پھینکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط (بدبخت) نے آپ کی مبارک گردن پر پاؤں رکھا۔ قریب تھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں باہر نکل پڑیں اور اس نے آپ کا گلا بہت زور سے دبایا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی راہ میں حائل ہوئے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور اور ڈاڑھی مبارک کو اس طرح کھینچا کہ اکثر بال گر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم اس شخص کو شہید کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن عمرو نے کہا صحیح بخاری شریف میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شانہ مبارک سے پکڑا اور اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر سخت گھونٹا' اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اسے کاندھے سے پکڑ

---

[1] ابن اسحٰق' حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا کہ قریش کے کچھ لوگ ولید کے پاس جمع ہوئے اور وہ ان میں عمر رسیدہ تھا۔ اس نے ان سے کہا: اے قریش کی جماعت! حج کا موسم آ رہا ہے اور عرب کے مختلف وفود تمہارے ہاں آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس ساتھی کا معاملہ سن رکھا ہے لہٰذا ایک رائے اختیار کرو' اختلاف نہ کرنا کہ ایک دوسرے کو جھٹلانا شروع کر دو۔ انہوں نے کہا: تم کوئی رائے بتاؤ۔ اس نے کہا: تم بتاؤ میں سنتا ہوں' انہوں نے کہا: ہم کہیں گے یہ کاہن ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کاہن نہیں' ہم نے کاہن دیکھے ہیں نہ یہ کاہنوں کی آواز ہے اور نہ سجع۔ انہوں نے کہا: ہم کہیں گے یہ پاگل ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ پاگل بھی نہیں ہے' ہم نے پاگل دیکھے ہیں۔ انہوں نے کہا: شاعر ہیں۔ اس نے کہا: شاعر بھی نہیں۔ ہمیں شعر کی تمام اصناف کا علم ہے۔ انہوں نے کہا: جادوگر ہیں۔ اس نے کہا: جادوگر بھی نہیں' ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ چنانچہ ان کا اتفاق اسی پر ہوا کہ یہ جادوگر ہیں کیونکہ یہ آدمی کو اس کے رشتہ داروں سے جدا کرتا ہے۔ وہ بکھر گئے اور حج کے موسم میں مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ جب کوئی آتا تو اسے حضور علیہ السلام سے دور رہنے کی تلقین کرتے لیکن اس طرح حضور علیہ السلام کا ذکر مزید پھیل گیا۔

(شرح زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۲۹۱) ۱۲ ہزاروی۔

کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۴، کتاب مناقب الانصار)

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ کیا تم ایک شخص کو اس لیے شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (غافر: ۲۸)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آل فرعون کے مومن سے افضل ہیں (کیونکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو) اس نے صرف زبانی مدد کی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بھی مدد فرمائی، یوں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اپنے قول اور فعل (دونوں) سے کی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا فرماتے ہیں: ابوجہل نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتے ہیں (سجدہ کرتے ہیں) انہوں نے کہا: ہاں! ابوجہل نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں اسے اس طرح کرتے ہوئے دیکھوں تو اس کی گردن کچل ڈالوں گا اور اس کا چہرہ خاک آلود کردوں گا، پھر وہ آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اس کا مقصد آپ کی گردن مبارک کو کچلنا تھا، قریش نے اچانک دیکھا کہ وہ پیچھے کی طرف ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے بچنا چاہتا ہے، پوچھا گیا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی خندق ہے، پرندوں کے بازو ہیں اور خوفناک منظر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمایا: (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۲)

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى۔ (العلق: ۶) ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔

اور جب سورۃ "تبت یدا ابی لھب وتب" نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس عورت سے دور رہیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ بری عورت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان آڑ واقع ہو جائے گی۔ اس عورت نے کہا: اے ابوبکر! تمہارے ساتھی نے ہماری برائی کی، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ نہ تو شعر کہتے ہیں اور نہ ہی پڑھتے ہیں، تو وہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے آپ کو نہیں دیکھا، فرمایا: میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ تھا جس نے اپنے پروں سے مجھے ڈھانپ لیا تھا حتیٰ کہ وہ چلی گئی۔۔۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور ابونعیم رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام بیہقی کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا تم میرے پاس کسی کو دیکھتی ہو؟ وہ ہرگز نہیں دیکھے گی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۷۰)

سردارانِ کفار کے خلاف بددعا

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش

کی ایک جماعت اپنی مجالس میں تھی کہ اس دوران ان میں سے ایک نے کہا: اس ریاکار کو نہیں دیکھتے تم میں سے کون آلِ فلاں کے ذبح شدہ اونٹوں کے پاس جاتا ہے کہ وہاں سے ان کا گوبر، خون اور وہ جھلی جس میں بچہ ہوتا ہے، لائے اور انتظار کرے، جب وہ سجدہ ریز ہوں تو یہ چیزیں ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دے۔ چنانچہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا جب آپ نے سجدہ کیا تو اس نے وہ گندگی آپ ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں قائم رہے۔ وہ لوگ ہنس پڑے حتیٰ کہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے کی طرف جھک گئے۔ ایک شخص حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور آپ اس وقت چھوٹی بچی تھیں۔ آپ دوڑتی ہوئی آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہی تھے۔ حضرت خاتونِ جنت نے اس نجاست کو آپ سے دور پھینکا اور ان لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔۔۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: یااللہ! قریش کو ہلاک کر، پھر نام لے کر فرمایا: یااللہ! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک کر۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے بدر کے دن دیکھا کہ وہ لوگ میدان میں پچھاڑے گئے تھے پھر ان کو قلیب بدر (بدر کے کنوئیں) میں ڈالا گیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلیب بدر والوں پر لعنت بھیجی گئی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۴، کتاب الصلوٰۃ)

عمارہ بن ولید کا مسئلہ

اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ عمارہ بن ولید کو بھی مذکورین میں شمار کیا گیا حالانکہ وہ بدر میں قتل نہیں ہوا بلکہ اربابِ سیر نے ذکر کیا کہ وہ حبشہ کی زمین میں مرا اور اس کے لیے نجاشی کے ساتھ واقعہ پیش آیا، وہ یوں کہ عمارہ نجاشی کی بیوی سے ملاقات کے درپے تھا، نجاشی نے جادوگر عورتوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے عضو مخصوص کے سوراخ میں پھونک ماری، اس سے وہ وحشی بن گیا اور جانوروں سے جاملا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مرگیا۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام کہ انہوں نے ان کو قلیب بدر میں پڑا ہوا دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کو دیکھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط قلیب بدر میں نہیں ڈالا گیا، وہ قید میں قتل ہوا جب وہ لوگ بدر سے ایک مرحلہ آگے چلے گئے اور امیہ بن خلف قلیب بدر میں نہیں ڈالا گیا جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث کے آخری حصے کی وضاحت

راوی کا یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلیب بدر والوں پر لعنت بھیجی گئی، اس میں احتمال ہے کہ یہ گزشتہ دعا کی تکمیل ہو تو اس میں نبوت کی خبروں میں سے ایک عظیم علم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کنوئیں میں ڈالنے کے بعد یہ بات فرمائی ہو۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

پھر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور آپ قریش کے معزز نوجوان اور عزت نفس میں بہت سخت تھے۔ عتقی کے قول کی مطابق آپ چھٹے سال اسلام لائے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوا اور قریش آپ سے کچھ دور ہو گئے[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے یہ اشعار کہے۔

حمدت اللہ حین ھدی فؤادی الی الاسلام والدین الحنیف

لدین جاء من رب عزیز خبیر بالعباد بھم لطیف

اذا تلیت رسائلہ علینا تحدر دمع ذی اللب الحصیف

رسائل جاء احمد من ھداھا بایات مبینۃ الحروف

واحمد مصطفی فینا مطاع فلا تغشوہ بالقول العنیف

فلا واللہ نسلمہ لقوم ولما نقض فیھم بالسیوف

"میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے اسلام اور دین حنیف کی طرف میرے دل کی رہنمائی کی"۔

"وہ دین جو عزت والے رب کی طرف سے آیا جو رب اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا مہربان ہے"۔

"جب اس کے پیغامات ہمارے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو عقلمند کے آنسو بہہ پڑتے ہیں"۔

"وہ پیغامات جو حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ ہدایت پر مبنی ہیں اور وہ ایسی آیات ہیں جن کے حروف واضح ہیں"۔

"ہمارے درمیان حضرت احمد مصطفیٰ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا باطل قول کے ساتھ ان کو نہ ڈھانپو"۔

"پس اللہ کی قسم! ہم ان کو قوم کے حوالے نہیں کریں گے اور ہم تلواروں کے ساتھ ان کا استیصال کریں گے"۔

مغلطائی کے مطابق ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر آپ ہمارے درمیان عزت و شرف چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں، اگر بادشاہی مانگتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور اگر یہ جو آپ کے پاس آتا ہے کوئی جن ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے آپ کا علاج کرواتے ہیں حتیٰ کہ آپ ٹھیک ہو

---

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء، اسد اللہ اور اسد الرسول ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی ہیں۔ ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا۔ آپ بہادر تھے اور آپ کے اسلام قبول کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مدد حاصل ہوئی اور قریش کی طرف سے پہنچنے والے مصائب میں کمی واقع ہوئی۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۵۶)

جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تم کہتے ہو وہ بات مجھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے لیے (جنت کی) خوشخبری دینے اور (جہنم سے) ڈرانے والا ہو جاؤں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی، اگر تم اس چیز کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارا حصہ ہے اور اگر تم میری طرف لوٹا دو تو میں حکم خداوندی کی وجہ سے صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔[1]

قریش کا یہودیوں سے مدد مانگنا

پھر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں یہودیوں کے علماء کے پاس گئے اور ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ان سے تین باتوں کے بارے میں پوچھو، اگر وہ تمہیں ان باتوں کے بارے میں بتا دیں تو وہ نبی مرسل ہیں اور اگر نہ بتائیں تو جھوٹے ہیں۔ ان سے ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو پہلے زمانے میں گزرے ہیں، نیز اس شخص کے بارے میں بھی سوال کرو جو دنیا میں خوب پھرنے والا ہے اور روح کے بارے میں سوال کرو۔

(ان کے پوچھنے پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں کل بتاؤں گا اور آپ نے لفظ "ان شاء اللہ تعالیٰ" نہ فرمایا، چنانچہ کئی دن وحی رکی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ (الکہف: ۲۳)　اور کسی بات کے بارے میں ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر اس کے ساتھ "ان شاء اللہ تعالیٰ" کہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کا ذکر بھی کیا جو پہلے گزر چکے تھے اور وہ اصحاب کہف ہیں اور بہت چکر کاٹنے والا شخص سکندر ذوالقرنین ہے[2] اور روح کے بارے میں سوال کا جواب یوں دیا، ارشاد خداوندی ہے:

وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (الاسراء: ۸۵)　اور آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے: روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

آیت روح مکی ہے یا مدنی؟

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں نبی

[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو کہنے لگے: آپ کو معلوم ہے کہ ہم بہت تنگ دست ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور کر دے، شام اور عراق کی طرح یہاں نہریں جاری ہوں، ہمارے فوت شدہ بزرگ جن میں قصی بھی ہیں زندہ ہو کر ہمیں بتائیں کہ آپ حق پر ہیں یا باطل پر اور فرشتہ آکر آپ کی تصدیق کرے، اگر یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا تو ہم پر آسمان گرا دیں ورنہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۵۸)

[2] اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین کا واقعہ سورۂ کہف میں ملاحظہ فرمائیں۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں کھجور کی ایک شاخ سے تکیہ لگائے ہوئے تھا کہ وہاں سے کچھ یہودیوں کا گزر ہوا' وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ کچھ نے کہا: اس سلسلے میں تمہیں کیا شک ہے۔ بعض نے کہا: نہ پوچھو کہیں وہ ایسا جواب نہ دیں جو تمہیں پسند نہ ہو۔ پھر کہنے لگے: نہیں بلکہ پوچھو' چنانچہ انہوں نے روح کے بارے میں پوچھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف کیا اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ میں جان گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے تو میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا تو یہ آیت کریمہ (جو ابھی چند سطور پہلے مذکور ہوئی) نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶' کتاب التفسیر)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: جو کچھ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور مدینہ طیبہ میں جب یہودیوں نے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جبکہ مکمل سورت (سورۃ الاسراء) مکی ہے۔

اس کا جواب بعض اوقات یوں دیا جاتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں دوبارہ نازل ہوئی جس طرح پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ میں اس کے نزول کی ایک دلیل حضرت امام احمد بن حنبل کی روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم اس شخص سے پوچھیں۔ انہوں نے کہا: ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو چنانچہ ان کے سوال کرنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۵۵' فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳)

یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے اور انہوں نے جن راویوں سے روایت کی وہی امام مسلم کے راوی بھی ہیں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۲)

پس اسے کئی بار نزول پر محمول کیا جائے گا جس طرح ابن کثیر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہو سکتا ہے دوسری بار خاموشی مزید بیان کی توقع پر ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳)

روح کے بارے میں اختلاف

اس حدیث میں جس روح کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کی مراد میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا: انسانی روح مراد ہے' کوئی کہتا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے ایک فرشتہ مراد ہے جو قیامت کے دن تنہا صف کے طور پر کھڑا ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی قول کیے گئے ہیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح بات یہ ہے کہ انہوں نے انسانی روح کے بارے میں سوال کیا کیونکہ وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے تھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام روح اللہ ہیں اور وہ اس بات سے بھی جاہل نہ تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتہ ہیں اور فرشتے ارواح نہیں ہوتے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار بات یہ ہے کہ انہوں نے اس روح کے بارے میں سوال کیا جو زندگی کا سبب ہے اور اس کا جواب بہترین طریقے پر دیا گیا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے: روح کے بارے

میں سوال میں اس بات کا احتمال ہے کہ حقیقت روح کے بارے میں پوچھا گیا ہو اور کیا یہ متحیز ہے یا نہیں اور کیا یہ کسی متحیز میں حلول کرنے والی ہے یا نہیں؟ کیا یہ قدیم ہے یا حادث؟ اور کیا جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ باقی رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے' اس کو عذاب یا انعام دینے کی حقیقت کیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور ہیں جو اس سے متعلق ہیں۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہودیوں کے سوال میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی ایک معنی کی تخصیص کرے مگر زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ انہوں نے ماہیئت کے بارے میں سوال کیا اور کیا یہ قدیم ہے یا حادث؟ اور اس کا جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ موجود ہے لیکن طبیعتوں اور ان کے اخلاط (اجزاء) اور ان کی ترکیب کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ یہ جوہر بسیط مجرد ہے جو کسی پیدا کرنے والے کے پیدا کیے بغیر وجود میں نہیں آتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا لفظ "کن" (ہو جا) فرمانا ہے' گویا انہوں نے فرمایا کہ یہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے اور جسموں میں زندگی کا فائدہ دینے کے لیے موثر ہے اور اس کی مخصوص کیفیات کا علم نہ ہونے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ ("من امر ربی" میں) لفظ امر سے مراد فعل ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِيۡدٍ۔(ھود: ۹۷) اور فرعون کا عمل درست نہ تھا۔

یہاں امر سے فعل مراد ہے' پس اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ یہ حادث ہے۔

اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قسم کی باتوں سے پہلے بزرگ خاموش ہیں اور نہ ہی وہ ایسی باتوں کی گہرائی میں جاتے ہیں۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۵)

اور فتح الباری میں ہے کہ ایک جماعت نے اس میں غور کیا تو ان کے مختلف اقوال ہیں۔ (مثلاً) کہا گیا کہ اس سے آنے جانے والا سانس مراد ہے۔

کسی نے کہا: یہ لطیف جسم ہے جو پورے جسم میں موجود ہے' کسی کا قول ہے کہ یہ خون ہے' یہ بھی کہا گیا کہ اس سلسلے میں ایک سو کے قریب اقوال ہیں۔

ابن مندہ نے بعض متکلمین سے نقل کیا کہ ہر نبی کی پانچ' ہر مومن کی تین اور ہر زندہ کی ایک روح ہے۔

ابن عربی نے کہا کہ روح اور نفس کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں اور یہی حق ہے اور کہا گیا کہ دونوں ایک چیز ہیں اور روح کو نفس اور نفس کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابن بطال (ابو الحسن علی بن خلف بن بطال قرطبی شارح بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ حقیقت روح کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ساتھ خاص رکھا جیسا کہ اس نے خبر دی ہے۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۵)

وہ فرماتے ہیں: اس کو مبہم رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ مخلوق کی آزمائش کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ وہ اس بات کے علم سے عاجز ہیں جس کا ادراک نہیں کر سکتے حتیٰ کہ وہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے پر مجبور ہو

جائیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں حکمت یہ ہے کہ انسان کے عجز کو ظاہر کیا جائے کیونکہ جب نفس کا وجود یقینی ہے اس کے باوجود وہ اس کی حقیقت کا علم نہیں رکھتا تو حقیقت حق کے ادراک سے وہ بدرجۂ اولیٰ عاجز ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۵)

ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا لیکن آگے لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ فرمایا ہو۔ قیامت کے بارے میں بھی بزرگان دین اسی قسم کی بات فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۶)

ظلم و ستم اور آزمائش

جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ایمان ظاہر ہوگیا تو کفار قریش اہل ایمان کو عذاب دینے اور اذیت پہنچانے لگے تاکہ ان کو ان کے دین (دین اسلام) سے پھیر دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل حضرت عمار بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہ (رضی اللہ عنہم) کے پاس سے گزرا اور ان کو اذیت پہنچائی جا رہی تھی۔ اس نے ایک نیزہ ان کی شرم گاہ میں مارا جس سے وہ شہید ہوگئیں۔[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بھی کسی ایسے غلام کے پاس سے گزرتے جسے سزا میں مبتلا کیا جاتا تھا تو آپ اسے خرید کر آزاد کر دیتے ان میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

اظہارِ اسلام میں پہل کرنے والے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام ظاہر کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ حضرت سمیہ، حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دفاع ان کی قوم نے کیا اور باقی حضرات کو مشرکین نے پکڑ کر لوہے کا لباس پہنایا اور سخت دھوپ میں ڈال دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے راہ خداوندی میں اپنے آپ کو معمولی سمجھا اور قوم نے بھی ان کو معمولی قرار دیتے ہوئے پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا، وہ ان کو مکہ مکرمہ کی گلیوں میں پھراتے اور حضرت بلال

---

[1] حضرت عمار، ان کے بھائی عبداللہ، ان کے والد یاسر بن عمار اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم کو سخت اذیت دی گئی۔ حضور علیہ السلام وہاں سے گزرے تو فرمایا: اے آل یاسر! صبر کرو تمہارا وعدہ جنت ہے۔ حضرت عمار کے علاوہ تینوں اس سختی میں شہید ہوئے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت سمیہ اسلام میں سب سے پہلے شہادت کا مرتبہ پانے والی خاتون ہیں۔

احد احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کرتے۔ اس واقعہ کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ (مسند امام احمد جلد اول ص ۴۰۴)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ اضافہ کیا کہ وہ لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر آپ کو بچوں کے حوالے کرتے جو آپ سے کھیلتے حتیٰ کہ آپ کی گردن میں رسی کا نشان پڑ گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

تو دیکھئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کفر پر رکھنے کے لیے کس طرح مجبور کیا گیا اور زبردستی کی گئی لیکن وہ توحید خداوندی کا اقرار کرتے تو عذاب کی کڑواہٹ ایمان کی مٹھاس سے مل جاتی اور ان کے وصال کے وقت بھی اسی طرح ہوا۔ آپ کی زوجہ کہتیں: ہائے غم! اور حضرت بلال فرماتے ہیں: واہ خوشی! کل میں اپنے محبوبوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے جاملوں گا تو موت کی کڑواہٹ کو ملاقات کی مٹھاس سے ملا دیا۔

حضرت ابو محمد شقراطی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، وہ فرماتے ہیں ؎

لاقی بلال بلاء من امیة قد ۔۔۔ احله الصبر فیه اکرم النزل
اذ اجھدوه بضنک الامر وھو علی ۔۔۔ شدائد الازل ثبت الازر لم یزل
القوه بطحا برمضاء البطاح وقد ۔۔۔ عالوا علیه صخور جمة الثقل
فوحد الله اخلاصا وقد ظھرت ۔۔۔ بظھره کندوب الطل فی الطلل
ان قد ظھر ولی الله من دبر ۔۔۔ قد قد قلب عدو الله من قبل

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کی جانب سے مصیبت اٹھائی تو صبر نے ان کو بہترین عزت والے مقام میں اتارا"۔

"جب ان کو سخت تنگی میں مبتلا کیا تو آپ قید کی سختیوں کے باوجود ثابت قدم رہے"۔

"انہوں نے آپ کو سخت گرم ریت پر اوندھا لٹایا اور آپ کی پیٹھ پر بھاری پتھر رکھے"۔

"لیکن آپ اخلاص کے ساتھ توحید کا ذکر کرتے رہے اور آپ کی پیٹھ پر ایسے نشانات پڑ گئے جیسے ہلکے قطروں سے گڑھے بن جاتے ہیں"۔

"اگر دشمن نے اللہ کے دوست کو پیٹھ کے پیچھے سے شگاف دیا تو اس دشمن کے سینے کو سامنے سے چیرا گیا"۔

اگر اللہ کے دوست حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیٹھ میں اذیت پہنچائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے دشمن امیہ کو یوں بدلہ دیا گیا کہ بدر کے دن اسے سزا دی گئی۔ اس دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس کو قیدی بنایا اور چونکہ ان دونوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں بھائی چارہ تھا اس لیے انہوں نے اسے زندہ چھوڑنے کا ارادہ کیا

لیکن جب حضرت بلال نے اسے حضرت عبدالرحمٰن کے ہمراہ دیکھا تو آپ نے باآواز بلند فرمایا: اے اللہ کے مددگارو! کفار کا سردار امیہ بن خلف وہ ہے، اگر اس نے نجات پائی تو مجھے نجات نہیں ملے گی، چنانچہ انہوں نے اپنی تلواروں سے اسے چر کے لگا لگا کر قتل کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ افراد

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اذیت دی جا رہی تھی، سات افراد کو آزاد کیا، ان میں حضرت زنیرہ بھی ہیں جن کی بینائی چلی گئی تھی اور یہ ان لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں عذاب دیا جاتا تھا لیکن انہوں نے اسلام کے سوا کوئی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مشرکین نے کہا کہ لات و عزیٰ (بتوں) نے ان کی آنکھوں کو نقصان پہنچایا ہے تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۸۲) زنیرہ کا لفظ سکینہ کی طرح ہے، زاء کے نیچے زیر اور نون مشدد نیچے زیر ہے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب کا واقعہ ہے۔[1] حبشہ کی طرف کئی افراد نے ہجرت کی، ان میں سے بعض کے ہمراہ ان کے گھر والے بھی تھے اور بعض نے صرف تنہا ہجرت کی، یہ لوگ گیارہ یا بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھے،[2] یہ بھی کہا گیا کہ پانچ خواتین تھیں اور دو عورتوں کا قول بھی کیا گیا ہے۔

ان کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے لیکن امام زہری رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا امیر کوئی بھی نہیں تھا، یہ لوگ پیدل سمندر کی طرف نکلے اور نصف دینار کے بدلے کشتی

[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین آپ کے صحابہ کرام کو اذیت پہنچا رہے ہیں اور ان کا دفاع کرنا مشکل ہے تو آپ نے فرمایا: اگر حبشہ چلے جاؤ تو اچھا ہے، وہاں کے حکمران کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ سچائی کی زمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس حالت سے کشادگی میں بدل دے، چنانچہ فتنہ کے خوف اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے کچھ صحابہ کرام اور صحابیات نے ہجرت کی اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔ (زرقانی جلد اول ص ۳۱۴) ۱۲ ہزاروی۔

[2] حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مرد صحابہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر بن عوام، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت مصعب، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم اور حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہم اور خواتین میں: حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان، حضرت سہلہ بنت سہیل زوجہ ابوحذیفہ، حضرت ام سلمہ زوجہ ابوسلمہ اور لیلیٰ عدویہ زوجہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم، ان کے خاوند بھی ہمراہ تھے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

کرائے پر حاصل کی۔ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی اپنی زوجہ حضرت رقیہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ (حضرت رقیہ حضور علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔)

یعقوب بن سفیان نے ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جا ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر تک ان دونوں کی خبر نہ ملی تو ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے کہا میں نے ان دونوں کو دیکھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو دراز گوش پر سوار کیا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ ہجرت کی۔

جب قریش نے دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں ٹھہر گئے اور ان کو امن مل گیا تو انہوں نے عمرو بن عاصی اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحائف دے کر (حبشہ کے بادشاہ) نجاشی کی طرف بھیجا اور اس کا نام اصحمہ تھا۔ ان دونوں کے ساتھ عمارہ بن ولید بھی تھا۔ انہوں نے صحابہ کرام کی واپسی کا مطالبہ کیا تو بادشاہ نے انکار کرتے ہوئے ان کے تحائف سمیت ان کو نامراد واپس لوٹا دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

ابو نعیم کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا، آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللھم اعز الاسلام بابی جھل اوبعمر بن الخطاب۔[1]

اے اللہ! اسلام کو ابو جہل یا عمر بن خطاب کے ذریعے غلبہ عطا فرما۔

اس وقت چالیس سے کچھ اوپر مرد اور گیارہ عورتیں مسلمان ہوئی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب

اسامہ بن زید نے اپنے والد (زید بن اسلم) سے، انہوں نے ان کے دادا (اسامہ کے دادا اسلم) سے، انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: مجھے اپنی بہن کے اسلام لانے کی اطلاع ہوئی تو میں اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا: اے اپنی جان کی دشمن! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بے دین ہو گئی ہو؟ پھر ان کو مارا تو خون جاری ہو گیا۔ خون دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہنے لگیں: اے ابن خطاب! تم جو چاہو کرو میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں غصے کی حالت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر کے کونے میں

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۶۔ اسی مضمون کی حدیث طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶۷، صحیح ابن حبان جلد ۱۰ ص ۶۷، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۸۰ پر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ... ۱۲ ہزاروی۔

ایک کتاب (رکھی ہوئی) ہے جس میں "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھا ہوا ہے، جب میں "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پر پہنچا تو میں ڈر گیا اور میں نے اس صحیفے کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ فرماتے ہیں: پھر میں نے اس کی طرف رجوع کیا تو اس میں (لکھا ہوا) تھا:

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الحدید: ۱) — اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

حتیٰ کہ جب میں آمنوا باللہ ورسولہ (الحدید) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ) پر پہنچا۔ میں نے پڑھا:

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۷)

اب لوگ باہر نکلے اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے میں جلدی کرنے لگے کیونکہ انہوں نے مجھ سے جو کچھ سنا اس پر وہ خوش ہوئے، میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفا کے دامن میں ایک مکان میں آیا۔ میں (اندر) داخل ہوا تو دو آدمیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا حتیٰ کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھے چھوڑا تو میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھے کپڑوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: اے ابن خطاب! اسلام لاؤ، یا اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے۔ میں نے کہا: "اشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" (یہ سن کر) مسلمانوں نے (اس قدر بلند آواز سے) تکبیر کہی کہ مکہ مکرمہ کے راستوں میں سنی گئی۔

اس وقت جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اسے چھپاتا تھا پھر میں ایک شخص کے پاس گیا جو کسی راز کو چھپاتا نہیں تھا[۱] میں نے کہا: میں نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں اس نے بلند آواز سے پکارا: سنو! ابن خطاب نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا، چنانچہ لوگ مجھے مارنے لگے اور میں ان کو مارتا۔ میرے ماموں[۲] نے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ابن خطاب ہیں۔ وہ پتھر پر کھڑا ہوا اور اپنی آستین سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: سنو! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ

۱۔ وہ جمیل بن معمر بن حبیب ہیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور انہوں نے مصر کی فتح میں حصہ لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

۲۔ ابو جہل یا اس کا بھائی حارث بن ہشام مراد ہے۔ یہ دونوں آپ کی والدہ کے چچازاد تھے۔ آپ کے نانا ہاشم اور ابو جہل کا باپ ہشام بھائی تھے اس لیے ابو جہل آپ کا ماموں ہوا۔

نوٹ: آسمان والوں کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوش ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی مدد کی اور کمزور مسلمانوں کو سہارا ملا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا عزت کا باعث تھا۔ آپ کی ہجرت مدد اور آپ کی حکومت رحمت تھی۔ اللہ کی قسم! ہم خانہ کعبہ کے پاس ظاہر اور کھلم کھلا نماز نہ پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۷۷)

دے دی ہے، چنانچہ لوگ مجھ سے ہٹ گئے۔ فرماتے ہیں: مسلسل یہ عمل جاری رہا لوگ مجھے مارتے اور میں ان کو مارتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۷۹، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۶۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آسمان والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوش ہوئے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱ باب فضائل صحابہ)

شعب بنی ہاشم میں داخلہ اور صحیفہ کی خبر

جب قریش نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھیوں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے غلبہ حاصل ہو گیا اور حبشہ میں آپ کے صحابہ کرام کی عزت افزائی ہوئی نیز قبائل میں اسلام پھیل گیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق کیا۔ یہ خبر حضرت ابو طالب کو پہنچی تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا، چنانچہ وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گھاٹی میں لے گئے اور قتل کا ارادہ کرنے والوں سے آپ کو بچایا، چنانچہ جاہلیت کے طریقے کے مطابق قبائلی غیرت کے تحت اس میں کفار بھی شریک ہوئے۔

جب قریش نے یہ بات دیکھی تو وہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ ایک تحریر کے ذریعے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا بائیکاٹ کریں کہ نہ تو ہم ان کے ہاں شادی کریں اور نہ ہی ان کو رشتہ دیں گے اور اسی طرح ان سے خرید و فروخت بھی نہیں کریں گے اور جب تک وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں ہم ان سے صلح نہیں کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۱۹)

یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ کے خط سے تحریر ہوا اور یہ بھی کہا گیا کہ بغیض بن عامر نے لکھا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ انہوں نے یہ تحریر کعبہ شریف کے اندر لٹکا دی اور یہ نبوت کے ساتویں سال محرم الحرام کا واقعہ ہے۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب، ابو طالب کے ہاں چلے گئے اور ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل ہو گئے۔ البتہ ابو لہب داخل نہ ہوا۔ دو یا تین سال یہی صورت حال رہی۔ ابن سعد کہتے ہیں: دو سال ٹھہرے حتیٰ کہ سخت مشقت اٹھائی اور ان تک ہر چیز پوشیدہ طور پر پہنچتی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۰۸)

غرانیق کا واقعہ

مہاجرین حبشہ میں کچھ لوگ اس وقت آئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی۔ "والنجم اذا ھوی" جب آپ "افرء یتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو شیطان

نے آپ کی تلاوت میں یہ الفاظ ڈال دیئے: "تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجی"۔
جب آپ نے سورہ ختم کی تو سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ آپ نے ان کے معبودوں کا اچھے انداز میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔ شیطان نے بھی اسے پھیلایا حتیٰ کہ سرزمین حبشہ تک پہنچ گئی، وہاں موجود حضرت عثمان بن مظعون اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک بھی یہ بات پہنچی اور ان لوگوں نے آپس میں باتیں کیں کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھی ہے اور اب مسلمان مکہ مکرمہ میں پر امن ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ یہ بات سن کر حبشہ سے جلدی واپس آ گئے۔

غرانیق کا معنی

غرانیق اصل میں پانی کے نر پرندوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد غرنوق یا غرنیق ہے، اس کی سفیدی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ کرکی (سارس) ہے۔ سفید رنگ کے نرم و نازک آدمی کو بھی غرنوق کہا جاتا ہے۔
اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے اور ان کی سفارش کرتے ہیں تو ان بتوں کو اس پرندے سے تشبیہ دی گئی جو اوپر کو جاتا اور بلند ہوتا ہے۔ اور جب مشرکین پر واضح ہو گیا کہ یہ بات نہیں ہے تو ان کو پہلے سے زیادہ غصہ آیا۔

اس واقعہ کو جھوٹا قرار دینے والے

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں اس واقعہ پر گفتگو کی اور اس کی اصل کو کمزور قرار دیا جو کافی وشافی ہے لیکن آپ کے بعض کلام کا تعاقب کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔
حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ باطل من گھڑت ہے، اس کی بات کرنا جائز نہیں۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم: ۳-۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى۔ (الاعلیٰ: ۶)

عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔ (التفسیر الکبیر للرازی جزء الثالث والعشرون ص ۵۰)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بطور نقل یہ واقعہ ثابت نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کے راویوں

کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مطعون ہیں۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں یا مشرکین، انسانوں اور جنوں سب نے سجدہ کیا لیکن اس میں غرانیق کا ذکر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۱، کتاب التفسیر)

بلکہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لیکن اس میں غرانیق کی بات نہیں ہے۔

(التفسیر الکبیر للرازی جزء الثالث والعشرون ص ۵۰)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیا وہ کافر ہو گئے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ کی مساعی جلیلہ کا سب سے بڑا مقصد بتوں کی نفی کرنا تھا۔ اگر ہم اس بات کو جائز قرار دیں تو آپ کی شریعت سے امان (اور اعتماد) اٹھ جائے گا اور ہم شریعت کے تمام احکام میں اس قسم کی باتوں کو جائز قرار دینا شروع کر دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی باطل قرار پائے گا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ (المائدہ: ۶۷)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ اتارا گیا ہے بیان کیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (گویا) آپ نے اپنا پیغام نہیں پہنچایا۔

وحی میں کمی اور زیادتی کرنے میں کوئی فرق نہیں (دونوں طرح ناجائز ہے) تو ان وجوہ کی بنیاد پر ہمیں اجمالی طور پر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے اور کہا گیا کہ یہ واقعہ زندیقوں نے گھڑا ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (امام بیہقی کا کلام مکمل ہوا۔)

لیکن یہ بات اس طرح نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے فرمایا، اسے ابن ابی حاتم (حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد تمیمی رازی رحمہ اللہ)، طبری اور ابن منذر (محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ) نے حضرت شعبہ کے طریق سے، انہوں نے حضرت ابن بشر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اسی طرح ابن مردویہ، بزار اور ابن اسحٰق نے سیرت میں موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور ابو معشر نے سیرت میں ذکر کیا۔

اور حافظ عمادالدین بن کثیر وغیرہ نے بھی اس پر آگاہ کیا لیکن فرمایا کہ اس کے تمام طرق مرسل ہیں (درمیان میں راوی چھوٹے ہوئے ہیں) اور انہوں نے صحیح وجہ کے ساتھ بطور مسند اسے نہیں پایا۔ حافظ عمادالدین کے اس قول کا تعاقب کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اسی طرح اس کی اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی خبردار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابن ابی حاتم، طبری اور ابن منذر نے متعدد طرق سے حضرت شعبہ سے روایت کیا، انہوں نے حضرت ابوبشر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی، جب "افرء یتم اللات والعزی ومناۃ

"الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی" ڈال دیا۔ مشرکین نے کہا: انہوں نے آج سے پہلے کبھی بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ۔ (الحج: ۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو۔

امام بزار اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت شعبہ سے روایت کرتے ہیں وہ اپنی سند سے حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ میرا خیال ہے پھر حدیث کو چلایا۔ حضرت بزار نے فرمایا یہ حدیث متصل طریقے پر اسی سند سے مروی ہے اور اس کے توصل (متصل ہونے) میں امیہ بن خالد تنہا ہیں اور وہ ثقہ (قابل اعتماد) مشہور ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کلبی کے طریق سے بھی مروی ہے۔ وہ ابوصالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور کلبی متروک ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نحاس (ابوالعباس احمد بن محمد بن عیسیٰ مصری حافظ صدوق (نہایت سچے)) ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں جس میں واقدی ہیں۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

ابن اسحٰق نے سیرت میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کی اسناد محمد بن کعب قرظی سے کی ہے، اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا۔

ابو معشر نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے روایت کیا اور اسے طبری کے طریقے پر لائے۔

ابن مردویہ نے عباد بن صہیب کے طریقے سے نقل کیا وہ یحییٰ بن کثیر سے وہ کلبی سے وہ ابوصالح اور ابوبکر ہذلی سے اور ایوب نے عکرمہ سے اور سلیمان تیمی سے اور انہوں نے اس سے جس سے انہوں نے حدیث روایت کی اور ان تینوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

طبری بھی اسے عوفی (عطیہ بن سعد بن جنادہ) کے طریق سے لائے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، ان سب کا معنی ایک ہی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت سعید بن جبیر کے طریقے کے علاوہ تمام طرق یا تو ضعیف ہیں یا منقطع لیکن طرق کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل ضرور ہے۔

اس کے علاوہ اس کے دو مرسل طریقے اور بھی ہیں اور ان کے راوی صحیح بخاری کی شرط پر ہیں۔

ان میں سے ایک وہ جسے طبری نے یونس بن یزید کے طریقے سے ذکر کیا۔ وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں، ابن شہاب فرماتے ہیں: مجھ سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے بیان کیا پھر انہوں نے اسی طرح ذکر کیا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

اور دوسرا وہ جسے معتمر بن سلیمان اور حماد بن سلمہ کے طریق سے روایت کیا۔ یہ دونوں داؤد بن ابی ہند سے اور وہ ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عربی نے اپنی عادت کے مطابق تحقیق کی جرأت کی ہے، پس فرمایا کہ طبری نے اس سلسلے میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ ابن عربی کا یہ مطلق قول ان پر رد کردیا گیا اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول بھی رد کیا گیا۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس حدیث کو اہل صحت نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی ثقہ راویوں نے متصل سلیم سند سے نقل کیا پھر یہ کہ اس کے نقل میں کمزوری ہے، روایات میں اضطراب اور سند میں انقطاع ہے۔

اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہ قول بھی رد کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ تابعین اور مفسرین میں سے جس نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ان میں سے کسی نے بھی اسے مسند بیان نہیں کیا اور اس کے بیان کرنے والے تک نہیں پہنچایا اور اس سلسلے میں اکثر طرق ضعیف اور نکمے ہیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

وہ فرماتے ہیں: حضرت بزار نے بیان کیا کہ یہ حدیث کسی ایک طریقے سے معروف نہیں ہے جس کا ذکر جائز ہو البتہ ابوبشر کا طریق کہ وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اس کے اتصال میں بھی شک ہے، جہاں تک کلبی کا تعلق ہے تو اس کے زیادہ ضعیف ہونے کی وجہ سے اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے درایت کے طور پر اس کو رد کیا کہ اگر یہ بات ہوتی (یعنی حضور علیہ السلام کی قرأت میں شیطان نے دخل اندازی کی ہوتی) تو مسلمان ہونے والوں میں سے اکثر لوگ مرتد ہو چکے ہوتے لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ منقول نہیں ہوا--- قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول مکمل ہوا۔

(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہ تمام اقوال قواعد کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ جب طرق زیادہ ہوں اور ان کے خروج کے مقامات مختلف ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے اور ہم نے ذکر کیا کہ ان میں سے تین سندیں صحیح بخاری کی شرط پر ہیں اور یہ ایسی مرسل روایات ہیں کہ مرسل روایت سے استدلال کرنے والے حضرات ان سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح جو مرسل روایات سے استدلال نہیں

کرتے، وہ بھی ان احادیث کے باہم ایک دوسرے کو مضبوط کرنے کی وجہ سے ان سے استدلال کرتے ہیں۔
جب یہ بات پکی ہوگئی اور جو کچھ اس واقعہ میں ذکر کیا گیا وہ منکر معلوم ہوتا ہے اور وہ شیطان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری کرنا ہے "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی"... لیکن اسے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات محال ہے کہ آپ قرآن پاک میں جان بوجھ کر اس بات کا اضافہ کریں جو اس میں نہیں ہے، اسی طرح وہ بات جو توحید کے خلاف ہے اسے بھول کر بھی اضافہ نہیں کرسکتے کیونکہ (آپ معصوم ہیں اور) یہ بات آپ کی عصمت کے خلاف ہے۔
(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳۳)

واقعہ کی تاویل

علماء کرام نے اس سلسلے میں مختلف مسلک اختیار کیے ہیں:
(۱) کہا گیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آئی تو یہ کلمات آپ کی زبان پر جاری ہوئے اور آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی، جب اس بات کا علم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم کردیا۔ یہ بات طبری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔
لیکن حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے رد کرتے ہوئے غیر صحیح قرار دیا کیونکہ یہ بات نبی کے لیے جائز نہیں اور شیطان نیند کی حالت میں بھی آپ پر غلبہ نہیں پاسکتا۔
(۲) شیطان نے آپ کو مجبور کردیا حتیٰ کہ آپ نے کسی اختیار کے بغیر یہ کلمات کہے۔ اس بات کو ابن عربی نے رد کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:
وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ۔ (شیطان نے کہا) مجھے تم پر طاقت نہیں تھی۔
(ابراہیم: ۲۲)
فرماتے ہیں: اگر شیطان کو اس بات پر قوت ہوتی تو کوئی شخص عبادت نہ کرسکتا۔
(۳) مشرکین جب اپنے معبودوں کا ذکر کرتے تو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ کے ساتھ معلق ہونے کی وجہ سے یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان پر بھول کر جاری ہوئے جب آپ نے ان سے سنا۔
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ عنہ نے اس بات کو عمدہ طریقے سے رد کیا۔
(۴) ہوسکتا ہے آپ نے کفار کو جھڑکتے ہوئے یہ کلمات کہے ہوں۔
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت جائز ہوتی جب وہاں کوئی قرینہ موجود ہوتا جو آپ کی مراد پر دلالت کرتا خصوصاً جبکہ اس دور میں نماز کے دوران کلام کرنا جائز تھا۔
قاضی ابوبکر محمد بن الطیب باقلانی بغدادی رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف میلان کیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۴)

(۵) یہ بھی کہا گیا کہ جب آپ "ومناۃ الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو مشرکین کو ڈر پیدا ہو گیا کہ اس کے بعد کوئی ایسی بات آئے جو ان کے خداؤں کی مذمت میں ہو تو انہوں نے اس کلام کی طرف جلدی کی اور انہوں نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں خلط ملط کر دیا جس طرح ان کی عادت تھی کہ وہ کہتے تھے اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں لغو باتوں کو ملا دو لیکن اسے شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ اس نے ان کو اس بات کی ترغیب دی یا شیطان سے انسانی شیطان مراد ہے۔

(۶) کہا گیا ہے کہ "الغرانیق العلی" سے فرشتے مراد ہیں اور کفار، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے اور ان کی پوجا کرتے تھے تو ان سب کا ذکر اس ترتیب سے کیا کہ اپنے اس ارشاد گرامی سے سب کا رد کر دیں، ارشاد خداوندی ہے:

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی۔ (النجم: ۲۱) کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں۔

جب مشرکین نے سنا تو انہوں نے اسے سب پر محمول کیا اور کہنے لگے کہ انہوں نے (حضور علیہ السلام نے) ہمارے معبودوں کی تعظیم کی ہے اور وہ اس بات پر راضی ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دو کلموں کو منسوخ کر کے اپنی آیات کو محکم بنا دیا۔

(۷) یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تو شیطان نے ایک سکتے کا انتظار کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی حکایت کے طور پر یہ کلمات کہے، چنانچہ جو لوگ قریب تھے انہوں نے سن کر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خیال کیا اور پھیلا دیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام تاویلات میں سے یہ تاویل زیادہ بہتر ہے اور اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے ہوتی ہے کہ آپ نے لفظ تمنی کا معنی تلا (تلاوت کی) بیان کیا ہے (یعنی القی الشیطان فی امنیتہ میں امنیتہ سے آپ کی تلاوت مراد ہے)۔

اس طرح ابن عزل نے بھی اس تاویل کو اچھا قرار دیا اور فرمایا: "فی امنیتہ" کا معنی "فی تلاوتہ" ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی کہ رسولوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی بات کہتے ہیں تو شیطان اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتا ہے، پس یہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں اضافہ کیا یہ آپ کا قول نہیں ہے۔

طبری نے اپنی جلالت قدر اور وسعت علم اور دقت نظر کے ساتھ اس بات میں سبقت کی اور اس معنی کو صحیح قرار دیا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۴)

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

پھر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی اور ان حضرات کی تعداد تراسی (۸۳) ہے اگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان میں شامل ہوں' اور خواتین اٹھارہ (۱۸) تھیں۔

ان کے ہمراہ عبیداللہ بن جحش اور اس کی زوجہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی تھیں۔ عبیداللہ بن جحش وہاں نصرانی ہوگیا اور اسی دین (عیسائیت) پر مرگیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں سال حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس حالت میں نکاح کیا کہ وہ حبشہ میں تھیں۔ مقصد ثانی میں ازواج مطہرات کے ضمن میں یہ بات بیان ہوگی۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کی غرض سے (مکہ مکرمہ سے) باہر تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب آپ برک الغماد[2] میں پہنچے تو علاقے کے سردار مالک بن دَغِنَہ (یا دُغُنَّہ) کی پناہ میں واپس تشریف لائے اور اپنے گھر میں عبادت خداوندی میں مشغول ہوئے۔ آپ گھر میں نماز ادا کرتے اور قرآن مجید پڑھتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے وہاں جمع ہو جاتے اور آپ کی قرأت کو پسند کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت رونے والے تھے، جب آپ قرآن پاک پڑھتے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ پاسکتے۔

اس بات سے مشرکین کے سردار گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہیں ہماری

---

[1] قریش نے عمرو بن عاصی اور عمارہ بن ولید کو تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا' وہ دونوں وہاں پہنچے تو انہوں نے سجدہ کیا اور جلدی جلدی ایک اس (بادشاہ) کی دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھ گیا' وہ دونوں کہنے لگے: ہمارے کچھ چچازاد بھائی تمہاری زمین میں آئے ہیں اور انہوں نے ہم سے اور ہمارے دین سے اعراض کیا ہے۔ اس نے کہا: وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ آپ کی زمین میں ہیں' نجاشی نے ان کو بلا بھیجا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج میں تم سب کی طرف سے گفتگو کروں گا' پس باقی حضرات ان کے پیچھے گئے اور سلام کہا۔ درباریوں نے کہا: تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ عمرو بن عاصی نے کہا: یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں تمہارے مخالف ہیں۔ اس نے کہا: تم لوگ ان دونوں (ماں بیٹے) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر نے فرمایا: ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں جو حضرت مریم کنواری پاک دامن خاتون کی طرف ڈالا' چنانچہ بادشاہ نے ایک تنکا اٹھا کر کہا: تمہارے اور ہمارے دین میں اتنا فرق بھی نہیں' ان کو خوش آمدید کہا اور قریش کے نمائندوں کو تحائف سمیت واپس بھیج دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۶۱' ۱۲ ہزاروی)

[2] برک الغماد مکہ مکرمہ سے یمن کے راستے میں پانچ راتوں کی مسافت پر ہے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی

عورتیں اور بچے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں لہٰذا ان کو روکو اگر وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں اور اگر وہ علانیہ طور پر کرنا چاہتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ تمہارا ذمہ (عہد) واپس کر دیا جائے کیونکہ ہم تمہارے عہد کو توڑنا اچھا نہیں سمجھتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ سے فرمایا: میں تمہاری پناہ اور عہد واپس کرتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۰۷ کتاب الکفالہ)

عہد نامہ کو ختم کرنا

پھر کچھ لوگوں نے اس عہد نامہ کو توڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا کہ اس عہد نامہ میں قطع تعلق اور ظلم کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اسے زمین (دیمک) کھا گئی ہے، اب صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا ہے، چنانچہ جب اسے پھاڑنے کے لئے (کعبہ شریف سے) اتارا گیا تو جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اسی حالت میں پایا گیا یہ نبوت کے دسویں سال کی بات ہے۔

(نوٹ) ہشام بن عمرو بن حارث عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود نے باہم مشورہ کیا کہ ہم لوگ کھانا کھاتے، لباس پہنتے اور عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اور ہمارے بھائی بنو ہاشم اور بنو مطلب کس حالت میں ہیں، چنانچہ جب معاہدہ ختم کرنے کے لئے انہوں نے عہد نامہ کو اتارا تو وہ خود بخود ہی ختم ہو چکا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳۱)

غم کا سال

ابو طالب کی وفات

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک انچاس برس آٹھ مہینے اور گیارہ دن ہوگئی تو آپ کے چچا ابو طالب کا ستاسی سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ کہا گیا کہ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں پیش آیا، ابن جزار نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تین سال پہلے ابو طالب کی وفات ہوئی۔

ابو طالب کو دعوت اسلام

مروی ہے کہ ابو طالب کی وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل فرماتے رہے: اے چچا "لا الہ الا اللہ" پڑھو، اس کلمے کے باعث قیامت کے دن تمہارے لئے شفاعت جائز ہو جائے گی۔
جب ابو طالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حرص کو دیکھا تو کہا: اے بھتیجے اللہ کی قسم! اگر قریش کی اس بات کا خوف نہ ہو تا کہ وہ کہیں گے میں نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے تو میں ضرور کلمہ پڑھتا میں تو آپ کو خوش کرنے کے لیے کلمہ پڑھوں گا۔ جب ابو طالب کی موت قریب آگئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ہونٹوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا جب کان لگا کر سنا تو کہا! اے بھتیجے اللہ کی قسم! میرے بھائی نے وہ کلمہ کہا ہے جس کا آپ ﷺ نے اسے حکم دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔ ابن اسحٰق کی روایت اسی طرح ہے کہ ابو طالب نے مرتے وقت اسلام قبول کیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۴۶، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں یونس بن بکیر کے طریق سے روایت کیا وہ ابن اسحٰق سے اس حدیث کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اسحٰق نے کہا! ہم سے عباس نے، انہوں نے عبداللہ بن معبد بن عباس سے، انہوں نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے یہی بات ذکر کی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ حدیث منقطع ہے۔
اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ابو طالب کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت اگر ان (حضرت عباس) کے ایمان لانے کے بعد ہوتی تو مقبول ہوتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ میں نے نہیں سنا،

رد نہ کی جاتی کیونکہ جب عادل شاہد کہتا ہے کہ میں نے سنا اور جو اس سے زیادہ عدل والا ہے وہ کہتا ہے میں نے نہیں سنا تو جو سننے کو ثابت کرتا ہے اس کا قول اختیار کیا جاتا ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت ان کے ایمان لانے سے پہلے کی ہے۔

ابوطالب کی کفر پر موت

علاوہ ازیں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابوطالب کی وفات کفر و شرک پر ہوئی ہے جس طرح ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے۔

حتیٰ کہ ابوطالب نے ان لوگوں (ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ وغیرہ) سے آخری بات یہ کہی تھی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں اور "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے بخشش کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روکا نہ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے طلب مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔

اور ابوطالب کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۳ کتاب التفسیر)

(نوٹ: ہدایت کی دو صورتیں ہیں: ایک راستہ دکھانا، دوسرا منزل تک پہنچانا۔ یہاں دوسری صورت یعنی منزل تک پہنچانے کی نفی ہے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی)

اور یہ جواب بھی دیا گیا کہ اگر ابوطالب کلمۂ توحید کہتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے طلب مغفرت سے نہ منع کرتا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوطالب آپ کی حفاظت کرتے، مدد کرتے اور آپ کے لیے غصہ کھاتے تھے تو کیا یہ امور ان کو فائدہ دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں (نفع دیں گے) میں نے ان کو دوزخ کی سختیوں میں پایا تو ان کو خفیف آگ کی طرف نکال دیا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۵، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۸ کتاب مناقب الانصار)

صحیحین میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت نفع

دے اوران کو ہلکی آگ میں رکھا جائے جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے جس سے دماغ کھولے گا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۵، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۸، کتاب مناقب الانصار)
یونس کی ابن اسحٰق سے روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے ان کا دماغ کھولے گا حتیٰ کہ قدموں سے بہنے لگے گا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عمل کی جزاء کی مشابہت میں غور و فکر سے یہ بات ہے کہ ابوطالب مکمل طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے تھے لیکن وہ عبدالمطلب کی ملت پر ثابت قدم تھے حتیٰ کہ انہوں نے فوت ہوتے وقت کہا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، پس ان کے قدموں پر خاص طور پر عذاب مسلط کیا گیا کیونکہ وہ ان قدموں کے ذریعے اپنے آباء واجداد کی ملت پر تھے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۵۸)

(علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس الصنہاجی) قرافی رحمہ اللہ کی شرح تنقیح فی الاصول میں لکھا ہے کہ کفار کی چار قسمیں ہیں۔[1] ان میں سے ایک یہ کہ آدمی ظاہر و باطن سے ایمان لائے لیکن فروع پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہو جس طرح ابوطالب کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتے تھے: مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے وہ سچ ہے، اگر مجھے قریش کی عورتوں کی طرف سے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کی اتباع کرتا۔ وہ اپنے شعر میں کہتے ہیں ؎

لقد علموا ان ابننا لا مكذب يقينا ولا يعزى لقول الاباطيل

"قریش کو یقین کے ساتھ علم ہے کہ ہمارا فرزند جھوٹ نہیں کہتا اور نہ جھوٹی باتوں کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے"۔

تو یہ بات زبان اور دل سے ایمان پر صریح ہے لیکن انہوں نے اذعان (اقرار) نہیں کیا۔

ابوطالب کی قریش کو وصیت

ہشام بن سائب کلبی یا ان کے باپ سے حکایت کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے قریش کے معزز لوگوں کو جمع کر کے وصیت کی اور کہا:

---

[1] ابن اثیر نے النہایہ میں اور اسی طرح امام بغوی نے بھی ان چار اقسام کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہیں:
(الف) کفر انکار۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی نہ ماننا اور زبان سے بھی اعتراف نہ کرنا۔
(ب) کفر جحود۔۔۔ دل سے مانتا ہو لیکن زبان سے اقرار نہ کرے، جس طرح شیطان اور یہودی۔
(ج) کفر نفاق۔۔۔ زبان سے اقرار ہو دل سے نہ ہو۔
(د) کفر عناد۔۔۔ دل سے پہچان اور زبان سے اعتراف ہو لیکن دین اسلام کو اختیار نہ کرے۔
امام بغوی فرماتے ہیں: اس بارے میں چاروں صورتیں برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا جب اسی حالت پر مر جائیں۔

(ابن عقبہ اور ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ اکیلے ہی تشریف لے گئے تھے)

آپ وہاں ایک مہینہ ٹھہرے اور قبیلہ ثقیف کے سرداروں (عبد یالیل، مسعود اور حبیب) کو اسلام کی دعوت دینے لگے لیکن انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی (بلکہ حضور علیہ السلام کا تمسخر اڑایا) اور نا سمجھ قسم کے لوگوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالی گلوچ کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۱۱)

حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں: انہوں نے آپ کی مبارک ایڑیوں پر پتھر مارے حتیٰ کہ آپ کے نعلین مبارک خون آلود ہو گئے۔ دوسرے حضرات نے یہ اضافہ کیا کہ جب آپ کو پتھروں سے تکلیف ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے اور وہ آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کرتے، پھر جب آپ چلنے لگتے تو وہ پتھر مارتے اور ہنستے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے آپ کی حفاظت کرتے حتیٰ کہ ان کا سر زخمی ہو گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۰)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا غزوۂ احد والے دن سے زیادہ سخت دن بھی آپ پر آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم (قریش) سے جو پایا وہ پایا لیکن سب سے سخت وہ ہے جو عقبہ کے دن (بنو ثقیف سے) پہنچا۔ میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن اس نے وہ جواب نہ دیا جو میں چاہتا تھا تو میں غم کی حالت میں جدھر منہ آیا چلا گیا۔ مجھے اس حالت سے اس وقت افاقہ ہوا جب میں (مقام) قرن الثعالب میں پہنچا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا ہے، میں نے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سن لی ہے اور ان کا جواب بھی سن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے کہ جو چاہیں اسے حکم دیں، پس پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام پیش کرنے کے بعد کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی قوم نے آپ کو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے رب نے اس لیے بھیجا ہے کہ مجھے کوئی حکم دیں، اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین پہاڑوں (ابو قبیس اور قعیقعان دو پہاڑ جو مکہ مکرمہ میں ہیں) کو ان پر الٹ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۸، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۹، کتاب الجہاد)

عبد یالیل، عبد کلال کا بیٹا ہے اور عبد یالیل طائف میں قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں سے تھا۔

قرن الثعالب، اہل نجد کا میقات ہے (وہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے احرام کے بغیر آگے نہیں جا سکتے) اس کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف میں ٹھہرنے کی مدت دس دن تھی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۲۴)

عداس کا اسلام قبول کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل طائف سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے پاس سے گزرے۔ وہ دونوں اپنے ایک باغ میں تھے، جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل طائف کی بدسلوکی دیکھی تو ان کا جذبہ رحم حرکت میں آگیا چنانچہ انہوں نے اپنی عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپ ﷺ کے لیے انگور کا خوشہ بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشہ ہاتھ میں لیا تو بسم اللہ پڑھ کر اسے کھایا۔ عداس نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! اس شہر والے یہ کلام (بسم اللہ) نہیں پڑھتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کس شہر سے تعلق رکھتے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نینوئی کا رہنے والا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نیک شخص حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتا چلا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں اور میری طرح نبی ہیں۔ (یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھوں اور سر مبارک اور پاؤں پر جھک گیا اور بوسہ دینے لگا بلکہ مسلمان ہو گیا۔[1]

جنوں کا واقعہ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام نخلہ میں پہنچے اور یہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے تو اللہ تعالیٰ نے شام کے ایک شہر نصیبین کے سات جن آپ کی طرف پھیر دیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے آپ سے سورۂ جن کی قرأت سنی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جنوں والی رات میں آپ کو جنوں کے بارے میں ایک درخت نے بتایا تھا۔ انہوں نے آپ سے کھانے کی استدعا کی تو آپ نے فرمایا: جس ہڈی پر اللہ کا نام لیا جائے اور وہ تم میں سے کسی کے ہاتھ لگے تو تم اس پر پہلے سے زیادہ گوشت پاؤ گے اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۴، کتاب الصلوۃ)

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ جن کھاتے پیتے نہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۴۶۳)

---

[1] یہ واقعہ سیرت ابن اسحٰق وغیرہ میں مروی ہے اور ابن اسحٰق نے یہ بھی لکھا ہے کہ ربیعہ کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تمہارے غلام نے تمہیں خراب کیا۔ جب عداس ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: تمہارے لیے بربادی ہو اے عداس! تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چوم رہے تھے؟ اس نے کہا: اے میرے سردار! زمین میں اس سے بہتر انسان نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے صرف نبی جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: اے عداس! تجھے کیا ہو گیا ہے، کہیں یہ شخص تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۴۶۲)

صاحب الروض الانف (امام سہیلی) نے ابن درید سے نقل کرتے ہوئے ان سات جنوں میں سے بعض کے نام ذکر کیے ہیں جو حضور علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور وہ نام یہ ہیں: منشی، ناشی، شاصر، ماضر اور احقب۔ امام سہیلی فرماتے ہیں: ابن درید نے ان پانچ ناموں پر اضافہ نہیں کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۴۶۳)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ابن اسحق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل طائف کی طرف جانے اور ان کو دعوت اسلام دینے کا ذکر کیا ہے۔ نیز جب آپ ان سے واپس لوٹے تو نخلہ مقام پر رات گزاری۔ اس رات آپ نے قرآن مجید پڑھا تو نصیبین کے جنوں نے سنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۴۶۳)

ابن کثیر نے کہا: یہ صحیح ہے لیکن ابن اسحق کا یہ کہنا کہ اس رات جنوں کا قرآن پاک سننا محل نظر ہے کیونکہ جنوں کا قرآن پاک سننا وحی کی ابتدا میں تھا اور اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت دلالت کرتی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں: جن وحی سنتے تھے تو وہ ایک کلمہ سن کر اس کے ساتھ دس کا اضافہ کرتے پس جو کچھ وہ سنتے وہ حق ہوتا اور جو کچھ اضافہ کرتے وہ باطل ہوتا۔

اس سے پہلے ستاروں سے جنوں کو مارا نہیں جاتا تھا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جو بھی جن (آسمان پر) اپنے بیٹھنے کی جگہ آتا اسے شہاب کے ذریعے مارا جاتا تو وہ جہاں پہنچتا اسے جلا دیتا۔ انہوں نے ابلیس سے شکایت کی تو اس نے کہا: کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے، پس اس نے اپنا لشکر بھیجا جس نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان نماز پڑھ رہے ہیں، چنانچہ ابلیس نے کہا: یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۷۴)

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۶۷، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۵۶)

ابن کثیر فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی طرف جانا آپ کے چچا (ابو طالب) کی وفات کے بعد ہوا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: جن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ وادیٔ نخلہ میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، جب انہوں نے سنا تو کہنے لگے: خاموش رہو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (الاحقاف: ۲۹)

اور جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیرا جو قرآن مجید غور سے سنتے تھے۔

یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی اور وہ آپ کی قرأت سن کر واپس چلے گئے، پھر اس کے بعد بطور وفد ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک فوج کے بعد دوسری فوج آئی۔

اس راستے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی جو مشہور ہے:

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی، وقلۃ حیلتی، وھوانی علی الناس، یا ارحم الراحمین، انت ارحم الراحمین، وانت رب المستضعفین، الی من تکلنی الی عدو بعید یتجھمنی ام الی صدیق قریب ملکتہ امری، ان لم تکن غضبان علی فلا ابالی، غیر ان عافیتک اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ، ان ینزل بی غضبک، او یحل بی سخطک، لک العتبی حتی ترضی، ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی طاقت کی کمزوری، اسباب کی کمی اور لوگوں کے سامنے بے وقعت ہونے کے سلسلے میں گزارش کرتا ہوں، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، تو کمزور لوگوں کا (بھی) رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، دشمن بعید کی طرف جو ترش روئی سے پیش آئے یا کسی قریبی دوست کے حوالے کرتا ہے جسے تو میرے معاملات کا مالک بنائے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری طرف سے عافیت بہت وسیع ہے، میں تیرے نور ذاتی کی پناہ چاہتا ہوں جس سے اندھیرے چھٹ گئے اور دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہو گئے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل نہ کرنا اور نہ ہی ناراض ہونا، میں تیری رضا چاہتا ہوں حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے، نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت تو ہی عطا کرتا ہے۔

ابن اسحٰق نے اس دعا کو ذکر کیا اور امام طبرانی نے کتاب الدعاء میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف پیدل تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہ کی، چنانچہ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر یہ دعا مانگی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۶۱)

مکہ مکرمہ کی طرف واپسی

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے۔[1]

[1] ابن اسحٰق اور فاکہی نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریک کی طرف بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے۔ اس نے کہا: میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دیتا، پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا تو اس نے کہا کہ بنو عامر، بنو کعب پر پناہ نہیں دیتے، اس کے بعد آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا تو اس نے قبول کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور رات گزاری۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے بیٹوں نے جو چھ یا نو تھے، مسلح ہوئے اور کہا کہ آپ طواف کریں اور انہوں نے اپنی تلواروں کے ذریعے مطاف کو گھیر لیا۔ ابو سفیان نے مطعم سے کہا: تم نے پناہ دی یا اتباع کی؟ کہا: پناہ دی ہے، ابو سفیان نے کہا: پھر اسے نہ توڑنا، جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی، اس طرح حضور علیہ السلام نے طواف مکمل کیا اور وہ آپ ﷺ کو آپ کے گھر لے گئے۔

معراج کا وقت

(معراج کا تفصیلی واقعہ آگے آئے گا' یہاں اس کا وقت بتانا مقصود ہے اس لیے اس کا خلاصہ بیان کیا گیا)۔

جب ربیع الاول شریف کا مہینہ ہوا[1] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ پھر مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتوں آسمانوں سے اوپر تک معراج کرایا گیا' آپ ﷺ نے اپنے رب کی زیارت سر کی آنکھوں سے کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی جو بھیجی اور پانچ نمازیں فرض کیں' پھر اسی رات آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ آئے۔

آپ نے اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جو لوگ بھی آپ پر ایمان لائے تھے سب نے تصدیق کی لیکن کفار نے اس بات کو جھٹلایا اور آپ ﷺ سے مسجد اقصیٰ کی علامات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مسجد آپ ﷺ کے سامنے مثالی صورت میں رکھ دی' چنانچہ آپ دیکھ دیکھ کر بیان فرماتے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ بعثت کے پانچ سال بعد ہوا۔ فتح الباری میں امام زہری سے نقل کیا گیا کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے یہ واقعہ رونما ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۳)

امام زہری نے یہ بات (کہ نبوت کے پانچ سال بعد یہ واقعہ ہوا) حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کی ہے اور امام قرطبی اور امام نووی نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز فرض ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز شب معراج میں فرض ہوئی۔

اس بات پر یوں اعتراض کیا گیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اعلان نبوت کے دس سال کے بعد رمضان شریف میں انتقال فرمایا۔ یہ صحیح قول ہے اور ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہوا' اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آپ کا وصال واقعہ معراج سے پہلے ہوا اور یہی بات قابل اعتماد ہے' جہاں تک وفات کے سال میں تردد کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ ان کا وصال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا' اس تردد کو دور کرتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۵۵)

یہ بھی کہا گیا کہ ہجرت سے ایک سال پہلے معراج کا واقعہ پیش آیا' یہ بات ابن حزم فرماتے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ ہجرت سے ایک سال اور پانچ مہینے پہلے کی بات ہے' یہ بات امام سدی نے فرمائی اور اسے امام طبری اور امام بیہقی (رحمہم اللہ) نے ان کے طریق سے نقل کیا' اس قول کے مطابق یہ شوال میں ہوا۔

---

[1] معراج شریف کے بارے میں پانچ قول ہیں: ربیع الاول کے شروع میں' اس کے آخر میں' رجب میں' رمضان المبارک میں' شوال میں۔۔۔ لیکن زیادہ معروف قول رجب شریف کے بارے میں ہے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

کہا گیا کہ رجب کا واقعہ ہے۔ ابن عبدالبر نے یہ بات کہی اور ان سے پہلے ابن قتیبہ نے کہا امام نووی نے "الروضہ" میں اس پر اعتماد ذکر کیا ہے۔ ہجرت سے ایک سال اور تین مہینے پہلے کا قول بھی کیا گیا۔ اس بنیاد پر یہ واقعہ ذوالحجہ میں ہوا۔ ابن فارس (احمد بن فارس ابوالحسن الرازی اللغوی رحمہ اللہ) نے اسی پر اعتماد کیا۔۔۔ ہجرت سے تین سال پہلے کا قول بھی کیا گیا۔ ابن اثیر نے یہ بات لکھی ہے (ابراہیم بن اسحٰق) حربی فرماتے ہیں کہ ربیع الثانی کی سترہ تاریخ کو معراج ہوا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اسی طرح ذکر کیا لیکن شرح مسلم میں انہوں نے ربیع الاول کا ذکر کیا۔

کہا گیا کہ رجب کی ستائیس تاریخ کو یہ (محیرالعقول) واقعہ پیش آیا۔ حافظ عبدالغنی بن سرور مقدسی رحمہ اللہ نے اسے اختیار کیا (اور امت مسلمہ کا یہی معمول ہے)

شب معراج کے بعد کا دن

جس دن کی رات کو معراج شریف کا سفر ہوا اس کے بارے میں کہا گیا کہ جمعہ کا دن تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ ہفتے کا دن تھا۔ ابن دحیہ کا قول ہے کہ ان شاء اللہ سوموار کا دن ہو گا تاکہ میلاد النبی، بعثت نبوی، ہجرت اور وصال کے موافق ہو کیونکہ آپ کے وجود مسعود (ولادت مبارکہ) نبوت، معراج اور ہجرت اور وفات کے سلسلے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کے اطوار یہی ہیں (یہ سارے امور سوموار کے دن ہوئے)۔

دیگر باتیں ان شاء اللہ معراج شریف کے ذکر میں آگے بیان ہوں گی۔

قبائل سے ملاقاتیں

پہلی ملاقات انصار سے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اظہار، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ موسم (اور یہ رجب کا مہینہ تھا جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے) میں تشریف لے گئے اور انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج سے ملاقات کی۔[1]

آپ نے اپنے آپ کو قبائل عرب پر پیش کیا جیسا کہ آپ ہر موسم میں کرتے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۶۶) (آپ فرماتے: تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے) آپ عقبہ کے پاس تھے کہ قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا ارادہ فرمایا تھا۔ آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: خزرج کا ایک گروہ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم بیٹھتے نہیں کہ میں تم سے کچھ گفتگو کروں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا۔

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ ان لوگوں کے شہر میں ان کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے اور وہ (یہودی) اہل کتاب تھے۔ اوس اور خزرج ان سے تعداد میں زیادہ تھے، جب ان کے درمیان کچھ بات ہوتی تو وہ (یہودی) کہتے: عنقریب ایک نبی مبعوث ہوں گے، ان کا زمانہ آچکا ہے، ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کی تو وہ آپ کا وصف پہچان گئے، چنانچہ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: اس مقصد کے لیے یہودی ہم سے سبقت نہ لے جائیں، اس لیے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام کے حوالے سے آپ ﷺ نے جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے قبول کیا اور ان میں سے چھ افراد مسلمان ہوگئے اور ان سب کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

---

[1] انصار، ناصر کی جمع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کو انصار کا لقب دیا کیونکہ انہوں نے آپ کی مدد کی اور مدینہ طیبہ میں ٹھکانہ دیا۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت زہری سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے قبائل سے ملاقاتیں کر کے ان کے سرداروں سے صرف یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ آپ کا دفاع کریں اور پناہ دیں اور فرماتے: میں تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ، حضرت عوف بن حارث بن رفاعہ جو حضرت عفراء کے بیٹے تھے، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی اور جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہم۔ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی) یہ جابر نہیں ہیں بلکہ دوسرے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۶)

سیرت کا علم رکھنے والے بعض حضرات ان میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو شامل کرتے ہیں اور جابر بن عبداللہ بن رئاب کو ان میں شمار نہیں کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے میری مدد کرنا ہے حتی کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچادوں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے درمیان پہلے سال ایک یوم بعاث ہے (اوس اور خزرج کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی) اگر اسی قسم کی صورت پیش آئی تو ہم آپ کے پاس اکٹھے نہیں ہوسکیں گے (اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں) ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے قبائل کی طرف لوٹ جائیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان صلح کی صورت پیدا کردے اور ہم ان کو اس بات کی دعوت دیں جس کی طرف آپ نے ہمیں بلایا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو آپ کے پاس جمع کردے، اگر ان کا کلمہ آپ کے ساتھ متفق ہو جائے اور وہ آپ کی اتباع کریں تو آپ سے زیادہ غالب کوئی نہیں ہوگا، ہم آپ سے آئندہ سال حج کے موقع پر آنے کا وعدہ کرتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ مدینہ طیبہ واپس چلے گئے اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۱۸)

پہلی بیعت عقبہ

جب دوسرا سال آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ افراد کی ملاقات ہوئی اور "الاکلیل" (کتاب کا نام ہے) میں ہے کہ وہ گیارہ تھے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۷) اور یہ دوسری عقبہ ہے (بیعت کے حوالے سے پہلی اور ملاقات کے اعتبار سے دوسری ہے) پہلے جن چھ حضرات کا ذکر کیا گیا ان میں سے بھی پانچ تشریف لائے یعنی حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب کے علاوہ باقی پانچ (جن کے اسماء گرامی پہلے مذکور ہوئے) تشریف لائے۔ بارہ میں سے باقی سات یہ حضرات تھے:

معاذ بن حارث بن رفاعہ، یہ عفراء کے بیٹے اور پہلے مذکور عوف بن حارث کے بھائی تھے، ذکوان بن عبد قیس زرقی، کہا گیا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ چلے آئے اور وہیں آپ کے ساتھ رہے۔ یہ انصار میں سے ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں اور غزوۂ احد کے دن شہید ہوئے۔ تیسرے عبادہ بن صامت بن قیس، چوتھے ابو عبدالرحمن یزید بن ثعلبہ البلوی اور پانچویں عباس بن عباد بن نضلہ تھے، یہ سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو آدمی اوس قبیلے سے تھے۔ ایک ابوالہیثم بن تیہان جو بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے عویم بن ساعدہ تھے۔

یہ لوگ اسلام لائے اور عورتوں کی بیعت کے مطابق بیعت کی یعنی ان کی بیعت اس بیعت کے موافق تھی جو فتح مکہ کے بعد ہوئی۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ہم ایسا بہتان نہیں باندھیں گے جسے ہم اپنی طرف سے گھڑیں۔ اچھے کاموں میں نافرمانی نہیں کریں گے، تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں آپ کا حکم سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے چاہے اس سے ہمارے نفس خوش ہوں یا اسے ناپسند کریں۔ ہم آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے جس کے پاس حکومت ہوگی ہم اس سے اس معاملے میں نہیں الجھیں گے، ہم جہاں بھی ہوں گے سچ کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس وعدہ کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے اور جو شخص ان میں سے کسی بات کے خلاف کرے گا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے اور ابھی تک مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷ ۲۲، فتح الباری جلد اول ص ۶۲)

اس کے بعد وہ لوگ مدینہ طیبہ واپس چلے گئے اور اسلام کو ظاہر کیا۔ حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو جمعۃ المبارک کی نماز پڑھاتے تھے۔ (اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کے معاون تھے) (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۰)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں

اوس اور خزرج (دونوں قبیلوں) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہمارے پاس کوئی ایسا شخص بھیجیں جو ہمیں قرآن پڑھائے تو آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۰)
امام دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ ان کو جمعہ کی نماز پڑھائیں (حضرت اسعد بن زرارہ کی معاونت میں) اور یہ (مسلمان) چالیس افراد تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بے شمار انصار نے اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں میں حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[1] اور ان دونوں کے اسلام لانے سے بنو عبد الاشہل کے تمام

---

[1] حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما دار بنی عبد الاشہل کی طرف تشریف لے گئے اور بنو ظفر کے ایک باغ میں بیٹھ گئے جہاں کئی مسلمان بھی اکٹھے ہو گئے۔ حضرت سعد بن معاذ و اسید بن حضیر بنو عبد الاشہل کے سردار تھے۔ حضرت سعد نے حضرت اسید سے کہا کہ یہ دو نوجوان ہمارے لوگوں کو بے وقوف بنانے آتے ہیں، ان کے پاس چل کر ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، جب اسید ان کی

(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے......)

مرد اور عورتیں ایک ہی دن اسلام لائے اور ان میں سے اصیرم (عمرو بن ثابت بن وقش) کے علاوہ کوئی بھی اسلام کے بغیر نہ رہا۔

اصیرم نے غزوۂ احد کے دن اسلام قبول کیا اور مرتبۂ شہادت پایا، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ بھی نہ کر سکے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ اہل جنت سے ہیں اور بنو عبدالاشہل میں کوئی مرد اور عورت منافق نہیں بلکہ سب کے سب مخلص مومن ہیں۔ (رضی اللہ عنھم)

دوسری بیعت عقبہ

پھر آئندہ سال ذوالحجہ کے مہینے میں ایام تشریق کے دوران عقبہ ثانیہ میں ان لوگوں میں سے ستر افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ستر سے ایک یا دو مرد اور دو عورتیں زائد تھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۱)

ابن اسحٰق نے کہا کہ تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۷۵) اور حاکم فرماتے ہیں پچھتر افراد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالہیثم تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت اسعد بن زرارہ تھے (رضی اللہ عنھم) انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ وہ لوگ ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی عورتوں اور بیٹوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سرخ و سیاہ سے جنگ کریں گے۔[1]

جہاد کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ (الحج: ۳۹)

ان لوگوں کو جن سے لڑائی لڑی جاتی ہے (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

(گزشتہ صفحے سے...) طرف گئے تو حضرت اسعد نے ان کو دیکھ کر حضرت مصعب سے فرمایا: یہ اپنی قوم کا سردار ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا حکم سچا کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: اگر وہ بیٹھا تو میں اس سے گفتگو کروں گا۔ اسید ان دونوں کو برا بھلا کہتے ہوئے وہاں کھڑے ہوئے اور کہا: اگر اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے دور ہو جاؤ۔ حضرت مصعب نے فرمایا: تم بیٹھ کر ہماری گفتگو سنو، پسند آئے تو قبول کرو نہ پسند آئے تو رک جاؤ۔ حضرت اسید نے کہا: تم نے انصاف کیا، چنانچہ ان کو قرآن سنایا تو وہ اسلام لائے اور کہا: میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر اس نے اسلام قبول کیا تو اس کی قوم کے تمام لوگ مسلمان ہو جائیں گے، میں عنقریب اسے بھیجوں گا اور وہ حضرت معاذ تھے۔ انہوں نے بھی کلام الٰہی سن کر اسلام قبول کیا، پھر ان کی دعوت پر بنو عبدالاشہل کے تمام مرد و زن مسلمان ہو گئے۔ (تلخیص از سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۷۲)

[1] اس بیعت میں جہاد کا ذکر نہیں تھا اور ابھی تک جہاد کی آیات بھی نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آپ سے یہ معاہدہ ہوا کہ وہ آپ کا دفاع کریں گے۔ سرخ و سیاہ سے عرب و عجم یا جن و انس مراد ہیں۔... ۱۲ ہزاروی۔ (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۲۲)

اور اکلیل میں ہے کہ یہ آیت جہاد کے حق میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال خرید لیے کہ (ان کے بدلے) ان کے لیے جنت ہے۔

(التوبہ: ۱۱۱)

اور ان پر بارہ نقیب (نگران) مقرر فرمائے۔[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کی اور امام حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا' اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک ٹھہرے رہے۔ حج کے موقع پر لوگوں کو ان کے مقامات پر منیٰ وغیرہ میں تلاش کرتے اور فرماتے: کون مجھے ٹھکانہ دے گا' کون میری مدد کرے گا تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچادوں اور اس شخص کے لیے جنت ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یثرب (مدینہ طیبہ) سے آپ کے پاس بھیجا۔ مکمل حدیث ذکر کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں' تو میری مدد کرنا اور ان سے میرا دفاع کرنا جن سے اپنا' اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہو اور تمہارے لیے جنت ہوگی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۲)

اس رات حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی عقبہ میں موجود تھے اور وہ اہل یثرب (مدینہ طیبہ والوں) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پکا وعدہ لے رہے تھے اور تاکید کر رہے تھے (کہ اگر تم ان کی حفاظت کر سکو تو لے جاؤ ورنہ یہاں ان کی اپنی قوم ان کی حفاظت کرتی ہے) ان دنوں حضرت عباس اپنی قوم کے دین پر تھے۔

[1] ان بارہ نقیبوں میں سے نو قبیلہ خزرج سے تھے اور وہ حضرت اسعد بن زرارہ' عبداللہ بن رواحہ' سعد بن ربیع' رافع بن مالک' ابو جابر عبداللہ بن عمرو' براء بن معرور' سعد بن عبادہ' منذر بن عمرو اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم تھے اور تین قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے یعنی حضرت اسید بن حضیر' سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم --- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اپنی قوم کے اسی طرح کفیل ہو جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے حواری کفیل تھے --- (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۷۷)

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت

صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت

ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب اس رات عقبہ میں ان لوگوں کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت مکمل ہو گئی اور یہ کفار سے پوشیدہ تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی- وہ لوگ گروہوں کی صورت میں (اور تنہا بھی) نکلے- (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۲۷) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ٹھہرتے ہوئے جانے کے لیے اجازت کے منتظر رہے- (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳۱) سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یہ بیعت عقبہ سے ایک سال پہلے کی بات ہے- آپ حبشہ سے مکہ مکرمہ آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کو اذیت پہنچائی-[1] ان کو انصار کے مسلمان ہونے کی خبر مل چکی تھی' لہٰذا وہ ان کی طرف چلے گئے (جن بارہ انصار نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی) پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے' پھر عبداللہ بن جحش (رضی اللہ عنہم) نے ہجرت کی' (الطبری جلد ۲ ص ۲۳۲) اور پھر لوگ گروہوں کی صورت میں نکلے' ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور ان کے بھائی زید نیز عیاش بن ابی ربیعہ بیس سواروں میں شامل ہو کر تشریف لے گئے اور عوالی میں اترے (جو مسجد نبوی سے قبا کی طرف ایک میل کے فاصلے سے شروع ہو کر چھ سات میل کے فاصلے تک ہے)- (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۲۹)

ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے حتیٰ کہ حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا' یہ بات ابن اسحٰق نے کہی ہے- مغلطائی کہتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے جیسا کہ آگے آئے گا (ان کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ جا سکتے تھے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا)-

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگتے لیکن آپ

---

[1] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو اس میں تضاد نہیں کیونکہ ابو سلمہ وہاں ٹھہرنے کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ مشرکین کے خوف سے تشریف لے گئے جبکہ حضرت مصعب وہاں ٹھہرنے کے لیے گئے تھے- یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مصعب تو تعلیم دینے گئے تھے کفار کی اذیت کی وجہ سے ہجرت کر کے نہیں گئے جبکہ ابو سلمہ ہجرت کر کے گئے لہٰذا کوئی تضاد نہیں کہ پہلے کون گیا تھا-

(زرقانی جلد اول ص ۳۰۷)

ﷺ فرماتے: جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی ساتھی بنادے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھی ہوں گے۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۰، الطبری جلد ۲ ص ۲۴۲)

قریش کی شوریٰ

پھر قریش دار الندوہ میں اکٹھے ہوئے اور ان کے ساتھ شیطان بھی شیخ نجدی کی صورت میں تھا۔ دار الندوہ قصی بن کلاب کی حویلی تھی اور قریش ہر کام کا فیصلہ وہیں کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں کیا کرنا ہے؟ اس سلسلے میں انہوں نے باہم مشورہ کیا تو ان سب کی رائے یہ ٹھہری کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے اور اس فیصلے کے بعد وہ جدا جدا ہو گئے۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۰)

سوال: شیطان شیخ نجدی کی صورت میں کیوں آیا؟

جواب: اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ تہامہ کے علاقے سے کوئی شخص تمہارے ساتھ شریک مشورہ نہ ہو کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، اس لیے وہ شیخ نجدی کی صورت میں آیا، بعض سیرت نگاروں نے اسی طرح کہا ہے۔[1] (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا: آپ آج اس بستر پر نہ سوئیں جس پر روزانہ آرام فرماتے ہیں، جب رات ہوئی تو وہ لوگ آپ کے دروازے پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ آپ آرام فرما ہوں تو ہم حملہ کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ سونے کا حکم دیا اور آپ وہاں سو گئے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۱) اور آپ کو سبز چادر سے ڈھانپ دیا۔ پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنے نفس کا سودا کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچائی۔ حضرت علی المرتضیٰ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں ؎

وقيت بنفسي خير من وطي الثرى ومن طاف بالبيت العتيق وبالحجر

رسول اله خاف ان يمكروا به فنجاه ذوالطول الاله من المكر

"میں نے اپنی جان کے ذریعے اس ذات کو بچایا جو زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں اور ان لوگوں سے جو بیت اللہ شریف اور حجر اسود کا طواف کرتے ہیں"۔

"وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ وہ لوگ آپ سے مکر و فریب کریں گے تو قدرت والے معبود نے ان کے مکر سے آپ کو بچا لیا"۔

---

[1] نوٹ: محمد بن عبد الوہاب نجدی گستاخ رسول بھی نجد میں پیدا ہوا، جس نے مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر امت میں انتشار پھیلایا...۱۲ہزاروی)

مشرکین آپ ﷺ کے خانۂ اقدس کے گرد

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر قبضہ کر لیا، پس ان میں سے کسی نے آپ کو نہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے وہ مٹی جو آپ کے ہاتھ میں تھی ان سب کے سروں پر ڈالی اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے رہے جن کے آخر میں ہے:

فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ پس ہم نے انہیں ڈھانک دیا تو وہ دیکھتے نہیں تھے۔

(یٰسین: ۹)

پھر آپ ادھر تشریف لے گئے جدھر کا آپ نے ارادہ فرمایا تھا۔ (الطبری جلد ۲ ص ۳۷۳)

اس کے بعد قریش کے پاس ایک آنے والا آیا جو ان میں سے نہیں تھا اس نے پوچھا: تم کس کے منتظر ہو؟ انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں نامراد کر دیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور وہ تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال کر اپنے مقصد کی طرف چلے گئے، تم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ ان میں سے ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو اس پر مٹی تھی۔

(السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۵)

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ (اس رات) جس کو بھی کنکری لگی وہ غزوۂ بدر کے موقع پر حالت کفر میں مر گیا۔

اسی سلسلے میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۶)

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ۔ (الانفال: ۳۰)

اور جب آپ کے بارے میں کفار مکر و فریب (پر مبنی تدبیر) کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا باہر نکال دیں۔

آپ ﷺ کی ہجرت میں حکمت

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں یہ بات فرمائی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ (الاسراء: ۸۰)

اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۷۷، جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

اگر تم کہو کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اور وصال تک وہاں رہنے میں کیا حکمت ہے؟

تو میں اس کا یوں جواب دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اشیاء آپ کے ذریعے مشرف ہوں نہ یہ کہ آپ ان کے ذریعے شرف حاصل کریں۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ ہی میں رہتے اور وہاں ہی آپ کا وصال ہوتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی وجہ سے آپ کو شرف حاصل ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ذریعہ شرف حاصل ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کا شرف ظاہر ہو تو آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا، جب آپ نے اس کی طرف ہجرت فرمائی تو وہ (مدینہ طیبہ) آپ کے ذریعے مشرف ہو گیا حتیٰ کہ اس بات پر اجماع واقع ہوا کہ تمام مقامات سے افضل وہ جگہ ہے جس کے ساتھ آپ کے اعضاء مبارکہ لگے ہوئے ہیں--- آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہو۔

ہجرت کا دن کون سا ہے؟

امام حاکم نے ذکر کیا کہ بیعت عقبہ کے تین مہینے بعد یا اس کے قریب قریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔

ابن اسحٰق نے قطعی طور پر بیان کیا کہ آپ ربیع الاول شریف کی پہلی تاریخ کو تشریف لے گئے۔ اس بنیاد پر بیعت کے دو مہینے اور دس دن سے کچھ زائد دن بعد ہجرت ہوئی (یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید) اموی نے مغازی میں ابن اسحٰق سے یہی بات قطعی طور پر بیان کی اور کہا کہ مکہ مکرمہ سے آپ کی روانگی عقبہ کے دو مہینے اور چند راتوں کے بعد ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ ربیع الاول کے شروع میں تشریف لے گئے اور ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔

فتح الباری میں فرمایا کہ اس بنیاد پر آپ جمعرات کے دن نکلے (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۷۷) اور امام حاکم نے فرمایا کہ متواتر روایات کے مطابق آپ سوموار کے دن تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں داخل بھی سوموار کے دن ہوئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کہا کہ آپ مکہ مکرمہ سے جمعرات کے دن تشریف لے گئے۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا مکہ مکرمہ سے تشریف لے جانا جمعرات کے دن ہوا اور غار سے روانگی سوموار کی رات ہوئی کیونکہ آپ وہاں تین راتیں ٹھہرے: جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی رات اور سوموار کی رات وہاں سے چل پڑے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۸۴)

آپ اعلان نبوت سے اس وقت تک مکہ مکرمہ میں دس سال سے زیادہ (تیرہ سال) رہے، اس پر صرمہ (بن انس انصاری نجاری) رضی اللہ عنہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة
یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۲۷)

"آپ نے قریش میں دس سال سے زیادہ عرصہ گزارا (اور) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، کاش! آپ کو کوئی موافق دوست مل جاتا"۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں

حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے جانے کی خبر دی اور حکم دیا کہ آپ کے بعد وہاں ٹھہریں اور لوگوں کی امانتیں جو آپ کے پاس تھیں وہ ان کو لوٹا دیں۔

حضرت ابن شہاب کہتے ہیں، حضرت عروہ نے فرمایا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم ایک دن دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چادر سے چہرۂ انور چھپائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں حالانکہ آپ اس وقت ہمارے ہاں تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ کی قسم! اس وقت ضرور کسی خاص وجہ سے تشریف لائے ہوں گے۔ اُم المومنین فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اجازت طلب کی، اجازت دی گئی تو آپ اندر داخل ہوئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو لوگ تمہارے پاس ہیں ان کو باہر بھیجو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ لوگ آپ کے اپنے گھر والے ہیں۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

امام سہیلی فرماتے ہیں: (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے) یہ بات اس لیے فرمائی کہ انہوں نے اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ السلام سے کر دیا تھا۔

(الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت ادا کر کے لوں گا۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

سوال: اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت کے بغیر سواری قبول کیوں نہ فرمائی حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے زیادہ مال خرچ کیا اور آپ نے قبول فرمایا۔

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اس لیے اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی ہجرت اپنی جان اور مال کے ساتھ ہو اور آپ اس بات کی رغبت رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی فضیلت مکمل

طور پر حاصل ہو اور تمام احوال کے اعتبار سے اس کی تکمیل ہو۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے ان دونوں کے لیے اچھی طرح تیاری کی اور ایک تھیلی میں سامان سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمربند کو پھاڑ کر اس کے ایک حصے سے تھیلی کا منہ باندھا اسی لیے ان کو "ذات النطاقین" (دو کمربندوں والی) کہا جاتا ہے۔

الوداع اے مکہ مکرمہ!

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور پہنچے جو مکہ مکرمہ کے زیریں حصے میں ایک پہاڑ میں ہے۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر (مکہ مکرمہ کے بازار) الحزورۃ کے پاس ٹھہرے اور بیت اللہ شریف کی طرف دیکھا تو فرمایا: اللہ کی قسم! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تو سب سے زیادہ پسندیدہ زمین ہے، اگر تیرے باشندے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں یہاں سے نہ جاتا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۰۵)

مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ پر فضیلت دینے کے سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح دلیل یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کا علم صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو ہوا۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کی عقبی سمت میں واقع ایک کھڑکی سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے گئے۔

جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو مکہ مکرمہ کے بالائی اور زیریں علاقہ میں تلاش کیا اور ہر طرف آپ کے پیچھے کھوجیوں (قدموں کے نشان سے پہچاننے والوں) کو بھیجا۔ جو شخص غار ثور کی طرف گیا اس نے آپ کے قدموں کے نشان دیکھ لیے، چنانچہ وہ تلاش کرتے کرتے غار ثور تک پہنچ گیا۔ قریش آپ کے تشریف لے جانے سے بہت پریشان ہوئے اور یہ بات ان پر گراں گزری چنانچہ انہوں نے اس شخص کے لیے جو آپ کو واپس لائے ایک سو اونٹ بطور انعام مقرر کیے۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے فرمایا ۔

ویح قوم جفوا نبیا بارض الفته ضبابها والظباء
وسلوه وحن جذع الیه وقلوه ووده الغرباء
اخرجوه منها وآواه غار وحمته حمامة ورقاء
وکفته بنسجها عنکبوت ماکفته الحمامة الحصداء

"افسوس ہے اس قوم پر جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمین میں ظلم کیا جہاں گوہ اور ہرنیاں بھی آپ سے مانوس ہوئیں"۔

"انہوں نے آپ سے نفرت کی حالانکہ آپ کے لیے کھجور کا خشک تنا بھی رویا' اور انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا حالانکہ اجنبی لوگوں نے بھی آپ سے محبت کی"۔

"انہوں نے آپ کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا اور غار نے آپ کو ٹھکانا دیا اور خاکستری رنگ والی کبوتری نے آپ کی حفاظت کی"۔

"مکڑی نے جالا بن کر اور زیادہ پروں والی کبوتری نے آپ کی حفاظت کی"۔

کہا جاتا ہے کہ حصداء وہ درخت ہے جس کے پتے زیادہ ہوں' گویا یہ لفظ کبوتر کے لیے مجاز کے طور پر استعمال کیا گیا کیونکہ اس کے پر زیادہ ہوتے ہیں۔

ایک حدیث جو ہجرت کے سلسلے میں مروی ہے' اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ ثیر نے آواز دی کہ میرے اوپر سے اتر جائیں' مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ میری پیٹھ پر شہید کردیئے گئے تو مجھے عذاب دیا جائے گا پس غار حراء نے آواز دی یارسول اللہ! میرے ہاں تشریف لائیں۔ (صحیح حدیث کے مطابق آپ نے غار ثور کا ہی ارادہ فرمایا تھا)۔

غار کے دروازے پر

قاسم بن ثابت نے اپنی کتاب الدلائل (فی شرح ما اغفل ابو عبید وابن قتیبہ من غریب الحدیث) میں ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے غار کے دروازے پر "الراۃ" اگادیا۔ قاسم فرماتے ہیں: یہ معروف درخت ہے یعنی ام غیلان نامی درخت ہے۔

ابو حنیفہ دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ درخت انسانی قد کے برابر ہوتا ہے' اس کے ڈورے ہوتے ہیں اور سفید کلیاں ہوتی ہیں' اس کے ڈوروں اور کلیوں کو تکیوں میں بھرتے ہیں تو وہ نرم اور ہلکا ہونے کی وجہ سے پروں کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ وہ روئی کی طرح ہوتے ہیں اس درخت نے آپ کو کفار کی آنکھوں سے پردے میں کردیا۔

اور مسند بزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) کو حکم دیا تو اس نے غار کے دروازے پر جالا تن دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، جلد اول، ص ۳۴۸) اور دو جنگلی کبوتر بھیجے وہ غار کے دروازے پر ٹھہر گئے اور گھونسلا بنادیا تاکہ مشرکین آپ سے رک جائیں۔ حرم شریف کے کبوتر انہی دو کبوتروں کی نسل سے ہیں۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۲۹۹ باب الہجرۃ الی المدینہ)

پھر قریش کے نوجوان ہر بطن (قبیلے) سے لاٹھیاں' ڈنڈے اور تلواریں لے کر آئے اور ان میں سے کسی نے غار میں دیکھا لیکن اس کو سوائے دو جنگلی کبوتروں کے جو غار کے منہ پر تھے کچھ نظر نہ آیا چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ کہا: میں نے دو وحشی کبوتر دیکھے تو میں سمجھ گیا کہ یہاں

کوئی نہیں۔ دوسرے نے کہا: غار میں داخل ہو جاؤ۔ امیہ بن خلف نے کہا: غار میں تمہیں کیا کام، وہاں تو مکڑی کا جالا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۸۲)

یہ بھی مروی ہے کہ کبوتریوں نے پہاڑ کے سوراخ کے نچلے حصے میں انڈے دیئے تھے اور مکڑی نے جالا بنا تھا تو وہ کہنے لگے: اگر وہ اندر داخل ہوئے ہوتے تو انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا جالا بھی ٹوٹ جاتا۔ پس لشکر کے ذریعے قوم کا مقابلہ کرنے کی نسبت یہ زیادہ اعجاز ہے۔

غور کا مقام

غور کیجئے کس طرح درخت نے مطلوب پر سایہ کیا اور تلاش کرنے والے بھٹکتے رہے۔ مکڑی نے آکر طلب کا دروازہ بند کر دیا اور وہ مکان کے چہرے پر بیٹھ گئی اور اس نے اس کپڑے کی ایجاد کی جس کو اس نے بنا تھا حتیٰ کہ کھوج لگانے والے پر طلب پوشیدہ ہو گئی۔ شاعر کو اللہ تعالیٰ جزا دے کیا اچھا کہا ہے۔

والعنكبوت اجادت حوك حلتها فما تخال خلال النسج من خلل

"مکڑی نے اپنا حلہ لباس کتنا اچھا بنا کہ بننے میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے، مکڑی کو اس جالے کے بننے سے شرف حاصل ہوا"۔

ابن نقیب (محمد بن حسن کنانی) نے کیا خوب کہا ہے۔

ودود القز ان نسجت حريرا يجمل لبسه فى كل شئى
فان العنكوب اجل منها بما نسجت على راس النبى

"ریشم کا کیڑا اگر ریشم بنے تو ہر چیز میں اس کا پہننا زینت کا باعث ہے"۔

"لیکن مکڑی زیادہ شرف والی ہے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر (جالا) بنا"۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی یا اللہ! ان کی آنکھوں کو اندھا کر دے پس وہ غار میں داخل نہ ہو سکے اور غار کے دائیں بائیں تلاش کرتے رہے۔ قصیدہ بردہ شریف کے مصنف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اقسمت بالقمر المنشق انه له من قلبه نسبة مبرورة القسم
وما حوى الغار من خير ومن كرم وكل طرف من الكفار عنه عم
فالصدق فى الغار والصديق لم يرما وهم يقولون ما بالغار من ارم
ظنوا الحمام وظنوا العنكبوت على خير البرية لم تنسج ولم تحم
وقاية الله اغنت عن مضاعفة من الدروع وعن عال من الاطم

"میں نے شق ہونے والے چاند کی قسم کھائی کہ بے شک اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب

مبارک سے ایک نسبت ہے، میری یہ قسم پوری ہونے والی ہے"۔

"اور وہ جو غار نے خیر و کرم کو جمع کیا اور کفار کی ہر آنکھ اندھی ہوگئی"۔

"صدق اور صدیق دونوں غار میں تھے اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور کفار کہتے تھے غار میں کوئی نہیں"۔

"انھوں نے کبوتری اور مکڑی کے بارے میں گمان کیا کہ ان دونوں نے تمام مخلوق سے بہتر شخصیت پر نہ جالا بنا اور نہ انڈا دیا"۔

"اللہ تعالیٰ کی پناہ نے آپ ﷺ کو دوہری زرہوں اور بلند قلعوں کی حفاظت سے بے نیاز کر دیا"۔

غار میں جو کچھ تھا اس کو دیکھنے سے وہ اندھے ہوگئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بینائی رکھی تھی کیونکہ ان کے خیال میں کبوتری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد انڈے نہیں دے سکتی اور نہ مکڑی ان پر جالا بن سکتی ہے اس لیے کہ عادتاً یہ دونوں حیوان وحشی ہیں، جہاں آبادی ہو وہاں یہ مانوس نہیں ہوتے، جہاں وہ انسان کو محسوس کرتے ہیں وہاں سے بھاگ جاتے ہیں لیکن ان کفار کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے اپنے خاص بندوں کے لیے مسخر کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی حفاظت کرنا بندے کو دوہری زرہوں اور بلند و بالا قلعوں کے ذریعے محفوظ رہنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ نے قصیدہ لامیہ میں کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

واغیرتا حین اضحی الغار وھو بہ　　کمثل قلبی معمور وما ھول

کانما المصطفی فیہ وصاحبہ ال　　صدیق لیثان قد آواھما غیل

وجلل الغار نسج العنکبوت علی　　وھن فیا حبذا نسج وتجلیل

عنایۃ ضل کید المشرکین بھا　　وما مکائدھم الا الاضالیل

اذ ینظرون وھم لا یبصرونھما　　کان ابصارھم من زیغھا حول

"ہائے اس قوم کی غیرت کو کیا ہوا جب آپ غار میں تشریف لے گئے اور وہ غار آپ کے ساتھ میرے دل کی طرح تھا جو محبت سے بھرپور ہے اور آپ (کے خیال) کو اہلاً و سہلاً کہتا ہے"۔

"گویا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو شیر تھے جن کو شیر کی کچھار نے جگہ دی"۔

"مکڑی کے جالے نے غار کو ڈھانپ لیا حالانکہ وہ کمزور ہے تو وہ بننا اور ڈھانپنا کیا ہی خوب ہے"۔

"وہ ایسی عنایت تھی جس نے مشرکین کے مکر کو ضائع کر دیا اور ان کے مکر و فریب بھٹکنے والے تھے"۔

"کیونکہ وہ دیکھتے تھے لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے تھے گویا ان کی آنکھیں اپنی کجی کی وجہ سے اندھی تھیں"۔

غار میں

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے پاؤں کی طرف دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۴، فضائل صحابہ، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۶، مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴)

ایک روایت میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو دیکھا تو ان سے خون بہہ رہا تھا، میں رونے لگا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کو ننگے پاؤں چلنے اور کسی سے بد سلوکی کی عادت نہیں تھی۔

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں حضور علیہ السلام سے پہلے داخل ہوئے تاکہ اپنی جان کے ذریعے آپ کی حفاظت کریں۔ انہوں نے اس میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ وہاں سے کوئی ایسی چیز نہ نکلے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے، چنانچہ زہریلے سانپ ان کو کاٹنے لگے اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو اپنا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ نے آپ کے پاؤں کو ڈسا لیکن آپ نے حرکت نہ کی۔ آپ کے آنسو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گرے تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے کاٹا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا تو تکلیف زائل ہو گئی۔ اسے رزین رحمہ اللہ (بن معاویہ ابو الحسن العبدری اندلسی مالکی مؤلف تجرید الصحاح) نے روایت کیا ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھوج لگانے والے کو دیکھا تو آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت غمگین ہوئے اور فرمایا: اگر میں قتل ہوا تو ایک شخص کا قتل ہو گا اور آپ ﷺ کو قتل کر دیا گیا تو پوری امت ہلاک ہو گی۔

اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غمگین نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کی مدد و اعانت ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ اتارا اور یہ امن ہے جس کی وجہ سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ آپ بے قرار تھے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار نہیں تھے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے لشکر کے ساتھ مدد فرمائی جس کو (اے لوگو!) تم نہیں دیکھتے تھے اور وہ فرشتے تھے تاکہ وہ غار میں آپ کی حفاظت کریں یا آپ کو دیکھنے سے کفار کے چہروں اور آنکھوں کو پھیر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت

دیکھئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غم بہت زیادہ ہے لیکن ان کو اپنا خوف نہیں تو ان کے دل کو اس بشارت کے ساتھ مضبوط کر دیا کہ غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہ تحفہ صرف آپ کے لیے رکھا گیا سب لوگوں کے لیے نہیں کہ آپ دو میں سے دوسرے ہیں، اسلام میں آپ ہی ثانی ہیں، اپنی ذات اور زندگی کو خرچ کرنے اور موت کے سبب میں آپ ہی دوسرے ہیں۔ جب آپ نے اپنے مال اور جان کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تو روضہ انور میں آپ کو اپنے ساتھ رکھنے کی جزادی اور بزرگی کا اظہار کرنے والا شہروں کے منبروں پر کھڑا ہو کر آواز دیتا ہے:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ۔ وہ دو میں سے دوسرے ہیں جب وہ دونوں غار میں تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ صاعد الجبلا
وکان حب رسول الله قد علموا من الخلائق لم یعدل به بدلا

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۷۹)

"آپ اس غار میں جو زیادہ شرف والا ہے دو میں سے دوسرے تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھا تو وہ اس غار کے گرد چکر کاٹنے لگا"۔

"مخلوق کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ محبوب ہیں جن کے برابر کا کوئی نہیں"۔

غور کیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ۔ (الشعراء: ۶۲) یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے لیے خاص کیا اور اپنے ماننے والوں کی طرف متعدی نہ فرمایا لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متعدی فرمایا اور صرف معی (میرے ساتھ) نہ فرمایا کیونکہ آپ نے اپنے نور سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی تو وہ سرِ معیت میں موجود ہوئے، اسی وجہ سے سر سکینہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف گیا ورنہ وہ اس تجلی اور شہود کے بوجھوں کے نیچے نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں معیتِ ربوبیت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ میں معیت الہیت ہے، دونوں میں فرق ہے۔[1]

---

[1] حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے اور اپنا بعد میں کیا اور حضرت موسیٰ نے اپنا ذکر پہلے کیا نیز یہاں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے (ان الله معنا) اور وہاں (ان معی ربی میں) ربوبیت یعنی صفت خداوندی کا ذکر ہے۔

یہ بات عارف باللہ شمس الدین بن لبان رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

مکڑی کا جالا

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عطا بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: مکڑی نے دو بار جالا بنا، ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جب طالوت آپ کی تلاش میں تھا[1] اور دوسری بار غار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۰) (طالوت حضرت بنیامین علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ پر بھی غار میں جالا بنا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خالد بن نبیح ہذلی کو عرنہ میں قتل کرنے بھیجا۔ انہوں نے اسے قتل کیا اور غار میں داخل ہو گئے جس پر مکڑی نے جالا بن دیا۔ تلاش کرنے والے آئے لیکن انہیں کچھ نہ ملا تو وہ واپس لوٹ گئے۔

غار میں ٹھہرنے کی مدت اور وہاں کیا حاصل ہوا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تین راتیں ٹھہرے، (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۸۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس دن سے زائد ٹھہرے لیکن پہلی بات مشہور ہے۔

آپ دونوں کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ٹھہرتے تھے اور وہ نوجوان تھے اور ضروری امور کی معرفت رکھنے والے نیز بات کو جلدی سمجھنے والے تھے۔ آپ سحری کے وقت اندھیرے میں وہاں سے چل پڑتے اور صبح قریش کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہوتے گویا آپ نے رات ان کے ساتھ گزاری ہو۔ آپ ہر وہ بات جو حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مکر و فریب کے حوالے سے سنتے اسے یاد رکھتے اور جب اندھیرا ہو تا تو ان تک پہنچا دیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ دودھ دینے والی بکری چراتے اور جب شام ہو جاتی تو وہ بکری ان کے پاس لے جاتے جس کے دودھ پر آپ دونوں رات گزارتے۔ تین راتوں میں سے ہر رات میں اسی طرح ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو راستے کی راہنمائی کے لیے اجرت پر حاصل کیا تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ اس کے اسلام لانے کا علم نہیں ہو سکا اس سے تین راتوں کے بعد غار ثور میں آنے کا وعدہ لیا گیا اور اپنی سواری کے اونٹ اس کے حوالے کیے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی معجزہ عطا فرمایا وہ معجزہ حضور علیہ السلام کو بھی عطا فرمایا، تو جب حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا تو آپ کو بھی عطا فرمایا۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۳۸)

ام معبد کے خیمے میں

عبداللہ بن اریقط تیسری رات کی صبح آپ کے پاس پہنچ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عامر بن فہیرہ اور عبداللہ (راہبر) دونوں چلے، وہ آپ کو ساحل کے راستے پر لے گیا اور یہ سب مقام قدید میں ام معبد عاتکہ بن خالد خزاعیہ کے پاس سے گزرے اور وہ عفیفہ عمر رسیدہ خاتون تھیں جو اپنے خیمے کے صحن میں بیٹھی رہتی تھیں اور (آنے جانے والوں کو) پانی پلاتیں اور کھانا کھلاتی تھیں۔

اور آپ لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو چکا تھا اور وہ قحط کا شکار تھے لہٰذا اس سے دودھ اور گوشت طلب کیا تاکہ خریدیں تو انہوں نے اس کے پاس کچھ نہ پایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں ایک طرف بکری دیکھی جو کمزوری کے باعث دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ کا سوال کیا تو اس نے کہا: یہ کمزور بکری ہے دودھ نہیں دے سکتی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اسے دوہ لوں۔ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیں، آپ نے بکری کو منگوایا اور اس کی ٹانگوں کو اپنی پنڈلیوں اور رانوں کے درمیان رکھتے ہوئے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی، اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں اور دودھ اتر آیا، آپ نے ایک برتن طلب فرمایا جو ایک جماعت کو سیر کر دیتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ دودھ دوہا اور ان سب لوگوں نے سیر ہو کر پیا، سب سے آخر میں آپ نے نوش فرمایا، دوبارہ دوہا تو پھر پیا، پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ام معبد کا خاوند ابو معبد آگیا، امام سہیلی فرماتے ہیں اس کا نام معلوم نہیں اور عسکری کہتے ہیں اس کا نام اکثم بن ابی الجون تھا یا ابن الجون تھا۔ وہ ایسی کمزور بکریوں کو ہانک کر لایا تھا جو کمزوری کی وجہ سے گرتی پڑتی تھیں اور ان کی ہڈیوں میں مغز بہت کم تھا۔

جب ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: اے ام معبد! یہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا جبکہ بکریاں چراگاہ سے دور ہیں اور ان میں کوئی حاملہ نہیں اور نہ ہی گھر میں کوئی دودھ والی بکری ہے۔ ام معبد نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے ہاں سے ایک برکت والی شخصیت گزری ہے، اس کا حال اس اس طرح تھا۔ ابو معبد نے کہا: اے ام معبد! اس شخص کا وصف مجھ سے بیان کر، (السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد ۲ ص ۸) تو ام معبد نے یوں کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا حسن ظاہر تھا، چہرہ ترو تازہ اور خوبصورت تھا، نہ تو وہ بڑے پیٹ والا تھا اور نہ ہی چھوٹے سر والا کہ معیوب ہو۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس کی آنکھوں میں سیاہی تھی (پتلیاں سیاہ تھیں) اور پلکیں لمبی اور بالوں سے بھرپور تھیں، آواز میں تیزی نہیں تھی، آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی زیادہ اور پلکیں سیاہ تھیں، ابرو باریک اور دراز تھے، بال بہت زیادہ سیاہ، گردن لمبی اور ڈاڑھی گھنی تھی۔ خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دوسروں پر برتری، ان کی گفتگو جڑے ہوئے موتی ہیں جو مسلسل اترتے ہیں۔ شیریں گفتار حق و باطل میں فرق کرنے والی گفتگو جو نہ زیادہ اور نہ ہی کم۔ دور سے وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت اور واضح اور قریب سے دیکھیں تو سب سے زیادہ حسین، قد درمیانہ تھا نہ زیادہ لمبا کہ اچھا نہ لگے اور نہ چھوٹا کہ آنکھ اس قد سے تجاوز

کر کے دوسرے کو دیکھے۔ نازک اندام کہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ۔ وہ تین میں سے اچھے منظر والے اور قدر کے اعتبار سے سب سے اچھے، آپ کے رفقاء آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ جب وہ گفتگو کریں تو سب غور سے سنتے ہیں اور جب حکم دیں تو تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ مخدوم ہیں اور لوگ ان کے پاس جمع رہتے ہیں، نہ تو کسی کا منہ چڑاتے ہیں اور نہ ملامت کرتے ہیں۔[1] (ام معبد کا یہ قول عربی ادب کا شاہکار ہے اس لیے اصل عبارت حاشیے میں دے دی گئی)۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! وہ تو قریش کے صاحب ہیں، اگر میں ان کو دیکھتا تو ضرور ان کی اتباع کرتا۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۰)

ابوجہل، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہم پر مخفی ہوگیا تو ہمارے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ میں ان کی طرف نکلی تو انہوں نے پوچھا: تمہارے والد کہاں ہیں؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میرے والد کہاں ہیں۔ فرماتی ہیں: ابوجہل نے ہاتھ اٹھایا اور وہ بے حیا خبیث تھا، اس نے مجھے ایسا تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی باہر نکل آئی، پھر وہ چلا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۷۹) اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے کہ جنوں میں سے ایک مکہ مکرمہ کی نچلی جانب سے آیا، لوگ اس کی آواز سنتے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتے تھے اور وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

جزى الله رب الناس خير جزائه	رفيقين حلا خيمتي ام معبد
هما نزلا بالبر ثم ترحلا	فافلح من امسى رفيق محمد
فيا لقصى ما زوى الله عنكم	به من فعال لا تجارى وسؤدد
ليهن بنى كعب مكان فتاتهم	ومقعدها للمؤمنين بمرصد

---

[1] ظاهر الوضاءة، مليح الوجه حسن الخلق، لم تعبه ثجلة ولم تزر به صعلة، وسيم قسيم، في عينيه دعج، وفي اشفاره وطف، وفي صوته صحل، احور اكحل، ازج اقرن، شديد سواد الشعر، في عنقه سطع، وفي لحيته كثاثة، اذا صمت فعليه الوقار، واذا تكلم سما وعلاه البهاء، وكان منطقه خرزات نظم يتحدرن، حلو المنطق، فصل لا نزر ولا هذر، اجهر الناس واجمله من بعيد، واحلاه واحسنه من قريب، ربعة لا تشنوءة من طول، ولا تقتحمه عين من قصر، غصن بين غصنين، فهو انضر الثلاثة واحسنهم قدرا، له رفقاء يحفون به، اذا قال استمعوا لقوله، واذا امر تبادروا الى امره، محفود محشود، لا عابس ولا مفند.

سلوا اختکم عن شاتھا وانائھا فانکم ان تسالوا الشاۃ تشھد
دعاھا بشاۃ حائل فتحلبت لہ بصریح ضرۃ الشاۃ مزبد
فغادرھا رھنا لدیھا لحالب یرددھا فی مصدر ثم مورد

"اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا رب ہے ان دو دوستوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے دو خیموں میں اترے"۔

"وہ دونوں نیکی کے ساتھ اترے پھر چلے گئے، پس جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوا اس نے فلاح پائی"۔

"اے قصی کی آل! تم کتنے اچھے ہو اللہ تعالیٰ تم سے وہ کرم اور سرداری نہ لے جس میں تمہارا ہم پلہ کوئی نہیں ہے"۔

"بنو کعب کی جوان عورت کی جگہ ان بنو کعب کو مبارک ہو اور اس کا ٹھکانہ مومنوں کی انتظار گاہ ہے"۔

"اے بنو کعب! تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور دودھ کے برتن کا حال پوچھو اور اگر بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی گواہی دے گی"۔

"آپ نے غیر حاملہ بکری کو بلایا تو اس نے خالص دودھ دیا"۔

"پس آپ نے اسے اس کے پاس بطور رہن چھوڑ دیا کہ دودھ دوہنے والا اس سے بار بار دودھ دوہے"۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں: یہ اشعار سن کر ہمیں معلوم ہوگیا کہ حضور علیہ السلام کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۸۹، السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۹، الطبری جلد ۲ ص ۳۷۷)

(نوٹ: اس کے بعد مصنف علیہ الرحمہ نے کچھ مشکل الفاظ کا حل لکھا ہے لیکن وہ سب کچھ ترجمہ میں آچکا ہے... ۱۲ ہزاروی)

ام معبد کی بکری

ابن سعد اور ابو نعیم نے واقدی کے طریق سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں: مجھ سے حزام ابن ہشام نے بیان کیا انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے ام معبد سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں: وہ بکری جس کے تھنوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک لگے تھے زمان رمادہ (۱۸ھ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک ہمارے پاس رہی اور ہم صبح و شام اس سے دودھ حاصل کرتے تھے حالانکہ زمین میں کم یا زیادہ کچھ بھی (چارہ) نہ تھا۔

سراقہ کا واقعہ

پھر مقام قدید میں سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی آپ دونوں کے سامنے آیا۔[1] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ہم تک پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اور آپ نے چند دعائیں مانگیں تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس نے امان طلب کی۔ کہنے لگا مجھے معلوم ہے آپ دونوں نے میرے خلاف بددعا کی ہے۔ آپ میرے حق میں دعا کریں۔ میں آپ دونوں سے لوگوں کو روکوں گا اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ سراقہ کا قول ہے کہ آپ دونوں میرے لیے کھڑے رہے حتیٰ کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا' اور یہ ساری صورت حال دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ غالب رہے گا۔ چنانچہ میں نے وہ سب کچھ بتا دیا جو لوگوں نے آپ کے بارے میں ارادہ کیا تھا اور میں نے زادراہ اور سامان پیش کیا لیکن انہوں نے اسے کم نہ کیا۔ (نہ لیا)

چرواہے غلام کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزر رہے تھے' اس میں ایک غلام بکریاں چرا رہا تھا۔ اس غلام کا واقعہ جو ہم نے امام بیہقی کے طریق سے ان کی سند سے قیس بن نعمان سے روایت کیا' وہ یوں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں چھپتے چھپاتے تشریف لے گئے تو ایک غلام کے پاس سے گزرے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے دودھ طلب کیا تو اس نے کہا میرے پاس دودھ دینے والی بکری نہیں ہے۔ ہاں وہ بکری ہے جو سال کے شروع میں حاملہ ہوئی ہے' وہ کچھ نہ کچھ دودھ دیتی ہے' آپ نے فرمایا: اس کو لاؤ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قابو کر کے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا مانگی' حتیٰ کہ دودھ اتر آیا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ڈھال لائے' پس اس کو دوہا گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا' پھر دوہا تو غلام نے پیا' پھر دوہ کر آپ نے خود نوش فرمایا۔

چرواہا کہنے لگا: تمہیں قسم ہے بتاؤ تم کون ہو؟ اللہ کی قسم میں نے آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: وعدہ کرو کسی کو بتاؤ گے نہیں۔ اس نے کہا! جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا: آپ کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ لوگ یہی بات کہتے ہیں۔ چرواہے نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ جو کچھ لائے ہیں' وہ حق ہے اور آپ نے جو کچھ کیا'

---

[1] صحیح بخاری میں ہے سراقہ کہتے ہیں: قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑنے یا قتل کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ میں اپنی قوم بنو مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے سراقہ! میں نے ساحل کے ساتھ کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں' میں نے کہا: وہ نہیں بلکہ وہ فلاں فلاں لوگ ہیں اور خود میں گھر آیا اور گھوڑا اور نیزہ لے کر مکان کی پچھلی طرف سے نکل گیا۔ (ملخص از صحیح بخاری' حدیث ۳۹۰۶' مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۶)

وہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ جاتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج نہیں، جب تمہیں خبر مل جائے کہ میں غالب آگیا ہوں تو تم ہمارے پاس آنا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۰۶)

حافظ مغلطائی ام معبد کا واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ الاکلیل میں ایک اور واقعہ بھی ہے جو ام معبد کے واقعہ جیسا ہے۔ حاکم فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی ہے یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

قبا تک پہنچنا

جب مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے ہیں تو وہ ہر صبح مقام حرہ میں آتے اور دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے، ایک دن طویل انتظار کے بعد وہ واپس لوٹے، جب وہ اپنے گھروں میں چلے گئے تو ایک یہودی جو کسی کام سے اپنے قلعے کے اوپر چڑھ رہا تھا اس نے حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا ان پر سفید لباس تھا اور راستے کا سراب ان کو ظاہر کر رہا تھا یہودی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور اس نے بلند آواز سے پکارا: اے بنو قیلہ! (اوس و خزرج کی جدہ کبریٰ کا نام قیلہ تھا) تمہارا مطلوب و مقصود آگیا۔ چنانچہ بنو قیلہ (یعنی اوس وخزرج) اپنے ہتھیار لے کر جلدی جلدی آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں بنو عمرو بن عوف کے پاس اترے۔

اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے کھڑے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے تو انصار میں سے جس نے آپ کو پہلے نہ دیکھا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام کہتا حتیٰ کہ جب حضور علیہ السلام پر دھوپ آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ پر اپنی چادر سے سایہ کیا تو اس وقت لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۴، مناقب انصار) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو دھوپ محسوس ہوتی تھی، نیز پہلے گزر چکا ہے کہ بعثت سے پہلے بادل اور فرشتہ آپ پر سایہ کرتا تھا جیسا کہ اپنے مقام پر صراحتاً مذکور ہے۔

قبا میں پہنچنے کی تاریخ

حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ربیع الاول شریف کے چاند میں یعنی ربیع الاول کے پہلے دن ہوئی۔

جریر بن حازم کی روایت میں ہے، وہ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: اس ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ ابو معشر کے نزدیک بھی اسی طرح ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ آپ سوموار کی رات تشریف لائے۔ ابن سعد کے نزدیک آپ کی تشریف آوری کے وقت ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ (ابو سعد نیشاپوری کی تصنیف) "شرف المصطفیٰ" میں ابوبکر بن حزم کے طریق سے ہے کہ آپ ربیع الاول شریف کی تیرہ تاریخ کو تشریف لائے۔ اس روایت اور پہلی روایت (بارہ تاریخ والی روایت) کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ

چاند کے دیکھنے میں اختلاف ہوا ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں اور سوموار کا دن تھا اور جب گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی تو آپ تشریف لائے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" کی کتاب السیر میں اس کو قطعی قرار دیا۔

ابن کلبی نے کہا کہ آپ ربیع الاول کی پہلی تاریخ سوموار کے دن غار سے نکلے اور بارہ ربیع الاول جمعۃ المبارک کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔

امام بیہقی کے نزدیک بائیس راتیں گزر چکی تھیں۔ ابن حزم کہتے ہیں: کہ آپ مکہ مکرمہ سے نکلے تو اس وقت صفر المظفر کی تین راتیں باقی تھیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۹۱)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا قبا پہنچنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے، پھر سترہ یا اٹھارہ ربیع الاول کو قبا میں آپ سے جا ملے اور قبا میں ایک یا دو راتیں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

ہجری تاریخ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا: تو ہجرت کے وقت سے لکھی گئی اور کہا گیا کہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاریخ مقرر کی اور اس کو محرم سے جاری کیا۔[1]

قبا میں اقامت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں بائیس راتیں ٹھہرے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ان میں چودہ راتیں ٹھہرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۱)

اور آپ نے مسجد قبا بنائی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، صحیح قول یہی ہے۔ یہ اسلام میں بنائی جانے والی پہلی مسجد ہے اور سب سے پہلے جس مسجد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کھلم کھلا نماز پڑھائی وہ یہی مسجد

---

[1] ابو نعیم نے نقل کیا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ہمارے پاس آپ کے خطوط آتے ہیں۔ ان پر تاریخ نہیں ہوتی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا، بعض نے مشورہ دیا کہ بعثت سے تاریخ لکھیں، بعض نے کہا: ہجرت سے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہجرت نے حق و باطل میں فرق کیا لہٰذا اسی سے تاریخ جاری کرو اور محرم سے شروع کرو کیونکہ اس وقت لوگ حج سے واپس آتے ہیں اور یہ سترہ ہجری کی بات ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۳)

ہے، عامتہ المسلمین کی جماعت کے لیے سب سے پہلے بنائی جانے والی مسجد بھی یہی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی مساجد بنائی گئیں، (جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں مسجد بنائی) لیکن وہ خصوصی مساجد تھیں۔

نوٹ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء شریف تشریف لے جاتے۔ کبھی سواری پر اور کبھی پیدل اور آپ نے فرمایا: جو شخص اس مسجد میں نماز پڑھے تو یہ ایک عمرہ کے برابر ہے، (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۸) اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص گھر میں وضو کرے، مسجد قبا میں آئے اور وہاں نماز پڑھے تو اس کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۳ باب ماجاء فی الصلوۃ فی مسجد قباء)

قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعتہ المبارک کے دن جب سورج بلند ہوا تو قبا سے روانہ ہوئے۔ جمعہ کا وقت بنو سالم بن عوف کے ہاں ہوا تو آپ نے وہاں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور یہ ایک سو کی تعداد میں تھے۔ یہ وادی رانوناء کا بطن ہے۔ (لفظ رانوناء عاشوراء کی طرح ہے۔) مسجد کا نام الغبیب تھا۔ اسم تصغیر ہے جیسے "المغانم المطابہ" کے مصنف نے لکھا ہے اور یہ وادی ذی صلب تھی اس مسجد کو اسی لیے مسجد جمعہ کہا گیا کہ یہ چھوٹی سی مسجد تھی جو پتھروں سے انسان کے نصف قد کے برابر بنائی گئی تھی اور یہ مسجد قبا کی طرف جاتے ہوئے جانے والے کی دائیں جانب آتی ہے۔ (آج کل وہاں نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے۔...۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعتہ المبارک کے بعد اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق بوڑھے معلوم ہونے کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے اور حضور علیہ السلام جوان تھے۔ (جلدی بڑھاپا نہ آیا) پہچانے نہ جاتے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کوئی شخص ملتا تو پوچھتا اے ابوبکر! تمہارے آگے یہ کون شخص ہیں؟ وہ فرماتے یہ ایک شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں سوال کرنے والا سمجھتا کہ اس سے راستہ دکھانا مراد ہے اور آپ کا مقصد تھا کہ بھلائی کی راہ دکھانے والے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۶ کتاب مناقب الانصار)

ابن سعد نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لوگوں کو مجھ سے مشغول رکھو، چنانچہ جب پوچھا جاتا کہ آپ کون ہیں تو فرماتے ضرورت مند ہوں۔ جب کہا جاتا آپ کے ساتھ یہ کون ہے؟ تو فرماتے یہ مجھے رستہ دکھانے والے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۴)

طبرانی کی حدیث میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں معروف تھے۔ جب آپ سے کوئی شخص ملتا تو آپ سے کہتا یہ آپ کے ساتھ کون ہے تو آپ فرماتے یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ آپ کی مراد دین میں ہدایت تھی اور پوچھنے والا سمجھتا کہ ظاہری راستہ دکھانے والا مراد

ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۱۰۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ والوں میں معروف تھے۔ کیونکہ آپ تجارتی سفر میں ان کے پاس سے گزرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپا نہیں آیا تھا حالانکہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے سیاہ بالوں میں سفیدی نہ تھی۔

(صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۵۶ کتاب مناقب الانصار)

نوٹ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آپ مجھے راستہ دکھانے والے ہیں، غالباً یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستے میں ایسا ہوا...۱۲ ہزاروی۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی انصار کی کسی دار (حویلی) سے گزرتے تو وہ آپ کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے، یارسول اللہ! طاقت اور دفاع کرنے والوں کی طرف آیئے۔ آپ فرماتے میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ اسے حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے بھی اس کی لگام کو ڈھیلا چھوڑا اور اسے حرکت نہ دی۔ وہ دائیں بائیں دیکھتی تھی، حتیٰ کہ جب مالک ابن نجار کے مکان کے پاس آئی تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی اور وہ جگہ ان دنوں رافع بن عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کے اونٹوں کو بٹھانے کی جگہ تھی اور یہ دونوں معاذ بن عفراء کی پرورش میں تھے اور یتیم تھے اور کہا جاتا ہے کہ اسعد بن زرارہ کی پرورش میں تھے۔ پھر اونٹنی وہاں سے اٹھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار تھے، حتیٰ کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر پہلی جگہ جا بیٹھی اور گردن کا نچلا حصہ زمین پر ڈال دیا یا ذبح والی جگہ زمین پر ڈالی اور منہ کھولے بغیر آواز نکالی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اترے اور فرمایا: ان شاء اللہ یہی منزل ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے آپ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ تھے اور بنو نجار کا مکان انصار کے مکانات میں سے اچھا اور افضل تھا اور وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے ماموں لگتے تھے۔(ان کا ننھیال تھا)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رحمہ اللہ کے ہاں "کتاب الذکر والدعاء" میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میرے ہاں اترے۔ میں اوپر والی منزل میں تھا۔ میں نے علیحدگی میں ام ایوب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والی منزل میں ٹھہرنے کا ہم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

آپ پر فرشتے اترتے ہیں اور وحی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس رات میں اور ام ایوب دونوں نہ سوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات میں نے اور ام ایوب نے آرام سے نہیں گزاری۔ آپ نے پوچھا ابو ایوب! کیوں؟ میں نے کہا: آپ اوپر والی منزل میں ٹھہرنے کا حق ہم سے زیادہ رکھتے ہیں۔ آپ پر فرشتے اترتے ہیں اور وحی نازل ہوتی ہے۔ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کی قسم! میں اس چھت کے اوپر کبھی نہیں رہوں گا جس کے نیچے آپ ہوں۔[1]

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ گھر جو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اسے تبع اول (تبع حمیری) نے اس وقت بنایا جب وہ مدینہ طیبہ سے گزرا۔[2] اور اس میں چار سو علماء کو چھوڑا اور ایک خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا جو ان میں سے سب سے بڑے عالم کو دے دیا اور اس سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیں۔ یہ مکان مختلف مالکوں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملا اور آپ اس عالم کی اولاد سے تھے اور اہل مدینہ جنھوں نے آپ کی مدد کی ان علماء کی اولاد سے تھے۔ اس بنیاد پر آپ اپنے ہی مکان میں اترے، کسی دوسرے مکان میں نہیں۔ تحقیق النصرۃ فی تاریخ دار الہجرۃ (شیخ زین الدین بن حسین مراغی کی تصنیف) میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

تمام اہل مدینہ خوش تھے

اہل مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بہت خوش ہوئے اور آپ کے آنے سے مدینہ طیبہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اور دل مسرور ہوگئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اس دن ہر چیز روشن ہوگئی اور آپ کے آنے پر پردہ نشین عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر یوں کہنے لگیں:

طلع البدر علینا	ہم پر چودھویں کا چاند
من ثنیات الوداع	ثنیات الوداع سے طلوع ہوا
وجب الشکر علینا	ہم پر شکر واجب ہے جب تک
ما دعا للہ داع	اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلائے

---

[1] ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو ایوب ہمارے اور ہمارے ملنے والوں کے لیے نیچے رہنا مناسب ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۳)

[2] تبع بن حسان حمیری بادشاہ تھا۔ وہ مکہ مکرمہ گیا۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور واپسی پر مدینہ طیبہ آیا۔ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ اس نے چار سو علماء اور حکماء کو جمع کر کے بیعت لی کہ یہاں سے نہ جائیں اور ان کو بتایا کہ بیت اللہ شریف اور اس شہر کا شرف ایک ایسے شخص کی وجہ سے ہے جو تشریف لائیں گے اور ان کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ اس نے چار سو مکانات بنائے اور ان علماء اور حکماء کو وہاں ٹھہرایا۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۳۱۵)

یہ اشعار کب کہے گئے؟

میں (امام قسطلانی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہ شعر اس وقت کہے گئے جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوت میں اور ابوالحسن بن مقری نے کتاب الشمائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا اور طبری نے "الریاض" میں ابوالفضل بن جحی سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے ابن عائشہ سے سنا فرماتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ پھر آگے ذکر کیا اور کہا کہ حلوانی نے اسے شیخین (امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ) کی شرط پر ذکر کیا۔

ثنیۃ الوداع کو اس لیے ثنیۃ الوداع کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض غزوں میں مدینہ طیبہ کے بعض مقیم افراد کو یہاں سے رخصت کیا۔ یہ (سفر تبوک مراد ہے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لشکروں کو وہاں سے رخصت کیا اور وہاں تک آپ ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ یہ قول بھی ہے کہ پہلے دور میں جو لوگ مدینہ طیبہ سے سفر کرتے تھے ان کو رخصت کرنے کے لیے وہاں تک لوگ آتے اور الوداع کہتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس آخری قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر انصار کی خواتین کے قول سے استدلال کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کہا:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

ابن بطال کا قول ہے کہ: اسے ثنیۃ الوداع اس لیے کہا گیا کہ وہ اس جگہ تک حاجیوں اور غازیوں کے پیچھے آتے تھے، یہاں سے ان کو رخصت کرتے اور کسی آنے والے کے استقبال کے لیے یہاں تک آتے تھے۔

شیخ الاسلام الولی العراقی نے کہا کہ یہ تمام تاویلات مردود ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام آپ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع پر گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۵، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۸، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۵)

وہ فرماتے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی جہت میں ہیں، اس لیے جب میرے والد (عراقی کے والد رحمہ اللہ) نے شرح ترمذی میں ابن بطال کا قول نقل کیا تو فرمایا یہ وہم ہے اور فرمایا: کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کلام معضل ہے، (اگر حدیث کی سند میں دو راویوں کا اکٹھے ذکر نہ ہو تو وہ حدیث معضل ہے) اس لیے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں اس بات کی طرف سبقت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بعض راویوں کی طرف سے وہم ہے، کیونکہ ثنیۃ الوداع شام کی جانب ہیں۔ مکہ مکرمہ سے آنے والے کو نہ تو وہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی وہ وہاں سے گزرتا ہے مگر یہ کہ وہ شام کی طرف جا رہا ہو اور یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے، جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد جلد ۳ ص ۱۳)

لیکن ابن عراقی نے یہ بھی کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر طرف ایک (ثنیہ) گھاٹی ہو جہاں رخصت ہونے والے جاتے ہوں تو ان سب کے مجموعہ کو ثنیات الوداع کہا گیا۔

بچیوں اور بچوں کی خوشی

کتاب "شرف المصطفیٰ" میں ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں جب اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنو نجار کی بچیاں دف لے کر باہر نکلیں، وہ کہہ رہی تھیں:

نحن جوار بنی النجار یا حبذا محمد من جار

"ہم بنو نجار کی بیٹیاں ہیں۔ کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! امام طبرانی نے "الصغیر" میں روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میرا دل بھی تم سے محبت کرتا ہے (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۵۰۸)

طبری کہتے ہیں کہ بچے اور بچیاں راستوں میں پھیل گئے۔ وہ کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔

مدینہ طیبہ کی وبا

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب بخار آتا تو آپ یہ شعر پڑھتے تھے:

کل امرئ مصبح فی اهله والموت ادنی من شراك نعله

"ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرنے والا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے"۔

اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بخار ختم ہوتا تو وہ اپنی آواز بلند کر کے کہتے:

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة بواد وحولی اذخر وجلیل

وهل اردن یوما میاه مجنة وهل یبدون لی شامة وطفیل

"کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کسی رات وادی مکہ میں یوں رہا ہوں کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل خوشبودار گھاس اور نازک پودے ہوں"۔

"کیا میں کسی دن مجنہ کے پانیوں پر جاؤں گا اور کیا اور میرے لیے شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے (شامہ اور طفیل مکہ مکرمہ کے قریب دو کنوئیں ہیں)"۔

اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت بھیج جیسا کہ انہوں نے ہمیں ہماری زمین سے وباوالی زمین کی طرف نکلنے پر مجبور کیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:
یااللہ! ہمیں مدینہ طیبہ کی محبت عطا فرما۔ مکہ مکرمہ کی محبت کی طرح یا اس سے بھی زیادہ۔ یااللہ! ہمارے صاع اور مد (دو پیمانے) میں برکت عطا فرما اور ان کو ہمارے لیے درست کردے اور یہاں کے بخار کو جحفہ (مقام) کی طرف منتقل کردے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۴ کتاب المرضیٰ، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲۶ کتاب الحج)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم مدینہ طیبہ میں آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے سب سے زیادہ وباوالی زمین تھی اور وادی بطحان سے ایسا پانی جاری رہتا جس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۳ کتاب الصوم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک۔

یااللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور میری وفات اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں کرنا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۳، کتاب الصوم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں سات ماہ ٹھہرے اور کہا گیا ہے کہ دوسرے سال کے ماہ صفر المظفر تک ٹھہرے۔ دولابی کہتے ہیں کہ ایک مہینہ ٹھہرے۔
(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

جب نماز کا وقت ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے اور جب آپ نے مسجد شریف بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا! اے بنو نجار! اپنے باغ کی قیمت مجھے بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے وصول کریں گے (ثواب مقصود ہے) آپ نے انکار فرمایا اور مسجد کی زمین دس دینار کے بدلے خریدی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے اپنا تمام مال ساتھ لائے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی جگہ پر کھجور کے درخت، بنجر زمین اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ آپ کے حکم سے قبروں کو اکھاڑا گیا ویران جگہ کو برابر کیا گیا اور درخت کاٹ دیئے گئے، پھر آپ نے اینٹیں بنانے کا حکم دیا تو وہ بنائی گئیں اور مسجد تعمیر کر کے کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی، جبکہ ستون کھجور کی لکڑی سے بنائے گئے، اس مسجد میں مسلمانوں نے کام کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے، ایک اینٹ اپنی طرف سے اور دوسری اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لیے ایک اجر ہے، تمہارے لیے دو اجر ہیں اور تمہاری آخری خوراک دودھ کا ایک

گھونٹ ہے اور تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔[1]

(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰، کتاب المساجد، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۶۰، کتاب مناقب الانصار)

اور ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اینٹیں اٹھاتے تھے اور اس دوران آپ یوں فرماتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا واطهر
اللهم ان الاجر اجر الاخرة فارحم الانصار والمهاجرة

"یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں (کھجوروں کا بوجھ نہیں) اے ہمارے رب! یہ بوجھ زیادہ عمدہ اور زیادہ پاکیزہ ہے"۔

"یا اللہ! بے شک اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما"۔

ابن شہاب کہتے ہیں: ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شعروں کے علاوہ کوئی شعر مکمل طور پر فرمایا ہو۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۵، کتاب مناقب الانصار)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر کہنا منع تھا۔ پڑھنا منع نہیں تھا اور آپ کے لیے اشعار پڑھنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ هذا الحمال میں الحمال حاء کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (شد نہیں ہے) جو اینٹیں اٹھائی جا رہی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خیبر کے بوجھوں سے بہتر ہیں یعنی جو بوجھ خیبر سے لایا جاتا ہے اور وہ کھجور اور انگور ہوتے تھے۔ مستملی کی روایت میں (حاء کی بجائے) جیم کے ساتھ ہے۔ کتاب "تحقیق النصرۃ" میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر رکھ دی تو صحابہ کرام نے بھی اپنی چادریں رکھ دیں اور وہ کہہ رہے تھے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل ذاک اذا للعمل المضلل

"اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کام کر رہے ہوں تو اس وقت ہمارا بیٹھ جانا گمراہ کرنے والا عمل ہے"۔

اور دوسرے کہتے۔

لا یستوی من یعمر المساجد یداب فیها قائما وقاعدا
ومن یری عن التراب حائدا

"جو شخص مسجدوں کی تعمیر کرتا ہے، اس طرح کہ وہ کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے اور وہ جو مٹی سے بچتا ہے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔

---

[1] نوٹ: حضرت عمار بن یاسر جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور شامیوں نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، آپ کو شہید کیا چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام حق تھے اس لیے ان کی مخالفت کی وجہ سے دوسروں کو باغی قرار دیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کی خبروں سے آگاہ فرمایا۔ ...۱۲ ہزاروی۔

مسجد کی کیفیت

مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا اور اس کے تین دروازے بنائے گئے۔ ایک دروازہ مسجد کے آخر میں بنایا گیا ایک دروازے کو باب رحمت کہا گیا اور ایک دروازہ جس سے داخل ہوتے تھے۔

مسجد کی لمبائی قبلہ سے آخر تک ایک سو ہاتھ اور دونوں طرف اس کی مثل یا اس سے کم تھی اور مسجد کی بنیاد تین تین ہاتھ رکھی گئی اور اس کے پہلو میں اینٹوں سے دو مکان بنائے گئے اور ان کی چھت کھجور کی شاخوں اور تنے سے بنائی گئی۔ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں جو مسجد سے ملا ہوا تھا، مسجد کی طرف ایک راستہ بنایا گیا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسرے مکان میں تھیں جو اس دروازے سے ملا ہوا تھا جو آل عثمان کے دروازے سے متصل تھا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے اپنے ان مکانات میں منتقل ہو گئے جو آپ نے بنائے تھے اور آپ حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع جو آپ کے غلام تھے رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیج چکے تھے۔ پس وہ دونوں حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء، حضرت ام کلثوم، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت اسامہ بن زید اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ اپنے گھر کے دیگر افراد کو لے کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

صفہ مبارکہ

مسجد شریف میں ایک سایہ دار جگہ تھی، جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔ اسے صفہ کہا جاتا تھا اور وہاں رہنے والے اہل صفہ (اصحاب صفہ) کہلاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو رات کے وقت بلاتے اور صحابہ کرام پر تقسیم کر دیتے اور ایک جماعت حضور علیہ السلام کے ساتھ عشاء کا کھانا کھاتی تھی۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن کے پاس بڑی چادر نہ ہوتی تھی تہبند ہوتا یا کمبل جسے انہوں نے اپنی گردنوں سے باندھا ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض کی نصف پنڈلی تک ہوتا اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچتا تو وہ جسم کے ننگا ہونے کے خوف سے اس کو ہاتھ سے پکڑے رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۶۳، کتاب الصلوٰۃ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ستر سے زیادہ تھی اور یہ حضرات وہ ہیں جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور جن کو غزوہ بئر معونہ کی طرف بھیجا گیا تھا، وہ ان کے علاوہ تھے۔ وہ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے لیکن یہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید کر دیے گئے۔

ابن الاعرابی (ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بصری) سلمی (ابو عبدالرحمٰن بن موسیٰ نیشاپوری) امام حاکم اور ابو نعیم رحمہم اللہ نے اصحاب صفہ (کے اسماء گرامی) کو جمع کرنے کا اہتمام کیا لیکن ان میں سے ہر ایک کے پاس وہ چیز ہے، جو

دوسرے کے پاس نہیں اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا اس پر اعتراض اور مناقشہ ہے۔ (فتح الباری جلد اول ص ۷۴۴)

منبر شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مسجد میں موجود کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر آپ نے فرمایا کہ میرے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے تو آپ کے لیے منبر بنایا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۵۰) منبر کا بنانا اور تنے کا رونا ہجرت کے آٹھویں سال واقع ہوا۔ ابن النجار (ابو عبداللہ محمد بن محمود بن حسن بغدادی) نے اس بات کو قطعی قرار دیا لیکن اس پر حدیث افک کے ذریعے اعتراض کیا گیا۔ یہ حدیث صحیحین کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف اٹھے، حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، چنانچہ آپ اترے اور ان کو ٹھنڈا کیا حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔

ابن سعد نے قطعی طور کہا ہے کہ منبر بنانے کا کام ہجرت کے ساتویں سال ہوا لیکن اس قول پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ معارضہ کیا گیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر میں تشریف لائے اور حضرت تمیم داری نویں سال تشریف لائے۔

بعض سیرت نگاروں سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مٹی سے بنے ہوئے منبر پر خطبہ دیتے تھے اور لکڑی کا منبر بعد میں بنا لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ صحیح احادیث کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت کھجور کے تنے کا سہارا لیتے تھے۔

تنے کے رونے کا واقعہ انشاء اللہ معجزات کے بیان میں آئے گا۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات

مدینہ طیبہ پہنچنے کے پانچ ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی (دو دو کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا)۔[1]

---

[1] اس مواخات کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین سے اجنبیت اور گھر والوں سے جدائی کی پریشانی دور کی جائے اور ایک دوسرے کی مدد بھی ہو۔ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں آپ نے مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تاکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں اور حق پر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھائی بھائی بنایا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن کے درمیان مواخات قائم فرمائی، حتیٰ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے تو انہوں نے عرض کیا: آپ نے سب کے درمیان مواخات قائم فرمائی، میرا بھائی کون ہے؟ نبی

(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے......)

اور یہ نوے (۹۰) افراد تھے۔ دونوں جماعتوں سے پینتالیس پینتالیس افراد تھے، ان کی مواخات حق بات، غم خواری اور ایک دوسرے کا وارث بننے پر تھی۔[1]

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا، حتی کہ غزوہ بدر کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ اور رشتہ داروں میں سے بعض دوسرے بعض کے زیادہ قریب ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

(اب اسلامی محبت باقی رہ گئی، لیکن وراثت کا سلسلہ رشتہ داروں میں جاری ہوا۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

ہجرت کے نویں مہینے کے شروع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ کسی نے کہا: آٹھویں مہینے میں اور بعض نے کہا: ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد شوال میں شادی ہوئی۔

نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں اسی طرح ہے: اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان اور دوسرے اہل محبت کے لیے اس بات کو پسند فرماتی تھی کہ ان کے ہاں بچیوں کی رخصتی شوال کے مہینے میں ہو۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۳۴۴)

اذان کی ابتدا اور نماز کی رکعتوں میں اضافہ

کتب سیرت وغیرہ میں ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام خود بخود جمع ہو جاتے اور ان کو بلایا نہ جاتا۔

(....گزشتہ صفحے سے) اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی میں ہوں۔

ابن تیمیہ نے اس مواخات کا انکار کیا کہ مہاجرین کے درمیان اس مواخات کا کوئی مقصد نہیں کیونکہ یہ تو باہمی انس کے لیے ہے۔ محدثین نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو قیاس کے ذریعے نص کو رد کرنا ہے اور اس کی حکمت سے غفلت ہے۔ چونکہ بعض صحابہ کرام مالدار تھے بعض کمزور، اس لیے ایک دوسرے کی مدد کے لیے مواخات قائم فرمائی اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن سے حضور علیہ السلام کی پرورش میں تھے، اس لیے ان کو اپنا بھائی قرار دیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت زید کے درمیان مواخات تھی، اس لیے حضرت زید نے فرمایا تھا کہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی میری بھتیجی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱ کتاب المغازی، شرح زرقانی جلد اول ص ۳۳۲، ۳۳۳)

[1] اس کی ایک مثال وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ حضرت سعد بہت مالدار تھے، انہوں نے فرمایا: انصار کو معلوم ہے کہ میں ان میں زیادہ مالدار ہوں، میں اپنے مال کو اپنے اور آپ کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ کو جو پسند آئے، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے گھر والوں میں برکت عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری جلد اول، ص ۵۳۳)

ابن سعد طبقات میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مراسیل سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لیے یوں بلاتے تھے: "الصلوۃ جامعۃ" نماز کھڑی ہونے والی ہے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے اور جیسا کہ کہا گیا یہ دوسرے سال کی بات ہے۔ (کہا گیا ہے کہ راجح قول کے مطابق ہجرت کے پہلے سال کی بات ہے) کسی نے کہا: ناقوس اختیار کریں جیسا کہ عیسائیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ دوسرے حضرات نے کہا: یہودیوں کی طرح سینگ استعمال کریں۔ بعض کہنے لگے: نہیں بلکہ آگ جلائی جائے اور اسے بلند کیا جائے تاکہ لوگ دیکھ کر نماز کے لیے آئیں۔

حضرت عبداللہ بن زید کا خواب

پس حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے ان کو اذان اور اقامت سکھائی۔ صبح ہوئی تو وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بتایا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا میں ہے کہ انہوں نے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے) عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے وہ کچھ دیکھا جو سونے والا دیکھتا ہے اور اگر میں کہوں کہ میں سویا ہوا نہیں تھا، تو میں سچ کہنے والا ہوں گا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس پر دو سبز کپڑے تھے۔ وہ قبلہ رخ ہوا اور اس نے کہا "اللہ اکبر، اللہ اکبر" دو، دو بار حتیٰ کہ وہ اذان سے فارغ ہوگیا۔ (انہوں نے مکمل حدیث ذکر کی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچا خواب ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اٹھو اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے، حضرت بلال پر بولتے جاؤ اور وہ ان کلمات کے ساتھ اذان کہیں کیونکہ تمہاری نسبت ان کی آواز بلند ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھا۔ میں کلمات بولتا جاتا تھا اور وہ اذان کہتے جاتے تھے۔

فرماتے ہیں: جب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان سنی اور آپ اپنے گھر میں تھے تو آپ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا یارسول اللہ! میں نے بھی اسی طرح دیکھا جیسے انہوں نے دیکھا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسلمان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ خود بخود نماز کے وقت جمع ہوتے، ان کو بلایا نہ جاتا۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو بعض نے کہا: عیسائیوں کے بگل کی طرح بگل لے لیں۔ کسی نے کہا: یہودیوں نے جس طرح سینگ اختیار کیا ہوا ہے، ہم بھی اسی طرح کریں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کسی شخص کو نہیں بھیجتے جو نماز کے لیے آواز دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے آواز دو۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۶۴ کتاب الصلوۃ، صحیح بخاری جلد اول ص ۸۵، کتاب الاذان)

امام طبرانی کی "اوسط" میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اذان دیکھی، امام غزالی کی "الوسیط" میں ہے کہ دس سے زائد افراد نے دیکھی اور "شرح التنبیہ" میں جیلی کی عبارت یہ ہے کہ چودہ حضرات نے اذان کو خواب میں دیکھا لیکن ابن صلاح اور پھر امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا اور مغلطائی کی سیرت میں ہے کہ سات انصار نے خواب میں اذان کو دیکھا (سنا) ہے۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں کوئی بات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے لیے ثابت نہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۶۳)

اذان سے متعلق خواب میں حکمت

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تم کہو کہ اذان کو اس بات سے مخصوص کرنے میں کیا حکمت تھی کہ ایک مسلمان اسے خواب میں دیکھے اور یہ وحی کے ذریعے نہ آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام عبادات اور احکام شرعیہ کے سلسلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ سچا خواب ہے، پھر اس کو اذان کے حکم کی بنیاد بنایا اور کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف وحی تھی یا نہیں؟

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۱۹)

اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان شب معراج میں دکھائی گئی تھی۔ امام بزار رحمہ اللہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان سکھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک جانور لے کر آئے، جس کو براق کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے، حتیٰ کہ اس حجاب کے پاس تشریف لائے جو رحمٰن کے عرش سے ملا ہوا ہے۔ آپ اس حالت میں تھے کہ حجاب کے اندر سے ایک فرشتہ نکلا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں مخلوق میں سے سب سے زیادہ قرب رکھتا ہوں اور جب سے میں پیدا ہوا ہوں، میں نے اس وقت کے علاوہ اس فرشتے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس فرشتے نے "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کہا تو اسے حجاب کے پیچھے سے کہا گیا: میرے بندے نے سچ کہا ہے، میں سب سے بڑا ہوں، میں سب سے بڑا ہوں اور باقی اذان بھی ذکر کی۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد اول ص ۱۷۸)

امام سہیلی فرماتے ہیں: یہ صورت وحی سے زیادہ مضبوط ہے۔ پس جب فرضیت اذان مدینہ طیبہ جانے تک موخر ہوگئی اور لوگوں کو اوقات نماز کے بارے میں خبر دینے کا ارادہ فرمایا تو وحی میں تاخیر ہوگئی، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا۔

پس یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے کے موافق ہوگیا اسی لیے آپ نے فرمایا: یہ سچا خواب ہے

انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ نے جو کچھ آسمان میں دیکھا تھا وہ زمین میں سنت بن جائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب حضرت عبداللہ انصاری کے خواب کے موافق ہو کر یہ بات قوی ہو جائے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۶۴)

امام سہیلی کے اس کلام کا تعاقب کیا گیا کہ امام بزار کی روایت کی سند میں زیاد بن منذر ابو الجارود ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

اور فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب سے اذان کو ثابت کرنے پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ غیر انبیاء کے خواب کو کسی شرعی حکم کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس میں وحی کے مل جانے کا احتمال ہے اور اس کی تائید امام عبدالرزاق کی روایت اور ابو داؤد کی براہین میں مروی حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عبید اللہ بن عمیر لیثی کے طریق سے ہے اور وہ بہت عظیم تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دیکھی (سنی) اور حضور علیہ السلام کو بتانے کے لیے حاضر ہوئے تو ان کو معلوم ہوا کہ وحی آچکی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے آگاہی ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس اذان کے حوالے سے وحی آپ پر سبقت کر گئی۔

یہ روایت داؤدی کی اس روایت سے صحیح ہے جو انہوں نے (احمد بن نصر ایشکری داؤدی نے) ابن اسحاق سے نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خبر دینے سے آٹھ دن پہلے حضرت جبریل علیہ السلام اذان (کے کلمات) لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ٦٧)

اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کا خواب ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے منقول ہے اور وہ یوں ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں:

میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص میرے گرد پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا (بگل تھا) میں نے کہا: اے بندۂ خدا! اسے بیچتا ہے؟ اس نے کہا: تم اسے کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعے نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں (بتاؤ) اس نے کہا، یوں کہو: "اللہ اکبر، اللہ اکبر" اور اذان کے باقی کلمات بھی ذکر کیے۔ پھر وہ مجھ سے تھوڑا دور چلا گیا۔ پھر کہا: جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو یوں کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر" اقامت کے تمام کلمات بتائے۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۷۲، سنن ابن ماجہ ص ۶۱، جامع ترمذی جلد اول ص ۲۶، عیون الاثر جلد اول ص ۲۰۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب کی کیفیت معلوم نہیں۔ انہوں نے یہی فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے) دیکھا ہے، میں نے بھی یہی دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۲۶)

دیگر احادیث

مسند حارث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان دی۔ انہوں نے آسمان دنیا (پہلے آسمان) پر اذان دی جسے حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے سنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اس بات کی خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) اس سلسلے میں آپ سے سبقت لے گئے اور اس کا ظاہر یہی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما دونوں نے اسے بیداری کی حالت میں سنا۔

کئی احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مشروع ہوئی۔

ان احادیث میں سے ایک طبرانی شریف کی روایت ہے جو حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی (معراج کرایا گیا) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اذان کی وحی فرمائی۔ آپ وہ (کلمات) لے کر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھائے۔ اس حدیث کی سند میں طلحہ بن زید ہیں جو متروک ہیں۔ ایک اور حدیث جو امام دار قطنی نے "الافراد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے لیے کہا: جب نماز فرض ہوئی، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

ایک حدیث امام بزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ فتح الباری میں ہے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ ان احادیث میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔

ابن منذر نے قطعی طور پر بیان کیا کہ جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے بغیر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اس سلسلے میں مشاورت ہوئی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

کیا حضور علیہ السلام نے خود اذان دی ہے؟

اگر تم کہو کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کبھی اذان دی ہے؟

تو امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسے طریق سے روایت کیا جو بلخ کے قاضی عمر بن رباح کے گرد گردش کرتا ہے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور نماز پڑھائی۔ جب صحابہ کرام اپنی سواریوں پر تھے، فرماتے ہیں اس

حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اذان دی ہے۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۰)

لیکن یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نہیں ہے، یہ یعلیٰ بن مرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔

اس کو امام نووی رحمہ اللہ نے بھی قطعی طور پر بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے قوی قرار دیا۔

لیکن امام دار قطنی نے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ آپ نے اذان کا حکم دیا تھا۔ (سنن دار قطنی جلد اول، ص ۲۷۲) انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ: آپ نے خود اذان کہی۔ امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجمل کلام جس میں کئی احتمال ہوں، تفصیلی کلام اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۱)

مسند امام احمد میں اس طریق پر جس پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے تخریج کی ہے، منقول ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴)

فتح الباری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اذان دی اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے خلیفہ نے فلاں کو ایک ہزار (روپے) دیئے حالانکہ وہ ایک دوسرے آدمی کے ہاتھوں سے دیئے گئے لیکن یہ بات خلیفہ کی طرف منسوب ہوتی ہے کہ اس نے حکم دیا۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۵)

کیا حضور علیہ السلام نے کسی صحابی کی اقتدا میں نماز پڑھی؟

اگر تم کہو کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ تو میں کہتا ہوں، ہاں یہ بات صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ (پانی کا برتن اٹھایا) یہ فجر کی نماز سے پہلے کی بات ہے۔ وہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں) میں آپ کے ساتھ آیا تو ہم نے صحابہ کرام کو اس حالت میں پایا کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا تھا اور وہ ان کو نماز پڑھا رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رکعت ملی تو آپ نے صحابہ کرام کے ہمراہ دوسری رکعت پڑھی۔ پس جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سلام پھیرا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز مکمل کی۔ مسلمان اس بات سے خوف زدہ ہو گئے تو انہوں نے کثرت سے تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔[1]

---

[1] صحابہ کرام پریشان ہو گئے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت کی اور یہ اچھا نہ ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو سراہا کہ انہوں نے وقت پر نماز پڑھی کیونکہ آپ کو وضو کرتے کرتے دیر ہو گئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم نے اچھا کیا یا فرمایا: تم نے درست کیا۔ آپ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی ترغیب دے رہے تھے۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۳، کتاب الطہارۃ، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۴۹)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس کی مثل روایت کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یوں پایا کہ وہ صبح کی ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی صف میں کھڑے تھے اور آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی، پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز مکمل کی۔

(سنن ابی داؤد جلد اول، ص ۲۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفضول کے پیچھے فاضل کی نماز درست ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی امتی کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۴ حاشیہ)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اپنی نماز میں کھڑا رہنا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھے ہٹ جانا تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے جائیں (دونوں میں) فرق اس لیے تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک رکعت ادا کر چکے تھے تو حضور علیہ السلام آگے نہ بڑھے تاکہ قوم کی نماز کی ترتیب میں خلل نہ آئے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز کی یہ حالت نہ تھی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۵ حاشیہ)

ہاں سیرت ہشامیہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتدا کی لیکن جیسا کہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: سیرت میں یہ حدیث مرسل ہے اور صحیح احادیث کی کتب (کتب صحاح) میں معروف حدیث اس طرح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم علیہ السلام کی اقتدا میں اور صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہم) کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متصل طریق سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس دن امام تھے اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خبر میں اختلاف ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۶۹)

جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم نے جو آخری نماز پڑھی اس میں آپ نے ایک کپڑے کو حمائل کے طور پر باندھ رکھا تھا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۹۳۵ ابواب الصلوٰۃ)

ابن ملقن (عمر بن علی بن ابی احمد انصاری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قول کو متعدد حفاظ حدیث نے مدد دی جن میں ضیا اور ابن ناصر (محمد بن ناصر سلامی محدث عراق) بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ صحیح ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علالت میں جس میں آپ کا انتقال ہوا، تین بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے

نماز پڑھی ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جسے روایت کا علم نہ ہو اور وہ اس سے جاہل ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ دو مرتبہ ایسا ہوا۔ احادیث کو اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔ ابن حبان نے اسی پر جزم کیا۔

اور امام دار قطنی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے طریق سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک کسی نبی کا انتقال نہیں ہوا جب تک اس کا کوئی ایک امتی اس نبی کی امامت نہ کرائے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۶۹)

حالت اقامت کی نماز میں اضافہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے ایک مہینہ بعد ربیع الآخر کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ دولابی فرماتے ہیں منگل کا دن تھا اور امام سہیلی فرماتے ہیں: ہجرت کے بعد ایک سال یا اس کے قریب وقت گزر چکا تھا کہ حالت اقامت کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ ہوا اور صبح کی نماز کو طویل قرأت کی وجہ سے اور مغرب کی نماز کو دن کی وتر نماز (طاق رکعتوں والی نماز) ہونے کی وجہ سے اسی حالت پر چھوڑا گیا اور سفر کی نماز بھی برقرار رہی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز دو (دو) رکعتیں فرض ہوئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں اور فجر کی نماز کو قرأت کے طویل ہونے اور مغرب کی نماز کو وتر نماز ہونے کی وجہ سے اسی حالت پر چھوڑا گیا اور سفر کی حالت بھی برقرار رہی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز دو (دو) رکعتیں فرض ہوئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ طیبہ کی طرف) ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر چھوڑ دیا گیا)۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۶۰، کتاب مناقب الانصار)

اور کہا گیا کہ پہلے چار چار رکعتیں فرض ہوئیں، پھر مسافر کے لیے تخفیف کر دی گئی اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نماز کا کچھ حصہ اٹھا لیا۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۶۷، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۳۴۷)

اور یہ بھی کہا گیا کہ حالت اقامت میں چار رکعتیں فرض ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حضر (حالت اقامت) میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض فرمائیں۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۱)

انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے سلسلے میں نماز کے ضمن میں اس پر مزید گفتگو ہو گی۔

یہودیوں اور منافقین کی دشمنی کا ظہور

ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ یہود کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی وجہ ان کی سرکشی اور حسد

تھا۔ چنانچہ لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا اور یہ شخص بنو زریق کے یہودیوں میں سے تھا اور اس جادو کی صورت یہ تھی کہ آپ خیال فرماتے کہ کوئی کام کر رہے ہیں، حالانکہ آپ وہ کام نہیں کرتے تھے۔ وہ کنگھی اور اس کے ذریعے نکلنے والے بالوں میں جادو کرتا تھا اور ان کو ذی اروان نامی کنوئیں میں (اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ ذروان ہے) پتھر کے نیچے دفن کر دیتا تھا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۲، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۲۱)

اور یہ بات (آپ پر جادو کا اثر) نبوت میں کسی قسم کے عیب کا باعث نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آزمائش جسموں میں زخموں، زہر اور قتل وغیرہ کے ذریعے ہوتی رہی اور علماء کرام ان پر اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ اوس اور خزرج کی ایک جماعت بھی مل گئی وہ منافق تھے۔ شرک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کے سلسلے میں وہ اپنے آبائی دین پر تھے، لیکن ظہور اسلام کی وجہ سے وہ مغلوب ہو گئے۔ پس انہوں نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کر کے اسے قتل سے بچنے کے لیے ڈھال بنایا لیکن اندر سے وہ منافق تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا جو منافقوں کا سردار تھا اور اسی نے کہا تھا: (جسے قرآن مجید نے نقل کیا)

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ (المنافقون: ۸)

اگر ہم مدینہ طیبہ واپس گئے تو زیادہ عزت والے، زیادہ ذلیل لوگوں کو اس سے نکال دیں گے۔

جیسا کہ غزوہ بنو مصطلق کے ذکر میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

غزوات

جہاد کی اجازت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت عطا فرمائی۔ امام زہری فرماتے ہیں: جہاد کی اجازت کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ (الحج: ۳۹)

ان لوگوں کو جن سے لڑائی لڑی جاتی ہے (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اسے امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۳۱۸)

ابو حیان نے اپنی تفسیر "بحر" میں فرمایا کہ جس چیز کی اجازت دی گئی وہ محذوف ہے یعنی جہاد کیونکہ لفظ "یقاتلون" اس پر دلالت کرتا ہے اور اجازت کی وجہ یوں بیان فرمائی کہ ان (مسلمانوں) پر ظلم کیا گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے کوئی مضروب ہوتا تو کوئی زخمی۔ آپ ان سے فرماتے: صبر کرو کیونکہ مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے ہجرت فرمائی تو جہاد کا حکم دیا گیا اور یہ (حکم) ستر سے زائد آیات میں ہے' جب کہ پہلے منع کیا گیا تھا۔ (تفسیر البحر المحیط جلد ۶ ص ۳۷۳)

ابن حیان کے علاوہ حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت جہاد کو جائز قرار دیا جو اس کے لیے مناسب وقت تھا کیونکہ مکہ مکرمہ میں مشرکین تعداد میں زیادہ تھے۔ اگر مسلمانوں کو حکم دیا جاتا جبکہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے کہ باغیوں سے لڑو تو ان کے لیے باعث مشقت ہوتا جب مشرکین نے بغاوت کی راہ اختیار کی اور ان (مسلمانوں) کو اپنے درمیان سے نکلنے پر مجبور کیا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے اور صحابہ کرام بھی وہاں اکٹھے ہوئے اور آپ کی مدد کے لیے کھڑے ہوئے۔ مدینہ طیبہ دارالاسلام اور ان لوگوں کی پناہ گاہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کے خلاف جہاد کی اجازت دی' چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر بھیجے اور غزوات اور سرایا وقوع پذیر ہوئے۔

(غزوات وہ لڑائیاں جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے اور سریہ (جس کی جمع سرایا ہے) وہ لڑائیاں جن میں آپ خود شریک نہیں ہوئے) آپ خود بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کفار سے جہاد کیا حتیٰ کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔

غزوات اور سرایا کی تعداد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات جن میں آپ خود تشریف لے گئے' ستائیس ہیں۔ ان میں سے نو میں آپ نے بہ نفس نفیس قتال فرمایا اور وہ بدر' احد' مریسیع' خندق' قریظہ' خیبر' فتح مکہ' حنین اور طائف ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶) اور یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ بزور طاقت فتح ہوا (دشمن نے مزاحمت کی)۔

اور آپ کے سرایا (سریہ کی جمع) جن میں آپ نے لشکر بھیجا (اور خود تشریف نہیں لے گئے) سینتالیس ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ بنو نضیر کے ساتھ لڑائی میں آپ بھی لڑے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶)

سریہ کا معنی اور دوسری اصطلاحات

فتح الباری میں بتایا کہ (سین پر زبر راء کے نیچے زیر اور یاء مشدد ہے) "سریہ" رات کے وقت جانے اور "ساریہ" دن کے وقت نکلنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں سریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں (لشکر کا) جانا پوشیدہ ہوتا ہے اور اس معنی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ "سر" سے مشتق ہو اور یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس کے مادہ میں اختلاف ہے۔

اور یہ "سریہ" لشکر کا ایک حصہ ہوتا ہے جو اس (لشکر) سے نکلتا ہے اور اسی میں واپس آتا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو سے پانچ سو تک ہوتی ہے اور پانچ سو سے زیادہ کو منسر کہا جاتا ہے۔ اگر آٹھ سو سے بڑھ جائے تو اسے جیش کہتے ہیں۔ چار ہزار سے زیادہ ہو تو اسے جحفل کہا جاتا ہے اور خمیس بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ سریہ سے جو جدا ہو' اسے بعث کہا جاتا ہے اور کتیبہ وہ ہے' جو جمع رہے' منتشر نہ ہو۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۴۵)

سریۂ حمزہ (رضی اللہ عنہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے) سات ماہ بعد ماہ رمضان المبارک میں جو لشکر (بعث) بھیجا وہ سریہ حمزہ ہے۔ بعض کہتے ہیں دوسرے سال ربیع الاول شریف میں بھیجا۔ اس میں آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ کہا گیا ہے کہ وہ انصار میں سے تھے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ آپ نے غزوہ بدر سے پہلے انصار میں سے کسی کو نہیں بھیجا کیونکہ انہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آپ کا دفاع کریں گے۔

وہ قریش کے قافلے کو روکنے کے لیے نکلے تھے جس میں ابو جہل لعین بھی تھا۔ اس سے مقام عیص میں سمندر کے کنارے تین سو سواروں سمیت ملاقات ہوئی۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مجدی ابن عمرو جہنی درمیان میں حائل ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے سفید جھنڈا مقرر فرمایا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶)

لواء اور رایہ

لواء وہ جھنڈا ہے جو لڑائی کے وقت اٹھایا جاتا ہے۔ اس سے جھنڈے والے کی جگہ کا پتا چلتا ہے، چنانچہ اسے بعض اوقات امیر لشکر خود اٹھاتا ہے اور کبھی مقدمۃ الجیش (آگے جانے والوں) کو دیتا ہے۔ اہل لغت نے واضح طور پر کہا کہ لواء اور رایہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، لیکن امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رایہ (جھنڈا) سیاہ تھا اور آپ کا لواء (جھنڈا) سفید تھا۔ طبرانی رحمہ اللہ نے اس کی مثل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا لیکن اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں قسموں کے جھنڈوں میں فرق ہے۔ ہو سکتا ہے، ان میں عرف کے اعتبار سے فرق ہو۔

ابن اسحاق اور اسی طرح ابو الاسود نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا وہ فرماتے ہیں: کہ سب سے پہلے جھنڈوں (رایات) کا رواج خیبر کے دن ہوا۔ اس سے پہلے لوگ لواء کو ہی جانتے تھے۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۳۶۵)

سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

پھر عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو شوال کے مہینے میں بطن رابغ کی طرف گیا۔ اس وقت ہجرت کے بعد آٹھ مہینے گزر چکے تھے، یہ ساٹھ افراد تھے، ان کے لیے سفید لواء (جھنڈا) مقرر کیا گیا جسے حضرت مسطح بن اثاثہ نے اٹھا رکھا تھا، ان کا سامنا ابو سفیان بن حرب سے ہوا جو مشرکین کے سالار تھے۔ کہا گیا کہ مکرز بن حفص اور کسی نے کہا ابو جہل کی سربراہی تھی اور ان کے لشکر کی تعداد دو سو تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷) ان دونوں لشکروں کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر پھینکا اور یہ اسلام میں پہلا تیر تھا جو پھینکا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۵)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جس طرح ہمیں خبر پہنچی ہے، عبیدہ کا جھنڈا اسلام میں پہلا جھنڈا تھا جو مقرر ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا۔ وہ فرماتے ہیں ان کا معاملہ مشتبہ ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام نے دونوں کو اکٹھا روانہ کیا تھا اس لیے لوگوں پر بات مشتبہ ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۶)

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سات ماہ کے بعد بھیجا گیا تھا، البتہ یہ احتمال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے جھنڈے اکٹھے قائم فرمائے ہوں، پھر حضرت عبیدہ کا جانا آٹھویں مہینے تک کسی وجہ سے موخر ہو گیا۔ واللہ اعلم

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو خرار کی طرف بھیجا گیا۔ خرار، حجاز میں ایک وادی ہے جو جحفہ میں جا گرتی ہے اور یہ ہجرت کے نو مہینے بعد ذی قعدہ میں روانہ ہوا اور اس کے لیے سفید جھنڈا قائم ہوا جسے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا اور یہ بیس مجاہدین تھے۔ یہ سریہ قریش کے (تجارتی) قافلہ کو روکنے کی غرض سے گیا تھا۔ وہ ان کے پیچھے گئے اور پانچ تاریخ کی صبح کو مطلوبہ مقام پر پہنچے لیکن قافلہ ایک روز قبل وہاں سے گزر چکا تھا۔

پہلا غزوہ (ودان)

پھر غزوۂ ودان واقع ہوا اور یہ غزوۂ ابواء ہے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا جس طرح ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ پہلا غزوہ (غزوہ) ابواء ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بارہ مہینے گزرنے پر صفر کے مہینے میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ساٹھ افراد تھے اور آپ قریش کا ارادہ رکھتے تھے۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ بنو ضمرہ حضور علیہ السلام کے خلاف نہ تو جنگ کریں گے اور نہ زیادہ لوگوں کو جمع کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف دشمنوں کی مدد کریں گے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۷)

(اس دوران) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا۔

ابن اسحاق اور امام بخاری دونوں کے نقل کرنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ابواء اور ودان دو مقام ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ان کے درمیان چھ یا آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح [illegible]ی جلد ۸ ص ۲۱)

غزوۂ بواط

اس کے بعد غزوۂ بواط ہے۔ باء پر زبر ہے بعض اوقات پیش بھی آتی ہے (بواط) واؤ پر تشدید نہیں اور آخر میں طاء ہے، (نقطے کے بغیر) یہ دوسرا غزوہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے تیرہ مہینے بعد ربیع الاول شریف میں اس کے لیے تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ رضویٰ کے مقام پر پہنچے۔ آپ کے ساتھ دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور قریش کے قافلے کو روکنا مقصود تھا جس میں امیہ بن خلف جمحی بھی تھا۔ (اس دوران) آپ نے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل بنایا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۸)

آپ یوں واپس تشریف لائے کہ دشمن کا کید (مکر) نہیں پایا یعنی لڑائی نہیں ہوئی۔ ابن اثیر (حافظ عزالدین

ابوالحسن علی بن ابی الکریم) فرماتے ہیں: کید کا معنی حیلہ اور کوشش ہے۔ اسی وجہ سے لڑائی کو کید (مکر) کہا گیا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ ص ۵۷)

غزوۂ عُشَیرہ

اس کے بعد غزوۂ عشیرہ ہے، یہ لفظ عُشَیْرُہ ہے (اسم تصغیر کا صیغہ) اس سلسلے میں غزوات کا ذکر کرنے والے مورخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح بخاری میں العشیراء یا العسیرہ ہے۔ پہلا شین کے ساتھ ہاء کے بغیر ہے اور دوسرا سین اور ہاء کے ساتھ ہے۔ جہاں تک غزوہ عسرہ کا تعلق ہے تو وہ غزوہ تبوک ہے۔ انشاء اللہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

یہ غزوہ (غزوہ عشیرہ) ایک جگہ سے منسوب ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پہنچے اور یہ جگہ ینبع میں بنو مدلج کا ٹھکانہ ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکم جمادی الاولیٰ کو تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمادی الاخریٰ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت ہجرت کے بعد سولہ مہینے گزر چکے تھے اور لشکر کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ بعض نے کہا دو سو افراد تھے اور ان کے ساتھ تیس اونٹ تھے۔ وہ ان پر باری باری سوار ہوتے تھے، سفید جھنڈا تھا جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ اس غزوہ کا مقصد بھی قریش کے قافلے کو روکنا تھا جو تجارت کی غرض سے مکہ مکرمہ سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ آپ اس لئے تشریف لے گئے کہ غنیمت حاصل کریں لیکن وہ قافلہ گزر گیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کے قبیلہ بنو مدلج سے مصالحت کی، ابن اسحاق کے علاوہ حضرات نے اس معاہدہ مصالحت کو یوں ذکر کیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ فانھم امنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم ان لایحاربوا فی دین اللہ مابل بحر صوفہ وان النبی اذا دعاھم لنصر اجابوہ علیھم بذلک ذمۃ اللہ ورسولہ۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۸)

یہ تحریر ہے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو ضمرہ کے لئے کہ بے شک ان کو ان کے مالوں اور جانوں کے اعتبار سے امن ملے گا اور جو شخص برائی کے ساتھ ان کا قصد کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ اس شرط پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مخالفت نہیں کریں گے جب تک بحر صوفہ کا پانی تر رہے گا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو وہ حاضر ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: (اس موقع پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ بن عبدالاسد کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۷)

پہلا غزوۂ بدر

اس کے بعد پہلا غزوۂ بدر ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب غزوہ عشیرہ سے واپس تشریف لائے تو صرف چند راتیں ٹھہرے۔ ابن حزم کہتے ہیں: عشیرہ کے بعد دس دن ٹھہرے، حتیٰ کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کے ان جانوروں کو لوٹ لیا، جو چرنے کے لئے چھوڑے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب میں تشریف لے گئے، حتیٰ کہ سفوان تک جا پہنچے (یہ جگہ جو بدر کے قریب ہے) لیکن کرز بن جابر نکل چکا تھا۔ اس غزوہ کو پہلے غزوۂ بدر نام دیا گیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۸) ابن ہشام کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقع پر) مدینہ طیبہ کا عامل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹)

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

پھر امیر المومنین[1] حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ہجرت کے سترہ مہینے بعد رجب کے مہینے میں ہوا اور ان کے ساتھ آٹھ یا بارہ مہاجرین تھے۔ یہ نخلہ کی طرف تشریف لے گئے جو کہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کے فاصلے پر ہے اور قریش کا انتظار کرنے لگے، چنانچہ ان کا قافلہ ان کے قریب سے گزرا جن کے پاس میوہ اور چمڑا تھا جو طائف سے لائے تھے، ان میں عمرو بن حضرمی تھا۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ رجب کا آخری دن ہے، اگر ہم ان کو قتل کرتے ہیں تو اس مہینے کی حرمت کو توڑنے والے ہوں گے اور اگر آج رات چھوڑ دیتے ہیں تو یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں گے، چنانچہ انہوں نے ان کے قتل پر اتفاق کیا۔

پس عمرو کو قتل کر ڈالا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا اور جو بھاگ گیا وہ بھاگ گیا۔ یہ لوگ ان کے اونٹوں کو ہانک لائے اور یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی۔ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے اسے تقسیم کیا اور پانچواں حصہ (خمس) الگ کیا حالانکہ ابھی وہ فرض نہیں ہوا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پوری غنیمت مدینہ طیبہ لائے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں عزت والے مہینے میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے دونوں قیدیوں اور مال غنیمت میں توقف فرمایا، حتیٰ کہ آپ بدر سے واپس لوٹے تو اس کی غنیمتوں کے ساتھ اس کو بھی تقسیم کیا۔ (السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد اول ص ۳۰۳) قریش آپس میں کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینے (رجب المرجب) میں خون بہایا اور مال لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

---

[1] معمری کہتے ہیں اس سریہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا گیا اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر المومنین قرار دیا تو اسلام میں سب سے پہلے ان کو امیر المومنین کہا گیا۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ۔

(البقرہ: ۲۱۷)

اور آپ سے عزت والے مہینے میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمادیں اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں۔

اور اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تعدون قتلا فی الحرام عظیمة　　واعظم منه لویری ذاك راشد
صدودكم عما يقول محمد　　وكفر به والله راء وشاهد
سقينا من ابن الحضرمی رماحنا　　بنخلة لما اوقد الحرب واقد

"تم لوگ عزت والے مہینے میں قتل کو بڑی بات سمجھتے ہو اور تمہارا فعل اس سے بڑا ہے اگر کوئی صاحب رشد وہدایت اسے دیکھے"۔

"تمہارا اس کام سے رک جانا جس کا حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں اور ان کا انکار کرنا اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا اور شاہد ہے"۔

"ہم نے ابن حضرمی کے خون سے اپنے نیزوں کو سیراب کیا جب مقام نخلہ میں آگ بھڑکانے والے نے جنگ کی آگ بھڑکائی"۔

اور قریش نے اپنے دو قیدیوں عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو چھڑانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فدیہ بھیجا تو آپ نے ان کا فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حکم بن کیسان نے اسلام قبول کرلیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ بیر معونہ والے دن شہید کردیئے گئے اور عثمان مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرگیا۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد اول ص ۳۰۲)

قبلہ کی تبدیلی

اس کے بعد کعبہ شریف کو قبلہ بنایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد، سنن نسائی جلد اول ص ۸۶) بعض نے کہا سترہ ماہ۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار جلد اول ص ۲۱۰) (جیسا کہ امام بزار اور طبرانی نے ذکر کیا) اور ایک قول اٹھارہ مہینے کا ہے، (جیسا کہ ابن ماجہ نے ذکر کیا) (سنن ابن ماجہ ص ۷۲) حربی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول شریف میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے ایک سال مکمل اور دوسرے سال کے چھ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی پھر قبلہ تبدیل کردیا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ جمادی میں ہوا، یہ بھی کہا گیا کہ یہ واقعہ نصف شعبان کو منگل کے دن

ہوا اور بعض نے کہا نصف رجب کو سوموار کے دن ہوا۔
صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عصر کی نماز تھی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۷ کتاب الصلوۃ) جبکہ سعید بن معلّی کی روایت جو امام نسائی نے نقل کی ہے اس کے مطابق ظہر کا وقت تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلمہ میں بشر بن براء بن معرور کی وفات کے موقع پر ظہر کی نماز پڑھی اور مسجد نبوی میں عصر کی نماز ادا فرمائی اس لئے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ زرقانی جلد اول ص ۴۰۰) لیکن اہل قباء کو دوسرے دن صبح کی نماز تک پتہ نہ چلا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں قباء میں لوگ صبح کی نماز میں تھے کہ ایک آنے والا آیا اس نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ کعبہ شریف کی طرف رخ کیا جائے۔ لہٰذا ادھر منہ پھیر لو۔ اس وقت ان کا رخ شام کی طرف تھا تو وہ کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۸ کتاب الصلوۃ صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد) اس میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ ناسخ کا حکم اس وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے اگرچہ اس کا نزول پہلے ہو چکا ہو کیونکہ ان کو عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں کی اکثر آبادی جو یہودیوں پر مشتمل تھی وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف منہ پھیرنے کا حکم دیا۔ پس یہودی خوش ہو گئے چنانچہ سترہ مہینے تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہی رخ کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کریں چنانچہ آپ دعا مانگتے اور آسمان کی طرف دیکھتے۔ پس آیت نازل ہوئی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (البقرۃ: ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور کعبہ شریف آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے پر برقرار رکھا گیا۔

طبری نے ابن جریج رحمہ اللہ کے طریق سے یہ بھی روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر مکہ مکرمہ میں ہی آپ کو بیت المقدس کی طرف پھیرا گیا۔ چنانچہ تین سال تک آپ نے اسی طرح نماز پڑھی پھر ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ آنے کے بعد بھی سولہ مہینے تک ادھر ہی

رخ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر کعبہ شریف کی طرف رخ پھیرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پہلے قول میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تو یہ الفاظ اس شخص کے قول کو رد کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ آپ نے اجتہاد کرتے ہوئے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۱)

حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور یہ اس بات کی نفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا۔ (یعنی وحی کی نفی نہیں) (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۱)

مسجد قبلتین

تبدیلی قبلہ کے وقت آپ جس مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اس میں اختلاف ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ نے ظہر کی دو رکعتیں صحابہ کرام کو اپنی مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھائیں پھر حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو جائیں تو آپ اس طرف پھر گئے اور مسلمان (نمازی) بھی آپ کے ساتھ پھر گئے۔

اور کہا جاتا ہے کہ آپ بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی والدہ سے ملاقات کے لئے بنو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور ظہر کا وقت ہوا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر حکم دیا گیا تو آپ قبلہ شریف کی طرف پھر گئے اور میزاب (پرنالہ جو خانہ کعبہ کی چھت پر لگا ہوا ہے) کی طرف رخ کیا تو اسے مسجد قبلتین کہا گیا۔ ابن سعد کہتے ہیں واقدی نے کہا کہ: ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ مضبوط (اور ثابت) ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۲، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۱)

یہودیوں اور منافقوں کا موقف

اللہ تعالیٰ نے جب قبلہ بدل دیا تو بعض منافق، کفار اور یہودی شک کا شکار ہوئے اور راہ ہدایت سے بھٹکتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آپ جس قبلہ پر تھے اس سے آپ کو کس نے پھیرا یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی اس طرف۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ لِّلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ — آپ فرما دیجئے مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

اسی کا حکم اور تصرف ہے اور تمام کام اسی کے اختیار میں ہیں پس ہم جس طرف رخ کریں اطاعت تو اس کے حکم کو ماننے کا نام ہے اگر ہم روزانہ متعدد سمتوں کی طرف رخ کریں تو ہم اس کے بندے ہیں، لہٰذا وہ ہمیں جدھر پھیرے اس کے حکم کی تعمیل میں ہم ادھر ہی پھریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ ان کی اپنے خلیل علیہ السلام کے قبلہ کی طرف رہنمائی فرمائی۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی جس طرح تین باتوں پر ہم سے حسد کرتے ہیں اس طرح کسی دوسری بات پر حسد نہیں کرتے۔

ایک جمعہ المبارک کا دن کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی اور وہ اس سے بھٹک گئے اور دوسری بات قبلہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے ہماری رہنمائی فرمائی اور وہ اس سے بھٹک گئے اور تیسری بات امام کے پیچھے ہمارا آمین کہنا ہے۔[1] (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۳۵)

قرآنی جواب

بعض مومنوں نے کہا کہ جو نمازیں ہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھ چکے ہیں اور اسی طرح ہمارے وہ بھائی جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ان کی ان نمازوں کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (نمازوں) کو ضائع نہیں کرے گا۔

(چونکہ اس وقت تمہارے لئے بیت المقدس ہی قبلہ تھا لہٰذا وہ نمازیں درست ہیں)

کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے باپ کے شہر کا شوق پیدا ہوا اور وہ اپنی قوم کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم امید کرتے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے کہ وہ تشریف لائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ۔ (البقرۃ: ۱۴۴)

بے شک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی، البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

یہودی جو کعبہ کی طرف تمہارے پھر جانے اور بیت المقدس کی طرف رخ نہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس طرف پھیرے گا کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کرام سے یہ بات منقول ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اور صدقۂ فطر کا وجوب

کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینے کے ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے۔ یہ شعبان المعظم کی بات ہے، جب کہ ہجرت مدینہ کو اٹھارہ ماہ گزر چکے تھے اور عید الفطر سے دو دن پہلے صدقۂ فطر واجب فرمایا

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (دنیا میں وجود کے اعتبار سے) سب سے آخری اور قیامت کے دن سب سے پہلے (جنت میں داخل) ہوں گے۔ البتہ ان کو کتاب پہلے دی گئی اور ہمیں بعد میں دی گئی پھر یہ دن (جمعہ) ہم پر فرض کیا گیا تو انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۱۹) ۱۲ ہزاروی۔

کہ چھوٹے بڑے آزاد غلام مذکر اور مونث سب کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع منقیٰ یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم (فی کس کے حساب سے) دی جائے۔[1] اور ابھی مالوں کی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مالوں پر زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی یہ بھی قول ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے فرض ہو چکی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۸)

غزوۂ بدر کبریٰ

اس کے بعد غزوۂ بدر کبریٰ واقع ہوا اسے غزوہ عظمیٰ، غزوہ بدر ثانیہ اور بدر القتال بھی کہتے ہیں۔

بدر ایک مشہور بستی ہے جو بدر بن یخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ہے جو وہاں اترا تھا۔ کہا گیا ہے کہ یہ بدر بن حارث تھا جس نے بدر کا کنواں کھودا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر کنویں کا نام ہے جسے گول ہونے کی وجہ سے بدر کہا گیا ہے یا اس کا پانی اس قدر صاف تھا کہ اس میں چاند نظر آتا تھا (اور بدر پورے چاند کو کہتے ہیں)۔

غزوۂ بدر کی فضیلت

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ یوم الفرقان ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ اور اعزاز عطا فرمایا اور اس میں شرک و کفر کے دماغ کی ہڈی توڑ دی اور اس کا محل ویران ہو گیا حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمن زیادہ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی زرہیں بڑی بڑی تھیں، تیاریاں مکمل، نشان زدہ (عمدہ) گھوڑے اور زائد لشکر تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرما کر ان پر نازل ہونے والی وحی کو ظاہر و واضح فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ کا چہرہ روشن کیا جب کہ شیطان اور اس کے لشکر کو ذلیل و رسوا کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور متقی لوگوں کی جماعت پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔ (آل عمران: ۱۲۳)

تمہاری تعداد کم تھی تاکہ تم جان لو کہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کثرت تعداد کی وجہ سے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۰) یہ غزوہ اسلامی غزوات میں سے سب سے بڑا غزوہ ہے کیونکہ اس سے اسلام کا ظہور ہوا اور اس کے وقوع کے بعد نور اسلام آفاق میں چمکا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل کیا اور جو مسلمان وہاں حاضر تھے ان کو عزت بخشی اور وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ابرار (مقربین) میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] صدقہ فطر جو، کھجوروں اور منقیٰ وغیرہ سے چار کلو اور گندم سے دو کلو دیا جائے کیونکہ ایک صاع چار کلو کے برابر ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جو عمل چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی ہے یا (فرمایا) میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول، کتاب المغازی)

معلومات عامہ

مسلمان ہجرت کے انیس ماہ بعد ہفتہ کے دن جب کہ رمضان المبارک کے بارہ دن گزر چکے تھے، روانہ ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کے آٹھ دن گزرے تھے، یہ ابن ہشام کا قول ہے۔ اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ (آپ کو مقام روحاء سے واپس کیا تھا)

اس غزوہ میں انصار بھی آپ کے ساتھ نکلے جبکہ اس سے پہلے وہ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی تعداد تین سو پانچ تھی اور آٹھ حضرات شریک نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے لئے مال غنیمت سے حصہ مقرر کیا گیا اور ثواب بھی۔ گویا وہ بھی حاضر ہونے والوں کی طرح تھے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین گھوڑے تھے۔ "مرجہ" یہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا، "یعسوب" یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا اور ایک گھوڑا حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس روز ان تینوں کے علاوہ کوئی گھوڑا نہ تھا جب کہ اونٹوں کی تعداد ستر تھی۔[2]

اور مشرکین ایک ہزار تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳) کہا جاتا ہے کہ وہ نو سو پچاس مرد تھے، جن کے ساتھ ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۲) اور لڑائی سترہ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ سوموار کا دن تھا اور اس کے علاوہ اقوال بھی ہیں۔

غزوۂ بدر کا سبب

اس غزوہ کا مسلمانوں نے نہ تو ارادہ کیا تھا اور نہ اسکے لیے کوئی وقت مقرر ہوا تھا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] یہ آٹھ افراد درج ذیل تھے:
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے رک گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما دونوں قافلہ قریش کی اطلاع حاصل کرنے گئے تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نیابت سونپی گئی تھی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ عالیہ والوں پر مقرر تھے۔ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بنو عمرو بن عوف پر مقرر تھے۔ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ راستے میں گر گئے تھے تو ان کو واپس کر دیا۔ حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر پتھر لگا تو صفراء سے ان کو واپس کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲) ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں بدر کے دن ہم تین تین آدمی اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابولبابہ واپسی سے پہلے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے۔ حضور علیہ السلام کی (اترنے کی) باری ہوتی تو یہ دونوں عرض کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھیں، ہم پیدل چلیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہ تو تم مجھ سے زیادہ چلنے پر قادر ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں ثواب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۱) ۱۲ ہزاروی۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ (الانفال: ۴۲)

اور اگر تم آپس میں معاہدہ کرتے تو اس کے وقت میں اختلاف کرتے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے اس کام کا جس نے ہو کر رہنا ہے۔

مسلمانوں کا ارادہ تو قریش کے قافلے کو روکنا تھا کیونکہ ابو سفیان تیس سواروں کے ساتھ شام میں تھے، جن میں عمرو بن عاصی بھی تھا۔ وہ ایک بہت بڑے قافلہ میں آئے جس میں قریش کے اموال تھے، جب بدر کے قریب پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر بتایا کہ دشمن کے پاس مال زیادہ ہے، تعداد کم ہے اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے جس کے پاس مال ہے۔ لہٰذا ان کی طرف نکلو شاید اللہ تعالیٰ وہ مال تمہیں بطور غنیمت عطا فرمائے۔

جب ابو سفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کی خبر سنی تو ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ قریش کے پاس جا کر ان کو کوچ کرنے کے لئے کہے اور ان کو خبر دے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کے درپے ہیں اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہیں۔

چنانچہ ایک ہزار کے قریب قریش اٹھے اور اشراف قریش میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا سوائے ابو لہب کے۔ اس نے اپنی جگہ عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ (یہ ابو جہل کا بھائی تھا اور یہ ابو لہب کا چار ہزار درھم کا مقروض تھا اور ادائیگی سے عاجز تھا اس لئے اس نے اسے اجرت پر بھیجا)

مشاورت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے تھے، جب مقام روحا میں پہنچے تو خبر ملی کہ قریش (مکہ مکرمہ سے) اپنے قافلے کی مدد کے لئے چل پڑے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ قافلے کو تلاش کرنا ہے یا لشکر (کفار) سے لڑنا ہے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ لگے گا۔ قافلہ یا قریش، انہیں قافلہ کا تعاقب زیادہ پسند تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو نہایت اچھی گفتگو فرمائی، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے بھی عمدہ تقریر فرمائی، (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۲۳) پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا اسے کر گزریئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ آپ اور اس کا رب جا کر لڑیں بے شک ہم یہاں بیٹھے ہیں لیکن (یا رسول اللہ!) آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ لڑنے والے ہیں۔ پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں (حبشہ کے شہر) برک الغماد میں لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے حتیٰ کہ آپ وہاں

(حبشہ) پہنچ جائیں۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی اور ان کے لئے بھلائی کی دعا فرمائی، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو آپ انصار کا ارادہ فرما رہے تھے کیونکہ جب انہوں نے عقبہ میں آپ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی تو عرض کیا تھا کہ ہم آپ سے بری الذمہ ہیں، حتیٰ کہ آپ ہمارے شہر میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے پاس پہنچ جائیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے اور ہم ہر اس شخص سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے اپنا، اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں انصار نے یہ خیال نہ کرلیا ہو کہ جو دشمن مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو گا اس کے مقابلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے لیکن ہم پر یہ بات لازم نہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں کسی دوسرے شہر کی طرف لے جائیں اور ہم آپ کے ساتھ جائیں اب جب حضور علیہ السلام نے فرمایا (کہ مجھے مشورہ دو) تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمارا ارادہ فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! (تم انصار سے مشورہ مانگ رہا ہوں)
(السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۷)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی نیز اس بات کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کو پکا عہد دیا کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے، یا رسول اللہ! آپ جو کچھ چاہتے ہیں کیجئے پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو پار کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کو ناپسند نہیں کرتے۔ ہم لڑائی کے وقت صبر کرنے والے اور ملاقات کے وقت سچے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کام دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی برکت پر ہمیں لے چلیں۔

(السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸)
حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اس بات نے آپ کی ہمت بڑھائی، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی برکت پر چلو اور خوش ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم گویا میں اس وقت قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸) حضرت ثابت، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ نے زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہاں، یہاں حضرت انس فرماتے ہیں جس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک رکھا تھا وہاں سے وہ نہیں ہٹا یعنی اسی جگہ مرا۔[1]

---

[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی انبیاء کرام اور اپنے دیگر خاص بندوں کو غیب کی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

تنبیہ

ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں فرمایا کہ ہم نے مسلم کے طریق سے روایت کیا کہ یہ گفتگو خزرج قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی لیکن یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معروف ہے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدر میں شرکت کے سلسلے میں اختلاف ہے ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے ان کو بدری صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا جبکہ واقدی، مدائنی (علی بن محمد ابوالحسن) اور ابن کلبی نے انہیں اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸)

میدان جنگ میں

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ کر کے بدر کے قریب اترے اور قریش وادی کی دوسری (دور کی) جانب اترے، مسلمان ریت کے سفید ٹیلے پر اترے، جس میں انسانی قدم اور جانوروں کے سم اتر جاتے تھے۔ مشرکین بدر کے کنویں پر پہلے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اسے محفوظ کر کے اپنے اپنے پانی کے کنویں کھودے۔

مسلمانوں میں سے بعض بے وضو تھے کچھ جنابت کی حالت میں تھے نیز وہ پیاسے بھی تھے وہ پانی تک پہنچ نہیں سکتے تھے، چنانچہ شیطان نے ان میں سے بعض کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہوئے کہا کہ تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو اور یہ کہ تم میں اللہ کے نبی ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو حالانکہ مشرکین نے پانی کے اعتبار سے تم پر غلبہ حاصل کیا تم پیاسے اور بے وضو ہو، نیز ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھتے ہو اور تمہارے دشمن اس انتظار میں ہیں کہ پیاس تمہاری گردن کاٹ دے اور تمہاری طاقت ختم ہو جائے اور پھر وہ تمہارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس سے وادی میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے پانی پیا، غسل کیا، وضو کیا، جانوروں کو پلایا، برتن بھرے، غبار کو ختم کیا اور زمین کو یوں برابر کیا کہ اس پر قدم ٹھہر سکیں۔ نیز ان سے شیطانی وسوسہ زائل ہو گیا اور ان کو خوشی حاصل ہوئی۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (الانفال: ۱۱)

اور وہ تم پر آسمانوں سے پانی اتارتا ہے کہ اس کے ذریعے تم طہارت حاصل کرو۔

یعنی ناپاکی اور جنابت سے (طہارت حاصل کرو)۔

وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ (الانفال: ۱۱)

اور تم سے شیطان کی ناپاکی کو لے جائے۔

اس کے وسوسے کو دور کرے۔

وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ (الانفال: ۱۱)

اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے (صبر کے ساتھ)۔

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (الانفال: ۱۱) اور اس کے ذریعے ثابت قدمی عطا کرے۔

حتیٰ کہ زمین کے ہموار ہونے کی وجہ سے ریت میں پاؤں نہ دھنسیں۔[1] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان (چھپر) بنایا گیا۔[2]

معرکہ سے پہلے مبارزت کی دعوت

پھر عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے درمیان نکلا' ادھر سے انصار کے نوجوان حضرت عوف اور حضرت معاذ نکلے' جو حضرت حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں حضرت عفراء تھیں' نیز حضرت عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے۔ (رضی اللہ عنہم) عتبہ وغیرہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا انصار کی جماعت ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں تم سے کوئی حاجت نہیں' (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۳۵) پھر ان کے ایک منادی نے آواز دی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم کے ہم پلہ لوگوں کو ہمارے مقابلے میں بھیجیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبیدہ بن حارث اٹھیں۔ اے حمزہ! آپ بھی اٹھیں اور اے علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ بھی اٹھئے' جب وہ کھڑے ہوئے اور ان (کفار) کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے اپنے نام بتائے' انہوں نے کہا ہاں معزز برابر کے لوگ ہیں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو مبارزت کی دعوت دی۔ حضرت عبیدہ ان میں سے بڑے تھے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر ج اص ۳۳۶)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو واصل جہنم کیا۔ ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو حضرت عبیدہ نے شیبہ کو اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو مبارزت کا چیلنج کیا۔ فتح الباری میں اسی طرح نقل کیا گیا۔

---

[1] ابن اسحاق کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی ایک پانی پر تشریف لائے اور وہاں اتر گئے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وحی کے ذریعے آپ یہاں اترے ہیں اور اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یا یہ آپ کی رائے اور لڑائی کا تقاضا ہے۔ فرمایا یہ رائے ہے انہوں نے عرض کیا پھر یہ جگہ صحیح نہیں یہاں سے لوگوں کو لے چلیں حتیٰ کہ ہم قوم کے قریب والے پانی پر اتریں وہاں سے ہم پی سکیں گے اور وہ نہیں پی سکیں گے حضور علیہ السلام نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۶۲۰)

[2] حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے عریش بنایا گیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے عریش بنا دیں اور وہاں سواریاں تیار رہیں اگر ہمیں فتح ہو تو یہ پسندیدہ بات ہے ورنہ آپ سوار ہو کر ہمارے پچھلے لوگوں کے ساتھ مل جائیں گے بعض لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہم ان سے زیادہ آپ سے محبت کرنے والے نہیں ہیں اگر ان کو معلوم ہو تا کہ آپ لڑائی کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو وہ پیچھے نہ رہتے حضور علیہ السلام نے ان کے لئے بھلائی کی دعا فرمائی۔

(سیرت ابن ہشام ج ا ص ۶۲۰)

پھر دونوں (ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ) اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو قتل کیا اور حضرت عبیدہ اور ان کے مقابل میں دو ضربوں کا تبادلہ ہوا ایک ضرب حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں لگی چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حمزہ نے آگے بڑھ کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور انہوں نے اپنے مدمقابل کو قتل کیا۔ امام حاکم نے عبد خیر کے طریق سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا جس طرح موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے۔ ابو الاسود نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے عبیدہ سلمانی کے طریق سے روایت کیا کہ شیبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل تھا جب کہ حضرت عبیدہ کا مقابلہ عتبہ سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا پھر فرمایا زیادہ مضبوط بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ کے مقابلے میں عتبہ اور حضرت عبیدہ کے مقابلے میں شیبہ تھا۔

امام ابوداؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا آپ فرماتے ہیں عتبہ آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور بھائی تھا اس نے آواز دی کون مقابلے کے لئے نکلے گا؟ انصار کے چند نوجوانوں نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ تو اس نے کہا تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا تو وہ کہنے لگا ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں، ہم اپنے چچا زاد بھائیوں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ! اٹھو، اے علی! اٹھو اور اے عبیدہ اٹھئے (رضی اللہ عنہم) پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کی طرف بڑھے۔ میں شیبہ کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت عبیدہ اور ولید کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کا خون بہایا پھر ہم ولید پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔

(سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۵، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے لیکن جو کچھ سیرت کی کتب میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جس سے مقابلہ ہوا وہ ولید ہے، یہی بات مشہور ہے اور اس مقام کے لائق ہے، کیونکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور شیبہ دونوں بڑی عمر کے تھے جس طرح عتبہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ولید دونوں نوجوان تھے۔

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ولید کے خلاف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی مدد کی لیکن حضور علیہ السلام نے اس پر ہمیں کوئی عیب نہ لگایا، اور یہ ابوداؤد کی روایت کے موافق ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۴)

استغاثہ اور دعا

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر لوگوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کوئی دوسرا نہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں اسی مدد کا واسطہ دے رہے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ کے الفاظ یہ تھے:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الایمان الیوم فلا تعبد فی الارض ابدا

یا اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں کبھی بھی تیری عبادت نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ! اپنے رب کو قسم دینا چھوڑ دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸)

سعید بن منصور، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور ان کی کثرت کو دیکھا اور مسلمانوں کو دیکھا تو ان کو قلیل سمجھا۔ چنانچہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں دعا مانگ رہے تھے یا اللہ! مجھے رسوا نہ کرنا یا اللہ! میں تجھے اس وعدہ کی قسم دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے فرمایا ہے۔

امام نسائی اور حاکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں بدر کے دن کچھ دیر لڑا پھر حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں یوں کہہ رہے تھے یا حی یا قیوم (اے زندہ! اے قائم رکھنے والے) میں واپس چلا گیا اور لڑنے لگا پھر آیا تو آپ کو اسی حالت میں پایا۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۵)

صحیح بخاری میں ہے بدر کے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عریش میں تھے تو آپ کو اونگھ آگئی پھر تبسم فرماتے بیدار ہوئے تو فرمایا' اے ابوبکر! خوشخبری ہو یہ جبرئیل ہیں جن کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے پھر آپ عریش سے باہر نکل گئے اور آپ پڑھ رہے تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۵)

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دعا

اگر تم کہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس طرح حضور علیہ السلام کو دعا میں کوشش کرنے سے روکا اور آپ کی امید کو مضبوط کیا اور آپ کو ثابت قدم کیا حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام زیادہ قابل تعریف اور آپ کا یقین ہر ایک کے یقین سے بلند ہے۔

امام سہیلی نے اپنے شیخ (قاضی ابوبکر بن عربی) سے نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امید کے مقام پر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوف کے مقام پر تھے کیونکہ اللہ

تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے، تو آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں زمین عبادت خداوندی سے خالی نہ ہو جائے تو آپ کا یہ خوف بھی عبادت ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸)

خطابی فرماتے ہیں کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ اس حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے رب پر زیادہ یقین تھا۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شفقت اور ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لئے تھا، تو آپ نے دعا اور گڑگڑانے میں خوب مبالغہ کیا تاکہ ان کے دل قرار پکڑیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ بات کہی تو آپ اس سے رک گئے اور جان لیا کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی، جبھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں قوت اور اطمینان پایا ہے اسی لئے اس کے بعد آپ نے پڑھا: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ"۔

دوسرے لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوف کی حالت میں تھے اور یہ نماز کی سب سے مکمل حالت ہے اور آپ اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ (شاید) اس دن مدد حاصل نہ ہو کیونکہ مدد کا وعدہ اس واقعہ کے لئے متعین نہ تھا، وہ تو مجمل تھا بظاہر یہی بات نظر آتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۲۳۵)[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہو سکے گی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ آخری نبی ہیں اگر آپ اور آپ کے ساتھی شہید ہو جاتے ہیں تو ایمان کی دعوت دینے کے لئے کوئی دوسرا مبعوث نہیں ہو گا۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لئے بہت زیادہ کوشش کرنے کا تعلق ہے تو آپ نے دیکھا کہ فرشتے جہاد کے لئے کھڑے ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے اور انصار موت کی سختیوں میں ہیں اور جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ تلوار کے ساتھ جہاد اور دعا کے ذریعے جہاد اور امام (راہنما) کا طریقہ یہی ہے کہ وہ لشکر سے پیچھے رہے، ان کے ساتھ مل کر لڑائی نہ کرے، پس سب کے سب اپنی اپنی کوشش میں مشغول تھے۔ آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ آپ اپنے نفس کو دو کوششوں میں سے ایک سے راحت دیں۔ (جہاد اور دعا) جب کہ انصار اور ملائکہ کوشش کر رہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راحت کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی جماعت دشمنوں کے مقابلے میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۹)

---

[1] ممکن ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف کی تفسیر یوں کی جائے کہ جب انہوں نے دعا میں آپ کا انہماک دیکھا حتیٰ کہ چادر مبارک کاندھوں سے گر پڑی تو آپ پر شفقت کے طور پر یہ بات کہی ہو صحابہ کرام کا موقف یہی تھا اسی لئے وہ کہتے تھے کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کی حاضری

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بدر کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرک ایک ہزار ہیں اور آپ کے ساتھی تین سو انیس مرد ہیں تو آپ عریش میں داخل ہوئے اور قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ پھیلائے اور اپنے رب کو بلند آواز سے پکارنے لگے:

اللھم انجزلی ما وعدتنی۔ یا اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔

آپ مسلسل ہاتھ پھیلائے اپنے رب کو پکارتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر ڈال کر آپ کو پیچھے سے پکڑا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! عنقریب اللہ تعالیٰ آپ سے کئے گئے وعدے کو پورا فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ (الانفال: ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا کو قبول کیا کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرنے والا ہوں جو ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے۔ (قطار در قطار)

یعنی تمہاری مدد کے لئے فرشتے بھیجوں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے (لگاتار) آئیں گے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳ کتاب الجہاد) اور اگر دال پر فتح (زبر) پڑھیں (مردفین پڑھیں) تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کے پیچھے ان کی مدد کے لئے لایا۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۲۴)

تین ہزار فرشتے اتار کر۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیچھے تین ہزار فرشتے لایا تو اکثر، کم کے لئے مدد کے طور پر آئے اور ہزار کے پیچھے ان کے علاوہ کو لایا گیا اور ایک ہزار وہی تھے جو مومنوں کے ساتھ مل کر لڑے اور یہ وہی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (الانفال: ۱۲)

پس ایمان والوں کو ثابت (و قائم) رکھو۔

یہ انسانوں (میں سے مَردوں) کی صورت میں تھے اور مومنوں سے کہتے تھے ثابت قدم رہو، بے شک تمہارے دشمن تھوڑے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸)

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی، پھر وہ تین ہزار ہو گئے، پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱)

حضرت سعید بن ابی عروبہ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱)

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بدر کے دن مسلمانوں کو خبر ملی کہ کرز بن جابر[1] مشرکین کی مدد کر رہا ہے تو ان کو یہ بات ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ — کیا تمہیں کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔

(آل عمران ۱۲۴)

فرماتے ہیں کرز کو قریش کی شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مشرکین کی مدد نہیں کی اور مسلمانوں کی مدد پانچ ہزار کے ساتھ نہیں کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: بدر کے دن ابلیس شیطانوں کے ایک لشکر کے ساتھ آیا، اس کے ساتھ ایک جھنڈا تھا اور وہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں تھا۔ شیطان نے مشرکین سے کہا آج کوئی انسان تم پر غالب نہیں آسکتا اور تم میری پناہ میں ہو۔ پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتے آئے تو اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر الٹے پاؤں بھاگ گیا۔ اس شخص نے کہا اے سراقہ! تم تو کہہ رہے تھے کہ تم پناہ دینے والے ہو۔ اس نے کہا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے (یعنی فرشتے) بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ سخت عذاب والا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۷۹، الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۶۹)

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں میں اور حضرت میکائیل علیہ السلام بھی پانچ سو فرشتوں میں اترے جو انسانی شکل میں سیاہ و سفید رنگ والے (چت کبرے) گھوڑے پر تھے، ان پر سفید لباس تھا اور زرد سروں پر سفید عمامے تھے۔ انہوں نے ان کے کناروں کو اپنے کاندھوں کے درمیان چھوڑا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید دستاریں اور حنین کے دن سبز عمامے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید اونی لباس تھا اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھی یہی علامت تھیں، اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲)

(نوٹ: فرشتے نوری مخلوق ہیں، ان کو انسانی لباس کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو انسانی شکل اور لباس میں ظاہر کر سکتا ہے۔ اور بارہا ایسا ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)

ابن مردویہ نے قرآن مجید کے اس لفظ "مسومین" (نشان زدہ) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ ان پر علامات تھیں اور بدر کے دن فرشتوں کی علامت سیاہ عمامے اور حنین کے دن سبز عمامے

[1] کرز بن جابر فہری نے بعد میں اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر شہادت پائی۔ (زرقانی جلد اول ص ۴۲۳)

تھے (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲) اور ابن ابی حاتم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرشتے اترے تو ان کے سروں پر زرد عمامے تھے۔[1] (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲)

لڑائی میں فرشتوں کا شرکت

کہا گیا ہے کہ بدر کے علاوہ فرشتے کبھی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اس کے علاوہ وہ تعداد کو بڑھانے اور مدد کے لئے آتے تھے۔ عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں واضح طور پر یہ بات ذکر کی اور فرمایا کہ فرشتوں کا قتال صرف بدر میں معروف ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں فرشتے صرف بدر کے دن لڑے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۵۸) ابن مرزوق فرماتے ہیں: بدر کے علاوہ فرشتے لڑے نہیں بلکہ وہ خاص طور پر حاضر ہوتے تھے تمام اقوال میں سے یہ قول مختار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (التوبہ: ۲۵)
اور (غزوہ) حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسندی میں ڈالا۔

"نہایۃ البیان فی تفسیر القرآن" میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا گیا کہ کیا اس دن فرشتوں نے بھی لڑائی کی یا نہیں؟ تو اس میں دو قول ہیں ایک جمہور کا قول ہے کہ لڑائی نہیں لڑی، لیکن اس بات کو صحیح مسلم میں مروی روایت رد کرتی ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو مردوں کو دیکھا ان پر سفید کپڑے تھے (فرماتے ہیں) میں نے نہ تو اس سے پہلے ان کو دیکھا اور نہ اس کے بعد یعنی وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ بہت سخت لڑائی لڑ رہے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ فرشتے اتارے، جو آپ کے ساتھ مل کر لڑتے تھے اور اس بات کا بیان بھی ہے کہ فرشتوں کا لڑنا بدر کے دن سے خاص نہیں ہے اور فرمایا کہ یہی بات صحیح ہے اور یہ ان لوگوں کے خلاف ہے جو اس بات کو غزوہ بدر سے خاص کرتے ہیں۔ یہ حدیث ان لوگوں کا واضح رد ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فرشتوں کو دیکھنا انبیاء کرام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء عظام بھی ان کو دیکھتے ہیں۔
(حاشیہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۲)

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح روایات کے مطابق زرد رنگ کے عمامے تھے اور سفید و سیاہ رنگ سے متعلق روایات ضعیف ہیں۔ امام زرقانی فرماتے ہیں زرد رنگ میں فرحت و سرور ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ زرد رنگ کے جوتے پہننے والا خوش رہتا ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۴۲۴)

فرشتوں کے مقتولین

ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کو علم نہ تھا کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ارشاد گرامی کے ذریعے سکھایا۔ فرمایا:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (الانفال: ۱۲)　پس گردنوں کے اوپر مارو۔ (سروں پر مارو)

اور فرمایا:

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ (الانفال: ۱۲)　اور ان میں سے ہر ایک کے پوروں پر مارو۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جوڑ پر مارو۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: تفسیر میں آیا ہے کہ بدر کے دن جو ضرب بھی لگی، وہ سر اور جوڑوں پر لگی اور صحابہ کرام فرشتوں کے قتل کئے ہوئے، لوگوں اور اپنے مقتولوں کے درمیان امتیاز اس طرح کرتے تھے کہ ان کی گردنوں اور پوروں پر سیاہ نشانات تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ مجھ سے بنو غفار (قبیلے) کے ایک شخص نے بیان کیا اس نے کہا: میں اور میرا چچا زاد بھائی آگے بڑھے، حتیٰ کہ ہم ایک ایسے پہاڑ پر چڑھے جس سے بدر نظر آتا تھا اور ہم (دونوں) مشرک تھے ہم اس جنگ کو دیکھ رہے تھے کہ کس کو شکست ہوتی ہے تاکہ جو لوگ مال لوٹیں ہم بھی ان کے ساتھ مل کر مال لوٹیں اس دوران کہ ہم پہاڑ پر تھے کہ ایک بادل ہمارے قریب آیا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک کہنے والے سے سنا جو کہہ رہا تھا۔ اے حیزوم! آگے بڑھو (حیزوم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے)۔ میرے چچا زاد بھائی کے دل کا پردہ پھٹ گیا تو وہ اسی وقت اسی جگہ مر گیا اور میں بھی مرنے کے قریب تھا پھر میں نے اس حالت سے افاقہ پایا۔ یہ واقعہ امام بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ابو نعیم جلد ۲ ص ۱۷۰، دلائل النبوۃ بیہقی ج ۳ ص ۵۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۷۱)

ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ بدر میں ہم میں سے کوئی اپنی تلوار سے مشرک کی طرف اشارہ کرتا تو اس کا سر اس کے جسم سے الگ ہو کر گر جاتا۔ اس سے پہلے کہ اس تک تلوار پہنچے اسے امام حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ امام بیہقی اور ابو نعیم نے بھی اسے روایت کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم الجزء الثانی ص ۱۷۰ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۶)

فرشتوں کے لڑنے میں حکمت

حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فرشتوں کے لڑنے کی کیا حکمت تھی، حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام اس بات کی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے بازو کے

ایک پر سے کفار کو دور کر دیں۔

تو میں نے جواب میں کہا: اس کی حکمت یہ تھی کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا ہو اور فرشتے آپ کے مددگار ہوں، جس طرح لشکروں کی عادت ہے، تاکہ ان اسباب کی صورتوں اور ان کے طریقوں کی رعایت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں جاری کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کاموں کا فاعل ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں سے ہتھیلی بھر کر ان کے چہروں پر ماری اور فرمایا: "شاهت الوجوه - چہرے خراب ہو گئے"۔ (یا اللہ! ان کے چہرں کو بگاڑ دے) تو ہر مشرک کی آنکھوں اور نتھنوں میں کچھ نہ کچھ کنکریاں پڑیں اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قریش کے سرداروں میں سے جو ہلاک ہوا، اسے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اور ان کے سرداروں میں سے کچھ لوگ قیدی بنائے گئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ آیت کریمہ:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب آپ نے پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یہ بدر کے دن ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کنکریاں لے کر ان میں سے ایک کنکری قوم (مشرکین) کے میمنہ (دائیں طرف والوں) پر پھینکی اور ایک کنکری قوم کے میسرہ (بائیں طرف والوں) پر اور ایک کنکری ان کے درمیان میں پھینکی اور فرمایا: چہرے خراب ہو گئے تو وہ لوگ بھاگ گئے۔

متعدد افراد سے مروی ہے کہ یہ آیت بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکریاں پھینکنے کے بارے میں نازل ہوئی، اگرچہ غزوہ حنین میں بھی اسی طرح ہوا جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ اس آیت کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کو سلب کرنا اور آپ کے رب کی طرف اضافت کرنا ہے اور اس آیت کو انہوں نے عقیدۂ جبر (کہ بندہ مجبور محض ہے، اسے کوئی اختیار نہیں) کی بنیاد بنایا اور بندوں کی طرف فعل کی نسبت کو باطل قرار دے کر اس کی نسبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا۔

لیکن ان کا یہ عقیدہ غلط ہے، وہ قرآن پاک کو سمجھ نہیں سکے، اگر ان کا یہ عقیدہ صحیح ہو تو ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنا ہوگا اور یوں کہا جائے گا کہ جب تم نے نماز پڑھی تو وہ تم نے نہیں پڑھی اور جب تم نے روزہ رکھا تو وہ تم نے نہیں رکھا اسی طرح تم جو بھی کام کرو وہ تم نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔

اور اگر وہ لوگ ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیں تو ان پر لازم ہوگا کہ وہ بندوں کے کاموں میں ان کی اطاعت کریں یا ان کی نافرمانی کریں اس وقت کوئی فرق نہ ہوگا۔ (کیونکہ ان کے نزدیک یہ بندوں کے افعال نہ ہوں

گے، بلکہ ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے افعال قرار پائیں گے) اور اگر وہ اس بات کو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کریں اور آپ کے تمام افعال یا صرف کنکریاں مارنے کے ساتھ خاص کرتے ہیں تو ان کے کلام میں تناقض ہو گا۔ پس ان لوگوں کو اس آیت کی مراد سمجھنے کی توفیق نہیں دی گئی۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان کا اس حد تک پھینکنا ممکن نہیں تو ابتداء یعنی پھینکنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا اور اس کی انتہا یعنی پہنچانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا تو اس کا پھینکنا جو آغاز ہے، اس کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی اور پہنچانا جو انتہا ہے، آپ سے اس کی نفی کر دی۔

اس کی مثال اسی آیت میں ہے کہ فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال:۱۷)

پس انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔

پھر فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ (الانفال: ۱۷)

اور آپ نے کنکریاں نہیں ماریں، جب آپ نے کنکریاں ماریں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماریں۔

تو اس بات کی خبر دی کہ صرف اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں تک کنکریوں کو پہنچایا۔ حضور علیہ الصلوۃ السلام نے نہیں، لیکن آیت میں اشارہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے ہیں، جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں، پس شکست، جنگ اور مدد وغیرہ۔ سب کچھ حضور علیہ السلام کی طرف مضاف ہے اس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین مددگار ہے۔

دو معجزے

ابن اسحاق فرماتے ہیں: حضرت عکاشہ بن محصن اسدی بدر کے دن اپنی تلوار کے ساتھ لڑ رہے تھے حتیٰ کہ وہ ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں لکڑی کی ایک خشک شاخ عطا فرمائی اور فرمایا: اس کے ساتھ لڑو۔ انہوں نے اسے حرکت دی تو وہ ان کے ہاتھ میں لوہے کی طویل، مضبوط اور سفید تلوار بن گئی، پھر وہ اس کے ساتھ لڑائی لڑتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس تلوار کا نام "عون" تھا، پھر وہ حضرت عکاشہ کے پاس رہی اور وہ کئی معرکوں میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے اور جب وہ شہید ہوئے تو وہ تلوار انہی کے پاس تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۷۳)

کٹا ہوا ہاتھ جڑ گیا

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنا (کٹا ہوا) ہاتھ اٹھا رکھا تھا جس پر عکرمہ بن ابو جہل نے تلوار ماری تھی۔ وہ ہاتھ چمڑے کے ذریعے لٹک رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس پر لعاب مبارک لگایا تو وہ جڑ گیا۔
یہ بات قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ (بن وہب) کے طریق سے معاذ بن عمرو سے نقل کرتے ہوئے ذکر کی ہے۔
ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ زندہ رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۷۳)

قلیب (کنوئیں) کے سامنے

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ہونے والوں (کفار) کو کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا تو وہ اس میں ڈالے گئے، مگر امیہ بن خلف اپنی زرہ میں پھول گیا اور اس نے اس (زرہ) کو بھر دیا تو اس پر مٹی اور پتھر ڈال کر اسے چھپا دیا گیا۔
ان کو قلیب (کنوئیں) میں ڈالا گیا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴) اور دفن نہ کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اگر صحابہ کرام کو ان مردار کفار کے دفن کا حکم دیا جائے تو ان کی کثرت کی وجہ سے صحابہ کرام پریشان ہوں گے۔ پس ان کو کنوئیں کی طرف کھینچنا آسان تھا۔
طبرانی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کفار کی قتل گاہیں دکھاتے تھے، جنہوں نے دوسرے دن مرنا تھا۔ آپ فرماتے کل انشاء اللہ! یہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ ان حدود سے ان لوگوں نے تجاوز نہیں کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں، حتیٰ کہ آپ ان تک پہنچے اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا؟ بے شک میں نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا جو اس نے مجھ سے فرمایا تھا۔
ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پکارا: اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل بن ہشام! (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴) بعض ناموں کا ذکر محل نظر ہے کیونکہ امیہ بن خلف کنوئیں میں نہیں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ بھاری تھا اور پھول چکا تھا لہٰذا اس پر انہوں نے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے غائب کر دیا تھا، لیکن ان دو روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ وہ قلیب (کنوئیں) کے قریب تھا۔ پس دوسروں کے ساتھ اسے بھی پکارا گیا کیونکہ وہ ان کے سرداروں میں سے تھا۔
ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل قلیب! تم بہت برا قبیلہ تھے، تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ان جسموں سے کس طرح گفتگو فرماتے ہیں جن میں روح نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں جو کچھ کہتا ہوں اسے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، البتہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اہل قلیب کی سماعت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اس وقت وہ جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے، پھر ام المومنین نے یہ آیت پڑھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى۔ (النمل: ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

تو ام المومنین کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات کا مطلقاً انکار کرتی ہیں کیونکہ وہ فرماتی ہیں کہ وہ اس وقت جانتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تاکہ ان کو جھڑک، حقارت، عذاب اور حسرت ہو۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو ان کی سماعت کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اور حدیث غریب (وہ صحیح حدیث جس کا راوی ایک ہو غریب کہلاتی ہے) میں ابن اسحاق کے مغازی میں یونس بن بکیر کی روایت سے جید سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، اسے ان کے مقابلے میں تم زیادہ نہیں سنتے۔ اسے امام احمد نے حسن سند کے ساتھ کیا۔ (مسند احمد)

اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا ام المومنین نے انکار سے رجوع کر لیا۔ جب ان کے ہاں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہو گیا کیونکہ اس واقعہ میں آپ خود موجود نہ تھیں۔

اسماعیلی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت سمجھدار، ذہین اور کثرت روایات اور علم کے سمندر میں خوب غوطہ لگانے والی تھیں کہ جس پر اضافہ نہیں ہو سکتا لیکن ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں کی روایت کو ان کی مثل روایت کے ذریعے ہی رد کیا جا سکتا ہے، جو اس کے منسوخ ہونے یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کی روایت انکار اور دوسروں کی روایت اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے، کیونکہ ارشاد خداوندی "انک لا تسمع الموتی" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ وہ اب سن رہے ہیں، کیونکہ سنانے کا مطلب سنانے والے کا سننے والے کے کان میں آواز پہنچانا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو سنایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو ان تک پہنچایا۔

اور ان کی اس بات کا جواب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جانتے ہیں۔ پس اگر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو یہ اس روایت کے خلاف نہیں جس میں فرمایا "یسمعون" (وہ سنتے ہیں) بلکہ یہ اس روایت کی تائید ہے۔

امام سہیلی نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسی بات ہے جو عادت کے خلاف امور پر دلالت کرتی ہے (یعنی معجزہ پر) کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کلام کرتے ہیں جو مردار ہو گئے تو آپ نے ان کو وہ جواب دیا جو دیا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: جب یہ بات جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے تھے تو ان کا سننے والا ہونا بھی جائز ہے یا تو وہ سروں کے کانوں ساتھ تھا جب ہم کہیں کہ روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے یا بعض سوال کے وقت جسم کے بعض حصے کی طرف۔ اور یہ اکثر اہل سنت کا قول ہے۔ یا دل کے کانوں یا روح کے زور سے سننا مراد ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب پر ہے، جو کہتے ہیں کہ یہ سوال روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پورے جسم یا اس کے بعض حصے کی طرف نہیں۔

امام سہیلی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ۔ (الفاطر: ۲۲)

اور آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں۔

اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا:

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ۔ (الزخرف: ۴۰)

کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو راستہ دکھائیں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا اور توفیق عطا فرماتا ہے۔ نیز وہ دلوں کے کانوں تک نصیحت کو پہنچاتا ہے، آپ نہیں پہنچاتے۔ کافروں کو مردہ اور بہرہ قرار دیا یعنی ان کو مردوں اور بہروں سے تشبیہ دی تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ حق ان کو سناتا ہے جب چاہے نہ اس کا نبی اور نہ کوئی دوسرا۔ پس اس وقت آیت کے ساتھ دو وجہوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کافروں کو ایمان کی دعوت دینے سے متعلق ہے اور دوسری بات یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی نفی کی ہے کہ آپ ان کو سنانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سنانے والا ہے جب چاہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷)

علامہ ابن جابر (محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی صاحب الشرح الفیہ) نے کیا خوب فرمایا:

بدا یوم بدر وھو کالبدر حولہ	کواکب فی افق الکواکب تنجلی
وجبریل فی جند الملائک دونہ	فلم تغن اعداد العدو المخذل
رمی بالحصی فی اوجہ القوم رمیۃ	فشردھم مثل النعام المجفل

وجاد لھم بالمشرفی فسلموا — فجادلہ بالنفس کل مجندل
عبیدۃ سل عنھم وحمزۃ واستمع — حدیثھم فی ذلک الیوم من علی
فھم عتبوا بالسیف عتبۃ اذ غدا — فذاق الولید الموت لیس لہ ولی
وشیبۃ لما شاب خوفا تبادرت — الیہ العوالی بالخضاب المعجل
وجال ابوجھل فحقق جھلہ — غداہ تردی بالردی عن تذلل
فاضحی قلیبا فی القلیب وقومہ — یومونہ فیھا الی شر منھل
وجاء لھم خیر الانام موبخا — ففتح من اسماعھم کل مقفل
واخبر ما انتم باسمع منھم — ولکنھم لا یھتدون لمقول
سلا عنھم یوم السلا اذ تضاحکوا — فعاد بکاء عاجلا لم یؤجل
الم یعلموا علم الیقین بصدقہ — ولکنھم لا یرجعون لمعقل
فیا خیر خلق اللہ جاھک ملجی — وحبک ذخری فی الحساب وموئلی
علیک صلاہ یشمل الال عرفھا — واصحابک الاخیار اھل التفضل

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح ظاہر ہوئے۔ آپ کے گرد جو لوگ تھے، وہ ستاروں کی طرح روشن و ظاہر تھے"۔

"اور حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے لشکر میں ان کے قریب تھے۔ پس ذلیل دشمن کی تعداد اس کے کام نہ آئی"۔

"آپ نے (دشمن) قوم کے چہروں پر کنکریاں مار کر ان کو اس، شتر مرغ کی طرح بھگا دیا جس کو کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا"۔

"آپ نے مشرفی تلوار کے ذریعے ان سے لڑائی کی (یا ان سے سخاوت کی) تو ہر پچھڑے ہوئے نے آپ کے لیے اپنے نفس کے ساتھ سخاوت کی اور انہوں نے اپنے آپ کو سونپ دیا"۔

"ان کے بارے میں حضرت عبیدہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما سے پوچھو اور ان کی اس دن کی بابت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے سنو"۔

"انہوں نے عتبہ کو تلوار سے مارا جب وہ لڑائی کے لیے آیا اور ولید نے موت کو چکھا اور اس کا کوئی مددگار نہ تھا"۔

"اور جب شیبہ کے بال خوف سے سفید ہو گئے تو نیزوں کے بھالوں نے (سرخ) خضاب (یعنی خون) کی طرف جلدی کی"۔

"اور ابوجہل نے میدان میں چکر لگایا تو اس کی جہالت ثابت ہو گئی۔ اس دن جس دن اس نے ذلت کی چادر اوڑھ لی"۔

"وہ قلیب بدر میں ڈالا گیا اور اس کی قوم برے چشمے کا قصد کر رہی تھی (لے جا رہی تھی)"۔
"اور مخلوق میں سب سے بہتر (نبی اکرم) علیہ السلام ان کے پاس ان کو جھڑکتے ہوئے تشریف لائے تو ان کے کانوں کے تمام تالے کھول دیئے"۔
"اور آپ نے بتایا کہ اے صحابہ کرام! تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ بول نہیں سکتے"۔
"ان سے یوم سلا کے بارے میں پوچھو[1] جب وہ ہنستے تھے تو ان کی ہنسی فوراً رونے میں بدل گئی"۔
"کیا انہیں آپ کی صداقت کا علم یقینی حاصل نہیں ہوا لیکن وہ اپنی جائے پناہ کی طرف لوٹ نہیں سکتے"۔

"اے مخلوق میں سے بہترین ذات! آپ کا جاہ و مرتبہ میری پناہ گاہ ہے اور روز حساب آپ کی محبت میرا ذخیرہ اور بھروسہ ہے"۔
"آپ پر رحمت ہو جس کی عمدہ خوشبو آپ کے آل و اصحاب کو شامل ہو جو بہترین اور فضیلت والے ہیں"۔

خبر اور واقعہ

علامہ ابن مرزوق سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بدر کے مقام سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کو عذاب دیا جا رہا ہے اور وہ رو رہا ہے، جب آپ گزر گئے تو اس نے آواز دی: اے عبداللہ! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ میرے نام سے واقف ہے یا جیسے کہا جاتا ہے کہ کسی کا نام معلوم نہ ہو تو عبداللہ کہا جائے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا: مجھے پانی پلائیں۔ میں نے پانی پلانے کا ارادہ کیا تو وہ حبشی جو اس کو سزا دینے پر مقرر تھا، کہنے لگا: اے عبداللہ! ایسا نہ کرنا یہ ان مشرکین میں سے ہے۔ جن کو نبی اکرم نے بدر میں قتل کیا۔[2] (طبرانی فی الاوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۸۰)
ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ بدر کی باقی نشانیوں میں سے یہ نشانی بھی ہے کہ میں کئی حاجیوں سے سنا کرتا تھا کہ جب وہ اس مقام سے گزرتے تو شاہان وقت کے طبل کی آواز کی مثل سنتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ ایمان والوں کی

[1] جانور کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ جو گندگی ہوتی ہے اس کو سلا کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے آپ کے کاندھوں کے درمیان یہ گندگی ڈالی اور ہنسنے لگے تو اس کی طرف اشارہ ہے۔
(زرقانی جلد اول ص ۵۰۷-۵۰۶)... ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں جلدی جلدی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور اس بات کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل ہے اور اسے قیامت تک یہ عذاب دیا جائے گا۔
(زرقانی جلد اول ص ۵۰۷)... ۱۲ ہزاروی

مدد کے لیے ہے وہ فرماتے ہیں کبھی میں اس کا انکار کرتا اور کبھی اس کی تاویل یوں کرتا کہ شاید وہ جگہ سخت ہو اور اس میں جانوروں کے کھروں کی آواز آتی ہو تو مجھے کہا جاتا کہ یہ جگہ نرم ریتلی ہے سخت نہیں ہے۔

اور عام طور پر وہاں اونٹ چلتے ہیں اور ان کے سموں سے سخت زمین میں بھی آواز پیدا نہیں ہوتی تو ریت میں کیسے پیدا ہوگی؟

فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے جب مجھ پر احسان کیا کہ میں اس قابل عزو شرف مقام پر پہنچا تو میں اپنی سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگا اور میرے ہاتھ میں سعدان کے درخت کی ایک لمبی لکڑی تھی جسے ام غیلان کہا جاتا ہے اور وہ بات جو میں سنا کرتا تھا، بھول گیا تھا۔ میں گرمی میں چل رہا تھا تو مجھے جنگل میں رہنے والے اونٹوں والوں کے ایک غلام نے ڈرا دیا۔ اس نے کہا: طبل کی آواز سنتے ہو۔ میں نے اس کی بات سنی تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور مجھے وہ بات یاد آگئی۔

اس وقت فضا میں ہوا چل رہی تھی، میں نے طبل کی آواز سنی تو میں خوشی یا خوف یا جو کچھ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کی وجہ سے حیرت زدہ تھا، مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ شاید اس لکڑی میں ہوا ٹھہر گئی ہے، جو میرے ہاتھ میں ہے اور اس قسم کی آواز پیدا ہو گئی ہے۔ میں اس بہت بڑی نشانی کی تحقیق کی حرص رکھتا تھا، چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکڑی کو پھینک دیا اور زمین پر بیٹھ گیا یا کھڑا رہا یا پھر سب کچھ کیا تو میں نے طبل کی آواز واضح سنی یا ایسی آواز جس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہ طبل کی آواز ہے۔ یہ آواز دائیں جانب سے آرہی تھی اور ہم مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے، پھر ہم بدر میں اترے تو میں سارا دن یہ آواز بار بار سنتا رہا۔

ابن مرزوق فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ آواز سب لوگ نہیں سنتے۔

قیدیوں کا معاملہ

امام طبرانی نے ابوالیسر (کعب بن عمرو انصاری سلمی) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہا! انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا اور آپ جسیم تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ابوالیسر نے آپ کو کیسے قید کر لیا حالانکہ وہ پست قد ہیں اگر آپ چاہتے تو ان کو اپنی ہتھیلی میں رکھ لیتے تو انہوں نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ جب ان کے ساتھ میرا مقابلہ ہوا تو وہ میری آنکھوں میں خندمہ کی طرح تھے اور خندمہ مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے قاموس میں اسی طرح ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۷۴)

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قیدیوں کے باندھنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نہایت سخت باندھا[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ کو نیند نہ آئی۔ انصار کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھول دیا، گویا انصار سمجھ گئے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کھولنے پر راضی ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رضا

ل؎ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ایمان لائیں گے۔ (زرقانی جلد اول ص ۵۰۹)

حاصل کرنے کی خاطر سوال کیا کہ ان سے فدیہ لیے بغیر ان کو چھوڑ دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔

امام احمد بن حنبل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قابو میں دیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی گردنیں مار دیں۔ آپ نے ان سے اعراض فرمایا۔ پھر مشورہ لیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر طاقت بخشی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کی گردنیں مار دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر توجہ نہ دی۔ تین مرتبہ ایسا ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ آپ ان کو معاف کر دیں اور ان سے فدیہ وصول کریں۔ (یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے غم کے آثار زائل ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول کیا۔

راوی [illegible] ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ [illegible] فرمائی: (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص [illegible]

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (الانفال: ۶۹-۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

اس پر مزید کلام چھٹے مقصد کی دسویں نوع میں آیات مشکلات سے شبہات کے ازالہ کے ضمن میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اپنا فدیہ اور اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث نیز اپنے حلیف عقبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں مسلمان تھا لیکن میری قوم نے مجھے مجبور کیا۔ آپ نے فرمایا: جو کچھ آپ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے زیادہ جانتا ہے۔ اگر آپ کا قول سچا ہوا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے گا لیکن آپ بظاہر ہمارے خلاف تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۲)

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں، ان کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے)
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۲)

ابو نعیم کے ہاں دلائل میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر ایک سو اوقیہ اور عقیل پر اسی اوقیہ سونا مقرر کیا۔ حضرت عباس نے پوچھا: کیا قرابت کی وجہ سے آپ نے یہ فدیہ مقرر کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اے نبی! جو قیدی آپ کے ہاتھ ہیں آپ ان سے فرما دیں کہ اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو تمہیں

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ۔ اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا۔
(الانفال: ۷۰)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی بنیاد پر فرمایا: کاش مجھ سے اس سے دوگنا لے لیا جاتا۔

مسلمان شہداء

بدر کے دن مسلمانوں کے چودہ افراد شہید ہوئے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار سے جن میں سے چھ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور دو اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔[1]

صحیح بخاری میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبوداروں کے بارے میں کلام کرتا تو میں اس کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴۳) (مطعم بن عدی نے طائف سے آپ کی واپسی پر آپ کو پناہ دی تھی اور آپ اسی احسان کا بدلہ چکانا چاہتے تھے... ۱۲ ہزاروی۔)

تنبیہ

ان صحابہ کرام کی شہادت سے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوئے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور مسلمان غالب ہوئے جیسا کہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کا

---

[1] حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت مہجع جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، حضرت عمیر بن ابی وقاص (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی) حضرت عاقل بن بکیر لیثی، حضرت صفوان بن بیضاء فہری، ذوالشمالین حضرت عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔

حضرت عوف بن عفراء ان کے بھائی معوذ بن عفراء، حارثہ بن سراقہ، یزید بن حارث، رافع بن معلی اور عمیر بن حمام رضی اللہ عنہم انصار میں سے تھے اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت سعد بن خیثمہ اور مبشر بن عبد المنذر کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔

وعدہ پورا ہونے والا تھا اور مسلمانوں کو مدد ملنے والی تھی۔ (والحمدللہ)

مشرکین کے مقتولین اور قیدی

مشرکین کے ستر افراد قتل ہوئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے اور ان میں سے افضل حضرت عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم تھے اور بعد میں یہ تینوں مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اسلام

علمائے تاریخ کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو چھپاتے تھے اور بدر کے دن مشرکین کے ہمراہ نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) جس کے مقابل آئیں وہ آپ کو قتل نہ کرے کیونکہ آپ مجبوراً (بادل نخواستہ) نکلے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنا فدیہ دیا اور مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ آپ بدر کے دن مسلمان ہوئے اور فتح (مکہ) کے دن آپ نے مقام ابواء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور فتح مکہ کے وقت آپ کے ہمراہ تھے اور اس فتح سے مکہ مکرمہ سے ہجرت ختم ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ فتح خیبر کے دن مسلمان ہوئے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے اور فتح مکہ کے دن اظہار فرمایا اور آپ بدر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور آپ مشرکین کی خبریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا چاہتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف لکھا: مکہ مکرمہ میں آپ کا ٹھہرنا آپ کے لیے بہتر ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ آپ نے بیس اوقیہ (آٹھ سو درہم) سونا بدر میں مشرکین کو کھانا دینے کے لیے الگ کیا اور لڑائی کے دوران وہ (بطور مال غنیمت) لے لیا گیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ یہ بیس اوقیہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کیا جائے لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: جو چیز آپ نے ہمارے خلاف مدد کے لیے نکالی ہے، ہم اسے آپ کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ نے مجھے اس حالت میں چھوڑ دیا کہ میں قریش کے ذریعہ کفایت (مدد) حاصل کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سونا کہاں ہے جو آپ نے حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دیا تھا جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں کیونکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔[1]

فتح کی خوشخبری اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان شریف کے آخر میں بدر (کے غزوہ) سے فارغ ہوئے وہ شوال کا پہلا دن تھا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خوشخبری کے ساتھ بھیجا۔ وہ چاشت کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے تو لوگ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرانور پر مٹی ڈالنے کے بعد ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بارے میں یہی صحیح بات ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت موجود تھے۔ آپ ان کی قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا: کون ہے جس نے آج رات عورت کا قرب حاصل نہ کیا ہو۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ہوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میت کو قبر میں اتارنے کا حکم دیا۔

امام بخاری نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی، وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تدفین کے وقت حاضر ہوئے۔ پھر مکمل حدیث ذکر کی لیکن حضرت رقیہ یا کسی دوسری صاحبزادی کا نام نہیں لیا۔

امام طبرانی نے ذکر کیا کہ وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں تو طبرانی کی حدیث میں بیان ہے اور جس نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا اسے وہم ہوا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے (غزوہ سے) پیچھے رہ گئے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے (مال غنیمت سے) حصہ بھی مقرر فرمایا اور اجر بھی۔

مدینہ طیبہ کے راستے میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا تو انہوں نے اسے باندھ کر قتل کیا اور عاصم بن ثابت، حضرت عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے نانا تھے۔[2]

---

[1] حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی یہ بات مسلمہ تھی کہ نبی غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اسی لیے اس خبر کے بعد انہوں نے توحید و رسالت کی شہادت دی، تو ایسے لوگوں پر افسوس ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بھی مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کئے گئے علم غیب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتح الباری میں فرمایا کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے حضرت عاصم بن ثابت، حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے نانا نہیں بلکہ ماموں تھے کیونکہ ان کی والدہ جمیلہ، عاصم بن ثابت کی بہن تھیں۔

(زرقانی جلد اول ص ۴۳۸)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ مشرکین قیدی بھی تھے اور وہ مال غنیمت جو حاصل ہوا تھا وہ بھی ساتھ لیا اور اس پر عبداللہ بن کعب کو مقرر کیا جن کا تعلق بنو مازن قبیلے سے تھا۔ جب مضیق الصفراء سے آگے نکلے تو مال غنیمت مسلمانوں پر برابر تقسیم فرمایا۔

اور مقام صفراء میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا، پھر آپ مدینہ طیبہ کی طرف چلے حتیٰ کہ قیدیوں سے ایک دن پہلے پہنچ گئے۔ جب قیدی وہاں پہنچے تو آپ نے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا۔

قیدیوں کے بارے میں فقہی حکم

جمہور علماء کے نزدیک قیدیوں کا حکم یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکمران کو اختیار ہے، اگر چاہے تو ان کو قتل کرے جیسا کہ بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا اور اگر چاہے تو مالی فدیہ لے جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا گیا اور اگر چاہے تو انہیں غلام بنالے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ علماء کا مذہب ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔[1]

فتح کی خبر مکہ مکرمہ میں

جب ابوسفیان بن حارث بدر سے مکہ مکرمہ پہنچے تو ابولہب نے ان سے قریش کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قوم سے ملے تو ہم نے ان کو اپنے کاندھے (گردنیں) پیش کردیے کہ وہ جس طرح چاہیں ہمیں قتل کریں اور جیسے چاہیں، قیدی بنائیں اور اللہ کی قسم! اس کے باوجود میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ ہم نے سفید رنگ کے مردوں کو دیکھا وہ چت کبرے (سفید و سیاہ رنگ والے) گھوڑوں پر آسمان و زمین کے درمیان تھے۔ اللہ کی قسم! ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ جو (پہلے) حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے، فرماتے ہیں: اسلام ہمارے اندر داخل ہوچکا تھا۔[2] میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ فرشتے تھے۔ (یہ سن کر) ابولہب نے ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے پر تھپڑ مارا تو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا اٹھیں اور ایک لکڑی لے کر ابولہب کے سر پر ماری اور فرمایا کہ جب اس کا مالک غائب ہے تو تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔

فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ صرف سات راتیں زندہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدسہ (پھنسی) میں مبتلا کر

---

[1] فقہ حنفی کے مطابق قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے حکمران کو اختیار ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ہدایہ ثانی ص۵۴۶ باب الغنائم و قسمتہا)

[2] حضرت عباس، حضرت ام الفضل اور ابو رافع تینوں اسلام لائے۔ ابو رافع بدر سے پہلے اسلام لائے اور غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔

دیا جسے عرب نحوست کی علامت سمجھتے تھے۔ کہا گیا کہ یہ سخت متعدی بیماری ہے۔ پس اس کے بیٹے بھی اس سے دور ہوگئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ وہ مرنے کے بعد تین دن تک یوں ہی پڑا رہا کہ کوئی شخص اس کے جنازے کے قریب نہ جاتا اور نہ اسے دفن کرنے کے لیے تیار ہوا۔ جب انہوں نے اسے ایسی حالت میں چھوڑنے میں طعنوں کا خوف محسوس کیا تو ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی کے ذریعے اس میں ڈال دیا اور دور دور سے پتھر پھینک کر اسے چھپا دیا۔

ابن عقبہ فرماتے ہیں: قریش کے مقتولوں پر ایک مہینے تک رونا پیٹنا جاری رہا۔

بدر اور اُحد کے درمیان کے واقعات

عمیر عصماء کا قتل

اس کے بعد عمیر بن عدی خطمی کا سریہ ہے اور یہ اس وقت ہوا جب رمضان المبارک کی پانچ راتیں رہتی تھیں اور ہجرت کے بعد انیس ماہ گزر چکے تھے۔ یہ دستہ عصماء بنت مروان (یہودی عورت) کی طرف گیا۔ یہ خاتون یزید بن زید خطمی کی بیوی تھی اور اسلام پر عیب لگاتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتی تھی۔ حضرت عمیر بن عدی جو نابینا تھے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بصیر (دیکھنے والا) کہتے تھے) رات کے وقت اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس کے گرد اس کی اولاد سوئی ہوئی تھی جن میں دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔ انہوں نے اسے ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے کو اس سے الگ کر کے تلوار اس عورت کے سینے پر رکھی حتی کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گئی پھر صبح کی نماز مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور آپ کو اس بات کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تم سے کوئی معارضہ نہیں کرے گا اور نہ اس کے بارے میں پوچھے گا کیونکہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۸)

علماء کرام فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام "لاینطح فیھا عنزان" (تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا) یہ ایسا بلیغ اور مختصر کلام ہے کہ آپ سے پہلے کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا اور اس کی کئی مثالیں آگے آئیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عید الفطر کی نماز

شوال کے شروع میں آپ نے عید کی نماز پڑھی (آپ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور سامنے نیزہ گاڑ کر نماز پڑھی۔ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ نماز آپ نے بدر میں ادا کی تھی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کدر کے مقام پر غزوہ بنو سلیم

شوال کے شروع میں ہی اور بعض کے نزدیک بدر کے سات دن بعد اور کسی کے نزدیک تیسرے سال نصف محرم الحرام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلیم کے ارادے سے تشریف لے گئے اور ایک پانی پر پہنچے جس

کو کدر کہا جاتا ہے اور یہ غزوہ، غزوہ قرقرہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ زمین نرم ہے۔
کدر ایک پرندہ ہے جس کا رنگ مٹیالا ہے جو اس جگہ معروف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے۔ کہا گیا ہے کہ دس دن ٹھہرے لیکن آپ کا کسی سے مقابلہ نہ ہوا۔
اس دوران آپ (مدینہ طیبہ سے) پندرہ دن باہر رہے اور آپ نے مدینہ طیبہ میں سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا۔
ابن سعد نے غزوہ سویق کے بعد اس کا ذکر کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۱)

ابو عفک یہودی کا قتل

پھر سالم بن عمیر کا سریہ ہے جو ابو عفک یہودی کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ یہودی بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو ابھارتا تھا اور اس سلسلے میں شعر کہتا تھا۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس یہودی کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی تلوار اس کے جگر پر رکھی پھر اس پر دباؤ ڈالا، حتیٰ کہ وہ بستر میں گھس گئی۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو عفک چیخا تو وہ لوگ جو اس کی بات پر اعتماد کرتے تھے، ان میں سے کچھ اس کی طرف کود گئے اور اسے گھر کے اندر لے گئے، حتیٰ کہ وہ مر گیا۔[1]
یہ سریہ ہجرت کے بیس مہینے بعد شوال میں ہوا۔

غزوہ بنو قینقاع

پھر غزوہ بنو قینقاع واقع ہوا "قینقاع" کے نون پر زبر، زیر اور پیش تینوں پڑھی جاتی ہیں لیکن پیش پڑھنا زیادہ مشہور ہے یہ یہود مدینہ کا ایک بطن (قبیلہ) تھا جو بہادر اور صابر لوگ تھے۔
یہ واقعہ ہجرت کے بیس ماہ بعد جب نصف شوال گزر چکا تھا ہفتہ کے دن پیش آیا۔
(السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۸۵)

ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی تین قسمیں تھیں:
۱۔ ایک قسم ان کفار کی تھی جنہوں نے حضور علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ وہ آپ سے نہ تو لڑیں گے اور نہ آپ کے خلاف دشمن کو ترغیب دیں گے اور یہ یہودیوں کے تینوں گروہ، قریظہ، نضیر اور بنو قینقاع تھے۔
۲۔ دوسری قسم کے کفار وہ تھے جنہوں نے آپ سے لڑائی کی اور دشمنی کا اظہار کیا جیسے قریش۔
۳۔ تیسری قسم میں وہ کفار شامل ہیں جنہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ کے دین کے نتیجہ انتظار کرنے لگے۔

[1] یہ یہودی حضور علیہ السلام کی توہین کرتا تھا تو آپ نے فرمایا کون اس خبیث سے میرا بدلہ لے گا؟ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے قسم ہے میں ابو عفک کو قتل کروں گا یا خود مر جاؤں گا۔ (زرقانی جلد اول ص ۷ ۵۲)...۱۲ ہزاروی۔

جس طرح عرب کے کئی گروہ تھے، ان میں سے بعض اندر اندر سے آپ کے غلبہ کے خواہش مند تھے۔ جیسے بنو خزاعہ اور کچھ کا نظریہ اس کے برعکس تھا جیسے بنو بکر اور ان میں سے بعض وہ تھے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ تھے اور اندرونی طور پر آپ کے دشمن کے ساتھ تھے اور یہ منافق تھے۔

یہودیوں میں سب سے پہلے جس نے وعدہ کی خلاف ورزی کی وہ بنو قینقاع تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد شوال میں ان سے لڑائی لڑی۔ واقدی لکھتے ہیں۔ ایک مہینے کے بعد (یہ واقعہ ہوا)

امام حاکم نے عجیب بات کی ان کا گمان ہے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلاوطنی ایک ہی وقت میں ہوئی لیکن یہ بات پہلے قول کے موافق نہیں کیونکہ بنو نضیر کی جلاوطنی بدر کے چھ مہینے بعد ہوئی جس طرح حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا اس کے ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد ہوئی۔ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔

بنو قینقاع کا معاملہ یوں ہوا کہ ایک عربی عورت ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھی تھی تو اس نے اس عورت کو چہرہ ننگا کرنے کے لیے پھسلایا (مجبور کیا)۔ اس نے انکار کیا۔ اس نے اس کے کپڑے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے کپڑے کو عورت کی کمر سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھیں تو ان کی شرم گاہ کھل گئی۔ اس پر یہودی ہنس پڑے۔ عورت چلائی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص زرگر پر کود پڑا اور اسے قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں اور بنو قینقاع کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو اپنا نائب بنایا اور ان لوگوں کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے پندرہ روز (ذی قعدہ کا چاند طلوع ہونے) تک ان کا سخت محاصرہ کیا۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اس شرط پر اترے کہ ان کے مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوں اور ان کی عورتیں اور بچے ان لوگوں کے لیے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن قدامہ سلمی رضی اللہ عنہ کو اُن کی مشکیں کسنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن ابی سلول نے ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور ان کے لیے منت سماجت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھولنے کا حکم دیا اور قتل نہ کیا، لیکن ان کو مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ (شام کے ایک شہر) اذرعات کی طرف چلے گئے۔ وہاں وہ بہت تھوڑا عرصہ رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعے سے ہتھیار اور بہت سا سامان حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹)

بنو قینقاع عبداللہ بن ابی اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیف تھے۔ پس حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان سے برأت کا اعلان فرمایا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے حلف سے برأت اختیار کرتا ہوں اور کفار کے حلف اور دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، چنانچہ ان کے اور عبداللہ بن ابی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ — اے ایمان والو! یہودی اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ،

وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (المائدہ: ۵۱) وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (المائدہ:۵۶) پس بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(سیرت النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۱)

غزوہ سویق

پھر ہجرت کے بائیسویں مہینے میں جب کہ ذوالحجہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں۔ اتوار کے دن غزوۂ سویق ہوا۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۸۹) ابن اسحاق کہتے ہیں: یہ صفر میں ہوا اور اس کو غزوۂ سویق اس لیے کہتے ہیں کہ مشرکین کا زیادہ توشہ ستو تھے۔ (سویق کا معنی ہے ستو) اور وہ مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ملے۔ اس میں آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ طیبہ میں چھوڑا تھا۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر بدر سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس ہوئے تو انہوں نے نذر مانی کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی نہ لڑیں، وہ عورت اور تیل کو ہاتھ نہ لگائیں گے، چنانچہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے قریش کے دو سو سواروں کو لے کر نکلے۔ حتیٰ کہ عریض کے مقام پر آئے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، چنانچہ ان لوگوں نے کھجوروں کے درخت جلائے اور انصار میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا۔

ابوسفیان نے سمجھا کہ اس کی قسم پوری ہو گئی ہے تو وہ اپنی قوم کو لے کر واپس چلا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجرین وانصار کو لے ان کی تلاش میں نکلے۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھی ستو کی بوریاں پھینکتے جاتے تھے اور یہی ان کی عام خوراک تھی۔

وہ بھاگنے کے لیے اپنے آپ کو ہلکا کر رہے تھے۔ پس مسلمانوں نے وہ بوریاں اٹھا لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تک نہ پہنچ سکے اور مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

دوسرے سال کے واقعات

ذوالحجہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی اور قربانیوں کا حکم دیا۔

اسی سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

اور شوال میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

حضرت علی المرتضیٰ کا خاتون جنت سے نکاح

اسی سال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حافظ مغلطائی نے اسی طرح کہا ہے۔

طبری نے اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" میں کہا ہے کہ انہوں نے ہجرت کے دوسرے سال صفر کے مہینے میں حضرت خاتون جنت سے نکاح کیا اور ہجرت کے بائیس ماہ بعد ذوالحجہ میں رخصتی ہوئی۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ غزوہ احد کے بعد رخصتی ہوئی۔ ان کے غیر نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد حضرت خاتون جنت کے ساتھ نکاح ہوا اور اس کے ساڑھے سات ماہ بعد رخصتی ہوئی۔

نکاح کے وقت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پندرہ سال اور پانچ ماہ یا ساڑھے چھ ماہ تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت اکیس سال اور پانچ ماہ تھی اور آپ نے حضرت خاتون جنت کی موجودگی میں کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا پھر وہ دونوں حضرت علی کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ یہ رشتہ طلب کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں حضرات نے مجھے ایک بات سے آگاہ اور خبردار کیا تو میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میرا نکاح کر دیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے۔

نبی اکرم نے فرمایا: جہاں تک گھوڑے کا تعلق ہے تو وہ تمہارے لیے ضروری ہے اور زرہ کو بیچ دو۔ فرماتے ہیں: میں نے چار سو اسی درہم کے بدلے زرہ بیچی (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ خرید کر پھر تحفے کے طور پر دے دی اور یہ ان حضرات کے درمیان باہمی محبت کی دلیل ہے... ۱۲ ہزاروی)

فرماتے ہیں: میں یہ رقم لے کر حاضر ہوا اور آپ کے دامن میں ڈال دی۔ آپ نے اس سے ایک مٹھی بھری اور فرمایا اے بلال! ہمارے لیے اس سے خوشبو خرید لاؤ اور آپ نے حکم دیا کہ حضرت خاتون جنت کے لیے جہیز تیار کریں، چنانچہ آپ کے لیے ایک چارپائی بنائی گئی جو کھجور کے پتوں سے تیار کی گئی تھی اور ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب حضرت خاتون جنت تمہارے پاس

---

[1] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور تین بار فرمایا: میں اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی اکٹھی نہیں ہو سکتیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد انہوں نے حضرت خاتون جنت کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳)

آئیں تو ان سے کچھ نہ کہنا جب تک میں تمہارے پاس نہ آجاؤں۔

حضرت علی فرماتے ہیں حضرت ام ایمن ساتھ آئی تھیں وہ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور میں دوسرے کونے میں تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: یہاں میرا بھائی ہے۔ ام ایمن نے کہا: آپ کے بھائی پاس ہیں۔ اور آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور حضرت خاتون جنت سے فرمایا: پانی لاؤ۔ گھر میں ایک پیالہ تھا، آپ اس میں پانی لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی لیا اور کلی کر کے پانی اس میں ڈال دیا، پھر فرمایا: آگے بڑھو، وہ آگے بڑھیں تو آپ نے ان کے سینے اور سر پر وہ پانی چھڑکا اور فرمایا:

اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم۔ یا اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر فرمایا: پیٹھ پھیرو، انہوں نے پیٹھ پھیری تو آپ نے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان پانی چھڑکا، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام اور برکت سے اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

ابوالخیر قزوینی حاکمی کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کا رشتہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طلب کرنے کے بعد طلب کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے اس طرح حکم دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر چند دن بعد مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: اے انس! حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن اور چند دیگر انصار کو بلا لاؤ۔ جب وہ جمع ہوئے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ پڑھا:

الحمد للہ المحمود بنعمتہ، المعبود بقدرتہ، المطاع بسلطانہ، المرھوب من عذابہ وسطوتہ، النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ، الذی خلق الخلق بقدرتہ، ومیزھم باحکامہ، واعزھم بدینہ، واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقہ وامرا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو اپنی نعمتوں کے سبب تعریف کیا گیا، اپنی قدرت کے سبب معبود ہے، اس کے عذاب اور سطوت کے باعث اس سے خوف کھایا جاتا ہے، اس کا حکم اس کے آسمان اور زمین میں نافذ ہے، اس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احکام کے ذریعے ان کو ممتاز کیا، اپنے دین کے ساتھ ان کو عزت بخشی نیز اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ان کو مکرم و محترم بنایا، بے شک اللہ تعالیٰ کا نام برکت والا اور اس کی عظمت بلند ہے۔ اس نے مصاہرت

مفترضا، او شج به الارحام، والزم به الانام، فقال عز من قائل "وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربک قدیرا" (الفرقان: ۵۴) فامر الله تعالی یجری الی قضائه، وقضاؤه یجری الی قدره ولکل قضاء قدر، ولکل قدر اجل، ولکل اجل کتاب، یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب، ثم ان الله عزوجل امرنی ان ازوج فاطمة من علی بن ابی طالب، فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائة مثقال فضة ان رضی بذلک علی۔

(سسرالی رشتہ) کو لاحق ہونے والا بنایا (کہ اس کے ذریعے ایک نسب دوسرے نسب سے مل جاتا ہے) اور اسے لازم قرار دیا جس کے ذریعے رحموں کو ملایا اور اسے مخلوق پر لازم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اور وہی ذات ہے جس نے پانی (مادہ منویہ) سے انسان کو پیدا کیا' پس اسے نسب اور سسرالی رشتہ میں منسلک کیا اور تمہارا رب قادر [illegible] کی قضا [illegible] اس کی قدر کی طرف جاری ہے اور ہر قضا کے لیے ایک قدر ہے اور ہر قدر (تقدیر) کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور ہر وقت مقرر لکھا ہوا' اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے جو وہ چاہتا اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ' میں (حضرت خاتون جنت) فاطمہ کا نکاح (حضرت) علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے کر دوں۔ پس تم لوگ گواہ رہو۔ میں نے چالیس مثقال چاندی پر ان کا نکاح کیا۔ اگر اس پر (حضرت) علی (مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) راضی ہوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک تھال منگوایا اور فرمایا: اسے لوٹو! تو ہم نے اسے لوٹا (ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کی)۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور مسکرائے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں چار سو مثقال چاندی پر (حضرت خاتون جنت) فاطمہ کا نکاح تم سے کروں' کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جمع الله شملکما واعز جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا۔

اللہ تعالیٰ تمہارے متفرق امور کو جمع کرے اور تمہاری کوشش کو معزز فرمائے۔ تم دونوں کو برکت دے اور تم سے بہت سی نیک اولاد پیدا فرمائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بہت سی پاک اولاد عطا فرمائی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں عقد نکاح کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کے وکیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) موجود تھے یا آپ کا ارادہ عقد نکاح کا نہ تھا بلکہ محض اس کا اظہار تھا' پھر ان کی موجودگی میں عقد ہوا یا یہ آپ کے ساتھ خاص ہے (کہ جس کا نکاح جس سے چاہیں کر دیں)۔

اس طرح اس نکاح کے واقعہ اور اس حدیث کو جمع کیا جا سکتا ہے جو فوری قبولیت کی شرط پر دلالت کرتی ہے۔[1]

دولابی نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (سے نکاح) پر ولیمہ کیا تو اس زمانے میں آپ کے ولیمہ سے افضل کوئی ولیمہ نہ تھا۔ آپ نے اپنی زرہ کچھ جو کے بدلے یہودی کے پاس رہن رکھی تھی آپ کا ولیمہ چند صاع جو اور کھجوریں اور حیس سے تھا۔ حیس (ایک قسم کا حلوہ ہے جو) کھجور اور پنیر سے بنتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مناقب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا جہیز ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل

پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے۔ جن کے ساتھ مزید چار افراد تھے جو کعب بن اشرف یہودی کی طرف تشریف لے گئے۔ ہجرت کے پچیس ماہ بعد جب کہ ربیع الاول کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔ (یہ واقعہ ہوا)

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۱)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے امام زہری کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف (یہودی) شاعر تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا (اپنے اشعار میں آپ کو برا بھلا کہتا تھا) اور کفار قریش کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے رہنے والے ملے جلے رہتے تھے۔ آپ نے ان کی اصلاح کا ارادہ فرمایا جب کہ یہودی اور مشرکین مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچاتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا حکم دیا۔ جب کعب بن اشرف آپ کو ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ایک گروہ بھیجیں تاکہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کردے۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۶، کتاب الخراج)

ایک روایت میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کون کعب بن اشرف کے قتل کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اس نے ہماری دشمنی اور برائی بیان کرنے کا اعلان کیا۔ وہ قریش کی طرف گیا اور ان کو ہمارے خلاف لڑنے پر جمع کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسکی اطلاع کردی ہے پھر آپ نے مسلمانوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶ کتاب المغازی)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ مجلس نکاح میں ایجاب قبول ہونا چاہئے، تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا تو آپ نے خود ان کی طرف سے قبول کیا لہٰذا قبولیت مجلس میں ہوئی... ۱۲ ہزاروی۔

[2] گستاخ رسول کی توبہ بھی قبول نہیں اس کی سزا موت ہے اس لیے کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا۔ اس وقت (مئی ۲۰۰۰ء) پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے لیکن موجودہ حکومت اس کو غیر موثر بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جس پر تمام مکاتب فکر کے علماء سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں — ۱۲ ہزاروی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ (النساء: ۵۱-۵۲)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ وہ بتوں اور شیطان کی تصدیق کرتے ہیں اور کفار (مشرکین) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں کے مقابلے میں زیادہ ہدایت رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے۔

"الاکلیل" میں ہے، آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے شعروں کے ذریعے ہمیں تکلیف پہنچائی اور مشرکین کو قوت دی ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے، بنو عبدالاشہل کے بھائی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے میں اس کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں، میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم کرسکتے ہو تو کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں کوئی نہ کوئی بات کہنا پڑے گی (کوئی بہانا بنانا پڑے گا) آپ نے فرمایا جو کہنا چاہتے ہو تمہارے لیے جائز ہے۔

چنانچہ اس کے قتل پر محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ جو کعب کے رضاعی بھائی بھی تھے نیز حارث بن اوس بن معاذ اور ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے۔ ان پانچوں کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۳)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اسے قتل کردیا اور بقیع الغرقد (جنت البقیع) میں پہنچے تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کی تکبیر سنی تو خود بھی تکبیر کہی اور جان گئے کہ انہوں نے اس کو قتل کردیا ہے۔ پھر وہ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: ان چہروں نے فلاح پائی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ پس آپ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳)

"شرف المصطفیٰ" میں ہے کہ جن لوگوں نے کعب کو قتل کیا انہوں نے اس کا سر اٹھایا اور ایک ٹوکرے میں ڈال کر مدینہ طیبہ لائے اور کہا گیا ہے کہ اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو اٹھایا گیا۔ (اس دوران) حارث بن اوس کو تلوار کی دھار لگی تو خون بہنے لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر لعاب مبارک لگایا تو تکلیف باقی نہ رہی۔

غزوہ غطفان

غزوہ غطفان کا دوسرا نام غزوہ ذی امر ہے۔ امام حاکم نے اسے غزوہ انمار کہا ہے۔ اور یہ نجد کے نواح میں ہے۔ ہجرت کے پچیسویں مہینے کے آغاز میں جب ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں یہ غزوہ ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۴)

اس کا سبب یہ تھا کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی ایک جماعت جمع ہوئی اور وہ لوٹ مار کا ارادہ رکھتے تھے ان کو

دعثور بن حارث محاربی نے جمع کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے اس کا نام غورث بتایا جبکہ ان کے غیر نے غورک کہا ہے اور یہ بہادر آدمی تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بلایا اور آپ چار سو پچاس سواروں کو لے کر تشریف لے گئے، (اس دوران) آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا جب ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنا کہ آپ وہاں اترے ہیں تو بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے ایک شخص کو پکڑ لیا، جس کا نام حبان تھا اور وہ بنو ثعلبہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا (کہ آپ اسے اسلام کی تعلیم دیں)۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بارش برسی تو آپ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک درخت پر ڈالے تاکہ خشک ہو جائیں اور آپ اس کے نیچے آرام فرما ہوئے۔ وہ لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دعثور سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تنہا ہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ان پر حملہ کرو وہ آیا اور اس کے پاس تلوار تھی۔ وہ آپ کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو آج مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے میں ضرب لگائی تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: کوئی بھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

پھر وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور اس نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ (المائدہ: ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر فرمائی۔ جب ایک قوم نے تمہاری طرف دست درازی کا ارادہ کیا تھا۔

اور کہا گیا کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا۔[۱]

پھر نبی اکرم علیہ السلام جنگ کئے بغیر واپس تشریف لائے اور آپ گیارہ راتیں (مدینہ طیبہ سے) باہر رہے۔

غزوۂ بحران

اس غزوہ کو غزوہ بنو سلیم بھی کہا جاتا ہے، جو فرع کے کنارے کی جانب ہے اور فاء اور راء دونوں پر فتح ہے جیسا کہ ام سہیلی نے یہ قید لگائی ہے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰) اور قاموس میں کہا ہے کہ بحران فرع کے

[۱] علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ نے "الاصابہ بحوالہ واقدی" کے حوالے سے دعثور بن حارث غطفانی کے حالات سے یہ واقعہ نقل کیا اور بتایا کہ یہ غزوہ انمار میں ہوا۔ (سیرت رسول عربی ص ۷۹، ۲)... ۱۲ ہزاروی۔

کنارے ایک جگہ ہے۔ میں نے اس کی تحریر سے اسی طرح فاء پر ضمہ کے ساتھ دیکھا ہے یعنی فُراع ہے' اس کے علاوہ نہیں۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ وہاں بنو سلیم کی ایک جماعت ہے چنانچہ آپ اپنے صحابہ کرام میں سے تین سو صحابہ کرام کو لے کر تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کو یوں پایا کہ وہ اپنے چشموں پر متفرق ہو گئے تھے۔ پس آپ کسی لڑائی کے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

اس دوران آپ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا جیسا کہ ابن ہشام نے کہا ہے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۰) اور آپ دس راتیں مدینہ سے باہر رہے۔

سریہ زید بن حارث قردہ کی طرف

لفظ قردہ قاف پر زبر اور راء ساکن ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (قاف کی بجائے) فاء ہے اور راء کے نیچے زیر ہے (فردہ) جس طرح ابن فرات (محمد بن عباس بن محمد بن فرات) نے ضبط کیا اور یہ نجد کے ایک چشمے کا نام ہے۔

اس کا سبب جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا کہ قریش جن راستوں سے شام کی طرف جاتے تھے' غزوہ بدر کے بعد وہ ان راستوں میں ڈر محسوس کرنے لگے۔ اب وہ عراق کے راستے سے جاتے۔ اب ایک تجارتی قافلہ نکلا جس میں ابو سفیان بن حرب بھی تھے اور ان کے پاس بہت زیادہ چاندی تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۱)

ابن سعد کے نزدیک ہجرت کے بعد اٹھائیسویں مہینے کے آغاز میں جمادی الاخری کے شروع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو سواروں کے ساتھ بھیجا کہ وہ قریش کے قافلے کو روکیں اس قافلے میں صفوان میں امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا اور ان کے پاس بہت زیادہ مال اور چاندی کے برتن تھے۔ انہوں نے اس قافلے کو پکڑا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس مال کے پانچ حصے کیے تو ایک حصہ کی قیمت بیس ہزار درہم نکلی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲' ص ۳۶)

مغلطائی کے نزدیک پچیس ہزار درہم کی مالیت تھی۔ ابن اسحاق نے اسے کعب بن اشرف کے قتل سے پہلے ذکر کیا ہے۔

غزوۂ اُحد

احد

احد مدینہ طیبہ میں ایک مشہور پہاڑ ہے جو ایک فرسخ سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے۔ (آج کل شہر سے متصل ہے) اس کو احد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہاں کے دوسرے پہاڑوں سے الگ تھلگ ہے۔ نیز اس کو ذو عینین بھی کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ لفظ عین کی زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طرح تثنیہ کا صیغہ ہے اور یہ احد میں ایک پہاڑ ہے۔

اس پہاڑ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احد جبل یحبنا ونحبہ۔ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۸۴، کتاب المغازی)

اور کہا گیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر شریف ہے۔

غزوۂ احد کی تاریخ

احد پہاڑ کے نزدیک مشہور واقعہ (غزوہ) ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں جب کہ گیارہ راتیں گزر چکی تھیں، ہفتہ کے دن واقع ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سات راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نصف مہینہ گزر چکا تھا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے ایک سال بعد یہ غزوہ ہوا اور انہیں سے منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیس ماہ بعد (دو سال اور سات ماہ بعد) ہوا۔

اس کا سبب

اس غزوہ کا سبب جیسا کہ ابن اسحاق نے اپنے شیوخ سے، موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے، ابوالاسود نے عروہ سے اور ابن سعد نے نقل کیا۔ یہ سب کہتے ہیں یا ان میں سے بعض نے کہا جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ قریش جب بدر سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور کنویں میں ڈالے گئے لوگوں کو سزا ملی۔ جب ابوسفیان اپنے قافلے کے

ساتھ واپس پہنچ گئے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابو جہل نے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر جن کے باپ، بھائی اور بیٹے بدر کے دن کام آئے تھے، کہا کہ اے قریش کی جماعت! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تکلیف پہنچائی اور تمہارے عمدہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ پس تم اس مال سے لڑائی پر ہماری مدد کرو۔ ان کی مراد ابو سفیان کا قافلہ اور وہ لوگ تھے جن کا اس تجارت میں حصہ تھا، شاید ہم اپنا انتقام لے سکیں۔ انہوں نے یہ بات قبول کی اور اس مال کو بیچا اور وہ ایک ہزار اونٹ تھے اور مال پچاس ہزار دینار تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۷)

ابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ (الانفال: ۳۶)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ تو اب وہ انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

قریش کی روانگی

قریش، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے جمع ہوئے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں اطلاع کر دی۔ ابو سفیان ان لوگوں کو لے کر چلے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کے مقابل احد کی جانب وادی کے دامن میں اترے۔

نبی اکرم ﷺ کا خواب

کئی مسلمانوں کو غزوہ بدر میں حاضر نہ ہونے کا افسوس تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعۃ المبارک کی رات خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے ایک اچھی بات دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اور میں نے اپنی تلوار کی دھار کو ٹوٹا ہوا دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے ایک مضبوط زرہ میں ہاتھ داخل کیا۔ گائے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے صحابہ کرام میں سے کچھ شہید ہوں گے اور میں نے اپنی تلوار میں جو رخنہ دیکھا وہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کی شہادت ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۱)

ابن عقبہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تلوار میں جو رخنہ دیکھا گیا اس سے وہ زخم مراد ہے جو آپ کے چہرۂ انور کو پہنچا کیونکہ اس دن دشمن نے آپ کے چہرہ مبارکہ کو زخمی کیا۔ آپ کے سامنے والے دو اوپر کے اور دو نیچے کی دانت مبارک شہید ہوئے اور نچلا ہونٹ مبارک زخمی کیا۔

ایک روایت میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مضبوط زرہ کی تاویل میں مدینہ طیبہ سے کرتا ہوں۔ پس یہیں ٹھہرو اگر قوم گلی کوچوں میں داخل ہوئی تو ہم

ان سے لڑیں گے اور گھروں کے اوپر سے تیراندازی کریں گے۔

بعض صحابہ کرام کی باہر نکلنے میں رغبت

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس دن کی تمنا کرتے تھے پس آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کی طرف لے کر نکلیں کہیں ہمارے دشمن خیال نہ کریں کہ ہم نے بزدلی دکھائی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۷)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعۃ المبارک کی نماز پڑھائی پھر ان کو وعظ فرمایا اور کوشش اور محنت کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ جب تک وہ صبر کرتے رہیں گے، ان کو مدد حاصل ہوگی۔ نیز دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا، چنانچہ صحابہ کرام اس پر خوش ہوگئے۔

پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے بلکہ اطراف کے لوگ بھی حاضر ہو چکے تھے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ اقدس میں داخل ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں حضرات نے آپ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا اور لباس پہنایا۔ (زرہ پہنائی)

اس دوران لوگ صف بستہ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے کے منتظر تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر مجبور کیا لہٰذا یہ کام آپ کے سپرد ہی کردو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور تلوار لٹکا رکھی تھی، چنانچہ وہ سب اپنے کیے پر نادم ہوئے اور کہنے لگے: ہمیں آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پس آپ جو چاہیں کریں۔ آپ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ جب زرہ پہن لے تو اسے اتارے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرمادے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۸، مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۰۷)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں جسے امام احمد، امام نسائی اور امام طبرانی رحمہم اللہ نے نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث کی مثل ہے۔ اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ طیبہ نہ چھوڑنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے شہادت کی طلب میں باہر نکلنے کو ترجیح دی۔ آپ کے زرہ پہننے اور صحابہ کرام کی اس بات پر ندامت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ذکر بھی ہے کہ کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ زرہ پہننے کے بعد اسے اتار دے، حتیٰ کہ لڑائی لڑے (الدر المنثور جلد ۲ ص ۵۸)

اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں مضبوط زرہ میں ہوں۔ (السنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۴۱)

جھنڈے باندھنا اور احد کی طرف روانگی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈے قائم فرمائے۔ ایک جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (اور یہ قبیلہ اوس کا جھنڈا تھا) دوسرا مہاجرین کا جھنڈا تھا جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور کہا گیا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔[1]

قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور کہا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

مسلمانوں میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے تھے اور اس موقع پر آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر کیا (نماز پڑھانے کے لیے)' اور حفاظت کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت روانہ ہوئے (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۱۲) اور مسلمانوں میں سے ایک جماعت کو واپس کیا کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔ ان میں حضرت اسامہ، حضرت ابن عمر، زید بن ثابت، ابوسعید خدری اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ مغلطائی کہتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے۔[2]

مسلمان ایک ہزار مرد تھے اور کہا گیا ہے کہ نو سو تھے۔ اور مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ عورتیں پندرہ تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد میں اترے اور عبداللہ بن ابی اپنی قوم کے تین سو منافقین کے ساتھ وہاں سے واپس لوٹ گیا اور کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفر کی وجہ سے اسے مقام شوط سے اور کہا گیا ہے کہ احد سے لوٹنے کا حکم دیا۔

لشکروں کی کیفیت

پھر احد کے دامن میں مسلمانوں نے صف بندی کی اور مشرکین نے شوریدہ زمین میں، ابن عقبہ کہتے ہیں مشرکین کے لشکر کے میمنہ دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید تھے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور میسرہ بائیں

---

[1] پہلے یہ جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: مشرکین کا جھنڈا کس کے پاس ہے؟ کہا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس۔ آپ نے فرمایا: ان کے مقابلے میں ہم اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں تو آپ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا، کیونکہ وہ بنو عبدالدار سے تھے۔

[2] حضرت نعمان بن بشیر کے حوالے سے یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہ احد کے واقعہ سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے گویا اس وقت ان کی عمر ایک سال تھی لہٰذا وہ کیسے شامل ہونے کے لیے گئے تھے۔

بازو پر حضرت عکرمہ بن ابی جہل تھے (حضرت عکرمہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیراندازوں پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تب بھی اپنی اس جگہ کو مت چھوڑنا۔ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی اور ان کو روند ڈالا ہے، پھر بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اسی طرح نقل کیا ہے (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۶ کتاب الجہاد) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے امام احمد اور امام طبرانی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے نقل کیا میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ کھڑا کیا۔ پھر فرمایا: ہماری پیٹھوں کی حفاظت کرو۔ اگر دیکھو کہ ہم قتل کئے جاتے ہیں تو بھی ہماری مدد نہ کرنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت حاصل کر رہے ہیں تو بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔

(مسند امام احمد جلد اول، ص ۲۸۷)

ابودجانہ رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہے؟ تو کئی حضرات اس کی طرف اٹھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان سے روک لیا حتیٰ کہ حضرت ابودجانہ سماک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے تم دشمن کے منہ پر مارو حتیٰ کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں، چنانچہ آپ نے یہ تلوار ان کو دے دی اور وہ بہادر مرد تھے جو لڑائی کے وقت متکبرانہ انداز اختیار کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس طریقے سے چلنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا لیکن اس جگہ (جنگ کی حالت میں کوئی حرج نہیں)۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن ہشام کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں دیکھوں گا کہ ابودجانہ کیا کرتے ہیں؟ پس میں ان کے پیچھے چلا۔ انہوں نے ایک سرخ پٹی لے کر سر پر باندھی۔ انصار نے کہا انہوں نے موت کی پٹی نکالی ہے۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے نکلے: (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳)

انا الذی عاھدنی خلیلی ونحن بالسفح لدی النخیل
الا اقوم الدھر فی الکیول اضرب بسیف اللہ والرسول

"میں وہ ہوں کہ مجھ سے میرے خلیل نے وعدہ کیا اور ہم پہاڑ کے دامن میں نخیل کے پاس تھے"۔

"کہ میں کبھی بھی پچھلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے ساتھ ماروں گا"۔

لفظ "کیول" میں کاف پر زبر اور یاء پر تشدید ہے۔ صفوں کا پچھلا حصہ یہ "فیعول" کا وزن ہے اور یہ

"کال الزند یکیل کیلا" سے بنا ہے جب چقماق کو رگڑے لیکن آگ نہ نکلے۔ اسے صفوں کے آخر سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جو لوگ اس جگہ ہوتے ہیں وہ لڑتے نہیں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں: یہ لفظ صرف اس حدیث میں سنا گیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جس مشرک تک پہنچتے اسے قتل کر دیتے۔

مسلمانوں کی مدد

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لڑتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے ارطاۃ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف کو قتل کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ (غسیل الملائکہ) اور ابو سفیان کا مقابلہ ہوا تو حضرت حنظلہ کو شداد بن اوس نے شہید کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی زوجہ جمیلہ سے جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں، اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنابت (ناپاکی) کی حالت میں گھر سے نکلے تھے۔

بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دیا جائے۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کیا جس کے پاس مشرکین کا جھنڈا تھا، پھر ان کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کے پاس آیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر کے اس کا بازو اور کاندھا کاٹ ڈالا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد نازل فرمائی تو انہوں نے کفار کو یوں قتل کیا کہ جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان کو لشکر سے بھگا دیا اور شکست دی۔ کفار اس طرح بھاگے کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور ان کی عورتیں ہائے خرابی! ہائے خرابی! پکار رہی تھیں۔ مسلمان ان کے پیچھے تھے حتیٰ کہ ان کا کام تمام کر دیتے۔ اور لشکر سے ان کا مال نے کر مال غنیمت میں ڈال دیتے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۵)

تیر اندازوں کا اترنا اور جنگ کا نقشہ بدل جانا

صحیح بخاری میں ہے، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا: اے لوگو! مال غنیمت حاصل کرو، تمہارے ساتھی غالب آ گئے تم کس بات کے منتظر ہو۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھول چکے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت سے اپنا حصہ وصول کریں گے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کفار کے حملہ کے باعث ان کے چہرے پھر گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جب احد کا دن ہوا تو مشرکین کو واضح شکست ہوئی (اس پر) شیطان چیخا اے اللہ کے بندو! اپنے پچھلوں کی طرف جاؤ تو ان مسلمانوں میں

سے اگلے واپس لوٹے تو پچھلوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۶ کتاب الجہاد، صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۴ کتاب المغازی)
امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ جب وہ واپس لوٹے تو مشرکین میں مل جل گئے اور دونوں لشکر آپس میں اس طرح مخلوط ہوئے کہ امتیاز نہ ہو سکا، چنانچہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

اور ان کے غیر کی روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کو خالی اور وہاں موجود صحابہ کرام کی قلت کو دیکھا تو سواروں کے ساتھ پلٹ کر حملہ کیا۔ عکرمہ بن ابو جہل نے ان کا ساتھ دیا اور جو تیرانداز وہاں باقی رہ گئے تھے، ان پر حملہ کر کے ان کو اور ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔
(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب مشرکین نے صف بندی کی تو سباع ابن عبدالعزی خزاعی نکلا اور اس نے کہا کہ کوئی مقابل ہے؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف نکلے اور اس پر خوب حملہ کیا حتیٰ کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ وحشی چٹان کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچے تو اس نے اپنا نیزہ مارا جو آپ کے پچھلے حصے سے نکل گیا اور یہ آپ کا آخری وقت تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۳ کتاب المغازی)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ آپ کو ابن قمئہ نے شہید کیا۔ وہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتا تھا (کیونکہ آپ زرہ پہنتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ معلوم ہوتے تھے) ابن قمئہ چلایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ ازب العقبہ (عامر عقبہ) نے یہ آواز دی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابلیس لعنتی نے یہ آواز دی اور وہ جعال کی صورت میں آیا تھا۔ (جعیل بن سراقہ ضمری کی صورت میں آیا)

اور کسی کہنے والے نے کہا اللہ کے بندو! اپنے پچھلوں کی طرف سے بچو تو مسلمان پیچھے کی طرف ہٹے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے حالانکہ ان کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی اور ایک گروہ مدینہ طیبہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور باقی بکھر گئے اور ان میں قتل واقع ہوا۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پتانہ چلا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ پس اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ وہ تمہیں امن دیں اس سے پہلے کہ وہ (کفار) آ کر تمہیں قتل کر دیں۔ بے شک وہ گھروں میں داخل ہونے والے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے دین پر ڈٹے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلتے ہوئے لڑائی نہیں کرو گے تاکہ تم اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی حالت میں ملاقات کرو۔ ان لوگوں میں حضرت انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی اس گفتگو کی شہادت دی۔

"عیون الاثر" میں کہا کہ اس حدیث میں انس بن مالک کا نام آیا ہے حالانکہ وہ حضرت انس بن نضر ہیں جو حضرت انس بن مالک بن نضر کے چچا تھے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ وہ لوگ آپ سے ہٹ گئے اور آپ کے ساتھ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرین میں سے تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور سات کا تعلق انصار سے تھا۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ حضرات ٹھہرے رہے۔ مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے اور بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ ایک سو چالیس کفار کو حاصل کیا۔ ستر قید کئے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۶) اور ستر قتل ہوئے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا

ابوسفیان نے تین بار کہا: کیا لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرمایا: پھر کہا: کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہ بات بھی تین بار پوچھی۔ پھر تین بار پوچھا: کیا قوم میں (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہیں (جب جواب نہ ملا) تو اپنے ساتھیوں کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب لوگ قتل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اس لیے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! تو نے جھوٹ کہا: تم نے جن لوگوں کا شمار کیا وہ سب کے سب زندہ ہیں اور تیرے لیے بری خبر باقی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: آج کا دن اس دن (بدر کے دن) کے بدلے میں ہے اور لڑائی تو ایک ڈول ہے (کبھی ایک کے پاس اور کبھی دوسرے کے پاس)۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تلاش کرنے لگے کہ سامنے سے مشرکین آئے اور انہوں نے آپ کے چہرہ انور پر تیر پھینکے اور خون جاری ہو گیا نیز آپ کے سامنے کے (چار) دانت شہید کر دیئے، آپ کو زخمی کرنے والا قمئہ تھا اور آپ کے دانتوں کو شہید کرنے والا شخص عتبہ بن ابی وقاص تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

---

[1] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کمسن تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کی عمر دس سال تھی لہٰذا غزوۂ احد کے وقت آپ تیرہ سال کے تھے۔ اگر آپ نے شرکت کی ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے شریک ہوئے ہوں گے یا اپنے چچا کے ساتھ گئے ہوں گے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴)

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بارگاہ نبوی میں کس قدر خصوصی مقام حاصل تھا کہ دشمن ان دونوں کے علاوہ کسی کو نہ جانتے تھے اور ان تین شخصیات کے بارے میں سوال کئے کیونکہ ابوسفیان اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ ان تینوں سے اسلام قائم ہے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۲)

عنہ کا بھائی تھا۔ اس کے بعد اس کی نسل سے جو بھی بچہ پیدا ہوا جب وہ بالغ ہوتا تو اس کے منہ سے بو آتی یا اس کے سامنے کے چار دانت جڑ سے ہی نہ ہوتے۔ یہ بات اس نسل میں معروف تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۱۳۵)

ابن ہشام نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار کر آپ کے دائیں جانب کا نچلا سامنے والا دانت توڑ دیا اور آپ کے نچلے ہونٹ کو بھی زخمی کر دیا اور عبداللہ بن ہشام زہری نے آپ کی پیشانی مبارک کو زخمی کیا جبکہ ابن قمئہ نے آپ کے رخسار مبارک زخمی کیے۔ آپ کے خود (لوہے کی ٹوپی) کے دو حلقے آپ کے مبارک رخساروں میں گھس گئے اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرے جو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور مکر کرنے کے لیے کھودے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ کے سر مبارک پر ہی خود کو توڑ دیا اور آپ کو پتھر مارے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گرے جو ابو عامر نے کھودے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا حتیٰ کہ آپ کھڑے ہو گئے اور خود کے دو حلقے آپ کے چہرہ انور میں گہرے گھس گئے۔ حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کو آپ کے رخسار مبارک سے کھینچ کر نکالا۔ اور ان دو حلقوں کو اپنے دانتوں سے اس قدر زور سے پکڑا کہ ان کے دو دانت گر پڑے کیونکہ وہ حلقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں گھس گئے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں سے خون چوس کر پی لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے خون کے ساتھ میرا خون مل جائے اسے (جہنم کی) آگ نہیں پہنچے گی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

انشاء اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مبارک کا حکم آگے بیان ہو گا۔

طبرانی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ عبداللہ بن قمئہ نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تیر مارا تو آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور سامنے کے اوپر نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اس نے کہا: اے لو میں ابن قمئہ ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑی نر ہرن مسلط کر دیا۔ وہ اسے مسلسل سینگ مارتا حتیٰ کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

ابن اسحاق نے حضرت حمید الطویل رحمہ اللہ سے روایت کیا۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور آپ کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ آپ اپنے چہرہ انور سے خون پونچھتے اور فرماتے وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرے کو

خون آلود کر دیا حالانکہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(مسند امام احمد، جلد ۳ ص ۲۰۱، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۵)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ۔

یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے۔ بے شک وہ ظالم ہیں۔

(آل عمران: ۱۲۸)

امام ابن عائذ کے نزدیک امام اوزاعی کے طریق سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ احد کے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپ کوئی چیز لے کر خون خشک فرما رہے تھے اور آپ نے فرمایا: اگر اس میں سے کچھ زمین پر گر جاتا تو ان لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل ہوتا۔ پھر دعا فرمائی:

اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون۔

یا اللہ! میری قوم کو بخش دے، یہ جانتے نہیں۔

عبدالرزاق نے معمر (بن راشد ازدی) سے اور انہوں نے حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس دن ستر ضربیں لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا۔ فتح الباری میں ہے کہ یہ حدیث مرسل[1] قوی ہے۔

اور اس بات کا احتمال ہے کہ ستر سے حقیقی ضربیں مراد ہوں یا مبالغہ ہو (کہ بہت سی ضربیں لگیں)۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۸۶)

نبی اکرم ﷺ کے بچاؤ کے لیے لڑائی

ابن ہشام کے مطابق حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ نے احد کے دن لڑائی میں حصہ لیا۔ وہ فرماتی ہیں: میں دن کے شروع میں نکلی حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور لڑنے لگی، حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (کفار کو) تلوار کے ذریعے اور کمان سے تیر پھینکتے ہوئے دور کرتی تھی یہاں تک کہ میں زخمی ہوگئی۔ یہ زخم ابن قمئہ نے مجھے لگایا تھا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے۔ جب لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھرے تو ابن قمئہ سامنے سے آیا اور کہنے لگا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتاؤ اگر وہ بچ گئے تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ ام عمارہ فرماتی ہیں: میں اس کے سامنے آئی تو اس نے مجھے یہ ضرب لگائی میں نے اسے کئی ضربیں لگائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن پر دو زرہیں تھیں۔

ام سعد بن ربیع (جو اس حدیث کو روایت کرتی ہیں) فرماتی ہیں: میں نے ام عمارہ کے کاندھے پر زخم کا ایک گہرا گھاؤ دیکھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۶)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بن گئے وہ آپ پر

---

[1] حدیث مرسل وہ حدیث جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو اور تابعی براہ راست حضور علیہ السلام سے روایت کرے۔

جھکے ہوئے تھے اور تیر ان کی پشت میں ترازو ہو رہے تھے یہاں تک کہ وہ تیروں کی کثرت کی وجہ سے حرکت نہیں کر رہے تھے (کہ مبادا میرے ہٹنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تیر نہ لگ جائے) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر تیر پھینکتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں حتیٰ کہ مجھے آپ نے ایسے تیر دیئے جن کا پھل نہ ہوتا اور آپ فرماتے، تیر پھینکو۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۶)

معجزات کا ظہور

اس دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو تیر لگا، جس کی وجہ سے آپ کی آنکھ نکل کر رخسار پر آگئی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اس کی آنکھ کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جگہ پر رکھ دیا اور دعا مانگی: یا اللہ! اسے جمال عطا فرما، تو ان کی دونوں آنکھوں میں سے یہ آنکھ زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی نظر بھی زیادہ تیز تھی۔ امام دار قطنی نے اسے اسی طرح بیان کیا۔ انشاء اللہ معجزات کے بیان میں ان کے الفاظ ذکر کئے جائیں گے۔

ابو رھم نے کلثوم بن حصین کو تیر مارا تو وہ ان کے سینے پر جا لگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکڑی کی ایک شاخ دی تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس سے وہ لڑتے رہے۔ اس تلوار کو عرجون (شاخ) کہا جاتا تھا اور وہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلتی رہی، حتیٰ کہ وہ معتصم باللہ کے امراء میں سے ایک امیر بغا الترکی پر بغداد میں دو سو دینار کے بدلے بیچی گئی۔

یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ والے واقعہ کی طرح ہے، جو بدر میں پیش آیا لیکن حضرت عکاشہ کی تلوار کا نام عون اور اس کا نام عرجون تھا۔

گھاٹی کی طرف چڑھنا اور ابی بن خلف کا قتل

مشرکین، مسلمانوں کو شہید کرنے لگے ان کو مثلہ کرتے (شکلیں بگاڑتے) ان کے کان، ناک اور شرم گاہیں کاٹتے اور پیٹ پھاڑتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام کو شہید کر دیا ہے۔

سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی آنکھوں کو پہچانا جو خود کے نیچے چمک رہی تھیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہیں۔ جب انہوں نے آپ کو پہچانا تو وہ اور آپ سب گھاٹی کی طرف

چڑھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی پر چڑھ گئے تو ابی بن خلف نے آپ کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو مجھے نجات نہ ملی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی ایک اس کی طرف جائے؟ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ جب وہ قریب آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے نیزہ لیا تو آپ نے اتنی تیزی سے جنبش فرمائی کہ ہم آپ سے اس طرح دور ہو گئے جس طرح اونٹ کی پیٹھ سے چھوٹی مکھیاں اڑ جاتی ہیں جب وہ اپنی پیٹھ کو جنبش دیتا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے آئے اور اس طرح اسے برچھا مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اس سے خون نہ نکلا لیکن اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔

جب وہ قریش کی طرف لوٹا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قتل کر دیا۔ کیا انہوں نے مکہ مکرمہ میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ مجھ پر تھوک دیتے تو بھی میں ہلاک ہو جاتا اور ... دشمن خدا مقام سرف میں مرگیا۔ اور وہ اسے مکہ مکرمہ لے جا رہے تھے[1] اسے امام بیہقی نے اور ابونعیم نے روایت کیا لیکن انہوں نے اس کی پسلیوں کے ٹوٹنے کا ذکر نہیں کیا۔

واقدی کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن خلف بطن رابغ میں مرگیا۔ فرماتے ہیں: (کچھ عرصہ بعد) میں بطن رابغ سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا آگ کی لپٹ بھڑکی۔ میں خوف زدہ ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص اس سے نکل رہا ہے۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور انہیں کھینچ رہا ہے اور "پیاس پیاس" کہہ کر پکارتا ہے اور ایک دوسرا شخص کہتا ہے: اسے پانی نہ پلانا۔ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا اور یہ ابی بن خلف ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۵۹، کتاب المغازی للواقدی جلد ۱ ص ۲۵۲)

معرکہ کے بعد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے منہ تک پہنچے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال اس کے چشمے (مہراس) کے پانی سے بھری۔ "مہراس" سوراخ والی چٹان ہوتی ہیں جس سے بہت زیادہ پانی ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: احد کے ایک پانی (چشمے) کا نام مہراس ہے۔ حضرت علی وہ پانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کے چہرہ انور سے خون کو دھویا نیز آپ کے سر انور پر ڈالا۔ آپ فرما رہے تھے: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہوا جس نے اپنے نبی کے چہرے کو تیر کا نشانہ بنایا۔

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم کی وجہ سے ظہر کی نماز بیٹھ کر پڑھی اور مسلمانوں نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

[1] مقام سرف مکہ مکرمہ کے راستے میں ہے جہاں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ راقم کو ۱۹۹۳ء میں زیارت کی سعادت حاصل ہوئی.... ۱۲ ہزاروی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ اور ان کے ساتھ کچھ دوسری عورتیں شہید صحابہ کرام کا مثلہ کرنے لگیں (شکلیں بگاڑنا مثلہ کہلاتا ہے)' وہ کان اور ناک کاٹتی تھیں- ہند (ہندہ) نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چاک کیا اور چبایا لیکن اسے نگل نہ سکیں تو تھوک دیا- (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۹)

جب ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے کہا: معاملہ ٹھیک ہو گیا- بے شک لڑائی تو پانی کے ڈول کی طرح ہے- آج بدر کا بدلہ لے لیا ہے- اے ہبل (بت کا نام) تو بلند ہوا- (یا تو نے اپنی بلندی کو ظاہر کر دیا) (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

ابوسفیان نے احد کی طرف جاتے وقت ایک تیر پر نعم (ہاں) لکھا اور دوسرے پر لا (نہیں) لکھا اور ان تیروں کو ہبل کے گرد چکر لگوایا تو نعم (ہاں) والا تیر نکلا- چنانچہ وہ احد کی طرف روانہ ہوئے' چنانچہ جب انہوں نے کہا: اے ہبل! تیری بلندی زیادہ ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ان کو یوں جواب دو کہ اللہ تعالیٰ بلند اور بزرگی والا ہے- ابوسفیان نے کہا: ہبل کا ذکر چھوڑ دے یہ اپنے فتویٰ میں سچا ہوا کہ اس نے "نعم" کے ساتھ جواب دیا-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: برابر نہیں ہیں: بلکہ ہمارے شہداء جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول جہنم میں- ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیے عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں ہے- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے تمہارا کوئی مولا نہیں-

جب ابوسفیان اور ان کے ساتھی واپس جانے لگے تو ابوسفیان نے کہا تمہارا وعدہ آئندہ سال میدان بدر ہے- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: تم کہو ہاں یہ ہمارے اور تمہارے درمیان وعدے کا مقام ہے- (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

امام طبرانی نے ذکر کیا کہ جب مشرکین واپس لوٹے تو عورتیں صحابہ کرام کی طرف مدد کے لیے آئیں- ان میں سے حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ آپ سے چمٹ گئیں اور وہ آپ کے زخموں کو پانی سے دھونے لگیں لیکن خون میں اضافہ ہوا- جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے آگ میں جلا کر زخموں پر چپکا دیا- حتیٰ کہ وہ زخم سے مل گیا اور خون رک گیا-

جب کہ واقدی نے ذکر کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا- انہوں نے شہداء میں جا کر آواز دی: اے سعد بن ربیع! دوبارہ آواز دی تو جواب نہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے- انہوں نے کمزور آواز سے جواب دیا- انہوں نے دیکھا کہ وہ شہداء کے درمیان کافی زخمی حالت میں ہیں اور ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی ہے- انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا دے جو جزا وہ کسی امت کی طرف سے اس کے نبی کو دیتا ہے اور اپنی قوم کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اللہ تعالیٰ

کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا اگر تمہارے نبی کے پاس کوئی دشمن پہنچے اور تم زندہ رہو، پھر ان کا انتقال ہوگیا۔
(کتاب المغازی للواقدی جلد اول ص ۲۹۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۱)

"وان عاقبتم" الآیہ کا نزول

حضرت ابوجابر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ اپنی انگلیوں (کے پوروں) سے پہچانے گئے اور کہا گیا کہ ہاتھ پاؤں سے پہچانے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو آپ کو وادی کے دامن میں پایا۔ آپ کا پیٹ کلیجے کے مقام سے چیرا گیا تھا اور آپ کا مثلہ کیا گیا۔ ناک اور کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا معاملہ دیکھا کہ اس سے زیادہ دل دکھانے والی بات کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ خوب نیکی کرنے والے تھے۔ بہت زیادہ صلہ رحمی کرتے تھے۔ سنو! اللہ کی قسم! میں آپ کی جگہ ان کے ستر افراد کو مثلہ کروں گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۱) راوی فرماتے ہیں اس پر سورہ نحل کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم سزا دو تو اس کی مثل سزا دو جو تمہیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ ادا کرتے ہوئے اپنے ارادے کو ترک کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔ اس لیے وہ "مجدع فی اللہ" (اللہ کے راستے میں جس کے اعضاء کاٹے گئے) کے ساتھ معروف ہیں۔ شہادت کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی اور ان کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

آیت کریمہ "ولا تحسبن الذین قتلوا" کا نزول

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلندی پر تشریف لے جا کر شہداء کو دیکھا تو فرمایا: میں ان لوگوں پر گواہ ہوں اور جو شخص بھی راہ خداوندی میں زخمی ہوتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون نکل رہا ہوگا۔ اس کا رنگ خون کی طرح اور بو کستوری جیسی ہوگی۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۱، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ ان کے زخموں سمیت ان پر کپڑا ڈال دو۔

ابوبکر بن مردویہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ اللہ

تعالیٰ نے کسی سے بھی حجاب کے بغیر کلام نہیں کیا اور تمہارے والد سے بلا حجاب گفتگو فرمائی اور فرمایا: مجھ سے کچھ مانگو، میں تمہیں عطا کروں۔ انہوں نے عرض کیا: میں دنیا میں واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ تیرے راستے میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی طرف دوبارہ نہیں جائیں گے۔ عرض کیا یا اللہ! میرے پچھلوں کو (میری اس اچھی حالت کی) خبر دے دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں، مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۵، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (فرماتے ہیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے اور وہاں کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ جب ان شہداء نے عمدہ کھانے اور مشروب اور اچھی جگہ پائی تو کہنے لگے: کاش ہمارے (پچھلے) بھائیوں کو معلوم ہو تاکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا (اچھا) سلوک کیا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیرتے اور لڑائی سے پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے ان تک یہ پہنچا دوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیات نازل فرمائیں۔ (مسند امام احمد جلد اول ص ۲۶۶، سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۴۱)

اس حدیث پر گفتگو کرنے والے بعض حضرات (امام سہیلی رحمہ اللہ صاحب الروض الانف) نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ (پھر) وہ قندیلوں میں چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اس کی تائید کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ۔ (الحدید: ۱۹)

اور شہداء کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

وہ رات کے وقت قندیلوں میں جاتے ہیں اور دن کے وقت (جنت سے) متمتع ہوتے ہیں اور آخرت میں جنت میں جانے کے بعد ان قندیلوں میں نہیں جائیں گے۔ صرف عالم برزخ میں ایسا ہوتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت کے میوے کھاتے ہیں اور خود جنت میں نہیں ہیں۔

حضرت مجاہد کے اس قول کو رد کیا گیا (لیکن) اس (قول) کی گواہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں پائی جاتی ہے جو مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء اس نہر میں ہیں یا فرمایا نہر پر ہیں جس کو بارق کہا جاتا ہے اور وہ جنت کے دروازے پر ہے۔ وہ سبز قبوں میں ہیں اور صبح و شام جنت سے ان کا رزق آتا ہے۔ (صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۸۳، مسند امام احمد جلد اول ص ۲۶۶)

حافظ ابن عماد الدین بن کثیر نے فرمایا کہ شہداء کی کئی اقسام ہیں: ان میں سے بعض جنت (کے باغات) سے

کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض جنت کے دروازے پر نہر پر ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی سیر کی انتہا اس نہر تک ہوتی ہے پس وہ جمع ہوتے ہیں اور وہاں ان کو صبح و شام رزق دیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں ہم نے مسند امام احمد میں ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ہر مومن کے لیے خوشخبری ہے کہ اس کی روح بھی جنت میں ہوتی ہے اور جہاں سے چاہے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کا پھل کھاتی ہے اور اس میں ترو تازگی اور سرور دیکھتی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو اعزاز رکھا ہے' اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح عزیز عظیم ہے۔ اس میں ان چار اماموں میں سے تین جمع ہیں جن کی اتباع کی جاتی ہے' کیونکہ اسے امام احمد نے امام شافعی سے انہوں نے امام مالک بن انس سے انہوں نے امام زہری (رحمہم اللہ) سے' انہوں نے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا اور وہ اسے مرفوعاً یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے لٹکا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں لوٹا کر (قیامت کے دن) اٹھائے گا۔ (مسند امام احمد جلد ۳' ص ۴۵۵)

لٹکنے سے مراد کھانا ہے اور اسی حدیث میں ہے کہ مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوتی ہے اور شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں' پس عام مومنوں کی ارواح کے مقابلے میں یہ سوار کی طرح ہیں کیونکہ عام مومنوں کی روح خود بخود اڑتی ہیں۔ ہم اللہ کریم اور بہت احسان کرنے والے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۲۷)

شہداء اور مقتولین کی تعداد

مغلطائی وغیرہ نے کہا کہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ پینسٹھ صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجرین تھے۔

ابن مندہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں۔ احد کے دن چونسٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ ابن حبان نے اسے اس طریق پر صحیح قرار دیا۔

اور مشرکین میں سے تئیس افراد قتل ہوئے۔ ابی بن خلف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے واصل جہنم کیا۔

فرشتوں کی آمد

اس دن فرشتے بھی حاضر ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو آدمی دیکھے جن پر سفید لباس تھا۔ فرماتے ہیں: میں نے اس سے پہلے اور بعد ان کو نہیں دیکھا یعنی وہ حضرت جبریل اور حضرت

میکائیل علیہما السلام تھے جو بہت سخت لڑ رہے تھے۔
جیسا کہ ہم نے غزوہ بدر کے ذکر میں نقل کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کا حضور علیہ السلام کے ہمراہ لڑنا یوم بدر کے ساتھ خاص نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال اس کے خلاف ہے جیسا کہ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا۔ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۲)

منافقین اور یہودی

جب مسلمان اپنے شہداء پر روتے تو منافق خوش ہوتے اور یہودیوں کا (چھپا ہوا) کینہ ظاہر ہو گیا۔ (انہوں نے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو زخمی نہ ہوتے حالانکہ زخمی ہونا نبوت کے خلاف نہیں۔ پہلے انبیاء کرام کو شہید کیا گیا اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔ تو کیا ان کی نبوت کا انکار کر دیا جائے گا... ۱۲ ہزاروی)۔

تنبیہہ

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء شریف میں قاضی ابو عبداللہ بن مرابط مالکی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ جو شخص یوں کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست ہوئی، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس نے آپ کی توہین کی ہے اور یہ بات خاص آپ کی ذات کے حوالے سے جائز نہیں۔ کیونکہ آپ کو اپنے معاملے کی بصیرت اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔ (الشفاء جلد ۲ ص ۲۱۰)
اور یہ ہمارے مذہب (شافعی مذہب) کے موافق ہے۔ (کہ حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والا مرتد ہے)
لیکن علامہ بساطی مالکی[1] فرماتے ہیں کہ یہ قائل اگر اصل مسئلہ میں (مالکیوں کی) مخالفت کرتا ہے یعنی توہین کرنے والے کے حکم کے بارے میں تو اس کی ایک وجہ ہے (کہ اس نے مذہب بدل لیا) اور اگر اس بات پر موافق ہو گیا کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو یہ مشکل ہے۔[2]

احد کے واقعات میں حکمت

واقعہ احد اور اس میں جو تکلیف مسلمانوں کو پہنچی، اس میں بے شمار فوائد اور اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔
ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا انجام برا ہے اور ان کے

---

[1] علامہ بساطی مالکی رحمہ اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ہیں آپ شیخ الاسلام ہیں۔ مصر میں فقہ مالکی کے قاضی القضاۃ رہے۔ ۷۶۰ھ میں ولادت ہوئی اور علوم و فنون و تصانیف میں ایک بہت بڑا مقام حاصل کرنے کے بعد ۸۴۲ھ میں وفات پائی۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مالکی مذہب کو چھوڑ کر شافعی مسلک اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے تو یہ شافعی مذہب کے مطابق کہہ رہا ہے لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو گی تو یہ بات فقہ مالکی کے خلاف ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۵۷) بلکہ اس بات پر اجماع ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ دنیوی احکام میں قبول نہ ہو گی اور وہ واجب القتل ہے... ۱۲ ہزاروی۔

منع کردہ کام کے ارتکاب کی نحوست واقع ہوتی ہے کہ جب تیراندازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے چھوڑ دیا۔ (تو حالت بدل گئی)

دوسری بات یہ ہے کہ رسل عظام کے سلسلے میں سنت الٰہیہ یہ ہے کہ ان کی آزمائش کی جاتی ہے۔ پھر انجام کار کے طور پر ان کے لیے عافیت ہوتی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ان کی مدد ہمیشہ کی جائے تو غیر مسلم بھی مسلمانوں میں داخل ہو جائیں اور سچے لوگوں کو دوسروں سے ممتاز نہیں کیا جا سکے گا اور اگر ہمیشہ شکست ہو تو بعثت کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں باتوں کو اکٹھا کیا جائے تاکہ سچے اور جھوٹے میں تمیز ہو سکے۔

اس لیے کہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ ہوا اور انہوں نے اپنے قول و فعل سے اپنی منافقت کو ظاہر کیا حتیٰ کہ پوشیدہ بات ظاہر ہوگئی اور مسلمانوں نے جان لیا کہ ان کے شہر میں ان کے دشمن موجود ہیں تو وہ مستعد ہوگئے اور انہوں نے ان سے بچاؤ اختیار کیا۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ بعض مقامات پر مدد میں تاخیر نفس کی شکست اور اس کے تکبر کو توڑنا ہے۔ پس جب مسلمان مبتلا ہوئے تو انہوں نے صبر کیا اور منافق رونے پیٹنے لگے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت والے گھر میں مومن بندوں کے لیے منازل تیار کی ہیں جن تک اعمال کے ذریعے رسائی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آزمائش اور امتحان رکھا تاکہ ان منازل تک پہنچ سکیں۔

پانچویں حکمت یہ ہے کہ شہادت اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ مرتبہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کی طرف گامزن فرمایا۔

چھٹی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے لیے ایسے اسباب پیدا کیے جن کے وہ سزاوار تھے کہ انہوں نے کفر اور سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ایذا پہنچانے میں بغاوت کی راہ اختیار کی۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے گناہ مٹا دیئے اور کفار کو ہلاک کیا۔
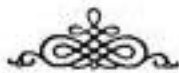
اُحد کے بعد

غزوۂ حمراء الاسد

یہ مقام مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کی طرف جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر راستے کی بائیں جانب آتا ہے۔

ہجرت کے بتیسویں مہینے کے آغاز میں اتوار کے دن جبکہ شوال کی سولہ یا آٹھ راتیں گزر چکی تھیں، یہ واقعہ ان لوگوں کی تلاش میں ہوا جو کل دشمنی کر چکے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ جائیں گے جو کل (غزوۂ احد میں) شریک ہوئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ تاکہ ان کو یہ خبر پہنچائیں کہ آپ ان کی طلب میں نکلے ہیں تاکہ ان کو آپ کی قوت کا احساس ہو اور مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے جو تکلیف پہنچی ہے اس نے ان کو کمزور نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سوموار، منگل اور بدھ کا دن ٹھہرے۔ پھر جمعہ کے دن مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔ آپ پانچ دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ (دلائل البیہقی جلد ۳ ص ۳۱۶ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۸) اس دوران آپ نے معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص پر کامیابی پائی اور آپ نے حکم دیا کہ اسے قید کر کے اس کی گردن ماری جائے۔

شراب کا حرام ہونا

حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ شوال میں شراب حرام کی گئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (ہجرت کے) چوتھے سال حرام ہوئی۔

امام احمد کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب تین مرحلوں میں حرام ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ شراب پیتے اور جوئے کا مال کھاتے تھے۔ ان دونوں چیزوں کے بارے میں صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (البقرۃ: ۲۱۹)

آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں کا گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

تو صحابہ کرام نے سوچا کہ یہ ہم پر حرام نہیں کی گئی۔ صرف اتنا فرمایا کہ ان میں گناہ زیادہ ہے۔

اور وہ شراب پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا آیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھائی تو ان کی قرأت خلط ملط ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی سخت (حکم والی) آیت نازل فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہتے ہو۔

اس کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے تو اس سے بھی سخت (حکم والی) آیت نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدۃ: ۹۰)

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور تیروں سے فال نکالنا ناپاکی ہے۔ شیطان کے عمل سے ہے پس تم اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۳۵۱)

صحابہ کرام نے کہا اے ہمارے رب! ہم باز آئے۔ (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۳۵۱)

میسر سے مراد جوا ہے اور اس کے علاوہ کا قول بھی کیا گیا ہے۔

اسی سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

سریہ ابی سلمہ

اس کے بعد سریہ ابی سلمہ ہوا جو ہجرت کے پینتیس ویں مہینے کے شروع میں محرم الحرام کے آغاز میں قطن مقام کی طرف ہوا یہ فیہ کے نواح میں ایک پہاڑ ہے۔ حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ایک سو پچاس صحابہ کرام تھے جو مہاجرین و انصار دونوں پر مشتمل تھے۔ یہ سریہ خویلد کے دو بیٹوں طلیحہ اور سلمہ کی تلاش میں گیا لیکن ان دونوں کو نہ پایا البتہ اونٹ اور بکریاں پائیں۔ چنانچہ ان کو لوٹا اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰)

سریہ عبداللہ بن انیس

اس کے بعد عبداللہ بن انیس کا سریہ ہوا اور ہجرت کے پینتیس ویں مہینے کے شروع میں محرم الحرام کی پانچ راتیں گزرنے پر سوموار کے دن سفیان بن خالد ہذلی کی تلاش میں تنہا عرفات کی وادی عرنہ کی طرف تشریف لے

گئے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تھی کہ اس نے لڑائی کے لیے لوگوں کو جمع کیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن انیس جب وہاں پہنچے تو اس نے پوچھا تم کس قبیلے سے ہو؟ فرمایا بنو خزاعہ سے تعلق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو جمع کیا ہے تو میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کے لیے آیا ہوں۔
اس نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ کچھ وقت اس کے ساتھ چلے پھر اسے غفلت میں قتل کر دیا اور اس کا سر اٹھا لائے۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، حتیٰ کہ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چہرے نے فلاح پائی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چہرہ انور نے فلاح پائی اور اس (سفیان) کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اٹھارہ راتیں غائب رہے اور ہفتہ کے دن جبکہ محرم کی سات راتیں باقی تھیں واپس تشریف لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰)

یوم رجیع

پھر ہجرت کے چھتیسویں مہینے کے شروع میں صفر کے مہینے میں عاصم بن ثابت کا سریہ ہے جو رجیع کی طرف گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰) رجیع قبیلہ ہذیل کے ایک چشمے کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان حجاز کے نواح میں واقع ہے۔ یہ واقعہ چونکہ اس چشمے کے قریب ہوا اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔
اور عضل اور قارہ کی حدیث یہ ہے کہ عضل بنو ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کا ایک بطن ہے جو عضل بن الدیش کی طرف منسوب ہے اور قارہ (قاف اور راء غیر مشددہ کے ساتھ) بھی ہون کا ایک بطن ہے۔ جو اسی دیش سے منسوب ہے۔ ابن درید نے کہا کہ قارہ سیاہ ٹیلہ ہے جس میں پتھر ہیں۔ گویا وہ وہاں اترے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۰)

رجیع اور بئر معونہ میں فرق

عضل اور قارہ کا واقعہ رجیع کی جماعت میں تھا، سریہ بئر معونہ میں نہیں۔ ابن اسحاق نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔ پس رجیع کا ذکر تیسرے سال کے آخر میں کیا اور بئر معونہ کا ذکر چوتھے سال کے آغاز میں۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۰)
اور واقدی نے ذکر کیا ہے کہ بئر معونہ کی خبر اور اصحاب رجیع کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہی رات پہنچی تھی۔
بخاری کے عنوان کے سیاق سے وہم پیدا ہوا کہ رجیع کا لشکر اور بئر معونہ ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے، کیونکہ رجیع کی جماعت حضرت عاصم، حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کی جماعت ہے اور یہ عضل اور قارہ کی طرف سے تبلیغ کے لیے گئے تھے پھر ان کے ساتھ ٹکراؤ ہوا اور بئر معونہ قراء

کا گروہ تھا جو رعل اور ذکوان کی طرف سے تبلیغ کے لیے گیا تھا اور پھر ان سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ امام بخاری نے اسے اس کے ساتھ اس کے قریب ہونے کی وجہ سے شامل کیا۔

اور اس کے قرب پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں بنو لحیان، بنو عصیہ اور ان کے غیر کو شریک کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۱)

امام بخاری نے ان کو ایک واقعہ قرار دینے کا ارادہ نہیں کیا اور عضل اور قارہ کا ذکر صراحتاً نہیں کیا۔

حادثۂ رجیع کے واقعات

ابن اسحاق نے اس واقعہ کا ذکر غزوۂ احد کو مکمل طور پر ذکر کرنے کے بعد کیا اور کہا یوم رجیع کا ذکر اس طرح ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ احد کے بعد عضل اور قارہ کا ایک گروہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم اسلام لاتے ہیں۔ پس اپنے کچھ صحابہ کرام کو بھیجیں جو ہمیں دین سکھائیں۔ آپ نے ان کے ساتھ چھ صحابہ کرام کو بھیجا اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کو ان کا امیر بنایا۔ ابن سحاق کی سیرت میں اسی طرح ہے اور صحیح (بخاری) میں ہے کہ آپ نے عاصم بن ثابت کو ان پر امیر مقرر کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔ یہی زیادہ صحیح بات ہے۔ وہ صحابہ کرام ان لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، حتیٰ کہ رجیع کے پاس پہنچے جو ہذیل قبیلے کا پانی ہے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیتے ہوئے ہذیل کو ان کے خلاف بلایا۔

صحابہ کرام کجاووں میں تھے اور وہ خوفزدہ نہ ہوئے ان لوگوں نے تلواریں اٹھا رکھی تھیں [illegible] انہوں نے [illegible] صحابہ کرام کو گھیر لیا تھا۔ صحابہ کرام نے بھی تلواریں لے لیں تاکہ ان سے لڑیں۔ تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم چاہتے ہیں تمہارے عوض اہل مکہ سے کچھ حاصل کریں (یعنی ہم تمہیں ان کے حوالے کر [illegible] ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق ہے کہ ہم [illegible] قتل نہیں کریں گے، لیکن صحابہ کرام نے اس عہد سے انکار کر دیا اور حضرت مرثد، خالد اور عاصم رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک کا عہد قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی کی اور شہید ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۸)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ حتیٰ کہ جب وہ عسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہداۃ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ہذیل کے ایک قبیلے بنو لحیان کو بلا لیا تو انہوں نے ان کے لیے دو سو مردوں کو جمع کیا اور بعض راویوں کے نزدیک اس طرح ہے کہ ایک سو تیر اندازوں کے ساتھ ان کے پیچھے چلے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے ایک سو تیر انداز نہ تھے۔ (کل دو سو تھے، ایک سو تیر انداز اور ایک سو غیر تیر انداز)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی)

ابو معشر نے اپنے مغازی سے اس طرح روایت کیا کہ وہ سحری کے وقت رجیع کے پاس اترے اور عجوہ

کھجوریں (ایک عمدہ قسم کی کھجور) کھائیں اور ان کی گٹھلیاں اس جگہ پھینک دیں، وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ ہذیل قبیلے کی ایک عورت بکریاں چراتے ہوئے آئی تو کھجوروں کو دیکھ کر ان کے چھوٹا ہونے کو اجنبی جانتے ہوئے کہا کہ یہ یثرب (مدینہ طیبہ) کی کھجوریں ہیں۔ اس نے اپنی قوم کو آواز دی کہ دشمن تم پر پہنچ گئے ہیں، چنانچہ وہ ان کی تلاش میں آئے۔ وہ پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ ان کے نشانات پر ان کے پاس جا پہنچے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ قوم کے ان لوگوں نے ان کو ڈرایا جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور انہوں نے ان کو گھیر رکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۵۵، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

جب حضرت عاصم اور آپ کے ساتھیوں نے ان کی موجودگی کو محسوس کیا تو انہوں نے فدفد میں (بلند ٹیلے پر) پناہ لی۔ قوم نے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے اگر تم ہماری طرف اترو تو تمہارے لیے عہد اور پکا وعدہ ہے کہ ہم تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی کافر کے ذمہ پر نہیں اترتا۔ پھر (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا یااللہ! ہماری طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچادے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور جس دن ان کو شہید کیا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۴)

انہوں نے تیر پھینک پھینک کر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور حضرت خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم ان کے عہد و پیمان پر اتر آئے۔

وہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو لے کر چلے گئے، حتیٰ کہ انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آپ ان کے پاس قیدی کے طور پر رہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کو شہید کرنے پر متفق ہوئے تو آپ نے بنو حارث کی ایک لڑکی سے استرا ادھار لیا کہ اس سے بال صاف کریں۔ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے سے غافل ہو گئی اور وہ بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ عورت کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں آپ اسے قتل نہ کر دیں، اس لیے وہ پریشان ہو گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دھوکہ نہیں دوں گا۔

راوی فرماتے ہیں، اس عورت نے کہا: میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے اچھا قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے دیکھا وہ آدمی کے سر کے برابر انگور کے خوشہ سے کھا رہے تھے، حالانکہ آپ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ مکرمہ میں کوئی پھل نہ تھا۔ یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۸)

کرامت

یہ وہ کرامت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ یہ کفار کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صحیح ہونے پر دلیل اور نشانی تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

اور اہل سنت کے نزدیک اولیاء کرام کے لیے کرامت مطلقاً ثابت ہے لیکن بعض محققین نے جیسا کہ علامہ الربانی ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ ہیں، اس چیز کو مستثنیٰ کیا جس کے ذریعے بعض انبیاء کرام علیہم السلام نے دشمن کا مقابلہ کیا تو انہوں نے کہا اولیاء کرام باپ کے بغیر اولاد پیدا کرنے اور اس طرح کے دوسرے کاموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس سلسلے میں یہ مذہب نہایت اعتدال پر مبنی ہے۔

لیکن فوری طور پر دعا کی قبولیت، کھانے کا زیادہ ہو جانا، آنکھوں سے غائب چیز کو دیکھ لینا اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے کاموں کی خبر دینا اور اس قسم کی بے شمار کرامات ہیں وہ لوگ جو صلاح کی طرف منسوب ہیں (یعنی نیک لوگ ہیں) ان سے ان چیزوں کا وقوع عام عادت کی طرح (یقینی) ہوتا ہے۔

تو اس وقت عادت کے خلاف بات کا ظاہر ہونا اس صورت میں منحصر ہے جو امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور جس شخص نے مطلق کا قول کیا کہ جو کام نبی سے بطور معجزہ ظاہر ہوتا ہے وہ بطور کرامت ولی سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس کو اس مندرجہ بالا صورت کے ساتھ مقید کرنا ہوگا (یعنی پہلی صورت جو اوپر بیان ہوئی مثلاً باپ کے بغیر بیٹے کا پیدا ہونا یہ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے اور وہ معجزات جو دوسری قسم کے مطابق ہیں۔ مثلاً کھانے کا زیادہ ہونا وغیرہ۔ وہ کرامت بھی بن سکتے ہیں۔ ... ۱۲ ہزاروی)۔

اور اس کے علاوہ جو بات عام لوگوں کے نزدیک ٹھہر چکی ہے کہ عادت کے خلاف عمل جس آدمی سے ظاہر ہو، وہ ولی ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اہل باطل مثلاً جادوگر، کاہن اور راہب سے بھی خلاف عادت کام ظاہر ہوتے ہیں۔ پس جو شخص اس کے ذریعے اولیاء کرام کی ولایت پر استدلال کرتا ہے، وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اولیاء کرام اور دوسروں کے اس عمل کے درمیان فرق بیان کرے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے سب سے بہتر بات جو ذکر کی ہے، وہ یہ ہے کہ جس آدمی سے خلاف عادت کام ظاہر ہو، اس کی آزمائش کی جائے۔ اگر وہ شرعی اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہوتا ہے تو یہ کام اس کی ولایت کی دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فتح الباری سے بطور خلاصہ یہ عبارت تحریر کی گئی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

روایات سابقہ کا تتمہ

جب وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر لے گئے کہ آپ کو شہید کر دیں تو آپ نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی) اور موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے دو رکعتیں وہاں پڑھیں جہاں آج مسجد تنعیم ہے۔ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے کچھ فاصلے پر حدود حرم سے باہر مسجد تنعیم ہے) اور یوں دعا مانگی:

اللھم احصھم عددا ولا تبق منھم احدا واقتلھم بددا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی)

اے میرے اللہ! انہیں چن چن کر ہلاک کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑنا اور ان کو جدا جدا ہلاک کر دے۔

تو سال کے اندر اندر وہ سب ہلاک ہو گئے۔

حضرت بریدہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا اللہ! مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دے، یا اللہ تو ان تک میرا اسلام پہنچا دے۔
(فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۵)

ابو الاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی۔ پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر پڑھے:

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان للہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشا یبارک علی اوصال شلو ممزع

"جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جاؤں تو مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر اللہ تعالیٰ کے لیے گرتا ہوں"۔

"اور میرا یہ قتل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو میرے کٹے ہوئے جسم کے ہر جوڑ میں برکت دے"۔

اوصال وصل کی جمع یعنی عضو، الشلو جسم کو کہتے ہیں اور عضو پر بھی بولا جاتا ہے، یہاں جسم ہی مراد ہے۔ ممزع کٹا ہوا اور معنی یہ ہے کہ کٹے ہوئے جسم کے اعضاء۔

ابو الاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں اس شعر کا اضافہ ہے:

لقد اجمع الاحزاب فی ولبوا قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

"میرے بارے میں گروہ متفق ہو گئے اور انہوں نے اپنے قبیلوں کو ترغیب دی اور ہر مجمع کو جمع کیا"۔

یہ شعر بھی ہے:

الی اللہ اشکو غربتی بعد کربتی وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی

"سختیاں اٹھانے کے بعد جو مسافرت ہے تو اس کی شکایت میں اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور اس چیز کی شکایت جو گروہوں نے مجھے پچھاڑنے کے وقت ارادہ کیا"۔

ابن اسحاق نے تیرہ اشعار نقل کیے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان اشعار کا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے انکار کیا ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۵)

شہادت سے پہلے دو رکعتیں

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہید ہونے سے پہلے ہر اس مسلمان کے لیے دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ جاری کیا جو قید کر کے قتل کیا جائے۔ ابن اسحاق نے اسی طرح کہا ہے۔ ابن اسحاق کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سنت جاریہ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۱)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل سنت قرار پایا۔ حالانکہ سنت تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر (آپ کے سامنے کوئی کام ہوا اور آپ نے منع نہ فرمایا تو یہ تقریر ہے) کا نام ہے۔ لیکن چونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوا اور آپ نے اس فعل کو اچھا قرار دیا اور مسلمانوں نے بھی اسے اچھا سمجھا۔ اس لیے یہ سنت قرار پایا اور نماز وہ بہترین عمل ہے جو بندے کا آخری عمل ہونا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ دو رکعتیں ادا کی تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ تھے۔ جس طرح ہم نے حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ سے ان کی سند کے ساتھ جو حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ تک پہنچی ہے، ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طائف میں ایک شخص سے خچر کرائے پر حاصل کی۔ خچر کے مالک نے کہا کہ وہ جہاں چاہے گا ان کو اتار دے گا۔ راوی فرماتے ہیں وہ ایک ویران جگہ کی طرف مڑا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اتر جائیں۔ چنانچہ آپ اتر گئے۔ اس ویرانے میں بہت سے مقتول تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ وہ آپ کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑو میں دو رکعتیں نماز پڑھ لوں۔ اس نے کہا پڑھئے۔ تم سے پہلے ان لوگوں نے نماز پڑھی لیکن ان کی نماز نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں جب میں نے نماز پڑھ لی تو وہ میرے پاس مجھے قتل کرنے کے لیے آیا۔ میں نے کہا: اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! فرماتے ہیں اس نے ایک آواز سنی اس کو قتل نہ کرنا۔ چنانچہ وہ ڈر گیا۔ وہ آواز دینے والے کی تلاش میں نکلا لیکن کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ پھر میری طرف لوٹا تو میں نے پھر پکارا اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تین مرتبہ ایسا کیا تو اتنے میں ایک شخص جو گھوڑے پر سوار تھا آیا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آلہ تھا جس کے سرے سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ اس نے اسے اس شخص کے پیٹ میں اس طرح داخل کیا کہ پیٹھ کی طرف سے نکل گیا اور وہ مر کر گر گیا۔ پھر اس سوار نے حضرت زید سے کہا کہ جب آپ نے پہلی بار پکارا "اے ارحم الراحمین" تو میں ساتویں آسمان میں تھا۔ جب دوسری بار پکارا تو میں دنیا کے آسمان (پہلے آسمان) پر تھا۔ تیسری بار پکارا تو میں تمہارے پاس آگیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۱)

خبر رجیع کی تکمیل

حضرت ابوالاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھاتے ہوئے جب انہوں نے آپ کے جسم پر نیزوں سے کچوکے لگانے شروع کیے تو انہوں نے آپ کو پکارا اور قسم دے کر پوچھا کہ کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! نہیں میں اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جگہ آپ کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

اور کہا جاتا ہے کہ یہ بات زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ ابو سفیان نے پوچھا اے زید! میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ ہمارے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ان کی گردن ماری جائے اور تم اپنے گھر والوں کے پاس ہو؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں ہیں وہاں آپ کو کوئی کانٹا چبھے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور میں اپنے گھر والوں کے پاس بیٹھا رہوں۔ ابو سفیان نے کہا میں نے کسی محبوب کے ایسے محب نہیں دیکھے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں، پھر نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۸)

قریش نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا ایک حصہ طلب کیا تاکہ ان کو پہچانیں۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن قریش کے بڑے بڑے لوگوں میں سے ایک سردار کو قتل کیا تھا اور شاید یہ سردار عقبہ بن ابی معیط تھا۔ حضرت عاصم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے باندھ کر قتل کیا۔ جب وہ لوگ بدر سے جا رہے تھے۔

ابن اسحاق کے نزدیک اور اسی طرح بریدہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جب عقبہ کو قتل کیا تو قبیلہ ہذیل نے ارادہ کیا تھا کہ ان کا سر مبارک حاصل کر کے سلافہ بنت سعد پر بیچیں گے اور سلافہ، مسافع اور جلاس کی ماں تھی اور یہ دونوں ابو طلحہ عبدری کے بیٹے تھے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو احد کے دن قتل کیا تھا اور اس عورت نے اس وقت نذر مانی تھی کہ اگر وہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حاصل کرنے پر قادر ہوئی تو وہ اس کھوپڑی میں شراب پئے گی۔

طبری نے کہا ہے کہ اس نے آپ کا سر لانے والے کے لئے ایک سو اونٹنیاں (بطور انعام) مقرر کی تھیں لیکن بھڑوں نے ان لوگوں کو آپ کے قریب نہ آنے دیا اور وہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا تھا کہ کوئی مشرک ان کے جسم کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ جس طرح مومن بندے کی دنیا میں حفاظت فرماتا ہے اسی طرح اس کے وصال کے بعد بھی اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت مبارک کو مشرکین سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں آپ کی دعا قبول فرمائی لیکن چونکہ ان کو شہادت کا درجہ دینا تھا اس لئے قتل سے نہ روکا اور آپ کی کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم اقدس کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے ذریعے بے حرمتی سے محفوظ فرمایا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۶)

بئر معونہ

جگہ اور تاریخ

سریہ منذر بن عمرو بئر معونہ کی طرف گیا۔ معونہ، مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان ہذیل کے علاقوں میں سے ایک جگہ ہے۔ یہ سریہ ہجرت کے چھتیسویں مہینے کے شروع میں صفر کے مہینے میں ہوا اور اس وقت غزوہ احد کے بعد چوتھا مہینہ شروع ہوا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حطاب سلمی کو بھیجا تاکہ وہ راستے کی راہنمائی کریں اور یہ سریہ رعل کے مقابل گیا جو بنو سلیم کا ایک بطن ہے اور وہ رعل بن عوف بن مالک کی طرف منسوب ہیں۔ ذکوان بھی بنو سلیم کا ایک بطن (ذیلی قبیلہ) ہے جو ذکوان بن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے۔ تو یہ غزوہ (یعنی سریہ) معونہ کی طرف منسوب ہے۔ (کیونکہ یہ لوگ وہاں اترے تھے۔)

واقعہ کی تفصیل

یہ واقعہ سریہ قراء کے نام سے مشہور ہے۔ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو "ملاعب اسنہ" (اور ملاعب الرماح بھی کہتے ہیں) کے نام سے مشہور تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی اسلام سے دور رہا۔ بلکہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اپنے صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کو اہل نجد کی طرف بھیجیں تو میں ان لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اہل نجد سے ڈر لگتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کو نقصان پہنچائیں۔ ابو براء نے کہا میں ان کو پناہ دیتا ہوں لہٰذا آپ ان کو بھیجیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۴)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ستر قراء کرام کو بھیجا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶، کتاب المغازی)

کہا گیا ہے کہ وہ چالیس تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۴) اور تیس کا قول بھی کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان فرمایا کہ وہ دن کو لکڑیاں چنتے اور رات کو نماز پڑھتے

تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶ کتاب المغازی)

اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ ان لکڑیوں (کو بیچ کران کی رقم) کے ذریعے اہل صفہ[1] کے لیے کھانا خریدتے اور رات کے وقت قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹ کتاب الامارات)

وہ لوگ چلے گئے حتیٰ کہ بئر معونہ پر اترے اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی دے کر اللہ تعالیٰ کے دشمن عامر بن طفیل عامری کے پاس بھیجا اور یہ عامر حالت کفر میں مرا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۸)

عامر بن طفیل اسلمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الگ شخصیت تھے۔ جب حضرت حرام اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کے مکتوب گرامی کی طرف نہ دیکھا حتیٰ کہ ظلم کرتے ہوئے ان کو شہید کر دیا' پھر بنو عامر سے ان قراء کے خلاف مدد طلب کی تو انہوں نے مدد نہ کی اور کہا کہ ہم ابو براء کا عہد نہیں توڑیں گے۔ ابو براء نے ان قراء کو پناہ دی تھی اور عہد کہا تھا پھر اس نے بنو سلیم کے قبائل سے ان کے خلاف مدد مانگی' یعنی بنو عصیہ اور بنو رعل سے مدد کا طالب ہوا تو انہوں نے اس کی بات کو مان لیا پھر وہ باہر نکلے اور ان قراء کو جہاں وہ اترے تھے وہاں ہی گھیر لیا۔ انہوں نے جب یہ حالت دیکھی تو تلواریں لے کر لڑنا شروع کر دیا' حتیٰ کہ سب شہید ہوگئے۔ البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اس حال میں چھوڑا کہ ان میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ آپ اس کے بعد بھی زندہ رہے' حتیٰ کہ غزوۂ خندق کے دن شہید ہوئے۔

اور عمرو بن امیہ ضمری قید ہوئے۔ جب انہوں نے ان کو بتایا کہ ان کا قبیلہ مضر سے تعلق ہے تو عامر بن طفیل نے انہیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ اس کی ماں کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اطلاع ملی تو فرمایا: یہ ابو براء کا کام ہے' مجھے اس کا خوف تھا اور میں اس بات کو ناخوشگوار جانتا تھا۔ ابو براء تک یہ بات پہنچی تو وہ عامر بن طفیل کے اس عمل پر افسوس کرتے ہوئے انتقال کر گیا۔

اس دن حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید کیے گئے لیکن ان کا جسم نہ ملا' ان کو فرشتوں نے دفن کیا تھا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا

ابن سعد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسرے پر اس قدر غمگین نہیں دیکھا جس قدر غمگین بئر معونہ والوں پر

[1] صفہ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ہے' جہاں اسلام کی پہلی درسگاہ قائم ہوئی۔ اصحاب صفہ دن رات وہاں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے تھے ... (ہزاروی)۔

[2] حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عامر بن طفیل نے حضرت عامر بن فہیرہ کے بارے میں پوچھنے کے بعد کہا کہ میں نے دیکھا شہادت کے بعد اسے آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۷۷)

دیکھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۴)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جن لوگوں نے بئر معونہ والوں کو شہید کیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس دن تک صبح کے وقت ان کے خلاف بددعا کی۔ آپ نے رعل، لحیان اور عصیہ کے خلاف بددعا فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو لوگ بئر معونہ کے دن شہید ہوئے ان کے بارے میں قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی جسے ہم پڑھتے تھے پھر اس کے بعد وہ منسوخ ہوگئی یعنی اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی، وہ یہ تھی:

بلغوا قومنا انا قد لقينا ربنا فرضي عنا ورضينا عنه۔

ہماری قوم تک یہ بات پہنچاؤ کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۷ کتاب المساجد)

اس روایت (مندرجہ بالا) میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بئر معونہ کے دن بنو لحیان نے ان قراء کرام کو شہید کیا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان کو رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو سلیم کے جو لوگ ان کے ہمراہ تھے انہوں نے شہید کیا۔ بنو لحیان نے رجیع والے وفد کو شہید کیا تھا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کی خبر ایک ہی وقت میں ملی اس لیے آپ نے ان سب کے لیے بددعا کی جنہوں نے دو جگہ پر صحابہ کرام کو شہید کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ بنو عامر سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان کو رہنے دیا حتیٰ کہ وہ دونوں سو گئے تو حضرت عمرو نے ان کو قتل کر دیا اور خیال کیا کہ انہوں نے اپنے بعض ساتھیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے کہ ان کی دیت میں ادا کروں گا۔

ابن اسحٰق وغیرہ نے کہا ہے کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ان سے ان دو مقتولوں کی دیت کے سلسلے میں مدد چاہیں جن کو حضرت عمرو بن امیہ نے قتل کیا تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے عہد و پیمان تھا اور بنو نضیر اور بنو عامر کے درمیان بھی معاہدہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس ان دونوں کی دیت کے سلسلے میں طلب مدد کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ جس طرح چاہیں ہم آپ کو مدد دیں گے، پھر وہ علیحدگی میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کبھی نہ پاؤ گے اور آپ اس وقت ان کے مکانات کی ایک دیوار کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔

انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کون شخص اس گھر کی چھت پر چڑھ کر یہ پتھر آپ ﷺ پر پھینکے اور آپ کو قتل کر دے اور ہمیں ان سے نجات دے؟ چنانچہ عمرو بن جحاش بن کعب اس کام کے لیے تیار ہوا اور آپ پر پتھر پھینکنے کے لیے اوپر چڑھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چند صحابہ تھے جن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ سلام بن مشکم نے کہا: ایسا نہ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے اس ارادے کی خبر دے گا اور ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے یہ اس کی خلاف ورزی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

ابن اسحٰق کہتے ہیں: ان لوگوں نے جو ارادہ کیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے اس کی خبر آ گئی اور آپ ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام کو وہیں چھوڑتے ہوئے جلدی جلدی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام آپ ﷺ کی واپسی میں تاخیر کے باعث آپ کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ نے ان کو یہودیوں کے دھوکے پر مبنی ارادے کی خبر دی۔

ابن عقبہ کہتے ہیں اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۳)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ (المائدہ: ۱۱)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر کی جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا۔

غزوۂ بنو نضیر

تاریخ غزوہ

اس کے بعد غزوۂ بنو نضیر واقع ہوا۔ (نون پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر ہے) اور یہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول شریف میں واقع ہوا۔ ابن اسحٰق نے اسے یہاں ذکر کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ ص ۱۹۰)

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مناسب [illegible] سے غزوۂ [illegible] کے بعد ذکر کیا [illegible] عقیل بن خالد وغیرہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: غزوۂ بنو نضیر واقعہ بدر کے بعد چھٹے مہینے کے شروع میں احد سے پہلے ہوا۔

داؤدی نے ابن اسحٰق کے قول کو ترجیح دی ہے یعنی غزوہ بنو نضیر بئر معونہ کے بعد واقع ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا، ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ۔ (الاحزاب: ۲۶)

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتارا۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ کمزور استدلال ہے کیونکہ یہ آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے ہی لشکروں کو مدد دی تھی جبکہ بنو نضیر کے بارے میں لشکروں کا ذکر نہیں ہے بلکہ لشکروں کو جمع کرنے کا سب سے بڑا سبب ان کی (بنو نضیر کی) جلاوطنی تھی۔ ان کے سرداروں میں حیی بن اخطب تھا اور اسی نے بنو قریظہ کے لیے غدر اور لشکروں کی موافقت کو اچھا جانا تھا، حتیٰ کہ ان کی ہلاکت واقع ہوئی تو جو چیز سابق ہے وہ لاحق کیسے ہو سکتی ہے۔ (پہلے والی کیسے بعد والی ہو سکتی ہے۔) (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۵۴)

غزوہ کا سبب

کچھ پہلے گزر چکا ہے کہ عامر بن طفیل نے حضرت عمرو بن امیہ کو اپنی والدہ کی طرف سے آزاد کیا تھا جب اس نے بئر معونہ والوں کو شہید کیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو ان کی بنو عامر کے دو آدمیوں کے ساتھ مڈبھیڑ ہو گئی جن کا حضور علیہ السلام سے معاہدہ تھا لیکن حضرت عمرو کو اس بات کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرو

بنو نضیر کا محاصرہ

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہودیوں) سے لڑنے اور ان کی طرف جانے کا حکم دیا۔
ابن ہشام نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں (نماز پڑھانے کے لیے) عامل مقرر فرمایا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۶)، پھر صحابہ کرام کو لے کر چلے، حتی کہ وہاں پہنچ کر چھ راتیں ان کا محاصرہ کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: وہ لوگ قلعوں میں بند ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت کاٹ کر جلانے اور مکان ڈھانے کا حکم دیا تو انہوں نے آواز دی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو فساد سے منع کرتے اور ایسا کرنے والے پر اعتراض کرتے تھے تو یہ درخت کاٹ کر کیوں جلائے گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۸)

حضرت سہیلی فرماتے ہیں: اہل تاویل نے کہا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں اس کلام سے کچھ شبہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ۔ (الحشر: ۵)

جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ (وہ) فاسقوں کو رسوا کرے۔

لینہ عجوہ اور برنی کھجوروں کے علاوہ کھجوروں کی اقسام ہیں پس اس آیت میں بتایا کہ آپ نے ان کی صرف وہ کھجوریں جلائیں جن میں انسان کی روزی نہیں ہے اور یہودی عجوہ کھجور سے روزی حاصل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے:

العجوة من الجنة وتمرها يغذو احسن غذاء۔

عجوہ (کھجور) جنت سے ہے اور اس کا پھل بہترین غذا مہیا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۸، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۹)

برنی کھجور میں بھی اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں لینہ کا ذکر فرمایا۔ کھجور کے درختوں کا عمومی ذکر نہیں کیا۔ یہ اس بات پر تنبیہہ ہے کہ دشمن کے وہ درخت جن سے غذا حاصل ہوتی ہے، ان کو کاٹنا مکروہ ہے۔ جب اس بات کی امید ہو کہ وہ مسلمانوں تک پہنچیں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۷)

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ بنو عوف بن خزرج کی ایک جماعت جن میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا۔ انہوں نے بنو نضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہو اور مقابلہ کرو، ہم تمہیں ہرگز ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ پس انہوں نے انتظار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے بنو نضیر کی مدد نہ کی، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمیں جلاوطن کر دیں، لیکن ہمارے خون بہانے سے باز رہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۷)

ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ جب ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کرنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر دے دی تو آپ نے ان کی طرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ اور میرے ساتھ یہاں نہ رہو۔ تم نے دھوکہ بازی کا جو ارادہ کیا وہ کیا۔ میں تمہیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم میں سے جو بھی دکھائی دیا، میں اس کی گردن مار دوں گا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

چنانچہ وہ چند دن ٹھہرے اور تیاری کرنے لگے اور لوگوں سے طاقتور اونٹ کرایہ پر لے رہے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنے گھروں سے نہ نکلنا اور اپنے قلعوں میں ڈٹے رہنا۔ میری قوم کے دو ہزار عرب تمہارے قلعوں میں داخل ہوں گے اور قریظہ اور تمہارے حلیف لوگ تمہیں مدد دیں گے جن کا غطفان قبیلے سے تعلق ہے۔ حیی بن اخطب نے عبداللہ بن ابی کی بات پر امید باندھ لی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے، آپ جو چاہیں کریں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر ان کی طرف چل پڑے اور آپ نے عصر کی نماز بنو نضیر میں پڑھی، جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنے قلعوں پر کھڑے ہو گئے تیر اور پتھر ان کے ہاتھوں میں تھے۔ عبداللہ بن ابی ان سے الگ ہو گیا اور اس نے ان کی مدد نہ کی۔ اسی طرح ان کے حلیف بنو غطفان بھی الگ رہے اور وہ ان کی [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور ان کے درخت کاٹے اور آپ نے ان سے فرمایا: مدینہ طیبہ سے چلے جاؤ تمہاری جانیں اور وہ مال جو اونٹ اٹھا کر لے جائیں معاف ہیں، لیکن زرہیں اور ہتھیار نہیں لے جا سکتے یہودیوں نے اس بات کو مان لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مکان تباہ کر رہے تھے۔

پھر آپ نے ان کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیا اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالنے پر مقرر فرمایا۔ وہ اپنی عورتوں، بچوں اور چھ سو اونٹوں پر سامان لے کر خیبر چلے گئے اور اس سے منافقوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۸)

مال غنیمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال پر قبضہ فرمایا اور اسلحہ میں سے پچاس زرہیں، پچاس خود (لوہے کی ٹوپیاں) اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔

بنو نضیر کا یہ مال خالص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا کہ ضرورتوں کے لیے روک کر رکھیں اور آپ نے اس میں سے کسی کو بھی حصہ نہیں دیا کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور سوار نہیں دوڑائے (جہاد نہیں کیا) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا اور ان کو ان کے گھروں سے خیبر کی طرف نکال دیا

گیا۔وہ مسلمانوں سے لڑنے کی وجہ سے وہاں سے نہیں نکلے۔

چنانچہ یہ مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں تقسیم کر دیا تاکہ انصار ان کی مدد کی وجہ سے جو مشقت اٹھا رہے ہیں، وہ دور ہو جائے کیونکہ انہوں نے ان کو اپنے مالوں اور مکانوں میں حصہ دار بنا دیا تھا البتہ حضرت ابودجانہ اور سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کی حاجت کی وجہ سے عطا فرمایا۔

الاکلیل میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سیف بن ابی الحقیق کی تلوار دی اور یہ تلوار ان لوگوں کے ہاں مشہور تھی۔

غزوۂ ذات الرقاع

تاریخ میں اختلاف

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ یہ کب ہوا؟ ابن اسحاق کے نزدیک بنو نضیر والے واقعہ کے بعد چوتھے سال ربیع آلاخر اور جمادی (جمادی الاولیٰ) کے کچھ دنوں میں ہوا۔ (السیرۃ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۱) ابن سعد اور ابن حبان کے نزدیک پانچویں سال محرم الحرام میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱) ابو معشر نے قطعی طور پر کہا ہے کہ بنو قریظہ کے بعد پانچویں سال ذی قعدہ میں ہوا۔ پس ذات الرقاع کا وقوع پانچویں سال کے آخر اور چھٹے سال کے شروع میں ہوا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جھکاؤ اس طرف ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا اور انہوں نے اس سلسلے میں چند باتوں سے استدلال کیا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کو خیبر سے پہلے ذکر کیا۔ پس مجھے معلوم نہیں انہوں نے اصحاب مغازی (غزوات کا تذکرہ لکھنے والے) کی بات تسلیم کرتے ہوئے قصداً ایسا کیا کیونکہ وہ (اصحاب مغازی) اس کو غزوہ خیبر سے پہلے مانتے ہیں یا آپ سے روایت کرنے والوں نے ایسا کر دیا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذات الرقاع دو مختلف غزووں کا نام ہے جس طرح امام بیہقی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ اصحاب مغازی نے اگرچہ اس کے خیبر سے پہلے ہونے کو قطعی قرار دیا، پھر بھی اس کے وقت میں انہوں نے اختلاف کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۴۲۱)

عقبہ نے اس کے مقدم ہونے پر جزم کیا لیکن اس کے وقت میں تردد کرتے ہوئے فرمایا: ہمیں معلوم نہیں یہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، احد سے پہلے ہوا یا بعد میں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ اس تردد کا کچھ حاصل نہیں بلکہ جس بات کو قطعی قرار دینا چاہئے وہ اس غزوہ کا غزوہ بنو قریظہ کے بعد ہونا ہے کیونکہ غزوہ خندق میں نماز خوف پڑھنے کا حکم نہیں ہوا تھا اور غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف ثابت ہے تو یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ خندق کے بعد ہوا۔

پھر امام بخاری کے قول کہ ”یہ خیبر کے بعد ہے“ کے بعد فرمایا: اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ خیبر کے بعد تشریف لائے اور جب بات اس طرح ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ غزوہ ذات الرقاع میں شریک ہوئے تو لازم آیا کہ یہ خیبر کے بعد ہوا۔

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: مجھے ابن سید الناس[1] کی بات پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ کی حدیث کو اس بات کی دلیل بنایا کہ غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا۔ وہ فرماتے ہیں حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس پر دلالت کرے۔ ابن سید الناس کا کلام ختم ہوا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۴۲۲)

ابن حجر فرماتے ہیں (ابن سید الناس کی) یہ نفی مردود ہے اور اس پر دلالت واضح ہے جیسا کہ میں نے تقریر کی ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں: دمیاطی نے صحیح حدیث کے غلط ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ تمام سیرت نگار اس کے خلاف ہیں حالانکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ سیرت نگار اس کے وقت میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں تو زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ جو کچھ صحیح حدیث سے ثابت ہے اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۲۲)

امام غزالی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ آخری غزوہ ہے، واضح طور پر غلط ہے اور ابن صلاح نے اس قول کا اچھی طرح انکار کیا ہے۔ بعض حضرات جنہوں نے امام غزالی کا ساتھ دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاید امام غزالی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہو کہ آخری غزوہ جس میں نماز خوف پڑھی گئی، غزوہ ذات الرقاع ہے۔

لیکن ان کی یہ حمایت مردود ہے۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے جو حدیث نقل کی، اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا، وہ اس کا رد کرتی ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے، حالانکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے اور اس پر اتفاق ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۲۲، سنن نسائی جلد اول ص ۲۳۱، سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۷۵)

وجہ تسمیہ

اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صحابہ کرام نے اپنے جھنڈوں میں پیوند لگائے تھے۔ یہ بات ابن ہشام نے کہی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جگہ ایک درخت تھا جس کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ جس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اترے، وہاں زمین کا ایک ٹکڑا سیاہ اور ایک حصہ سفید تھا۔ گویا اس زمین میں مختلف پیوند لگے ہوئے تھے اس لیے اسے ذات الرقاع کہا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۱)

یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کے گھوڑوں میں سیاہی اور سفیدی تھی۔ یہ بات ابن حبان نے کہی ہے۔

واقدی نے کہا ہے کہ وہاں ایک پہاڑ ہے جس میں مختلف ٹکڑے ہیں۔ اس لیے اس پہاڑ کے نام پر اس غزوہ کا نام رکھا گیا۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے ابن حبان نے اس کو سند بنایا ہو اور ان کو خیل اور جبل

---

[1] ابن سید الناس کو علامہ زرقانی نے اپنے شیوخ کا شیخ بتایا ہے۔

میں مغالطہ ہو گیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: داؤدی نے عجیب بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کو ذات الرقاع اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں نماز خوف واقع ہوئی تو نماز کے تقسیم ہونے کی وجہ سے اس کو ذات الرقاع کہا گیا۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۳)

امام سہیلی فرماتے ہیں: سب سے زیادہ صحیح قول وہ ہے جو امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ ہم چھ آدمی تھے۔ ہمارے درمیان ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہو رہے تھے۔ ہمارے قدم گھس گئے اور میرے قدم بھی گھس گئے اور ناخن گر پڑے۔ ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھتے تھے۔ اس لیے اسے غزوہ ذات الرقاع کہا گیا کیونکہ ہم نے کپڑوں کے ٹکڑے پٹیوں کے طور پر اپنے پاؤں پر باندھے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۲، کتاب المغازی)

غزوہ کا وقوع

ابن اسحاق کے قول کے مطابق غزوہ ذات الرقاع کا بیان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کا قصد فرمایا۔ آپ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جن کا غطفان سے تعلق ہے، کا ارادہ فرما رہے تھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ان لوگوں نے فوج جمع کی ہوئی ہے، چنانچہ آپ چار سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔ بعض نے سات سو کہا ہے (اس دوران) آپ نے مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ حتیٰ کہ نجد میں غطفان کی زمین کے ایک مقام "نخل" میں اترے۔

ابن سعد کہتے ہیں: ان لوگوں کی منازل میں صرف عورتوں کو پایا تو ان کو پکڑ لیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی اور لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوئے، لیکن ان کے درمیان جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ انہوں نے ایک دوسرے کو خوف زدہ کیا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی، پھر لوگ واپس ہو گئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۳)

ابن سعد کہتے ہیں یہ پہلی نماز خوف تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱)

نماز خوف کئی طریقوں سے مروی ہے اور عنقریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بیان میں اس کے آسان طریق کا ذکر ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ میں پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔

آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم غزوہ ذات الرقاع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب ہم ایک سایہ دار درخت کے پاس آئے تو ہم نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا۔ مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ اس نے اس تلوار کو میان سے نکالا اور کہنے لگا: آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳)

ابو عوانہ کے نزدیک یوں ہے کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھایا اور فرمایا تجھے، مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ اچھے لینے والے ہو جائیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں (یعنی کلمہ شہادت پڑھو)۔ اس اعرابی نے کہا: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے نہیں لڑوں گا اور نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو کہنے لگا میں تمہارے پاس سب سے بہتر انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۷۶)

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے سزا نہیں دی۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳، کتاب الجہاد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ذات پر مواخذہ نہ فرمایا اور اسے معاف کر دیا کیونکہ آپ کفار سے زیادہ الفت فرماتے تھے تاکہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔

امام بخاری نے ابوالیمان کی روایت سے جہاد کے ضمن میں نقل کیا کہ اس شخص نے تین بار کہا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۰۸، کتاب الجہاد)

یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی بھی آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتا۔

وہ اعرابی آپ کے سر پر کھڑا تھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس تلوار نہیں تھی۔

اعرابی کا بار بار یہ کہنا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا ورنہ اسے کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ اس نے بار بار پوچھا جبکہ وہ آپ کو قتل کر کے اپنی قوم سے حصہ پاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب کہ "اللہ تعالیٰ" یعنی وہ مجھے تم سے بچائے گا" اس میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اس لیے جب اعرابی نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے جواب میں اضافہ نہیں فرمایا اور اس میں اسے معمولی سمجھنا اور عدم توجہ پائی جاتی ہے۔

اور واقدی نے اس واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کی طرف واپس گیا۔

چنانچہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی۔
واقدی نے یہ بھی کہا کہ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی کمر میں درد اٹھا اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ زمین پر گر گیا۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: مسدد نے ابو عوانہ اور انہوں نے ابو بشر سے روایت کیا کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا (غورث بروزن جعفر)
خطابی نے کہا کہ غویرث تصغیر کے ساتھ ہے اور غزوہ غطفان میں گزر چکا ہے اور وہ غزوہ ذی امر ہے جو نجد کے نواح میں ہوا۔ اس قسم کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا اور اس شخص کا نام دعثور تھا۔ وہ تلوار لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہوا اور کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ "حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے میں مکا مارا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔
(السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۰)
عیون الاثر میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دو خبریں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔
دوسرے محققین نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دو واقعات دو غزووں میں ہوئے ہیں۔
اس واقعہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے بہادر ہونے، آپ کی قوت یقین، اذیتوں پر صبر اور جاہلوں سے بردباری کا پتا چلتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس ہوئے تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ نے چلنے میں سستی کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر عصا کی کیل چبھوئی تو وہ تمام سواریوں سے آگے چلنے لگا۔ پھر فرمایا: کیا اسے مجھ پر بیچتے ہو؟ چنانچہ آپ نے اسے خرید لیا اور فرمایا: مدینہ طیبہ تک تم اس پر سواری کر سکتے ہو۔ جب وہاں پہنچے تو اس کی قیمت ادا کی بلکہ زیادہ عطا فرمائی اور اونٹ بھی ان کو ہبہ کر دیا۔ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔[1] (صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۱)
اس حدیث میں بیع اور اس کی شرط کو جمع کرنے کے جواز پر دلیل نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا جس کا ذکر طویل ہے۔[2] واللہ اعلم۔

---

[1] صحیح بخاری میں بیس مقامات پر اس کا ذکر ہے، لیکن یہ بات مذکور نہیں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا اسی لیے انہوں نے اسے غزوات میں ذکر نہیں کیا بعض روایات کے مطابق غزوہ تبوک کے موقع پر یہ واقعہ پیش آیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۹۳)
[2] ممکن ہے یہ شرط مشورے کے وقت نہ ہو بلکہ بعد میں طے ہوئی ہو اور یہ جائز ہے عقد میں ایسی شرط ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

دوسرا غزوۂ بدر

یہ غزوہ بدر صغریٰ ہے اور اسے بدر موعد بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ، غزوہ ذات الرقاع کے بعد شعبان کے مہینے میں ہوا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو جمادی الاولیٰ سے رجب کے آخر تک گزارا پھر شعبان میں ابوسفیان سے وعدہ کی وجہ سے بدر کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذی قعدہ کے شروع میں یہ واقعہ ہوا۔

ابوسفیان کا وعدہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، یہ تھا کہ ابوسفیان نے احد کے دن کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ رہا کہ آئندہ سال بدر میں اکٹھے ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا، کہو ہاں ہمارے اور تمہارے درمیان یہ جگہ مقرر ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ کرام تھے اور دس گھوڑے تھے (اس دوران) آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر میں ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔

ابوسفیان (مکہ مکرمہ سے) نکلے اور مرالظہران کے نواح مجنہ میں، اور کہا جاتا ہے کہ یہ عسفان کا گرد و نواح ہے، اترے پھر واپسی مناسب خیال کی اور کہا: اے قریش کی جماعت تمہارے لیے مناسب وہ سال ہے جس میں سبزہ زیادہ ہو اور زرخیزی ہو کہ تم اس میں (جانوروں کو) درختوں کے پتے کھلاؤ اور دودھ پیو اور اس وقت خشک سالی ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ اہل مکہ نے اسے ستوؤں کا لشکر (جیش السویق) قرار دیا۔ وہ کہتے تھے تم صرف ستو پینے کے لیے گئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں آٹھ دن ٹھہرے اور جو سامان صحابہ کرام کے پاس تھا انہوں نے اسے بیچ دیا اور ایک درہم کے دو درہم نفع پایا (اس موقع پر) مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران: ۱۷۲)

وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے، بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا۔ ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عماد بن کثیر نے واضح طور پر کہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۸۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۲، کتاب المغازی للواقدی جلد اول ص ۳۰۲))

غزوۂ دومۃ الجندل

دال پر پیش ہے اور یہ ایک شہر ہے۔ اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ راتوں کی مسافت پر ہے۔ مدینہ طیبہ سے یہ پندرہ یا سولہ راتوں کی مسافت پر ہے۔ ابوعبید البکری نے کہا کہ دومی بن اسماعیل جو وہاں اترا تھا۔ اس کے نام

پر اس شہر کا یہ نام رکھا گیا۔

یہ غزوہ ربیع الاول شریف میں ہوا اور یہ ہجرت کا انچاسواں مہینہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں جو وہاں سے گزرنے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ربیع الاول شریف کی پانچ راتیں باقی تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر چلے۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔

(اس دوران) آپ نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر کیا۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو وہاں صرف بکریاں اور اونٹ تھے، چنانچہ ان کے جانوروں اور چرواہوں پر اچانک حملہ کیا تو کچھ کو پالیا اور کچھ جانور بھاگ نکلے۔ جب اہل دومہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ منتشر ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میدان میں اترے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ آپ چند دن وہاں ٹھہرے اور چھوٹے چھوٹے لشکر پھیلا دیئے۔ وہ اس حال میں واپس آئے کہ کوئی بھی قتل نہ ہوا۔ آپ بیس ربیع الآخر کو مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۲)

غزوۂ بنو مصطلق

وقت اور جگہ

غزوہ مریسیع (میم پر پیش، راپر زبر دونوں یاء ساکن سین کے نیچے زیر اور آخر میں عین ہے) یہ بنو خزاعہ کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اس کے اور فرع کے درمیان دو دن کی مسافت ہے۔

اسے غزوہ بنو مصطلق کہتے ہیں، مصطلق (میم پر پیش صاد ساکن طاء پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے) یہ لقب ہے اور نام جذیمہ بن سعد بن عمرو ہے۔ بنو مصطلق خزاعہ کا بطن (ذیلی قبیلہ) ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۲)

ہجرت کے پانچویں سال جب شعبان کی دو راتیں گزر چکی تھیں، یہ غزوہ ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن اسحاق نے کہا ہجرت کا چھٹا سال تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا چوتھا سال تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳ کتاب المغازی)

علماء فرماتے ہیں گویا امام بخاری رحمہ اللہ کا قلم سبقت کر گیا۔ انہوں نے پانچواں سال لکھنا چاہا تو چوتھا لکھ دیا اور موسیٰ بن عقبہ کے مغازی میں جو کچھ ہے، وہ متعدد طرق سے منقول ہے۔ جیسے امام حاکم، ابو سعید نیشاپوری اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور دیگر حضرات نے پانچواں سال ذکر کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۴۴، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۲)

غزوہ کا سبب اور اس میں کیا رونما ہوا

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو مصطلق کا رئیس حارث بن ابی ضرار اپنی قوم اور جن عربوں کے پاس جا سکتا تھا گیا اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کے ساتھ لڑائی کے لیے جانے پر تیار ہو گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور حارث بن ابی ضرار سے ملاقات کر کے اس سے گفتگو کی اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹ آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے منافقین کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس قدر منافقین کسی غزوہ میں نہیں شامل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر

فرمایا اور کل تیس گھوڑے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔

حارث اور اس کے ساتھیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا پتا چلا تو ان کو یہ خبر بری معلوم ہوئی اور وہ لوگ بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے حتیٰ کہ ان کے ساتھ جو باقی عرب تھے، وہ منتشر ہو گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع میں پہنچ گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا جبکہ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔

کچھ دیر باہم تیراندازی ہوتی رہی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ متفق ہو کر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے دس آدمیوں کو قتل کیا اور باقی تمام کو قیدی بنالیا۔ عورتیں، مرد، بچے اور اونٹ، گائے، بکریاں سب کو لے آئے اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ (سیرت ابن اسحاق)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جو کچھ مروی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت چھاپہ مارا جب وہ غفلت میں تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے بنو مصطلق پر چھاپہ مارا جب وہ بے خبر تھے اور چشمے پر جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ ان میں لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنالیا جب کہ وہ وہاں چشمے پر ہی تھے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۵ کتاب العتق)

تو اس بات کا احتمال ہے کہ جب ان پر حملہ کیا تو تھوڑے لوگ ثابت قدم رہے۔ جب قتل زیادہ ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اس طرح کہ جب ان پر اچانک حملہ کیا تو وہ پانی پر تھے انہوں نے صف بندی کی اور دونوں گروہوں کے درمیان لڑائی واقع ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان ان پر غالب آ گئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۳)

آیت تیمم کا نزول

کہا گیا ہے کہ اسی غزوہ میں آیت تیمم نازل ہوئی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، پھر انہوں نے حدیث تیمم ذکر کی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸ کتاب التیمم)

فتح الباری میں ہے "فی بعض اسفارہ" (کسی ایک سفر میں) کے سلسلے میں ابن عبدالبر نے التمہید میں فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ بنو مصطلق تھا اور "الاستذکار" میں اسے قطعی قرار دیا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور غزوہ بنو مصطلق ہی غزوہ مریسیع ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ افک ہے۔[1] اور اس کا آغاز ہار کے گرنے کی وجہ سے ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں ایک سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ گئی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ مجھے کجاوہ میں لے جایا جاتا اور اس میں اتارا جاتا۔ حضور علیہ السلام اس غزوہ سے واپس ہوئے اور

(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے......)

اگر وہ بات ثابت ہو جو انہوں نے قطعی طور پر بیان کی ہے تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ہار اس سفر میں دو بار گرا کیونکہ دونوں واقعات مختلف ہیں جس طرح ان واقعات کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے۔

یہ قطعیت جو بعض سیرت نگاروں نے ذکر کی ہے' اسے ہمارے بعض مشائخ نے بعید قرار دیا ہے کیونکہ مریسیع، قدید اور ساحل کے درمیان مکہ مکرمہ کے نواح میں سے ہے اور تیمم کا واقعہ خیبر کے نواح میں ہوا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا "یہاں تک کہ ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں تھے اور یہ دونوں مقامات مکہ مکرمہ اور خیبر کے درمیان ہیں۔ جس طرح امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات پر جزم فرمایا۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ امام نووی نے جس بات کو قطعی قرار دیا۔ وہ ابن التین کے جزم کے خلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بیداء ذوالحلیفہ ہے جو مکہ مکرمہ کے راستے میں مدینہ طیبہ کے قریب ہے اور ذات الجیش ذوالحلیفہ کے پیچھے ہے۔

ابو عبید البکری نے اپنی معجم میں کہا ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقابلے میں مقام بیداء مکہ مکرمہ کے زیادہ قریب ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو چلایا۔ پھر فرمایا ذات الجیش مدینہ طیبہ سے ایک برید (تقریباً بارہ میل) کے فاصلے پر ہے۔ نیز فرمایا کہ بیداء اور عقیق کے درمیان سات میل کا فاصلہ ہے اور عقیق مکہ مکرمہ کے راستے پر ہے۔ خیبر کے راستے پر نہیں۔ پس جو کچھ ابن التین نے فرمایا وہ درست قرار پایا۔

(فتح الباری جلد اول ص ۳۶۵)

بعض حضرات نے فرمایا کہ ہار متعدد مرتبہ گم ہوا۔ ان لوگوں میں محمد بن حبیب اخباری بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار غزوہ ذات الرقاع میں گرا اور غزوہ بنو مصطلق میں بھی۔

اس بارے میں میں اہل مغازی کا اختلاف ہے کہ ان دو غزووں میں سے پہلے کس غزوہ میں ہار گرا۔ داؤدی کہتے ہیں: تیمم کا واقعہ غزوہ فتح میں ہوا۔ پھر انہوں نے اس میں تردد کیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے پتہ نہ چلا کہ میں کس طرح کروں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۱۵۹) تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنو مصطلق کے بعد ہوا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ساتویں سال اسلام قبول کیا اور یہ واقعہ اس کے بعد ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام بخاری کا خیال ہے کہ غزوہ ذات الرقاع حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد ہوا اور ان کی آمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت ہوئی۔

(....گزشتہ صفحے سے) مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے۔ میں قضائے حاجت کے لیے گئی تو ادھر کوچ کا اعلان ہو گیا۔ میں واپس کجاوے میں آئی تو دیکھا کہ میرا ہار نہیں ہے۔ واپس تلاش کرنے گئی۔ اتنے میں لوگ آئے وہ میرے کجاوے کو اٹھا کر لے آئے اور ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ اس سلسلے میں آپ پر من گھڑت الزام لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں برأت نازل فرمائی۔ تفصیلی واقعہ تفاسیر میں دیکھیں۔....۱۲ ہزاروی۔

یہ بات کہ تیمم کا واقعہ، واقعہ افک کے بعد ہوا۔ اس پر امام طبرانی کی یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے۔ وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں: جب میرا ہار والا معاملہ ہوا جو بھی ہوا، اور جھوٹ باندھنے والوں نے کہا جو کچھ کہا، تو میں ایک اور غزوہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئی تو اب بھی میرا ہار گم ہوا حتیٰ کہ لوگ اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے بیٹی! تو جس سفر میں ہوتی ہے، اس میں صحابہ کرام کے لیے مشقت اور آزمائش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی اجازت پر مشتمل حکم نازل فرمایا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے بیٹی!) بے شک تو مبارک ہے۔[1]

اس حدیث کی سند میں محمد بن رازی ہیں جن (کی ثقاہت) کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو عتاب کیا وہ صحیح بخاری میں مبہم ہے (اور یہاں اس کی تفصیل ہے) اس بات کی تصریح ہے کہ ہار دو بار دو غزووں میں گم ہوا۔

(فتح الباری جلد اول ص ۳۶۷)

وہ جس نے اللہ کے حکم سے اس کے لیے عہد کو پورا کیا

اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی نے کہا تھا کہ اگر ہم مدینہ طیبہ کی طرف واپس گئے تو ہم میں سے عزت والے، ذلت والوں کو ضرور بالضرور باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو نہایت ضبط کرنے والے اور یاد رکھنے والے تھے انہوں نے یہ بات سنی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ (المنافقون: ۱)	جب منافق آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زید اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق کر دی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۸، کتاب التفسیر)

(ابن اسحاق اور دیگر اہل مغازی کے نزدیک یہ واقعہ غزوہ تبوک میں ہوا)

اس غزوہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۵)

---

[1] چونکہ تیمم کی اجازت کے سلسلے میں آیت کریمہ کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی تلاش میں وہاں ٹھہرنا تھا تو گویا مسلمانوں کو یہ برکت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ خندق

وجہ تسمیہ

یہ غزوۂ احزاب ہے۔ یعنی اس میں کئی گروہ شریک ہوئے۔ (احزاب، حزب کی جمع ہے یعنی گروہ) اور اسے غزوہ خندق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اہل عرب کے ہاں خندق کا طریقہ مروج نہیں تھا بلکہ اہل فارس یہ طریقہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ فارس میں جب ہمارا محاصرہ ہو جاتا تو ہم خندق کھود دیتے تھے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کی ترغیب کے لیے خود بھی اس میں کام کیا۔

اس غزوہ کو غزوہ احزاب کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مشرکین کے کئی گروہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جمع ہوئے اور وہ قریش، غطفان اور اسی طرح یہودی اور ان کے ساتھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں سورہ احزاب کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۱)

غزوۂ خندق کی تاریخ

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: ہجرت کے چوتھے سال شوال میں ہوا، ابن اسحاق کے نزدیک پانچویں سال شوال میں ہوا۔ دوسرے اہل مغازی (غزوات کے تذکرہ نگار حضرات) نے بھی اسے قطعی قرار دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ ص ۱۹۸۷ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۹۵)

جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ موسیٰ بن عقبہ کے قول کی طرف مائل ہیں اور انہوں نے اس بات کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے مضبوط کیا۔ وہ فرماتے ہیں: غزوہ احد کے موقع پر وہ چودہ سال کے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی اور خندق کے دن وہ پندرہ سال کے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔

تو ان دونوں کے درمیان ایک سال ہوا چونکہ غزوہ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوا، اس لیے غزوہ خندق چوتھے سال ہوا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

لیکن جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں کوئی حجت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہو سکتا ہے' غزوہ احد کے وقت انہوں نے چودھویں سال میں قدم رکھا ہو اور غزوہ احزاب میں ان کی عمر پندرہ سال مکمل ہو گئی ہو۔ امام بیہقی نے یہی جواب دیا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۹۶)

شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ہوا۔

یہودیوں کا مختلف گروہوں کو جمع کرنا

اس غزوہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ کچھ یہودی مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس آئے اور کہنے لگے عنقریب ہم آپ کا ساتھ دیں گے تاکہ اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا) کی بیخ کنی کریں۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس بات پر متفق ہوئے اور ایک دوسرے سے معاہدہ کیا۔

پھر وہ یہودی وہاں سے نکل کر غطفان کے پاس آئے جو قیس غیلان سے ہیں اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی دعوت دی نیز ان کو بتایا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں گے اور قریش نے بھی ان سے معاہدہ کیا اور اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔

اب قریش ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں اور غطفان عیینہ بن حصن کی قیادت میں جس کا قبیلہ فزارہ سے تعلق تھا' نکلے جب کہ مرہ کا امیر حارث بن عوف مری تھا۔

دونوں جماعتوں کی تعداد

ابن اسحاق کے مطابق ان لوگوں کی تعداد دس ہزار تھی اور مسلمان تین ہزار تھے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۸)

ابن سعد نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس چھتیس گھوڑے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۶)

خندق کھودنا

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جماعتوں کی اور جس بات پر وہ متفق ہوئے' اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی اس میں حصہ لیا۔

تاکہ مسلمانوں کو ثواب میں رغبت دلائیں چنانچہ مسلمانوں نے آپ کے ساتھ شرکت کی۔ آپ نے ایک طریقہ اختیار کیا اور انہوں نے اسے اپنایا۔

لیکن منافق لوگ اس پر عمل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ شریک نہ ہوئے اور وہ بہانہ بناتے تھے کہ وہ کمزوری کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتے۔

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ہم غزوہ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ صحابہ کرام خندق کھودتے اور ہم اپنے کاندھوں پر مٹی اٹھا کر لے جاتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ　　اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔
فاغفر للمھاجرین والانصار۔　　پس تو مہاجرین و انصار کو بخش دے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

بعض روایات میں لفظ "اکتاد" کے بجائے "اکبادنا" ہے یعنی اپنے پہلوؤں پر مٹی اٹھاتے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۳)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: مہاجرین و انصار ٹھنڈی صبح میں خندق کھودتے اور ان کے پاس غلام نہیں تھے جو یہ کام کرتے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تھکاوٹ اور بھوک کو دیکھا تو فرمایا:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ　　اے اللہ! بے شک زندگی تو آخرت کی زندگی ہے
فاغفر للانصار والمھاجرۃ۔　　پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

صحابہ کرام جواب میں یوں کہتے:

نحن الذین بایعوا محمدا　　ہم وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد کے لیے بیعت کی، جب تک ہم زندہ رہیں گے۔
علی الجھاد ما بقینا ابدا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

ابن بطال کہتے ہیں "اللھم لا عیش الا عیش الاخرہ۔" حضرت ابن رواحہ کا قول ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور حارث بن ابی اسامہ طاؤس کی مرسل روایت سے نقل کرتے ہیں کہ اس رجز کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

والعن عضلا والقارۃ　　یا اللہ! عضل اور قارہ پر لعنت بھیج۔ انہوں نے ہمیں پتھر اٹھانے پر مجبور کیا۔
ھم کلفونا نقل الحجارۃ۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۳)

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب احزاب اور خندق کا دن تھا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ خندق سے مٹی اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ غبار کی وجہ سے مجھے آپ کے شکم مبارک کا چمڑا نظر نہیں آتا تھا اور آپ کے شکم مبارک پر بہت بال تھے۔[1]

---

[1] علامہ زرقانی فرماتے ہیں: یہ بات نہیں بلکہ سینے سے شکم مبارک تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ دونوں روایتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ وہ لکیر اگرچہ پتلی ہو لیکن اس میں بال زیادہ ہوں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۷)

میں نے سنا آپ حضرت ابن رواحہ کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ آپ یوں کہتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الالی قد رغبوا علینا وان ارادوا فتنۃ ابینا

"اے اللہ! اگر تو نہ ہو تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے"۔
"پس ہم پر سکون اتار دے اور اگر ہمارا ان سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔
"بے شک ان لوگوں نے ہم سے لڑائی میں رغبت کی۔ اور وہ فرار چاہتے ہیں تو ہم نے انکار کیا"۔

راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔
انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

ان الالی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

"ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی، جب وہ بھاگنے کا ارادہ کریں تو ہم نہیں مانیں گے"۔

حارث بن ابی اسامہ کی سلیمان بن طرخان تیمی کی حدیث، جو ابو عثمان النہدی نے روایت کی ہے، میں یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خندق میں ضرب لگائی تو فرمایا:

بسم الالہ وبہ بدینا ولو عبدنا غیرہ شقینا
فحبذا ربا وحب دینا

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۶)

"اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم آغاز کرتے ہیں اور اگر ہم اس کے غیر کی پوجا کریں تو ہم سخت بدبخت ہوں۔ پس وہ کتنا اچھا رب ہے اور ہمارا دین کتنا اچھا ہے"۔

نہایہ میں ہے بدیت بالشئی دال کے نیچے زیر ہے یعنی میں نے اسے شروع کیا یعنی "بدءات" تھا جب ہمزہ میں تخفیف کر کے اسے یاء سے بدلا تو دال کو زیر دے دی۔ اس میں یاء اصلی نہیں ہے۔

معجزات

خندق کھودنے کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کئی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، ہم خندق والے دن (خندق) کھود رہے تھے کہ سخت پتھریلی زمین آگئی۔ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خندق میں سخت پتھریلی جگہ آگئی ہے۔ آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے شکم اطہر پر ایک پتھر باندھ رکھا

تھا۔ ہم نے تین دن سے کوئی چیز چکھی نہیں تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لے کر ماری تو وہ پتھر ریت کی طرح ہوگیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

ایک روایت میں لفظ "اھْیَل" ہے اور دوسری روایت میں "اھیم" ہے یعنی ایسی ریت جسے پانی سیراب نہیں کر سکتا۔ راوی نے اسی طرح شک کے ساتھ بیان کیا اور اسماعیلی کی روایت میں صرف لام کے ساتھ اھیل ہے (شک نہیں) معنی یہ ہیں کہ ایسی ریت جو چلتی ہے، ٹھہرتی نہیں۔ اھیل اور اھیم دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ۔ (الواقعہ: ۵۵) پھر ایسا پیو گے جیسے سخت پیاسے اونٹ پئیں۔

اس سے وہ ریت مراد ہے جسے پانی سیراب نہیں کرتا۔[1]

اس واقعہ میں امام احمد اور امام نسائی کے نزدیک کچھ اضافہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کے ایک حصے میں ہمارے سامنے ایک چٹان آئی جس میں کدال اثر نہیں کرتی تھی۔ ہم نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ تشریف لائے اور کدال پکڑ کر بسم اللہ پڑھی۔ ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا تیسرا حصہ بکھر گیا۔ آپ نے "اللہ اکبر" کہتے ہوئے فرمایا: مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری مرتبہ کدال ماری تو دوسری تہائی کو بھی توڑ دیا۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا: مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی قسم میں اب مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو بسم اللہ پڑھی اور پتھر کا باقی حصہ بھی توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا "اللہ اکبر" مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت یہاں سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔[2]

(مسند امام احمد جلد ۴ ص ۳۰۳ مرویات براء رضی اللہ عنہ سنن نسائی، جلد ۲ ص ۶۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات نبوت میں سے وہ بات بھی ہے جسے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ خندق کے دن تھوڑا کھانا زیادہ ہوگیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی) اس کی تفصیل انشاء اللہ معجزات کے باب میں بیان ہوگی۔ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا۔ اس میں لعاب مبارک ڈالا، پھر دعا مانگی اور وہ پانی اس سخت پتھر پر ڈال دیا تو حاضرین کہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا وہ ریت بن گیا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۹)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اس کے طرق متعدد ہیں۔ امام بیہقی نے بھی اسے کثیر بن عبداللہ کے طریق سے روایت کیا۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ علاقے فتح ہوئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: فتح کرو جو تمہارے لیے ظاہر ہو، تم قیامت تک جو شہر فتح کرو گے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی چابیاں پہلے ہی دے دی گئی ہیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۰)... ۱۲ ہزاروی

کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ تھوڑا سا کھانا سب اہل خندق کو کفایت کر گیا تھا... ۱۲ ہزاروی)

خندق کھودنے کی مدت

حضرت موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک صحابہ کرام خندق کھودنے میں تقریباً بیس راتیں مصروف رہے۔ واقدی کے نزدیک چوبیس راتیں اور امام نووی کے "الروضہ" دس پندرہ دن اور ابن قیم کی "الھدی النبوی" میں ایک مہینہ مصروف رہنے کا ذکر ہے۔

دونوں لشکروں کی تفصیل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے معاملے سے فارغ ہوئے تو قریش پہنچ گئے اور وہاں اُترے جہاں سیلاب کا پانی جمع ہوتا ہے۔ وہ اپنے دس ہزار حلیف ساتھیوں کے ہمراہ تھے اور دوسرے لوگ جو اُن کے تابع تھے یعنی بنو کنانہ اور تہامہ میں سے۔ عیینہ بن حصن غطفان اور ان کے متبعین جو اہل نجد سے تھے وہ اُحد کی طرف اترے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ہمراہ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ ان کی پشت سلع پہاڑ کی طرف کر دی۔ اُن کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے وہاں لشکر کو ٹھہرایا۔ خندق آپ کے اور قوم کے درمیان تھی۔ (فتح الباری جلد۷ ص۳۰۲، السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ ص۱۸۹) مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے پاس اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف حفاظت کرنے والوں کو بھیجتے تھے کیونکہ بچوں وغیرہ پر بنو قریظہ (یہودیوں) کا خوف تھا۔ (اس دوران مدینہ طیبہ میں نمازوں کے لیے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

ابن اسحاق کہتے ہیں اللہ کا دشمن حیی بن اخطب نکلا اور کعب بن اسد قرظی کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے والا تھا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے لیے مصالحت اور معاہدہ کیا تھا۔ کعب نے اس پر اپنے قلعے کا دروازہ بند کر دیا اور کھولنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا اے حیی واپس جا تو منحوس شخص ہے۔ میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کیا ہے لہٰذا جو کچھ ہمارے درمیان ہے میں اسے نہیں توڑوں گا۔ میں نے ان سے وفا اور سچائی ہی دیکھی ہے۔ حیی نے کہا تجھ پر ہلاکت ہو دروازہ کھول۔ وہ مسلسل مطالبہ کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے کھول دیا۔ اس نے کہا تجھے ہلاکت ہو۔ اے کعب! میں تیرے پاس زمانے کی عزت کو لایا ہوں یعنی میں قریش کو لایا ہوں حتیٰ کہ میں نے ان کو سیلابوں کو جمع ہونے کی جگہ اتارا اور ان کے علاوہ غطفان ہیں

ان سب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو (معاذ اللہ) مکمل طور پر ختم نہ کردیں یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ وہ مسلسل زور ڈالتا رہا، حتیٰ کہ کعب نے اپنا عہد نامہ توڑ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے درمیان جو معاہدہ تھا اس سے براءت کا اظہار کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں احزاب کے دن میں اور عمرو بن سلمہ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پتھروں سے بنے ہوئے قلعے میں عورتوں کے پاس تھے۔[1]

میں نے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دو یا تین مرتبہ اپنے گھوڑے پر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے گئے۔ میں قلعے سے واپس آیا تو میں نے کہا ابا جان! میں نے آپ کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ فرمایا: بیٹا! تم نے مجھے دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون شخص بنو قریظہ کے پاس جائے گا تاکہ وہ ان کی خبر میرے پاس لائے۔ تو میں وہاں گیا جب میں واپس آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا یعنی فرمایا: "فداک ابی وامی" (اے زبیر) تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۷، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۹۰، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۵)[2] اصحاب، مغازی کی روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا ان کے ساتھ حضرت ابن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا تاکہ ان کی خبر معلوم کریں تو انہوں نے ان (یہودیوں) کو پہلی خبر سے بھی زیادہ بری حالت پر پایا۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان سے ہی انکار کر دیا اور اپنے عہد و پیمان سے براءت ظاہر کی پھر یہ چاروں حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے عضل اور قارہ والا طریقہ کیا یعنی انہوں نے جس طرح اصحاب رجیع کے ساتھ دھوکہ کیا ان لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۰) (اصحاب رجیع کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے)

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خندق کی طرف تشریف لے گئے تو ازواج مطہرات اور اپنی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا کو قلعہ میں چھوڑا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ دس یہودی آئے اور قلعے پر تیر پھینکنے لگے۔ ان میں سے ایک دروازے کی طرف آیا اور چکر لگانے لگا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے خیمہ کا ایک بانس لے کر اسے مارا اور قتل کر کے یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۲، ۱۲ ہزاروی)

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت سے متعلق مختلف روایات کی بنیاد پر اس وقت آپ کی عمر دو یا تین سال اور کچھ ماہ یا چار سال تھی اس سے معلوم ہوا کہ چار سال سے کم عمر کے بچے کا حدیث سننا صحیح ہے (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳) نیز اس عمر کے بچے کا وہاں موجود ہونا اور والد سے گفتگو تعجب خیز نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

قریظہ کے دھوکے کے بعد مسلمانوں کا لشکر

اس وقت بہت بڑی آزمائش اور مصیبت کا سامنا ہوا اور خوف بڑھ گیا۔ مسلمانوں کے دشمن اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے آئے حتیٰ کہ مسلمان مختلف قسم کے گمان (مدد یا مایوسی) کا شکار ہو گئے۔

اور بعض منافقین کا نفاق بھی ظاہر ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۰) اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت اتاری:

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۔ (الاحزاب: ۱۲)

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا ہے۔

اور کچھ لوگ جو اس منافق (عبداللہ بن ابی) کے ہمراہ تھے، کہنے لگے اے اہل مدینہ! تم ٹھہر نہیں سکتے، واپس چلے جاؤ اور اوس بن قیظی نے کہا یا رسول اللہ! بے شک ہمارے گھر دشمن سے غیر محفوظ ہیں۔ ہمیں اجازت دیں کہ ہم واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارے گھر مدینہ طیبہ سے باہر ہیں۔[1]

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی گھوڑے پر آیا تاکہ خندق عبور کرے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے) تو وہ خندق میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ مشرکین پر یہ بات گراں گزری انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو دیت دیتے ہیں۔ آپ اسے ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم اسے دفن کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب بھیجا کہ یہ خبیث ہے اور اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی دیت پر لعنت بھیجی۔ ہم تمہیں اس کی تدفین سے نہیں روکتے اور ہمیں اس کی دیت کی کوئی غرض نہیں۔[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس حال میں وہاں ٹھہرے رہے کہ دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور جنگ کی صرف یہی صورت تھی کہ تیراندازی کا تبادلہ ہوتا تھا لیکن عمرو بن عبدود عامری (نوے سالہ بوڑھا) اور اس کے کچھ ساتھی اپنے گھوڑوں پر خندق کے تنگ حصے کی طرف سے گھس آئے حتیٰ کہ (خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان) شوریدہ زمین میں آگئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کر کے

---

[1] علامہ زرقانی فرماتے ہیں بعض لوگوں نے اوس بن قیظی کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے اسے منافق قرار دیا لیکن الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے کہ اوس اور اس کے دو بیٹے عرابہ اور عبداللہ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ واللہ اعلم۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳) ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن ہشام کے مطابق انہوں نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائے۔ ۱۲ ہزاروی۔

اسے واصل جہنم کیا۔[1]

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ سامنے آیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور باقی سوار شکست کھاتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۱)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر لگا جس سے آپ کی رگ اکحل کٹ گئی۔ یہ رگ بازو کے درمیان ہوتی ہے۔ خلیل بن احمد ازدی نحوی کہتے ہیں کہ یہ رگ حیات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ہر عضو میں ہوتا ہے پس ہاتھ میں وہ اکحل کہلاتی ہے۔ پیٹھ میں ابہر اور ران میں اسے نسا کہتے ہیں۔ جب وہ کٹتی ہے تو خون نہیں رکتا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ابن عرقہ نے تیر مارا تھا اس کا تعلق بنو عامر بن لوئی سے تھا اس نے کہا تھا یہ تیر مجھ سے لو اور میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو جہنم میں ڈالے۔ (کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی) اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا یا اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ باقی رکھا ہے تو اسے میرے لیے بھی باقی رکھ۔ مجھے کسی قوم سے جہاد کرنا اتنا پسند نہیں جتنا اس قوم سے پسند ہے جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور ان کو جھٹلایا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ انیس راتیں وہاں ٹھہرے۔ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ نے جو اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، انہوں نے ایک قوم (بنو قریظہ) کو دوسری قوم (قریش) سے روک دیا اور ان کے درمیان شر ڈال دیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحرب خدعة" (لڑائی ایک چال ہے) پس وہ کسی بات پر متفق نہ ہوئے۔

---

[1] عمرو بن عبدود نے تین مرتبہ دعوت مبارزت دی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کیا لیکن حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ آپ فرماتے یہ عمرو ہے تیسری مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگرچہ عمرو ہو چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کو اجازت دی۔ عمامہ پہنایا، اپنی تلوار عطا فرمائی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت اور جنگ سے باز رہنے کے لیے کہا۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا میرا خیال نہیں تھا کوئی مجھے یوں کہے گا تم کون ہو؟ فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ اس نے کہا بھتیجے اپنے کسی بڑی عمر والے چچا کو بھیجو میں تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں۔ اسے غصہ آگیا دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۴)

[2] حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عظمت یہ ہے کہ ان کے وصال پر عرش بھی خوشی سے جھوم اٹھا کہ یہ پاکیزہ روح اس کی طرف جائے گی۔

جنگ کی رات

امام حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: میں دیکھتا ہوں احزاب کی رات ابو سفیان اور اس کے ساتھی ہم سے اوپر اور قریظہ ہم سے نچلی جانب تھے۔ ہمیں اپنی اولاد کا ڈر تھا اور اس رات سے بڑھ کر تاریک اور سخت آندھی والی رات ہم پر کبھی نہیں آئی۔ منافق اجازت لے رہے تھے اور کہتے تھے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا تھا۔ میرے ساتھ صرف تین سو افراد رہ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور قوم کی خبر لاؤ اور میرے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ٹھنڈک اور خوف دونوں چیزیں دور کر دیں۔ میں ان کے لشکر میں داخل ہوا تو ہوا ان کے لشکر سے ایک بالشت بھی تجاوز نہیں کرتی تھی۔ میں واپس لوٹا تو میں نے اپنے راستے میں کچھ سوار دیکھے۔ انہوں نے کہا اپنے صاحب (آقا) سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے ان کی کفایت کی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خبر لانے کے لیے بھیجا تو انہوں نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ اے قریش کے گروہ! اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ مقام ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوگئے۔ ہمارے اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس ہوا سے جو تکلیف پہنچ رہی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا یہاں سے کوچ کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ کوچ کرتا ہوں۔ ابھی اونٹ کی رسی بندھی ہوئی تھی کہ ابوسفیان چھلانگ لگا کر اونٹ پر چڑھ گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۳)

حضرت زبیر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کی مہم

صحیح بخاری میں ہے کہ احزاب کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم (قریش وغیرہ) کی خبر کون لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں لاؤں گا' آپ نے پھر فرمایا: قوم کی خبر کون لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں' فرمایا: قوم کی خبر کون لائے گا' تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰' کتاب المغازی)

اس جگہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذکر پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ابن ملقن کہتے ہیں کہ یہاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ تشریف لے گئے لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ کسی ایک سے مختص کرنا مردود ہے کیونکہ جس واقعہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حالات معلوم کرنے گئے تھے وہ اس واقعہ سے مختلف ہے جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ معلومات حاصل کرنے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس لیے تشریف لے گئے کہ بنو

قریظہ کے بارے میں خبر حاصل کریں کہ کیا انہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہوا تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے قریش کے ساتھ ہو گئے ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یوں ہے جب خندق کی وجہ سے مسلمانوں کا محاصرہ سخت ہو گیا اور ان جماعتوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی پھر ان کی جماعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے بچنے لگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھی بھیج دی اور اس رات سردی بھی سخت ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی خبر کون لائے گا؟ تو کئی بار کی طلب کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں لاؤں گا۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ قریش کے درمیان داخل ہوئے اور ان کا قصہ معلوم کیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے خلاف دعا فرمائی۔ آپ کے کلمات دعائیہ ہیں:

اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰)

اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے احزاب (گروہوں) کو شکست دے۔ یا اللہ! ان کو شکست دے اور جھنجوڑ دے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں خندق کے دن ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! دل حلق تک پہنچ گئے، کیا کوئی کلمات ایسے ہیں جو ہم کہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! (یوں کہو)

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا۔

یا اللہ! ہمارے عیبوں کو چھپا دے اور ہمیں خوف سے محفوظ رکھ۔

تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ان کے چہروں کو پھیر دیا۔

(کشف الخفاء للعجلونی جلد اول ص ۲۰۸، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳)

ابن ظفر کی۔ ینبوع الحیاۃ (تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک کتاب ہے) میں ہے کہا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی:

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب کے موقع پر سوموار، منگل اور بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان مسجد میں تشریف لائے اور چادر مبارک نیچے رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان کے خلاف بددعا کرنے لگے تو ہم نے آپ کے چہرے پر خوشی کے اثرات دیکھے۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ آپ سورج کے زوال کے منتظر رہے۔ پھر فرمایا اے لوگو! دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ پھر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۱) ۱۲ ہزاروی

یا صریخ المکروبین یامجیب المضطرین اکشف ھمی و غمی وکربی فانک تری مانزل بی وباصحابی۔

اے پریشان حال لوگوں کے فریاد رس! اے مجبور لوگوں کی دعا قبول کرنے والے! میرے غم، پریشانی اور مصیبت کو دور کردے تو دیکھتا ہے کہ میں اور میرے صحابہ کن حالات کا شکار ہوئے ہیں۔

تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان پر آندھی اور لشکر بھیجے گا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی اطلاع دی اور یہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے "شکراً شکراً" (یااللہ! تیرا شکر ہے) اور رات کو بادصبا چلی جس نے میخیں اکھاڑ دیں اور خیمے ان پر ڈال دیئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان پر مٹی اڑائی اور کنکریاں ماریں۔ مشرکین نے اپنے لشکر کے اطراف میں نعرہ تکبیر اور اسلحہ کی جھنکار سنی تو اسی رات بھاگ گئے اور جو بھاری سامان لائے تھے وہ چھوڑ گئے۔[1]

راوی فرماتے ہیں اسی سلسلے میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (الاحزاب: ۹)

پس ہم نے ان پر تیز ہوا اور لشکر بھیجے جسے وہ نہیں دیکھتے تھے۔

مسلمانوں کی نماز کا قضا ہو جانا

صحیح بخاری میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے، جس طرح انہوں نے ہمیں درمیان والی نماز (عصر کی نماز) سے مصروف کردیا، حتیٰ کہ سورج غائب ہو گیا (صحیح بخاری [illegible] ص [illegible])

اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ لڑائی مسلسل جاری رہی، حتیٰ کہ سورج [illegible] ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے، (گذشتہ حدیث) کے [illegible] رہتے ہیں مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر سے روکے رکھا حتیٰ کہ سورج سرخ یا زرد ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں درمیان والی نماز سے روکے رکھا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۲۷ کتاب المساجد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔

شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں رکاوٹ اس وقت یعنی سرخی یا زردی تک پہنچ گئی اور نماز، مغرب

---

[1] وہ سب مال مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ملا اس کے علاوہ بیس اونٹ جو ابوسفیان نے حیی بن اخطب کے لیے بھیجے تھے اس میں جو، کھجوریں اور انجیر تھے، مسلمانوں کی ایک جماعت نے قابو کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے اسے استعمال کیا اور اونٹ کی قربانی دی پھر بھی مال بچ گیا۔ ابوسفیان کو پتہ چلا تو کہا حیی منحوس ہے۔ اس نے ہماری سواریاں بھی ہم سے دور کردیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۲) ۱۲ ہزاروی)

کے بعد ادا کی گئی۔ (لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں)

اور صحیح بخاری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ تشریف لائے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قریب نہ تھا کہ میں عصر کی نماز پڑھوں حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے نماز نہیں پڑھی۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بطحان میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۸۳، کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

اور یہ تاخیر نماز کے اسباب میں مشغولیت کی وجہ سے ہوئی یا کسی اور وجہ سے (یعنی دشمن کے خوف سے) لیکن اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کے علاوہ کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تھی۔ مؤطا میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کا ذکر ہے۔ (موطا امام مالک ص ۵۰)

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین نے خندق کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازوں سے مشغول رکھا اور امام ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کہ ابو عبیدہ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سماعت حاصل نہیں۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۲۵۱) ابن عربی نے ترجیح کی طرف مائل ہوتے ہوئے فرمایا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ سے صرف ایک نماز رہ گئی تھی اور وہ عصر کی نماز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں ان روایات کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خندق کا واقعہ کئی دن باقی رہا تو کوئی نماز کسی دن رہ گئی اور کچھ نمازیں کسی اور دن قضا ہوئیں۔ وہ فرماتے ہیں جہاں تک نماز عصر میں تاخیر کا تعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج غروب ہونے تک ادا نہ فرمائی تو یہ نماز خوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یعنی آپ کو خوف تھا کہ دشمن حملہ کردے گا اور نماز خوف کا حکم نہیں ملا تھا کہ بعض مجاہد دشمن کے مقابلے میں ہوتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے عصر کی نماز بھول کر موخر کی ہو۔ جان بوجھ کر نہیں اور بھولنے کی وجہ دشمن کے معاملے میں مشغولیت تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے جان بوجھ کر موخر کی ہو۔ کیونکہ آپ دشمن کے معاملے میں مشغول تھے اور نماز خوف کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ لیکن اب دشمن اور لڑائی کی وجہ سے نماز کو وقت سے موخر کرنا جائز نہیں بلکہ نماز خوف اس کے طریقے پر پڑھے۔

درمیان والی نمازوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ حافظ دمیاطی نے صرف اس مسئلہ میں ایک کتاب لکھی ہے (جس میں صلاۃ وسطیٰ کے بارے میں انیس قول جمع کیے ہیں) جس کا نام "کشف المغطّیٰ عن الصلاۃ الوسطیٰ" رکھا ہے۔ اس میں انیس قول ہیں یعنی صبح یا ظہر یا عصر یا مغرب کی نماز ہے یا سب نمازیں ہیں اور یہ فرض اور نفل سب کو شامل ہے۔ ابن عبدالبر نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ یا جمعہ کی نماز قاضی حسین نے اپنی تعلیقات میں صلوٰۃ الخوف میں ذکر کیا یا باقی ایام میں ظہر کی نماز اور جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ہے یا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ وہ ایسی دو

نمازوں کے درمیان ہیں جن میں (حالت سفر میں) قصر نہیں ہوتی یا صبح اور عشاء دونوں یا صبح اور عصر مراد ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے دلائل قوی ہیں۔ قرآن پاک کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ صبح کی نماز ہے، سنت کے مطابق عصر کی نماز ہے یا نماز جمعہ یا وتر یا خوف کی نماز یا عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر یا چاشت کی نماز مراد ہے یا ان پانچ میں سے کوئی ایک غیر معین ہے یا صبح یا عصر یا پھر دونوں میں سے ایک ہے۔ یہ قول پہلے گزر چکا ہے یا توقف کیا جائے۔[1]

غزوۂ خندق کی انتہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے بدھ کے دن جب کہ ذی قعدہ کی چار راتیں باقی تھیں واپس تشریف لے گئے آپ خندق کے مقام پر پندرہ دن ٹھہرے تھے بعض نے کہا چوبیس دن تشریف فرما رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سال کے بعد قریش تم سے کبھی لڑائی نہیں لڑیں گے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰ کتاب المغازی)

اس ارشاد گرامی میں علامات نبوت میں سے ایک علامت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو قریش نے آپ کو بیت اللہ شریف سے روکا یہ حدیبیہ (کے معاہدے) والا سال تھا اور قریش کے ساتھ معاہدہ ہوا جسے انہوں نے توڑا تو یہ فتح مکہ کا سبب بنا۔ لہٰذا جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا، ان شاء اللہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۱)

امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حسن سند کے ساتھ روایت نقل کی جو اس بات کی شاہد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا لیکن اس کے بعد کبھی لڑنے کے لیے نہیں آئیں گے بلکہ تم ان سے جہاد کرو گے۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۳۶)

---

[1] ان تمام احتمالات سے متعلق مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اقوال موجود ہیں جو احادیث کی مختلف کتب میں درج ہیں۔ علامہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ کی شرح میں وہ اقوال نقل کیے ہیں لیکن انہوں نے صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ان (مشرکین) نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے مشغول رکھا گویا عصر کی نماز مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ بنو قریظہ

بنو قریظہ کی طرف نکلنا

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بدھ کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار رکھ دیئے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے ریشمی عمامہ باندھا ہوا تھا اور خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ڈالا گیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۱۶ فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۸)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور آپ نے ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا: آپ نے ہتھیار اتار دیئے لیکن اللہ کی قسم ہم نے نہیں اتارے۔ آپ ان کی طرف نکلیں انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰ کتاب المغازی)

ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ (انہوں نے عرض کیا) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ کا رب آپ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیتا ہے۔ میں ان کا قصد کرنے والا ہوں اور ان (کے قلعوں) کو جھنجھوڑنے والا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص سننے اور ماننے والا ہے تو وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

ابن عائذ کے نزدیک یوں ہے کہ انہوں نے عرض کیا مجھے اللہ کی قسم! میں ان کو اس طرح کچل ڈالوں گا جس طرح صاف پتھر پر انڈا کچلا جاتا ہے۔ اس دن آپ نے ایک منادی بھیجا جو پکار رہا تھا اے اللہ کے سوارو! (گھوڑوں پر) سوار ہو جاؤ۔[1]

امام حاکم اور امام بیہقی کے نزدیک اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش کا امیر بنا کر بھیجا اور خود ان کے بعد تشریف لے گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۴)

ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ پھر آپ مسلمانوں کو لے کر ان (بنو قریظہ) کی طرف چلے اور صحابہ کرام تین ہزار تھے اور چھتیس گھوڑے تھے۔ اور بدھ کا دن تھا جبکہ ذی القعدہ کی سات راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احزاب سے واپس تشریف لائے تو اپنے سر انور کو دھونے لگے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا آپ نے جلدی ہتھیار اتار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب سے دشمن میدان میں آیا ہے ہم نے کچھ بھی نہیں اتارا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۸) ۱۲ ہزاروی۔

جلد ۲ ص ۲۴۷) ابن ہشام کے قول کے مطابق اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

نمازِ عصر بنو قریظہ میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نے زرہ اور خود پہنی اور تشریف لے گئے اور) بنو قریظہ کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں پر اترے۔ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ مل گئے۔ کچھ لوگ عشاء کے بعد آئے تھے اور انہوں نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے عشاء کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان پر کوئی عیب نہ لگایا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عتاب فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ بعض کے لیے نماز عصر کا وقت راستے میں ہو گیا اور بعض نے کہا کہ ہم جب تک وہاں نہ پہنچیں نماز نہیں پڑھیں گے لیکن کچھ نے کہا ہم تو نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ کی مراد یہ نہ تھی (بلکہ بنو قریظہ میں جلدی جلدی پہنچنا مقصود تھا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ملامت نہ فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح آیا ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی اور تمام اہل مغازی (غزوات کے تذکرہ نگار) بھی اس پر متفق ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم اسے ایک شیخ سے اور ایک سند کے ساتھ روایت کرنے پر متفق ہیں اور ابو یعلیٰ اور دوسرے حضرات نے امام مسلم کی موافقت کی ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے بعض نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی ہو اور بعض نے نہ پڑھی ہو، پس جنہوں نے ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی ان سے کہا گیا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے اور جنہوں نے پڑھ لی تھی ان سے کہا گیا کہ کوئی شخص عصر کی نماز ہرگز نہ پڑھے۔

بعض حضرات نے اس احتمال کے ساتھ جمع کیا کہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ گیا ہو تو پہلے گروہ کو ظہر کے بارے میں کہا گیا ہو اور دوسرے کو عصر کے بارے میں کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۳)

محاصرہ

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس راتیں ان کا محاصرہ کیا حتیٰ کہ وہ محاصرے کی وجہ سے سخت مشقت میں مبتلا ہو گئے۔

ابن سعد کے نزدیک پندرہ راتیں اور ابن عقبہ کے نزدیک دس سے کچھ زائد راتیں محاصرہ فرمایا (طبقات ابن

سعد جلد ۲ ص ۷۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۸) اس نے کہا اے جماعت یہود! تم دیکھ رہے ہو کہ تم کس پریشانی میں مبتلا ہو؟ میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو بات چاہو قبول کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا ہم اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع اور اس کی تصدیق کریں۔ اللہ کی قسم یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں اور تم اپنی کتابوں میں انہی کا ذکر پاتے ہو۔ اس طرح تمہاری جانیں، مال، اولاد اور عورتیں محفوظ ہو جائیں گی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

اس نے کہا اگر تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو قتل کر کے مرد حضرات (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرف تلواریں میان سے نکالے ہوئے جائیں۔ ہم اپنے پیچھے کوئی بوجھ نہ چھوڑیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فیصلہ فرما دے اگر ہم ہلاک ہوئے تو ایسی حالت میں ہلاک ہوں گے کہ ہمارے پیچھے کوئی نہ ہوگا جس کا ہمیں ڈر ہو۔ انہوں نے کہا اولاد اور عورتوں کے بعد ہماری کیا زندگی ہوگی؟

کعب بن اسد نے کہا اگر تم یہ بات بھی نہیں مانتے تو یہ ہفتہ کی رات ہے ہو سکتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ہم سے بے خوف ہوں (کیونکہ یہ ہماری عبادت کی رات ہے)، (قلعوں سے) اترو شاید ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو غفلت میں پالیں۔

انہوں نے کہا اگر ہم نے ایسا کیا تو گویا ہم نے اپنے ہفتے کے دن کو خراب کر دیا اور وہ کام کیا جو ہم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ البتہ جنہوں نے ایسا کیا تو تمہیں معلوم ہے کہ ان کے چہرے مسخ ہو گئے، یہ بات تجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۵)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ

چنانچہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ (حضرت) ابولبابہ (رضی اللہ عنہ رفاعہ بن عبدالمنذر) کو ہمارے پاس بھیجیں تاکہ ہم ان سے اپنے معاملہ میں مشورہ کریں۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہودیوں کی طرف بھیجا جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو ان کے مرد کھڑے ہو گئے جبکہ عورتیں اور بچے ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے سامنے رونے لگے۔ انہیں ان پر ترس آ گیا۔ ان لوگوں نے کہا اے ابولبابہ! آپ کا کیا خیال ہے؟ ہم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر (قلعوں سے) اتر آئیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف بھی اشارہ کیا یعنی تمہیں ذبح کیا جائے گا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے اپنے قدم ہٹائے نہیں تھے کہ

---

[1] چونکہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اہل و اولاد اور مال ان لوگوں کے درمیان تھا اس لیے انہوں نے مشورہ کے لیے آپ کی تخصیص کی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۱) ۱۲ ہزاروی۔

میں جان گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔
اس کے بعد حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے چلے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے،[1] حتیٰ کہ مسجد (نبوی) میں ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور (اپنے دل میں) کہا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ پر میری توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ بنو قریظہ کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا اور نہ اس شہر کو کبھی دیکھوں گا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔
جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی اور حضرت ابولبابہ نے آنے میں دیر کی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے بخشش طلب کرتا لیکن اب انہوں نے جو کچھ کیا ہے تو میں ان کو اس جگہ سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ راوی فرماتے ہیں: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ راتیں ستون کے ساتھ بندھے رہے، ان کی زوجہ ہر نماز کے وقت آکر ان کو کھولتیں پھر ان کو ستون کے ساتھ باندھ دیتی تھیں۔[2]
حضرت ابو عمر (ابن عبد البر الحافظ) فرماتے ہیں حضرت وہب نے حضرت مالک سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہما نے دس سے کچھ زائد راتیں نہایت وزنی زنجیر سے اپنے آپ کو باندھے رکھا۔ حتیٰ کہ ان کی سماعت چلی گئی۔ قریب تھا کہ وہ نہ سنیں اور قریب تھا کہ بینائی چلی جائے ان کی بیٹی نماز کے وقت ان کو کھولتی تھیں یا جب وہ قضائے حاجت کا ارادہ کرتے جب فارغ ہوتے تو دوبارہ باندھ دیتی۔
یزید بن عبداللہ بن قسیط (ابن اسامہ لیثی) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا حکم نازل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سحری کے وقت سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کیوں ہنسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے فرمایا: (حضرت) ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) کی

---

[1] ایک روایت میں یہ اضافہ ہے۔ فرماتے ہیں میں اپنے قول پر نادم ہوا میں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور اسی حالت میں اترا کہ آنسوؤں سے میری داڑھی تر ہوگئی۔ صحابہ کرام میری واپسی کے منتظر تھے لیکن میں نے قلعے سے دوسرا اختیار کیا اور سیدھا مسجد (نبوی) میں آگیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۱) ۱۲ ہزاروی۔

[2] حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سخت معاملے میں پھنسا ہوا تھا سخت گرمی تھی، کئی راتیں گزر گئیں، میں کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ میں کہتا تھا میں دنیا سے رخصت ہونے تک اسی طرح رہوں گا۔ یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ہم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور میں سیاہ کیچڑ میں ہوں اور وہاں سے نکل نہیں سکتا حتیٰ کہ مرنے کے قریب ہو جاتا ہوں تو پھر ایک جاری نہر دیکھتا ہوں اور اس میں غسل کر کے ٹھیک ہو جاتا ہوں اور اچھی خوشبو آتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کی تعبیر بتائی کہ تم کسی بات میں غمگین ہوگے پھر اللہ تعالیٰ اس غم کو دور کردے گا۔ میں اس خواب کو یاد کرکے امید کرتا کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ کا حکم نازل کرے گا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۲) ۱۲ ہزاروی۔

توبہ قبول ہوگئی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں ان کو خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم چاہو (تو ٹھیک ہے) راوی فرماتے ہیں آپ اپنے حجرۂ مبارکہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں اور اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابولبابہ! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں صحابہ کرام ان کو کھولنے کے لئے آگے بڑھے تو انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم! (میں نہیں کھلواؤں گا) یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں۔ جب صبح کی نماز کے وقت آپ وہاں سے گزرے تو ان کو کھول دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۷) امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوت" میں اپنی سند سے حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ۔(التوبہ: ۱۰۲) اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔

کے بارے میں روایت کیا کہ یہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب آپ نے بنو قریظہ سے وہ بات فرمائی (جو پہلے گزر چکی ہے) اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اترو گے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے اسی وقت اپنے آپ کو باندھا تھا۔ یعنی جس جگہ اور جہاں اشارہ کیا۔

حالانکہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا تھا۔ جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور اسی سلسلے میں یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶)

دونوں روایتوں کو اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مختلف واقعات میں اپنے آپ کو باندھا ہوگا۔ (زرقانی شرح مواہب)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

جب بنو قریظہ کا محاصرہ سخت ہوگیا تو ان کو یقین ہوگیا کہ انہیں نبی اکرم کے حکم پر اترنا پڑے گا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان میں فیصلہ کرنے کے لیے حَکم مقرر فرمایا اور سعد رضی اللہ عنہ کو مسجد شریف (کے صحن) میں اسلم قبیلہ کی ایک عورت کے خیمہ میں رکھا تھا۔ وہ خاتون زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور ان کا نام رفیدہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو حکم مقرر کیا تو ان کی قوم (اوس قبیلہ) آئی اور ان کو ایک دراز گوش پر سوار کیا اور اس پر چمڑے کی ایک گدی بچھائی گئی تھی اور آپ بھاری جسم والے تھے۔ پھر وہ ان کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔

جب حضرت سعد اور دیگر مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے

سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔[1] قریش مہاجرین کہنے لگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انصار کا ارادہ فرمایا ہے اور انصار کہتے تھے آپ کا حکم سب کو شامل ہے۔

انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کے پرانے مددگار لوگوں کے معاملے کا اختیار دیا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں، مال تقسیم کر دیئے جائیں جب کہ بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا جائے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر فیصلہ فرمایا ہے۔ آسمان کو رقیع کہا گیا کیونکہ اس میں ستارے ہوتے ہیں تو پیوند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۰۸)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا کہیں یہ فرمایا کہ جیسے بادشاہ حکم فرمائے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

محمد بن صالح کی روایت میں ہے کہ آج میں ان کے درمیان فیصلہ کروں گا جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس نے سات آسمانوں سے اوپر اس کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۲۴)

ابن عائذ کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! ان میں فیصلہ کریں تو انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتہاد جائز تھا۔ اس مسئلے میں اصول فقہ والوں کا اختلاف ہے لیکن مختار بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے، چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو یا اس کے علاوہ۔ جن لوگوں نے انکار کیا ہے انہوں نے اسے اس لیے بعید جانا کہ یہ ظن پر اعتماد ہے حالانکہ قطعی فیصلہ (اس دور میں وحی کے ذریعے) ممکن تھا لیکن اس بات سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے اجتہاد ہوا اور آپ نے اس کو رد نہ کیا تو وہ قطعی ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ اجتہاد ثابت ہے جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔[2] (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۱)

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ قابل احترام اور معزز لوگوں کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا چاہئے البتہ کسی آدمی کی خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔ ...۱۲ ہزاروی۔

[2] اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت تھی کیونکہ جب قرآن و سنت سے مسئلہ حل نہ کیا جا سکے تو اجتہاد ہوتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو پوچھا کیسے فیصلے کرو گے؟ انہوں نے قرآن پاک اور پھر سنت کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر ان میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر حضور علیہ السلام خوش ہوئے۔ ...۱۲ ہزاروی۔

حکم کا نفاذ

دمیاطی کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کی سات راتوں کے بعد واپس تشریف لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۷۵) جب کہ مغلطائی کہتے ہیں: ذوالحجہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنو قریظہ کو مدینہ طیبہ میں لایا گیا اور ان کے لیے بازار میں لمبی کھائیاں کھودی گئیں۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے اور ان کو وہاں سے نکال کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ لوگ چھ سو سے سات سو تک تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۵)

امام سہیلی فرماتے ہیں: جو شخص ان کی کثرت بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے۔

جبکہ امام ترمذی، امام نسائی اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ وہ چار سو لڑائی لڑنے والے مرد تھے۔

روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ باقی لوگ (چار سو کے) تابع تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ بنت شمعون بن زید کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے اس سے نکاح کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ بطور لونڈی اس کا قرب اختیار کرتے تھے۔[1]

آپ نے غنیمتیں جمع کرنے کا حکم دیا اور سامان اور قیدیوں کا پانچواں حصہ نکالا گیا، پھر باقی کے بارے میں حکم دیا جس کے بارے میں آپ نے چاہا اسے فروخت کر کے قیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی تو یہ تین ہزار بہتر (۳۰۷۲) حصے تھے۔ گھوڑے کے لیے دو حصے، سوار کے لیے ایک حصہ مقرر فرمایا اور خمس محمیہ بن جزء الزبیدی (جو خمس کے لیے حضور علیہ السلام کے عامل تھے) کے حوالے کیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس غلام کو چاہتے آزاد کرتے، جسے چاہتے عطا فرماتے اور جس سے چاہتے خدمت لیتے۔ اسی طرح ان کا جو سامان رہ گیا تھا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وصال

صحیح بخاری میں ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری ہوا تو آپ نے شہادت کی موت پائی۔ حضرت سعد نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ میں تیرے راستے میں ان لوگوں سے لڑوں جنہوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا (اور ان کو نکلنے پر مجبور کیا) یا اللہ! میرا خیال ہے کہ تو نے جنگ کو روک دیا۔ پس تو میرے زخم کو جاری کر دے اور اس کے ذریعے مجھے موت دے چنانچہ (آپ کی دعا سے) آپ کی ہنسلی سے خون جاری ہو گیا اور اس سے وہ لوگ خوفزدہ نہ ہوئے اور مسجد میں بنو غفار قبیلے کی ایک عورت کا خیمہ تھا۔ مگر جب وہ خون وہاں سے صحابہ کرام کی طرف جاری ہوا تو

[1] صحیح بات یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور ان کو پردے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ آپ نے محرم ۶ھ میں حضرت سلمٰی بنت قیس کے گھر میں ان سے نکاح کیا۔

انہوں نے کہا اے خیمہ والو! تمہاری طرف سے ہماری جانب یہ کیا آ رہا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری ہو گیا، چنانچہ آپ نے اس سے شہادت پائی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا گمان درست تھا اور اس واقعہ میں ان کی دعا قبول ہوئی۔ اس لیے کہ غزوہ خندق کے بعد مسلمانوں اور قریش کے درمیان کوئی ایسی لڑائی نہیں ہوئی جس میں ابتدائی ارادہ مشرکین کا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور لڑائی ہونے لگی تھی لیکن نہ ہوئی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ۔ (الفتح: ۲۴)

اور وہی ذات ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا۔ اس کے بعد کہ تمہیں ان پر کامیابی عطا فرمائی۔

پھر مصالحت ہو گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سال عمرہ فرمایا اور یہ صلح برقرار رہی حتیٰ کہ ان مشرکین نے عہد توڑا تو آپ جہاد کی غرض سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ تو حضرت سعد کے قول کہ میں گمان کرتا ہوں کہ لڑائی اٹھا لی گئی۔ اس سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ وہ ہمارے خلاف لڑائی کا قصد نہیں کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پہلے گزر چکا ہے کہ ہم ان سے لڑیں گے اور وہ ہم سے نہیں لڑیں گے۔

حمید بن بلال کی مرسل روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخم کھلنے کا سبب ذکر کیا گیا جو ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ کے پاس بکری گزری اور آپ لیٹے ہوئے تھے اس کا کھر آپ کے سینے کے بالائی حصہ پر لگا تو خون جاری ہو گیا اور آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۷۸)

رحمٰن کا عرش جھوم اٹھا

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے اور آپ کے وصال پر اللہ تعالیٰ کا عرش حرکت میں آیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۶، کتاب مناقب الانصار، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۲، فضائل صحابہ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور عرش کا حرکت میں آنا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس کی طرف جانے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے عرش کو سمجھ عطا فرمائی، جس کی وجہ سے ایسا ہوا اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔ (البقرہ: ۷۴)

اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

یہ قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے اور یہی مختار ہے۔ مازری کہتے ہیں: بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بات حقیقی معنی پر مبنی ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وصال پر عرش حرکت میں آیا اور عقل کی جہت سے اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عرش بھی ایک جسم ہے، جو حرکت اور سکون کو قبول کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات اسی صورت میں فضیلت کا باعث بن سکتی ہے جب یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کی حرکت کو فرشتوں کے لیے حضرت سعد کی موت کی ایک علامت قرار دیا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں: کہ عرش کی حرکت سے بشارت اور قبولیت مراد ہے، جیسے عرب کہتے ہیں: "فلان یھتز للمکارم۔" فلاں شخص اچھے اخلاق سے خوش ہوتا ہے اور وہ اس سے جسم کا اضطراب اور حرکت مراد نہیں لیتے بلکہ وہ اس کا خوش ہونا اور اچھے اخلاق کی طرف متوجہ ہونا مراد لیتے ہیں۔

اور حربی (حافظ بغدادی) فرماتے ہیں: اس سے ان کی وفات کی عظمت شان مراد ہے اور اہل عرب جب کسی عظیم چیز کو سب سے عظیم چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "اظلمت لموت فلان الارض" (فلاں کی موت سے زمین میں اندھیرا چھا گیا) "وقامت لہ القیامۃ" (اور اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی)۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ ان کے جنازے کی چارپائی کی حرکت مراد ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی صریح روایات اس قول کو باطل قرار دیتی ہیں۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا کہ "ان کے لیے رحمان کا عرش حرکت میں آیا۔" ان لوگوں نے یہ تاویل اس لیے کی کہ ان تک وہ روایات پہنچ نہ سکیں جو امام مسلم نے ذکر کی ہیں۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرش کی حرکت سے اس کے اٹھانے والوں کا حرکت کرنا مراد ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو صحیح قرار دیا: وہ فرماتے ہیں: جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کتنا ہلکا پھلکا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۴۸)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی حلہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ کے صحابہ کرام اسے ہاتھ لگاتے اور اس کے ملائم ہونے پر تعجب کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: تم اس کے ملائم ہونے پر تعجب کر رہے ہو؟ (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جنتی رومال اس سے بہتر اور زیادہ ملائم ہیں۔ یہ ابو نعیم کی روایت کے الفاظ ہیں جو امام مسلم سے روایت کی گئی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۶ باب مناقب الانصار، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴ کتاب فضائل صحابہ)

علماء کرام فرماتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنت میں بہت بڑا مقام ہے۔ جنت میں ان کا ادنیٰ کپڑا ایسا اس کپڑے سے بہت بہتر ہے کیونکہ رومال تمام کپڑوں میں سے چھوٹا اور معمولی ہوتا ہے کیونکہ اسے میل صاف کرنے اور عام استعمال کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۲، حاشیہ)

ابن سعد اور ابو نعیم نے حضرت محمد بن منکدر کے طریق سے روایت کیا۔ وہ حضرت محمد بن شرحبیل بن حسنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی' پھر اسے لے گئے اس کے بعد اسے دیکھا تو وہ کستوری بن چکی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! سبحان اللہ! حتیٰ کہ یہ (مسرت) آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوگئی۔

پھر آپ نے فرمایا: الحمد للہ! اگر کوئی شخص قبر کے دبانے سے نجات پانے والا ہوتا تو (حضرت) سعد (رضی اللہ عنہ) ہوتے لیکن قبر نے ان کو دبایا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشادگی پیدا کردی۔[1]

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۳۱)

ابن سعد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: وہ فرماتے ہیں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھا جب بھی ہم کھودتے' اس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۳۱)

فرضیت حج

حافظ مغلطائی وغیرہ کہتے ہیں کہ اسی سال حج فرض ہوا اور کہا گیا ہے کہ سنہ ۶ھ میں فرض ہوا۔ اس بات کو کئی علماء نے صحیح قرار دیا اور جمہور کا یہی قول ہے۔

ایک قول ۷ھ کا ہے اور دوسرا قول ہے کہ ۸ھ میں فرض ہوا' علماء کی ایک جماعت نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل وفد عبدالقیس کے ذکر میں مقصد ثانی میں آئے گی۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے ضمن میں آپ کے حج کے بیان میں بھی اس کی وضاحت ہوگی۔

---

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص کو قبر دباتی ہے۔ چاہے وہ نیک ہو یا بد' البتہ کسی خصوصیت کی وجہ سے استثناء ہوتا ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قبر نے نہیں دبایا کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیٹنے سے اسے برکت حاصل ہوگئی تھی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۴۲)

قریظہ اور حدیبیہ کے درمیان کے واقعات

سریہ محمد بن مسلمہ

پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو قرطاء کی طرف گیا اور یہ بنو بکر بن کلاب کا ذیلی قبیلہ ہے اور یہ (بنو قرطاء) ضریہ کے نواحی میں اترے تھے۔ ضریہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان سات راتوں کی مسافت ہے۔ ہجرت کے انسٹھ ویں مہینے کے آغاز پر جب کہ محرم کی دس راتیں گزر چکی تھیں یہ سریہ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ جب انہوں نے ان لوگوں پر حملہ کیا تو وہ سب بھاگ نکلے۔

ومیاطی کے نزدیک کچھ لوگوں کو قتل کیا باقی بھاگ گئے اور وہ اونٹ اور بکریاں ہانک لائے۔ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جب محرم کی ایک رات باقی تھی (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۸) اور وہ ثمامہ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا پھر آپ کے حکم سے اسے کھولا گیا تو اس نے غسل کر کے اسلام قبول کر لیا۔

اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! (پہلے) زمین پر کوئی چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ پسند ہے اور اللہ کی قسم! میرے نزدیک آپ کا دین سب سے زیادہ ناپسندیدہ دین تھا لیکن اب آپ کا دین میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے بڑھ کر مجھے کوئی شہر ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہو گیا ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑا تو اس وقت میں عمرہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی اور فرمایا: عمرہ کرو۔[1]

جب وہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو کسی کہنے والے نے کہا: تم بے دین ہو گئے ہو۔ فرمایا نہیں، بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اللہ کی قسم جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] انہوں نے پوچھا کہ اب میں عمرہ کروں واپس چلا جاؤں یا آپ کے پاس ٹھہروں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی یعنی دنیا و آخرت میں سلامتی نیز گناہوں کے مٹنے اور جنت کی خوشخبری دی نیز یہ کہ ان کو اہل مکہ کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۶،۱۳۵)

غزوہ غابہ

یہ غزوہ، غزوہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے (قاف اور راء پر زبر ہے) یہ مدینہ طیبہ سے ایک برید (بارہ کوس) کے فاصلے پر ایک پانی ہے، یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے سنہ ٦ھ میں ہوا۔ (فتح الباری جلد ٧ ص ٣٠٣)

امام بخاری کے مطابق یہ واقعہ غزوہ خیبر سے تین دن پہلے ہوا۔ صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔
(صحیح بخاری جلد ٢ ص ٦٠٣)

مغلطائی فرماتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اہل سیر کا ان دونوں (کی بات) کے خلاف اجماع ہے۔

شارح مسلم امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات میں سیرت نگاروں کا اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بخاری میں ذی قرد کی جو تاریخ دی گئی ہے، وہ سیرت نگاروں کی بیان کردہ تاریخ سے زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری جلد ٧ ص ٣٥٣)

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں جو دودھ دیتی تھیں، ان کے ہاں تھوڑا عرصہ پہلے بچے پیدا ہوئے تھے، غابہ میں چرتی تھیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے بدھ کی رات چالیس سواروں کے ہمراہ چھاپہ مارا اور ان اونٹنیوں کو ہانک کر لے گیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ٢ ص ٨٠)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہاں بنو غفار قبیلے کا ایک مرد اور ایک خاتون تھیں، (حضرت ابوذر کے بیٹے اور ان کی ماں یعنی حضرت ابوذر کی رضی اللہ عنہ کی زوجہ) انہوں نے مرد کو شہید کر دیا اور خاتون کو قید کر لیا۔ جب وہ لوگ رات کے وقت غافل ہوئے تو وہ خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر نکل آئیں اور انہوں نے نذر مانی کہ اگر وہ نجات پا گئیں تو وہ اس کو ذبح کر دیں گی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا نہ تو گناہ کے کام کی نذر ہوتی ہے اور نہ دوسرے کی ملکیت کی نذر صحیح ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ٢ ص ١)

پھر منادی کی گئی کہ اے اللہ کے سوارو! سوار ہو جاؤ۔ سب سے پہلے اسی موقع پر یہ آواز دی گئی۔
(طبقات ابن سعد جلد ٧ ص ٨٠)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر سوار ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ سات سو تھے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا (نمازوں کے لیے) اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔

آپ نے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے نیزے کا جھنڈا مقرر فرمایا اور ان سے فرمایا: چلو یہاں تک کہ سوار تم سے ملیں۔ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ انہوں نے دشمن کے پچھلے لوگوں کو پا لیا اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے مسعدہ کو قتل کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گھوڑا اور اسلحہ ان کو عطا فرمایا۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے ابان بن عمرو کو قتل کیا اور مسلمانوں میں سے حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کو مسعدہ نے شہید کیا تھا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ انہوں نے دشمن قوم کو پالیا۔ وہ ان پر تیر پھینکتے اور فرماتے۔

خذها وانا ابن الاكوع والیوم یوم الرضع

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۰)

"اس تیر کو لو اور میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے"۔

عرب کہتے ہیں "لئیم راضع" یعنی ملامت کا دودھ پینے والا" اپنی ماں کے پیٹ میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج اس کی پہچان ہوگی، جسے بچپن سے لڑائی کا دودھ پلایا گیا (عادی بنایا گیا) اس کے اور اس کے غیر کے درمیان امتیاز ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواروں اور دیگر لوگوں سے عشاء کے وقت جا ملے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ پیاسے ہیں اگر آپ مجھے ایک سو آدمیوں کے ساتھ بھیجیں تو جو چرنے والے جانور ان لوگوں کے پاس ہیں، چھڑالاؤں اور ان لوگوں کو گرفتار کرلوں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کے مالک ہوگئے، ان سے نرمی برتو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۱) یعنی سختی سے نہ پکڑنا بلکہ نرمی اختیار کرنا۔

دشمن پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف ہے پھر فرمایا: وہ لوگ غطفان میں ٹھہریں گے۔ ایک طالب مدد بنو عمرو بن عوف کے پاس گیا تو انہوں نے ان کی مدد کی، چنانچہ سوار اور پیدل مسلسل آتے رہے، اونٹوں پر سوار بھی تھے حتیٰ کہ وہ لوگ ذی قرد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور دس اونٹنیاں مسلمانوں نے ان سے چھین لیں اور باقی اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے جن کی تعداد دس تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قرد میں نماز خوف پڑھی اور وہاں ایک رات دن ٹھہرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اس دوران آپ پانچ راتیں مدینہ طیبہ سے غائب رہے اور آپ نے سو سو صحابہ کرام میں ایک ایک اونٹ تقسیم کیا۔ جسے وہ ذبح کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۵)

سریۂ غمر

حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کا سریہ غمر مرزوق کی طرف تھا۔ غین پر زبر ہے اور یہ بنو سعد کا چشمہ ہے۔ فید سے دو راتوں کی مسافت پر بنو اسد ایک کنواں غمر مرزوق کہلاتا ہے، یہ سریہ ربیع الاول ۶ھ میں ہوا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ چالیس افراد کو لے کر تشریف لے گئے، آپ بہت تیزی سے گئے تو وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے علاقوں کے بالائی حصے میں اترے اور ان کے دو سو اونٹ ہانک کر لے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۱)

زوجہ اور رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام میں اعلان کیا میں نے ابوالعاصی کو پناہ دے دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں (بلکہ جو کچھ تم نے سنا میں نے بھی وہی سنا) (اے زینب!) جس کو تم نے پناہ دی' اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جو کچھ ان سے لیا تھا' واپس کر دیا۔[1] (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷)

ابن عقبہ نے ذکر کیا کہ ان کی گرفتاری حدیبیہ کے بعد ابوالبصیر کے ہاتھوں ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے پہلے ہجرت کی اور ان کو حالت شرک پر چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے نکاح کے ساتھ واپس کیا' کہا گیا ہے کہ یہ واپسی دو سال بعد ہوئی' کسی نے کہا چھ سال بعد اور کسی نے کہا عدت سے پہلے ہوئی۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سات ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نئے نکاح کے ساتھ واپس کیا۔

سریّہ حضرت زید' مقامِ طرف کی جانب

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ مقام طرف کی جانب گیا اور یہ ایک چشمہ ہے جو مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے سال جمادی الاخری میں ہوا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ پندرہ افراد کے ساتھ بنو ثعلبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اونٹ اور بکریاں ان کے ہاتھ آئیں جبکہ وہ دیہاتی بھاگ گئے اور حضرت زید جانوروں کو لے کر صبح کے وقت مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور یہ بیس اونٹ تھے۔ اس موقع پر لڑائی نہیں ہوئی اور حضرت زید چار راتیں (مدینہ طیبہ سے) باہر رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷)

سریّہ زید حسمی کی طرف

پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دستہ حسمی کے مقام کی طرف گیا۔ یہ جگہ وادی قریٰ سے پیچھے ہے اور یہ واقعہ جمادی الاخری سنہ ۶ ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (روم کے بادشاہ) قیصر کی طرف سے اس طرح آئے کہ اس نے ان کو صلہ اور خلعت دیا۔ حسمی مقام پر جذام قبیلہ کے چند لوگوں کے ہمراہ ھنید نامی شخص ان سے ملا اور ان لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈالا۔ بنو ضبیب کے کچھ لوگوں نے سنا تو وہ ان کی طرف گئے اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا سامان ان سے بچا لیا۔

---

[1] واقدی کہتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پیچھے گئیں اور عرض کیا کہ جو کچھ ابوالعاصی سے لیا گیا ہے' واپس کیا جائے تو حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کو اچھا ٹھکانہ دو۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۸۵۶)

سریہ محمد بن مسلمہ، ذی قصہ کی طرف

پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا دستہ ذی قصہ کی طرف گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل دور ہے۔ ۶ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں یہ دستہ جو دس افراد پر مشتمل تھا، بنو ثعلبہ کی طرف گیا۔
یہ لوگ رات کے وقت وہاں پہنچے، وہ لوگ گھات میں تھے اور ان کی تعداد ایک سو تھی، رات کا کچھ حصہ باہم تیراندازی ہوتی رہی، پھر ان دیہاتیوں نے ان پر نیزوں کے ساتھ حملہ کیا جس سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب شہید ہو گئے، آپ زخمی ہوئے، ان لوگوں نے مسلمانوں کے کپڑے اتار لیے، ایک مسلمان حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو آپ کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا۔
ربیع الثانی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اس جگہ بھیجا جہاں وہ لوگ شہید ہوئے تھے تو انہوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو پہاڑوں میں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص کو پایا جو مسلمان ہو گیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پایا اور ان کے سامان میں سے کچھ پرانا سامان ملا۔ اسے بھی مدینہ طیبہ میں لا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس کا پانچواں حصہ نکال کر باقی ان پر تقسیم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۶)

سریہ زید، جموم کی طرف

پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ جموم میں بنو سلیم کی طرف گیا۔ (جموم کی جگہ) جموع بھی کہا گیا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلے پر وادی نخل کا نواحی علاقہ ہے۔ یہ دستہ ربیع الثانی سنہ ۶ھ میں گیا۔ انہوں نے مزینہ قبیلہ کی کی عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے بنو سلیم کے اترنے کی جگہوں میں سے ایک جگہ بتائی، چنانچہ اونٹ، بکریاں اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں حلیمہ مزنیہ کا خاوند بھی تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان چیزوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزنیہ اور اس کے خاوند کو چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۶)

سریہ زید، عیص کی طرف

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی عیص کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چار راتوں کے فاصلے پر ہے۔ یہ دستہ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں گیا۔ آپ کے ساتھ ستر سوار تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام سے قریش کا ایک قافلہ آیا ہے تو آپ نے ان لوگوں کو روکنے کے لیے حضرت زید کو بھیجا۔ آپ نے قافلہ اور اس کا سارا سامان پکڑ لیا۔ صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی پکڑی اور کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ ان میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ حضرت زید ان لوگوں کو لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ ابوالعاص کی

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بتایا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور پانچ سو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا، نیز حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ہمراہ واپس کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا، ہنید اور اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ ان کے جانوروں اور عورتوں کو بھی پکڑ لیا اور ان کی ایک ہزار بکریاں اور ایک سو عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے لیا۔

جذام قبیلے کا زید بن رفاعہ جذامی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ہمراہ آیا اور وہ خط پیش کیا جو حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا جب وہ آپ کے پاس آ کر مسلمان ہوا تھا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زید بن حارثہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کی عورتیں اور مال چھوڑ دیں، چنانچہ انہوں نے وہ سب کچھ واپس کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۸)

سریۂ زید، وادی قریٰ کی طرف

پھر وادی قریٰ کی طرف بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک دستہ لے کر گئے اور یہ رجب المرجب سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۸) اس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں اٹھا کر لایا گیا۔

دومۃ الجندل کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا سریہ

اس واقعہ کے بعد شعبان سنہ ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی طرف تشریف لے گئے۔

سیرت نگار کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دست مبارک سے (ان کے سر پر) عمامہ باندھا اور فرمایا: اللہ کے نام سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے، اس سے لڑو۔ وعدہ خلافی نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔ آپ نے انہیں دومۃ الجندل میں بنو کلب کی طرف بھیجا اور فرمایا اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے نکاح کر لینا، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن چلے اور دومۃ الجندل میں پہنچ گئے۔ آپ وہاں تین دن رہے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوئے۔ پہلے وہ عیسائی تھے اور یہ ان لوگوں کے رئیس تھے، نیز ان کے ساتھ قوم کے بہت سے افراد مسلمان ہوئے اور بعض لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے نکاح کیا اور اسے مدینہ طیبہ لے آئے، ان سے حضرت ابو سلمہ پیدا ہوئے۔[1]

[1] حضرت تماضر رضی اللہ عنہا نے شرف صحابیت حاصل کیا اور یہ پہلی کلبی خاتون تھیں جو کسی قریشی کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابو سلمہ جلیل القدر تابعی تھے، امام العلماء کہلاتے تھے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۹)

بنوسعد کی طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سریہ

پھر ہجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک سو افراد کے ہمراہ بنو سعد بن بکر کی طرف تشریف لے گئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تھا کہ وہ لوگ اکٹھے ہو کر خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فدک اور خیبر کے درمیان غمج کے مقام پر ان پر حملہ کیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لے کر مدینہ شریف واپس آئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۹)

اُم قرفہ کی طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سریہ

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن بدر فزاریہ کی طرف وادی قریٰ کے نواح میں گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے سات راتوں کے فاصلے پر ہے۔ یہ واقعہ رمضان المبارک ۶ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ تجارت کی خاطر شام کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سامان بھی تھا۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو بنو بدر کے ذیلی قبیلہ فزارہ کے کچھ لوگ ملے تو انہوں نے حضرت زید کو اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو مار پیٹ کر سامان چھین لیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس بات کی اطلاع دی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو ان لوگوں کی طرف بھیجا۔ آپ اور آپ کے ساتھی رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے پھر صبح کے وقت حضرت زید اور ان کے ساتھی ان لوگوں کے پاس جا پہنچے اور نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے وہاں موجود لوگوں کو گھیرا اور ام قرفہ کو پکڑ لیا۔ وہ ان کی ملکہ اور سردار تھی نیز اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر کو بھی پکڑ لیا۔

قیس بن محسر نے ام قرفہ کا ارادہ کیا وہ بوڑھی عورت تھی۔ قیس نے ان کو بڑی سختی سے قتل کیا۔ اس کے دونوں پاؤں ایک ایک رسی سے باندھے پھر ان رسیوں کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ان اونٹوں کو خوب ڈانٹ پلائی۔ جس سے وہ چل پڑے اور اس عورت کو چیر ڈالا۔[1] (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۰)

---

[1] امام زرقانی لکھتے ہیں تو اس قتل کا سبب یہ تھا کہ اس عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور اپنی اولاد اور پوتوں وغیرہ پر مشتمل تیس افراد کا ایک دستہ تیار کیا اور کہا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردو، لیکن بعض حضرات نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے اور سریہ کا سبب مشتبہ ہو گیا کہ جو قافلہ تجارت کے لیے گیا وہی سریہ سمجھ لیا گیا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)

اس روایت کی صداقت اس لیے بھی مشکوک ہے کہ اس میں جو عمل بتایا گیا وہ صحابہ کرام کی تربیت کے خلاف ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ۴۵۷۷ میں ایک خاتون اور اس کی بیٹی کی قید کا ذکر ہے۔ زرقانی میں بتایا کہ وہ ام قرفہ اور اس کی بیٹی ہی تھیں۔ لیکن ان کے قتل کا ذکر نہیں کی ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)... ۱۲ ہزاروی

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں سیدھے واپس آئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ برہنہ (قمیص کے بغیر) اپنی تہبند کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، حتی کہ ان کو گلے لگایا اور چوما اور واقعہ معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۰)

ابو رافع کا قتل

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا سریہ ابو رافع کو قتل کرنے گیا۔ ابو رافع عبداللہ یا سلام ابوالحقیق یہودی کا بیٹا تھا جس نے خندق کے دن مختلف جماعتوں کو (مسلمانوں کے خلاف) اکٹھا کیا تھا

یہ سریہ رمضان المبارک سنہ ۶ھ میں ہوا، ابن سعد نے اس مقام پر اسی طرح ذکر کیا اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے تعارف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذوالحجہ سنہ ۵ھ میں قریظہ کے واقعہ کے بعد ابو رافع کو قتل کرنے بھیجا۔ یہ بھی کہا گیا، جمادی الاخریٰ سنہ ۳ھ میں یہ واقعہ ہوا۔

صحیح بخاری میں ہے، حضرت امام زہری فرماتے ہیں: کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے بعد یہ واقعہ ہوا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶، کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک کے ساتھ دیگر چار افراد عبداللہ بن انیس، ابو قتادہ، اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ابو رافع کو قتل کریں۔ یہ لوگ خیبر میں تشریف لے گئے اور چھپ گئے۔ جب لوگوں کا چلنا پھرنا رک گیا تو یہ اس کے گھر کی طرف چلے اور اس کے بالا خانے کی سیڑھی چڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک کو انہوں نے آگے کیا۔ کیونکہ وہ یہودیوں کی زبان میں گفتگو کر لیتے تھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی اور فرمایا: میں ابو رافع کے لیے تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اس کی بیوی نے دروازہ کھولا اور جب ہتھیار دیکھا تو چلانا چاہا لیکن انہوں نے تلوار سے اشارہ کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ آپ ابو رافع کے پاس پہنچے تو انہوں نے اسے صرف اس کی سفیدی سے پہچانا تو انہوں نے اپنی تلواروں سے اس پر چڑھائی کر دی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ابو رافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتا اور آپ کے خلاف مدد دیتا تھا اور وہ اپنے قلعے میں تھا، جب یہ لوگ اس کے قریب گئے، اس وقت سورج غروب ہو گیا تھا اور لوگ اپنے جانور چرا کے واپس لائے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم اپنی جگہ بیٹھے رہو، میں جاتا ہوں اور دربان سے نرم گفتگو کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اندر داخل ہو جاؤں، چنانچہ وہ دروازے کے قریب ہوئے تو اپنے کپڑے کو اس طرح اوپر کیا گویا قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوں۔ لوگ اندر جا چکے تھے۔ دربان نے ان کو آواز دی اے عبداللہ! (اجنبی کو عبداللہ کے نام سے پکارتے ہیں یعنی اے بندہ خدا!) اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو داخل ہو، میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں (فرماتے ہیں) میں اندر داخل ہو کر چھپ گیا۔ جب لوگ داخل ہو چکے تو اس نے دروازہ بند کر کے چابیاں ایک کیل پر لٹکا دیں۔ میں چابیوں کی طرف گیا اور دروازہ کھول دیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

ابو رافع اپنے بالاخانوں میں ہوتا تھا اور رات کے وقت اس کے پاس کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ جب قصہ گو اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کی طرف چڑھا۔ میں جس دروازے کو کھولتا اسے آنے والے پر بند کر دیتا۔ جب میں اس کے پاس پہنچ گیا تو دیکھا کہ وہ ایک اندھیرے کمرے میں اپنے گھر والوں کے درمیان ہے۔ مجھے پتا نہ چلا کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ میں نے کہا اے ابو رافع! اس نے کہا یہ کون ہے۔ میں آواز کی طرف گیا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی اور میں خوفزدہ تھا۔

پس مجھے بے نیازی نہ ہوئی (یعنی وہ قتل نہ ہوا) وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر داخل ہوا۔ میں نے کہا ابو رافع! یہ کیا آواز تھی۔ اس نے کہا تمہاری ماں کے لیے ہلاکت ہو، گھر میں کسی شخص نے تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا۔ فرماتے ہیں میں نے دوسری ضرب لگائی جو گھائل کرنے والی ضرب تھی لیکن وہ قتل نہ ہوا۔ پھر میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ میں ماری حتیٰ کہ وہ اس کی پیٹھ میں پہنچ گئی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

امام بخاری کی ہی ایک دوسری روایت ہے فرماتے ہیں: پھر میں آیا گویا میں اس کی مدد کر رہا ہوں۔ میں نے کہا (آواز بدل کر) ابو رافع! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا تمہاری ماں کے لیے خرابی ہو۔ کوئی شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ پر ایک ضرب لگائی تو میں نے اس کا قصد کرتے ہوئے ایک اور ضرب کاری لگائی لیکن کام نہ بنا۔ وہ چیخا اور اس کے گھر والے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرماتے ہیں: میں دوبارہ آیا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی اور ظاہر کیا کہ گویا مدد کر رہا ہوں۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ میں نے تلوار اس کے پیٹ میں رکھی اور جھک گیا۔ یہاں تک کہ میں نے ہڈی (ٹوٹنے) کی آواز سن لی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

پھر میں دروازوں کو کھولتا ہوا سیڑھیوں تک آ گیا۔ میں نے پاؤں رکھا اور میرا خیال تھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں۔ چاندنی رات تھی، میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنے عمامہ سے اس پر پٹی باندھی۔ جب مرغ بانگ دینے لگا تو موت کی خبر دینے والے نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اس کی موت کا اعلان کیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا جلد چلو، اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا: ٹانگ آگے کرو۔ آپ نے اس پر دست مبارک پھیرا تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ ابو رافع کو عبداللہ بن انیس نے قتل کیا تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جو صحابی اس کے پاس گئے اور انہوں نے اسے قتل کیا، وہ صرف عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔

ابن رزام کی طرف، حضرت عبداللہ بن رواحہ کا سریہ

اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابو رافع سلام بن ابی الحقیق قتل ہوا تو یہودیوں نے اسیر (نامی شخص) کو اپنا امیر بنالیا۔ وہ شخص غطفان وغیرہ کے پاس گیا تاکہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کے لیے جمع کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے رازداری سے رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ دیگر تین افراد کو بھیجا۔ انہوں نے اسیر اور اس کی مکاری کے بارے میں معلوم کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلومات فراہم کیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بلایا اور تیس حضرات آپ کے بلانے پر حاضر ہو گئے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ وہ اسیر کے پاس گئے اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تمہارے پاس اس لیے بھیجا کہ تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو، آپ تجھے خیبر کا عامل بنانا چاہتے اور تجھ سے حسن سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے لالچ کی اور وہاں سے نکلا۔ اس کے ساتھ دیگر تیس یہودی بھی آئے۔ ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک مسلمان سوار ہوا (کیونکہ مسلمان پیدل گئے تھے)، حتیٰ کہ جب مقام قرقرہ میں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جو اس سریہ میں تھے، اسے تلوار ماری اور وہ اونٹ سے گر گیا۔ دیگر صحابہ کرام اس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے اور ان میں سے ایک شخص کے علاوہ سب کو قتل کر دیا۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظالموں کی قوم سے نجات دی۔[1] (طبقات ابن سعد، جلد ۲ ص ۹۲)

عکل اور عرینہ کا قصہ (سریۂ کرز)

کرز ابن جابر الفہری کا سریہ عرنیین کی طرف گیا۔ یہ قضاء کا ایک قبیلہ ہے اور دوسرا بجیلہ کا قبیلہ، یہاں دوسرا (بجیلہ کا قبیلہ) مراد ہے۔ ابن عقبہ نے مغازی میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ لوگ غزوہ ذی قرد کے بعد آئے اور یہ جمادی الاخری سنہ ۶ھ کی بات ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حدیبیہ کے بعد کا ذکر کیا اور وہ اسی سال ذی قعدہ میں ہوا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۲) واقدی کے نزدیک شوال میں ہوا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے واقدی کی اتباع کی ہے۔ (کتاب المغازی للواقدی

---

[1] امن دینے کے باوجود قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ لوگ قرقرہ پہنچے تو حضرت عبداللہ بن انیس نے دیکھا کہ اسیر تلوار اٹھا رہا ہے تو انہوں نے قتل کیا۔ گویا وہ لوگ دھوکہ کر رہے تھے۔ ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں اس کا سبب یوں بیان ہوا کہ جب وہ لوگ قرقرہ پہنچے تو اسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کے سلسلے میں نادم ہوا، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور وہ تلوار اٹھانے کا ارادہ کر رہا تھا تو آپ اسے تاریکی میں لے گئے پھر تلوار سے قتل کر دیا۔ ابن سعد نے یوں نقل کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسیر میری تلوار کی طرف جھکا ہاتھ بڑھایا تو میں سمجھ گیا میں نے اپنے اونٹ کو دوڑایا اور کہا اے اللہ کے دشمن دھوکہ کر رہے ہو دو مرتبہ کہا (زرقانی جلد ۲ ص ۱۷۱)

جلد ۲ ص ۵۶۸) صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام کے بارے میں گفتگو کی اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی! ہم لوگ دودھ والے جانور رکھتے تھے لیکن کھیتی باڑی والے نہیں تھے اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی آب و ہوا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا ناپسند کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کچھ اونٹوں اور چرواہے کا حکم دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اونٹوں میں چلے جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔

وہ چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام حرہ کے قریب پہنچے تو مرتد ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے گئے۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو ڈھونڈنے والے بھیجے (جب ان کو پکڑ کر لایا گیا تو) آپ کے حکم پر ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر کر اور ان کے ہاتھ کاٹ کر ان کو پتھریلی زمین میں چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ اسی حالت پر مر گئے۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۲ کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری گئیں، پھر ان کو دھوپ میں پھینک دیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے اور دوسری روایت میں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی جگہ کو داغا نہیں گیا کہ خون بند ہو جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں اس لیے پھیری گئیں کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری تھیں۔ یہ بات امام مسلم نے روایت کی ہے۔ لہٰذا قصاص کے طور پر ان سے یہ سلوک کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ آٹھ آدمی تھے۔

امام بخاری نے محاربین کے ذکر میں لکھا کہ اونٹوں کی طرف جانے سے پہلے وہ لوگ اہل صفہ میں سے تھے۔

ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا کہ وہ اپنے منہ سے زمین کو کاٹتا تھا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۳)

دمیاطی نے ابن سعد کی طرح نقل کیا کہ دودھ والی اونٹنیاں پندرہ تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۹۳) اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ سریہ انصار میں سے تقریباً بیس سواروں پر مشتمل تھا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۲)

ابن مردویہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بہت اچھی طرح نماز پڑھتا ہے تو آپ نے اسے آزاد کر کے اپنی اونٹنیوں کے ساتھ حرہ مقام کی طرف بھیج دیا، وہ وہاں رہا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۲) پھر عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگوں نے اسلام ظاہر کیا اور اس حال میں آئے کہ بیمار تھے۔ وہ بخار میں مبتلا تھے اور ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹنیوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، ٹھیک ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے پھر اونٹوں کو

---

[1] انہوں نے جو حرکت کی، یہ اس کا بدلہ تھا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے مثلہ کرنے یعنی شکلیں بگاڑنے سے منع فرما دیا... ۱۲ ہزاروی

لے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے مسلمانوں کے کچھ سوار بھیجے، ان کا امیر کرز بن جابر فہری تھا، وہ سوار ان تک پہنچ گئے اور ان کو آپ کے پاس لے آئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور آنکھوں میں گرم سلائیں پھیرنے کا حکم دیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت نہایت غریب ہے۔ (مشہور نہیں)

ابن جریر نے حضرت محمد بن ابراہیم سے اور انہوں نے جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ آئے۔ اس کے بعد انہوں نے مکمل حدیث ذکر کی اور اس میں ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور کچھ دیگر صحابہ کرام کو بھیجا، حتیٰ کہ ہم نے ان کو پالیا اور پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹ (دایاں ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹنے لگے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں۔ چنانچہ وہ پانی مانگتے اور حضور علیہ السلام فرماتے: تمہارے لیے جہنم ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے گرم سلائیں پھیرنے کو ناپسند فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ۔ (المائدہ: ۳۳)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں، ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں۔

یہ حدیث غریب ضعیف ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ سریہ کے امیر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ تھے۔ مغلطائی نے کہا یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت جریر اس واقعہ کے تقریباً چار سال بعد مسلمان ہوئے۔

ابن عقبہ کے مغازی میں ہے کہ اس سریہ کے امیر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرے حضرات نے (سعید کی بجائے) سعد کہا ہے، یعنی سعد بن زید اشہلی اور یہ انصاری ہیں۔ پس اس بات کا احتمال ہے کہ سعید بن زید انصار کے سردار ہوں اور کرز جماعت کے امیر ہوں۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۳)

ابن جریر کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنے کو ناپسند فرمایا، یہ منکر روایت ہے صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان لوگوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری تھیں، لہٰذا ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ بطور قصاص تھا۔ واللہ اعلم

تنبیہہ

فتح الباری میں فرمایا کہ ابن التین نے داؤدی کی اتباع میں گمان کیا کہ عرینہ ہی عکل ہیں اور یہ غلط ہے کہ بلکہ یہ دو الگ الگ قبیلے ہیں۔ عکل، عدنان سے ہے اور عرینہ قحطان سے ہے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۰)

ابوسفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ کو بھیجنا

پھر عمرو بن امیہ ضمری کا سریہ ہے جو ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ مکرمہ گیا کیونکہ ابوسفیان نے ایک شخص کو بھیجا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دے کر قتل کرے وہ شخص آیا اور اس کے پاس خنجر تھا۔ اور وہ آپ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص دھوکہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تہبند کے اندر سے پکڑ کر اسے کھینچا تو وہاں خنجر تھا جو ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سچ سچ بتا کہ تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا مجھے امن مل جائے گا؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ اس نے اپنا واقعہ بتا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔

اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ سلمہ بن اسلم کو یا کہا جاتا ہے کہ جبار بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا تھا اور فرمایا اگر تم اسے غافل پاؤ تو قتل کر دو۔

حضرت عمرو بن امیہ رات کے وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے لگے، حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے ان کو دیکھا تو قریش کو اطلاع کر دی، اور ان کو تلاش کیا۔ حضرت عمرو بن امیہ دور جاہلیت میں آدمی کو اچانک مار ڈالتے تھے تو اہل مکہ ان کے لیے جمع ہوئے۔

حضرت عمرو اور سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرو کا عبیداللہ بن مالک تیمی سے ٹکراؤ ہو گیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور ایک دوسرے آدمی کو بھی قتل کیا۔ نیز قریش کے دو قاصدوں کو پالیا جو مسلمانوں کی جاسوسی کرنے نکلے تھے تو ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو قیدی بنایا اور اسے مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خبر سناتے رہے اور آپ ہنستے رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۴)

صلح حدیبیہ

اس کے بعد حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔ یاء پر شد بھی پڑھ سکتے ہیں (حدیبیّہ) اور شد کے بغیر (حدیبیہ) بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک کنواں ہے ایک قول کے مطابق درخت ہے اور اس کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حدیبیہ رکھا گیا۔ محب طبری نے کہا کہ یہ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اور اس کا زیادہ حصہ حرم میں داخل ہے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۱) یہ مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔

اصحاب حدیبیہ کی تعداد

ذی قعدہ سنہ ۶ھ بروز سوموار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۸، کتاب المغازی) اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔

کسی نے پندرہ سو کہا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تیرہ سو تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۹، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

اس اختلاف کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ وہ چودہ سو سے زیادہ تھے۔ پس جس نے پندرہ سو کہا اس نے کسر کو پورا کیا (ایک سو سے کم کو ایک سو کہا) اور جس نے چودہ سو کہا اس نے کسر کو گرا دیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں: چودہ سو یا زیادہ تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے روایات کی اس تطبیق پر اعتماد کیا۔ جہاں تک تیرہ سو والی روایت کا تعلق ہے تو ممکن ہے راوی (حضرت ابن ابی اوفی) کو اس بات کی اطلاع ہوئی ہو اور دوسروں کو مزید دو سو کی اطلاع ملی ہو اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن اسحاق نے جو سات سو کا قول کیا ہے تو اس پر کسی نے بھی اس کی موافقت نہیں کی، کیونکہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استنباط کیا ہے کہ ہم نے دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ کی قربانی کی اور انہوں نے ستر اونٹ ذبح کئے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۲۹) لیکن یہ اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ انہوں نے اونٹوں کے علاوہ کچھ ذبح نہیں کیا جبکہ بعض حضرات نے بالکل احرام نہیں باندھا تھا۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۹۴)

موسیٰ بن عقبہ نے قطعی طور پر کہا ہے کہ وہ ایک ہزار چھ سو تھے۔ ابن ابی شیبہ نے سلمہ بن اکوع سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ ایک ہزار سات سو تھے۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۹۵)

ابن سعد نے ایک ہزار پانچ سو پچیس کا قول کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

مکہ مکرمہ کے راستے میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور آپ اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لے گئے، مگر مسافروں والے ہتھیار، تلواریں نیام میں تھیں۔
(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

صحیح بخاری میں مغازی کے بیان میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ والے سال کچھ کم دو ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے، جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈالا اور قربانی کی علامت کے لیے اس کی کوہان میں نشان لگایا اور وہاں سے احرام باندھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جاسوسی کے لیے بھیجا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ آپ غدیر اشطاط میں تھے کہ جاسوس نے آکر بتایا قریش نے آپ کے خلاف لوگوں کو جمع کر رکھا ہے اور انہوں نے آپ کے خلاف مختلف قبائل کے گروہ جمع کئے ہیں اور وہ آپ سے لڑیں گے اور بیت اللہ شریف سے روک دیں گے۔

آپ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دوں جو ہمیں بیت اللہ شریف سے روکنا چاہتے ہیں؟

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس پاک گھر کا ارادہ کر کے نکلے ہیں، کسی کو قتل کرنے کے لیے نہیں اور نہ کسی سے لڑنے کے لیے۔ پس جو شخص ہمیں اس سے روکے گا، ہم اس سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا نام لے کر چلو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۰، کتاب المغازی)

امام احمد نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۱)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ لوگ ابھی راستے میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد بن ولید مقام غمیم میں لشکر قریش کا مقدمۃ الجیش ہے۔ پس تم دائیں طرف کو ہو جاؤ اللہ کی قسم! خالد بن ولید کو مسلمانوں کی جماعت کا پتا نہ چل سکا، حتیٰ کہ یہ لشکر کے غبار میں تھے، چنانچہ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قریش کو اطلاع کرنے چلے گئے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتیٰ کہ جب اس ثنیہ (ٹیلے) پر پہنچے جہاں سے قریش پر اترا جاتا ہے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے اٹھنے میں دیر کر دی۔ وہ کہنے لگے قصواء (اونٹنی) نے سرکشی کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء سرکشی نہیں کرتی اور نہ اس کی یہ عادت ہے، لیکن اسے اسی ذات نے روکا ہے، جس نے (ابرہہ کے) ہاتھی کو روکا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہاتھی کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا تھا اسی طرح اسے بھی دخول مکہ سے روک دیا ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام اسی حالت میں مکہ مکرمہ داخل ہوتے اور قریش ان کو روکتے تو ان کے درمیان لڑائی ہو جاتی، جس سے خون ریزی ہوتی اور مال لوٹے جاتے، جس طرح ہاتھی داخل ہونے پر قادر ہوتا تو یہی صورت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ان لوگوں میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اور ان کی پشتوں سے کچھ لوگ نکلیں گے جو اسلام لائیں گے اور جہاد کریں گے۔

(فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۴)

پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر وہ (قریش) مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کریں تو میں اسے قبول کروں گا۔

اس کے بعد آپ نے قصواء اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی: راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ قریش سے بچ کر حدیبیہ کے دوسرے کنارے پر ایک ایسی جگہ اترے جہاں پانی تھوڑا تھا اور لوگ تھوڑا تھوڑا (چلو چلو) کر کے لیتے۔ تھوڑی دیر میں وہ پانی کا گڑھا خالی ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر کھینچا اور فرمایا کہ اسے اس گڑھے میں گاڑ دیں تو اللہ کی قسم وہ پانی سیرابی سے جوش مارتا تھا حتیٰ کہ وہ خوب سیر ہو کر اس سے ہٹ گئے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

بدیل بن ورقاء کی آمد

مسلمان اسی حالت پر تھے کہ بدیل بن ورقاء اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آیا؛ یہ لوگ اہل تہامہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان اور حلیف تھے۔

بدیل بن ورقاء نے کہا: میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو دیکھا ہے کہ وہ حدیبیہ کے چشموں پر اترے، ان کے ساتھ دودھ دینے والی اور بچوں والی اونٹنیاں ہیں اور وہ لوگ آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸ کتاب الشروط)

ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ دودھ والی اونٹنیوں کو ساتھ لائے ہیں تاکہ ان کے دودھ سے توشہ حاصل کریں اور وہ جب تک آپ کو نہ روکیں، واپس نہیں جائیں گے۔ اس بات کے ذریعے اس بات کو کنایتاً کہا کہ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ نکلے ہیں، کیونکہ وہ یہاں زیادہ رہنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات عدم فرار کے لیے زیادہ داعی ہو۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بلکہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں اور قریش کو لڑائی نے کمزور کیا اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لیے ایک مدت مقرر کرتا ہوں (اگر وہ چاہیں تو) میرے اور میرے آدمیوں کے درمیان راستہ خالی کر دیں اور اگر یہ دین غالب آگیا تو اگر وہ اس چیز میں داخل ہونا چاہیں جس میں لوگ داخل ہونا چاہتے ہیں (یعنی دین اسلام میں) تو ایسا کریں اور اگر یہ دین غالب نہ آیا تو ان کو آرام مل جائے گا اور اگر وہ انکار کریں تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، میں اپنے اس معاملے پر ان سے ضرور لڑوں گا حتیٰ کہ میں قتل ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کر دے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

بدیل نے کہا: آپ جو کچھ کہتے ہیں، میں عنقریب ان لوگوں تک پہنچا دوں گا، چنانچہ وہ چلا گیا حتیٰ کہ قریش کے پاس جا کر کہا کہ میں اس شخص کی طرف سے آیا ہوں۔ ہم نے اس کی ایک بات سنی ہے اگر تم چاہو کہ ہم وہ بات تمہارے سامنے پیش کریں تو ہم پیش کرتے ہیں۔

ان میں سے بے وقوف لوگ کہنے لگے: ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کی طرف سے کسی بات کی خبر دو لیکن ان میں سے اہل رائے کہنے لگے: تم نے ان کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا ہے، ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا: میں نے ان کو فلاں فلاں بات کہتے ہوئے سنا ہے، چنانچہ جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ان کو بتا دیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

عروہ بن مسعود سے گفتگو

عروہ بن مسعود نے کھڑے ہو کر کہا: اے قوم کیا تم والد (کی جگہ) نہیں ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں؟ اس نے کہا کیا میں بیٹا نہیں ہوں؟ (بیٹے کی طرح شفقت کا محتاج نہیں ہوں) انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔ اس نے

کہا کیا تم مجھ پر کوئی تہمت لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تمہاری مدد کے لیے اہل عکاظ کو بلایا، لیکن انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو میں اپنے گھر والوں، اپنی اولاد اور اپنے اطاعت گزار لوگوں کو لے کر تمہارے پاس آ گیا؟ انہوں نے کہا: ہاں اسی طرح ہے۔ اس نے کہا تمہارے پاس ایک اچھی بات آئی ہے۔ اس کو قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں، انہوں نے کہا جاؤ۔

عروہ بن مسعود نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی تو آپ نے وہی بات فرمائی جو بدیل سے فرمائی تھی۔ اس وقت عروہ نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے اگر آپ اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیں تو کیا آپ نے اہل عرب میں سے کسی کے بارے میں سنا ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے اپنے لوگوں کو قتل کیا ہو؟

اور اگر دوسری بات ہوئی تو اللہ کی قسم! میں تو آپ کے لیے بااعتماد لوگ نہیں دیکھتا۔ میں کچھ ملے جلے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس لائق ہیں کہ جنگ کے وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تو لات (بت) کی شرم گاہ کو چوس، کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی مذمت میں اس طرح مبالغہ سے کام لیا کہ انہوں نے اس کے معبود یعنی بت کو اس کی ماں کی جگہ قرار دیا اور آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس نے صحابہ کرام کی طرف بھاگنے کی نسبت کر کے آپ کو غصہ دلایا۔ اہل عرب مذمت کے طور پر یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۸)

اس (عروہ) نے کہا: یہ کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری ذات ہے۔ اگر آپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں دیا تو میں آپ کو جواب دیتا۔

راوی کہتے ہیں: وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا رہا۔ وہ جب بھی بات کرتا آپ کی داڑھی مبارک پکڑ لیتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔ عروہ جب بھی اپنا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی طرف لے جاتا تو وہ تلوار کی میان کا سرا اس کے ہاتھ پر مارتے اور فرماتے اپنے ہاتھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے پیچھے ہٹا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

علماء کرام فرماتے ہیں: اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جس سے بات کرتے اس کی داڑھی پکڑ لیتے خصوصاً جب چاپلوسی وغیرہ کی حالت میں ایسا کرتے اور عام طور پر ہم مرتبہ لوگوں میں یہ طریقہ تھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عروہ سے نرمی اور اس کے دل کو قائل کرنے کے لیے چشم پوشی سے کام لیتے رہے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ

عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے اظہار اور تعظیم کے طور پر ایسا کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۳۴۹)
راوی نے کہا: عروہ نے سر اٹھا کر دیکھا پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا بے وفائی کرنے والے! کیا میں دور جہالت میں تمہاری جنایت کے شر کو دور کرنے کے لیے تمہارے لیے کوشش نہیں کرتا تھا؟ دور جہالت میں حضرت مغیرہ ایک قوم کے ساتھی بنے اور پھر انہوں نے ان کو قتل کر کے مال حاصل کر لیا پھر آئے اور اسلام قبول کر لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا اسلام لانا قبول کرتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (یہ جائز نہیں۔)

پھر عروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ کہ اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوکتے تو وہ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے اور اس کو اپنے چہرے پر مل لیتے اور آپ ان کو جب بھی کوئی حکم دیتے' وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو وہ آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی پر لڑنے کے قریب ہو جاتے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو وہ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے پست کر دیتے اور وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

فتح الباری میں فرمایا: اس میں اس بات کے رد کی طرف اشارہ تھا کہ عروہ کا یہ خوف کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے' غلط ہے گویا انہوں نے زبان حال سے کہا کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح محبت کرتے ہیں اور یوں آپ کی تعظیم کرتے ہیں' ان کے بارے میں یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو دشمن کے حوالے کرتے ہوئے خود بھاگ جائیں بلکہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے دین سے کامل وابستگی اور مدد میں ان قبائل سے زیادہ سخت ہیں جو محض رشتہ داری کی بنیاد پر ایک دوسرے کی رعایت اور خیال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۵ ص ۳۵۰)

راوی کہتے ہیں: عروہ اپنی قوم کی طرف آیا اور کہنے لگا: اے قوم! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے پاس بھی گیا ہوں' قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان میں سے کسی بادشاہ کو اس طرح نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی یوں تعظیم کرتے ہوں جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے ناک کی رینٹھ بھی کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ پر گرتی ہے اور وہ اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے اور جب آپ ان کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو لوگ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لینے کے لیے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو آپ کے پاس ان لوگوں کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور وہ تعظیم کے طور پر آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ انہوں نے تم لوگوں کے سامنے بہترین تجویز رکھی ہے' اسے قبول کر لو۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

بنو کنانہ کے ایک شخص نے کہا: مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آیا تو آپ نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے۔ یہ ایسی قوم سے

تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے اونٹ کی تعظیم کرتے ہیں اس کے پاس قربانی کے اونٹ بھیج دو تو اس کے لیے اونٹ بھیج دیئے گئے[1] اور صحابہ کرام لبیک لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کرنے لگے۔ جب اس نے یہ بات دیکھی تو کہنے لگا: سبحان اللہ ان لوگوں کو بیت اللہ شریف سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹا تو اس نے کہا: میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے ڈالے گئے اور ان کے کان (بطور نشانی) چیرے گئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کو بیت اللہ شریف سے روکنا نہیں چاہیے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

سہیل اور عقد صلح

تب ان میں سے ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا' اٹھا اور کہا مجھے وہاں جانے دو۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: یہ مکرز ہے اور فاسق و فاجر شخص ہے' پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔

اس دوران کہ وہ آپ سے گفتگو کر رہا تھا سہیل بن عمرو آیا' حضرت معمر فرماتے ہیں: حضرت ایوب نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ جب سہیل آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ (سہل آسانی کو کہتے ہیں) (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹ کتاب الشروط)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ قریش نے سہیل بن عمرو کو بلا کر کہا تھا کہ اس شخص کے پاس جا کر صلح کی بات کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش نے اس شخص کو بھیجا ہے تو وہ صلح کرنا چاہتے ہیں' جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی' حتیٰ کہ اس بات پر مصالحت ہو گئی کہ دس سال تک لڑائی موقوف رکھی جائے اور وہ ایک دوسرے کو امن دیں گے اور اس سال مسلمان (عمرہ کئے بغیر) واپس چلے جائیں۔

حضرت معمر فرماتے ہیں: امام زہری رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ: سہیل بن عمرو نے آ کر کہا لاؤ میں اپنے اور تمہارے درمیان ایک تحریر لکھ دیتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا اللہ کی قسم میں رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتا تم یوں لکھو: "**باسمک اللھم**" (اے اللہ تیرے نام سے) جس طرح آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مکمل) لکھیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**باسمک اللھم**" ہی لکھو' پھر فرمایا (لکھو) "**ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ**" (یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مقصد یہ تھا کہ وہ ان اونٹوں کو دیکھ کر یقین کرلے کہ یہ لوگ لڑائی کے لیے نہیں آئے' لہٰذا وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر ان کی مدد کرے کہ یہ محض عمرہ کرنے والے ہیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۳)... ۱۲ ہزاروی)

نے کیا) حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے جو حاکم نے روایت کی ہے کہ یہ الفاظ تھے۔ "ھذا ما صالح محمد رسول اللہ اھل مکۃ" اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے یہ مصالحت کی۔

سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے اور آپ سے لڑائی نہ لڑتے۔ یوں لکھیں "محمد بن عبداللہ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹ کتاب الشروط)

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے مٹادو۔ انہوں نے عرض کیا میں نہیں مٹاؤں گا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۱ کتاب الصلح)

علماء کرام فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ادب مستحب پر عمل کیا کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بات کو نہ سمجھے کہ یہ لفظ رسول اللہ کا مٹانا مجھ پر واجب ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض بھی نہیں فرمایا۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ سمجھ لیتے کہ اس کا مٹانا مجھ پر لازم ہے تو ان کے لئے یہ عمل چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ کہاں لکھا ہے؟ انہوں نے وہ جگہ بتائی تو آپ نے اسے مٹا کر (محمد) ابن عبداللہ لکھا۔

صحیح بخاری میں مغازی کے بیان میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تحریر لی اور آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے تو آپ نے لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ"۔ (یہ فیصلہ (حضرت) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا ہے) (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی)

امام نسائی اور امام احمد رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے پھر آپ نے لفظ "رسول اللہ" کی جگہ لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا

فتح الباری میں فرمایا کہ اس روایت کے ظاہر سے ابو الولید الباجی (سلیمان بن خلف بن سعد متوفی ۴۷۴ھ اندلس کے شہر باجہ کی طرف منسوب ہیں اور علامہ، حافظ اور کئی فنون کے عالم تھے) نے استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا بعد اس کے کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے۔

اس زمانے کے علمائے اندلس نے ان کی اس بات کی مذمت کی اور ان کو زندیق قرار دیا اور کہا کہ اس بات کا قائل قرآن مجید کا مخالف ہے حتیٰ کہ کسی قائل نے یوں کہا:

برئت ممن شری دنیا باخرة وقال ان رسول الله قد کتبا

"میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جس نے آخرت کے بدلے دنیا کو خریدا اور کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے"۔

ان علماء کو امیر اندلس نے بلایا اور ابوالولید باجی نے اپنی معلومات کے مطابق علماء کے اعتراض کا جواب دیا اور امیر سے کہا کہ یہ بات قرآن پاک کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ مفہوم قرآن سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ نفی کی قید قرآن مجید کے نزول سے پہلے کے ساتھ ہے' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ - (العنکبوت: ۴۸)

اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (یعنی بالکل نہیں لکھتے تھے)

اور جب آپ کا امی ہونا (کسی سے نہ پڑھنے والا ہونا) متحقق ہوگیا اور آپ کا معجزہ ثابت ہوگیا اور اس سلسلہ میں شک کا خوف نہ رہا تو اب آپ کا کسی کے سکھائے بغیر کتابت جاننے میں کوئی بات مانع نہیں ہے پس یہ دوسرا معجزہ ہوگا۔

اور ابن دحیہ نے ذکر کیا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس بات میں امام باجی کی موافقت کی ہے۔ ان میں شیخ ابوذر ھروی (عبد بن احمد بن محمد انصاری مالکی شیخ الحرم متوفی ۴۳۴ھ) اور ابوالفتح نیشاپوری اور دیگر کئی افریقی علماء بھی شامل ہیں۔

اس موقف پر بعض علماء کرام نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا جو ابن ابی شبہ رحمۃ اللہ علیہ (عمرو بن شبہ بن عبیدہ نمیری متوفی ۲۶۲ھ) نے حضرت مجالد کے طریق سے روایت کی ہے۔ وہ حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس وقت تک نہ ہوا' حتیٰ کہ آپ نے لکھا اور پڑھا۔

حضرت مجالد فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت شعبی رحمہ اللہ علیہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے سنا جو اس کا ذکر کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۶)

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے آثار وارد ہوئے ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف اور ان کی خوش خطی کی معرفت حاصل تھی جیسے آپ نے کاتب سے فرمایا کہ اپنے کان پر قلم رکھو کہ اس سے (بات) زیادہ یاد ہوتی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

الق الدوات و حرف القلم و فرق السین ولا تعور المیم۔

دوات (کی سیاہی) کو درست کرو' قلم کو ٹیڑھا کرو' سین کو پھیلاؤ اور میم کے دائرے کو اندھا نہ کرو۔ (کھلا رکھو)

اور اس کے علاوہ بھی فرمایا:

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ بات ثابت نہ ہو کہ آپ نے لکھا لیکن ان آثار کی بنیاد پر بعید

نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتابت کا طریقہ بتایا ہو کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷)

جمہور نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور حدیبیہ والے واقعہ کے بارے میں کہا کہ یہ ایک واقعہ ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس سلسلے میں واضح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہی لکھا تھا' لہٰذا یہ بات کہ آپ نے تحریر کی اور آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ یہ مجھے دکھاؤ' اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ان کو اس کلمہ کی جگہ دکھائیں جس کے مٹانے سے حضرت علی المرتضیٰ نے انکار کیا اور یہ ضرورت اس لئے پڑی کہ آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے۔

اور اس کے بعد راوی کا یہ قول کہ آپ نے لکھا اس میں عبارت محذوف ہے۔اس کی تقدیر یہ ہے کہ آپ نے اس لکھے ہوئے کو مٹایا' یا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے لکھا۔

یا اس معنیٰ پر اطلاق کیا گیا کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا اور یہ اس معنیٰ میں اکثر مستعمل ہوتا ہے جیسے یہ کہ آپ نے کسریٰ اور قیصر کی طرف لکھا' یعنی آپ کے حکم سے لکھا گیا۔

اور اگر اسے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس دن آپ کا اپنا اسم شریف لکھنا جب کہ آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کتابت کے عالم تھے اور امی نہ رہے۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اچھی طرح لکھ نہیں سکتے لیکن بعض کلمات کی صورتوں سے واقف ہوتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کلمات کی وضع بنا سکتے ہیں۔ بالخصوص نام لکھ لیتے ہیں' اس سے ان کا امی ہونے سے خارج ہونا لازم نہیں آتا' جس طرح کئی بادشاہوں کا معاملہ ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت آپ کا ہاتھ لکھنے سے رواں ہو گیا ہو' لیکن آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' پس جو لکھا وہ آپ کی مراد کے موافق ہو گیا' پس یہ اس وقت خصوصی طور پر دوسرا معجزہ ہو گیا اور اس سے آپ کا امی ہونا ختم نہیں ہوتا۔ ابو جعفر سمنانی (محمد بن احمد بن محمد فقیہ حنفی رحمہ اللہ) جو اشاعرہ (اہل سنت و جماعت کا ایک گروہ) کے ائمہ اصول میں سے ایک تھے' نے یہی جواب دیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کی ہے۔

جبکہ امام سہیلی وغیرہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷) کہ اگرچہ یہ ممکن ہے اور دوسرا معجزہ بن جاتا ہے لیکن یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے خلاف ہے' یعنی آپ نہیں لکھتے تھے اور یہ آیت ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو گئی' اس نے منکر کی بات کو منقطع کر دیا اور شبہ دور ہو گیا اور اگر اس کے بعد آپ کا لکھنا جائز ہوتا تو شبہ لوٹ آتا اور عناد کرنے والا (کافر) کہتا کہ آپ اچھی طرح لکھ سکتے تھے لیکن آپ اس وصف کو چھپاتے تھے۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ: بعض معجزات کا دوسرے بعض کو دور کرنا محال ہے اور حق یہ ہے کہ راوی کا یہ قول کہ آپ نے (اس دن) لکھا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں: اس دعویٰ میں کہ آپ نے صرف اس صورت پر اپنا اسم گرامی لکھا' اس سے

معجزے کے خلاف بات لازم آتی ہے اور آپ کا غیر امی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ بات نہایت درجہ محل نظر ہے۔[1]

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷)

سہیل کی موافقت میں حکمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو اور سہیل کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے لیکن آپ صرف "باسمک اللھم" لکھیں (آخر تک)۔

علماء کرام فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موافقت کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا ترک کیا اور صرف "بسمک اللھم" لکھا۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ لکھا اور محمد رسول اللہ چھوڑ دیا اور اس کی بات مان لی تو اس میں بہت بڑی حکمت تھی جو صلح کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

پھر یہ کہ ان باتوں میں خرابی بھی کوئی نہیں کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور "باسمک اللھم" (دونوں) کا ایک ہی مفہوم ہے اسی طرح محمد بن عبداللہ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے وصف "رحمٰن و رحیم" کو ترک کرنے سے اس وصف کی نفی نہیں ہو جاتی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف رسالت کو ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے مطالبہ پر عمل کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، ہاں اس وقت خرابی ہوتی جب وہ ایسی بات لکھنے کا مطالبہ کرتے جو جائز نہیں، مثلاً ان کے معبودوں کو تعظیم وغیرہ۔

شرائط کی تحریر

صحیح بخاری میں فرمایا کہ آپ نے لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ۔" یہ وہ فیصلہ ہے جو حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمارے طواف کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنو گے۔

سہیل نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، ورنہ عرب لوگ کہیں گے کہ ہم آپ کے ہاتھوں مجبور ہو گئے، ہاں آئندہ سال آپ طواف کریں پس یہ بات لکھی۔

سہیل نے کہا: ہمارا جو شخص آپ کے پاس آئے اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ ایک شخص کو جو مسلمان ہو کس طرح مشرکین کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] بعض بدبخت جاہل امی کا معنی ان پڑھ کرتے ہیں حالانکہ امی کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے کسی سے نہیں پڑھے اور آپ کا اس کے باوجود معلم کائنات ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ مخلوق میں سے کسی کے شاگرد نہیں ہیں تو آپ کا لکھنا پڑھنا آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ ۱۲
ہزاروی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۷۹ ۳، کتاب الشروط)

شرائط ماننے میں حکمت

اگر آپ کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہیل کی یہ بات مان لی کہ ان کا جو شخص مسلمانوں کے پاس آئے گا وہ اسے مشرکین کی طرف واپس بھیجیں گے، اگرچہ وہ مسلمان ہو تو اس شرط کو ماننے میں کیا حکمت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلح کی تکمیل پر جو مصلحت مرتب ہوئی، اس کے نتائج اور فوائد ظاہر اور واضح ہیں کہ اس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور وہاں کے تمام لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ نیز لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

اس لئے کہ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اپنی اصل شکل میں ان کے سامنے ظاہر نہ تھے، اور انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جو ان کو دین کی تفصیلی تعلیم دے جب صلح حدیبیہ ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ ان کا میل جول ہوا۔ وہ مدینہ طیبہ آتے اور مسلمان مکہ مکرمہ جاتے۔ وہاں اپنے اہل خانہ اور دوستوں سے علیحدگی میں ملاقات ہوتی وہ ان سے خیر خواہی اور نصیحت طلب کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور واضح معجزات، نیز نبوت کی روشن نشانیوں کے بارے میں سنتے، آپ کی حسن سیرت اور اچھے طریقے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور خود کئی باتوں کا معائنہ کرتے، پس ان کے دل ایمان کی طرف مائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بے شمار لوگوں نے اسلام کی طرف جلدی کی حالانکہ ابھی مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ پس وہ لوگ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان والی مدت میں مسلمان ہو گئے، علاوہ ازیں دوسرے لوگوں کا اسلام کی طرف میلان بڑھا۔

پھر جب فتح مکہ کا دن ہوا تو ان سب نے اسلام قبول کیا کیونکہ اسلام کی طرف ان کے میلان کی تمہید ہو چکی تھی، اور قریش کے علاوہ بدوی عرب جو قریش کے مسلمان ہونے کے منتظر تھے جب قریش نے اسلام قبول کیا تو بدوی عرب بھی مسلمان ہو گئے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ (النصر: ۲۱)	جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

ابوجندل کا واقعہ

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ اسی دوران جب وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ) باہم شرائط

طے کر رہے تھے کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو اپنی بیڑیوں میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے۔ وہ مکہ مکرمہ کے زیریں حصے سے نکلے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط)
سہیل نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب سے پہلی شرط ہے جس کا میں آپ سے یوں فیصلہ چاہتا ہوں کہ اسے میری طرف لوٹا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تک معاہدہ کی تحریر سے فراغت نہیں ہوئی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! (اگر یہ بات ہے) تو میں آپ سے کسی بات پر مصالحت کبھی بھی نہیں کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے حوالے کر دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں اجازت دے اس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مکرز نے کہا بلکہ ہم نے آپ کو اس کی اجازت دی۔

ابو جندل نے کہا اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہے حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا تم نہیں دیکھتے میں نے کس قدر تکلیف برداشت کی ہے اور ان کو راہ خداوندی میں سخت عذاب دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط)

ابن اسحاق نے اضافہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب طلب کرو ہم عہد شکنی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ تیرے لئے کشادگی اور رہائی کی سبیل بنانے والا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکدم ابو جندل کے پہلو میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے صبر کرو یہ مشرک ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا خون کتے کے خون جیسا ہے۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۱)

ابو جندل کے واقعہ میں فقہ

خطابی نے کہا حضرت ابو جندل کے قصہ میں جو کچھ واقع ہوا ہے، اس میں علماء کرام نے دو طرح تاویل کی ہے۔ ایک یہ کہ جب کسی مسلمان کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جائز قرار دیا کہ دل میں ایمان برقرار رکھتے ہوئے زبان پر کلمہ کفر جاری کرے۔ بشرطیکہ وہ توریہ نہ کر سکتا ہو۔ (ایسا لفظ بولے جس سے اس کی مراد کچھ ہو اور مخالف اپنے مطلب کی بات سمجھے) (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۵۴)

پس حضرت ابو جندل کو ان لوگوں کی طرف لوٹانے کا مقصد ان کی ہلاکت نہیں تھی، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپا کر موت سے نجات حاصل کر سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو ان کے باپ کی طرف لوٹایا اور غالب گمان یہ تھا کہ باپ انہیں ہلاک نہیں کرے گا، اگرچہ ان کو عذاب دے یا قید میں ڈالے، پس وہ اپنے ایمان کو چھپا کر بھی جان بچا سکتے تھے اور حضرت ابو جندل پر جو فتنہ کا خوف کیا جاتا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا، جس میں مومن بندوں کو آزمایا جاتا ہے۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا مشرکین سے اس طرح مصالحت جائز ہے کہ ان کی طرف سے جو شخص مسلمان ہو کر آئے تو مسلمان اس کو واپس لوٹا دیں یا نہیں؟
تو کہا گیا کہ ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ اس پر حضرت ابو جندل اور ابو بصیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلالت کرتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جائز نہیں ہے، جو کچھ اس واقعہ میں ہے وہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

انا بریئٌ من مسلم بین مشرکین۔ میں اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔

(جامع ترمذی جلد اول ص ۱۹۳)

احناف کا یہی قول ہے۔ جبکہ شوافع عاقل، مجنون اور بچے میں امتیاز کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مجنون اور بچے کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ شافعی مسلک کے بعض حضرات کے نزدیک واپس کرنے کا جواز اس صورت میں ہوگا کہ اس مسلمان پر دارالحرب سے ہجرت واجب نہ ہو۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۵۴)

حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں؟ میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت والی حالت کیوں اختیار کرتے ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ شریف کے پاس جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں کہتا تھا لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟ (فرماتے ہیں) میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: تم وہاں جاؤ گے اور طواف کرو گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

فرماتے ہیں: پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے ابوبکر صدیق! کیا حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں ہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا تو کیوں ہم دین کے حوالے سے ذلت و رسوائی اختیار کریں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے شخص! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی آپ کا مددگار ہے۔ آپ کے فیصلے اور حکم کو مضبوطی سے تھامے رکھو، پس اللہ کی قسم آپ حق پر ہیں۔ میں نے کہا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ بات بیان نہیں فرماتے تھے کہ عنقریب ہم بیت اللہ شریف جا کر اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں لیکن آپ نے تمہیں یہ جتایا کہ اسی سال جائیں گے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں فرمایا بے شک تم وہاں جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

علماء کرام فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سوال اور کلام شک کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ جو بات

ان سے مخفی تھی، اس کی وضاحت مطلوب تھی اور کفار کو ذلیل کرنے اور اسلام کے غلبہ کے لئے برانگیختہ کرنا تھا۔
جس طرح دین کی مدد اور اہل باطل کو ذلیل کرنے کے حوالے سے ان کی عادت اور قوت معروف ہے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دینا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا تو یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت، علمی انفرادیت، عرفان اور مضبوطی نیز دوسروں سے بڑھ کر مقام کی واضح دلیل ہے۔[1]

مدت صلح اور شرائط

جس طرح سیرت کی کتب میں مذکور ہے اور حضرت امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا، مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال کے لئے صلح ہوئی۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵)
عبید اللہ بن دینار کی مسند میں ابو نعیم کی روایت سے چار سال کا ذکر کیا گیا۔ حاکم کی مستدرک میں بیوع کے بیان میں بھی اسی طرح ہے، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔
صلح اس بات پر ہوئی کہ لڑائی موقوف رہے گی کہ اس دوران لوگ امن میں رہیں گے اور ایک دوسرے سے باز رہیں گے۔
مسلمان آئندہ سال بیت اللہ شریف میں داخل ہوں گے اور وہ بھی صرف تین دن، نیز اس طرح داخل ہوں گے کہ تلواریں میان میں ہوں گی، بعض روایات میں ہے کہ اس طرح داخل ہوں گے کہ تلواریں اور کمانیں اپنے تھیلوں میں رہیں گی، ننگی نہیں ہوں گی۔
انہوں نے یہ شرط اس لئے رکھی تھی کہ یہ بات امن اور سلامتی کی نشانی ہو، کیونکہ مسلمانوں کا داخلہ صلح کی بنیاد پر تھا۔

بیعت رضوان

مکی بن ابی طالب قیروانی (ابو محمد القیسی المالکی بہت بڑے فقیہ اور علوم قرآن وغیرہ میں صاحب تصانیف کثیرہ متوفی ۴۳۷ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا اور سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ مشرکین نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روک لیا جس سے مسلمانوں کو غصہ آیا۔ مغلطائی کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو بیعت رضوان کے لیے درخت کے نیچے بلایا کہ آپ سے موت پر بیعت کریں اور یہ بھی کہا

[1] جو جواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رازدار نبوت ہیں اور آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے لئے منتخب کیا گیا ۱۲ ہزاروی۔

گیا کہ نہ بھاگنے پر بیعت کریں۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا اور فرمایا یہ (حضرت) عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت ہے پھر اسے بائیں ہاتھ پر مارا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۲، کتاب المغازی) جب مشرکین نے اس بیعت کے بارے میں سنا تو وہ ڈر گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کے ہمراہ بھیج دیا۔ اسی بیعت کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی نازل ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (الفتح: ۱۰)

بے شک وہ لوگ جو آپ کے دست اقدس پر بیعت کرتے ہیں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الفتح: ۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا۔

احرام کھولنا اور واپسی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سر منڈوائے اور اپنے جانوروں کی قربانی کی۔[2]

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع کرنے بھیجا گیا تھا کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف ایک خط دیا اور یہ فرمایا کہ کمزور مسلمانوں کو خوشخبری دیں کہ عنقریب فتح حاصل ہوگی۔ آپ نے ایک ایک کو خط سنایا، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور کہا کہ آپ چاہیں تو طواف کر لیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک حضور علیہ السلام طواف نہ کریں میں نہیں کروں گا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سہیل کے بدلے میں نہیں روکا گیا تھا بلکہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہاں تھے، اس وقت انہوں نے سہیل اور مکرز کو بھیجا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۸۶)

[2] صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب معاہدے سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے فرمایا: اٹھو قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا لیکن (صحابہ کرام اس قدر غمگین تھے کہ) کوئی نہ اٹھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو صورتحال بتائی انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! اگر آپ چاہتے ہیں تو جا کر خود اپنا جانور ذبح کریں اور سر مونڈنے والے کو بلا کر حلق کروائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو صحابہ کرام نے جانوروں کو ذبح کرنا اور حلق کروانا شروع کیا وہ ایک دوسرے کا سر مونڈتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں وہ اس قدر غمگین تھے کہ قریب تھا ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰) ۱۲ ہزاروی۔

مغلطائی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس نے ان کے بال حرم شریف میں ڈال دیے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں دس دن سے زائد ٹھہرے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیس دن ٹھہرے پھر واپس تشریف لائے اور بعض حضرات کے دلوں میں کچھ ملال تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح نازل فرما کر ان کو تسلی دی اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا۔ (الفتح:۱) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی۔

حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہاں فتح سے حدیبیہ کی فتح مراد ہے کیونکہ منافقوں کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن اپنے گھروں کو کبھی بھی واپس نہ جا سکیں گے اور سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے لیکن صلح حدیبیہ کی صورت میں فتح حاصل ہوئی، اور ارشاد خداوندی:

وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا۔ (الفتح:۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

تو صحیح قول کے مطابق اس سے صلح خیبر مراد ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو بے شمار غنیمتیں ملی تھیں۔

امام احمد، ابوداؤد اور حاکم رحمہم اللہ نے مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں ہم حدیبیہ میں حاضر ہوئے، جب ہم واپس ہوئے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع الغمیم کے پاس کھڑے دیکھا صحابہ کرام بھی جمع تھے، آپ نے "انا فتحنا لک فتحا مبینا" آیت پڑھی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ فتح ہے۔

(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۲۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

حضرت سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ حضرت شعبی سے روایت کیا کہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول و آخر ہر گناہ سے معصوم رکھا۔ بیعت رضوان ہوئی مسلمانوں کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں اور رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا، جس سے مسلمان خوش ہوئے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۶۲)

اور ارشاد خداوندی:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ۔ (النصر:۱) جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی:

لا هجرة بعد الفتح۔ فتح کے بعد ہجرت نہیں۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷)

تو اس سے بالاتفاق فتح مکہ مراد ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس طرح اشکال ختم ہو گیا اور تمام اقوال جمع ہو گئے۔ واللہ اعلم
اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف واپس تشریف لے گئے۔

۶ھ کے واقعات

اس سال سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا، نیز حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ سے ظہار کیا (کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اسے ظہار کہتے ہیں، جب تک اس کا کفارہ ادا نہ کیا جائے وہ عورت اس پر حرام رہتی ہے)۔ اسی سال ماہ رمضان میں بارش کے لئے دعا کی گئی تو بارش برسی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اصبح الناس مومنا باللہ وکافرا بالکواکب[1]

لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور (ستاروں کو بارش کے موثر حقیقی ماننے) سے انکار کرنے والے ہو گئے۔

[1] صحیح بخاری میں ہے۔ (حدیث قدسی میں ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے بعض مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہوئے جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی عطا اور فضل نے ہمیں بارش حاصل ہوئی۔ وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا کہ ہمیں فلاں ستارے کے ذریعے بارش ملی وہ ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور میرا انکار کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹)

شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کا حرام ہونا

شراب (خمر) کب حرام ہوئی

مغلطائی نے کہا: دمیاطی نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں قطعی طور پر کہا ہے کہ حدیبیہ والے سال خمر (شراب) حرام قرار دی گئی اور ابن اسحاق نے کہا: کہ جب بنو نضیر والا واقعہ ہوا اس وقت حرام ہوئی اور یہ غزوہ احد کے بعد کی بات ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ جس دن یہ حرام ہوئی اس دن حضرت انس رضی اللہ عنہ ساقی تھے۔ جب انہوں نے منادی سے اس کے حرام ہونے کے بارے میں سنا تو اس کو گرانے میں جلدی کی اگر یہ ۴ھ کا واقعہ ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹی عمر کے ہوں گے۔[1] (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۲۵) امام بیہقی اور امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ شراب کی حرمت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے شراب پی جب حالت نشہ میں ہوئے تو ایک دوسرے سے کھیلنے والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ہر ایک نے اپنے چہرے اور سر میں کوئی نشان دیکھا اور کہا میرے فلاں بھائی نے یہ کام کیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی تھے۔ ان کے دلوں میں کینہ نہیں تھا۔ اب وہ کہتے اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر رحم کرتا تو میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا حتیٰ کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور تیروں سے فال نکالنا ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

تو تکلف کرنے والوں نے کہا کہ یہ ناپاکی ہے اور فلاں فلاں کے پیٹ میں تھی اور وہ احد کے دن قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

---

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مغلطائی کا اس بات کو محل نظر قرار دینا عجیب ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی لہٰذا ۴ھ میں ان کا صغیر (بچہ) ہونا کیسے صحیح ہوگا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۳) ۱۲ ہزاروی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (المائدہ: ۹۳)

جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیک رہیں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور شراب (خمر) کو حرام کرنے سے متعلق آیت فتح والے سال فتح سے پہلے نازل ہوئی۔

(فتح الباری جلد ۱۰ص ۲۵)

خمر اصل میں خمرہ کا مصدر ہے جب ڈھانپ دے، انگور کے (کچے) رس کو کہتے ہیں جب وہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے، گویا وہ عقل کو ڈھانپ دیتا ہے، جس طرح (نشہ والی چیز کو) سکر کہتے ہیں کیونکہ وہ روکتی ہے اور خمر (انگور کی شراب جس کا ذکر ہوا) مطلقاً حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو نشہ دے اکثر علماء کے نزدیک وہ بھی حرام ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب انگور اور کھجور کے رس کو پکایا جائے، حتیٰ کہ اس کا دو تہائی چلا جائے تو جب تک نشہ نہ دے اس سے کم مقدار پینا جائز ہے۔[1]

نشہ آور اشیاء اور اُن کا حکم

حشیش جسے تنب ہندی، حیدریہ اور قلندریہ کہتے ہیں، اس کے بارے میں چاروں ائمہ نے کلام نہیں کیا اور نہ علماء سلف میں سے کسی نے گفتگو کی ہے، کیونکہ یہ ان کے زمانے میں نہیں تھی۔ یہ چھٹی صدی کے آخر یا ساتویں صدی کے شروع میں ظاہر ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اگر یہ نشہ آور ہوں تو ان میں حد واجب ہوگی اگر عقل کو زائل کرنے والی ہو تو تعزیر واجب ہوگی۔ اطباء کا اس بات پر اجماع ہے اور فقہاء نے بھی قطعی طور پر بیان کیا کہ یہ نشہ آور چیز ہے۔ ابو اسحاق شیرازی نے اپنی کتاب "التذکرہ فی الخلاف" میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب" میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں پاتے۔

ابن تیمیہ سے منقول ہے اس نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ شراب کی طرح یہ بھی نشہ دینے والی ہے۔ اس کے کھانے والے نشہ کے طور اس کو کھاتے ہیں، اسی لئے وہ ان کو حاصل کرتے ہیں جبکہ بھنگ وغیرہ نہ تو نشہ دیتی ہے اور نہ اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے (لہٰذا بھنگ کا حکم اس سے ہلکا ہوگا)۔

امام زرکشی رحمہ اللہ نے کہا میں نے اس سلسلے میں کسی کو مخالفت کرتے نہیں دیکھا البتہ قرافی نے اپنے قواعد میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ بعض علماء نے اپنی کتب میں ان نباتات کی تصریح کی ہے۔ یہ نشہ آور ہیں لیکن

[1] خمر سے انگور کا کچا رس مراد ہے۔ خمر تھوڑی ہو یا زیادہ نشہ دے یا نہ دے اس کا استعمال حرام ہے اور اس شخص کو بطور حد کوڑے لگائے جائیں گے جب کہ دوسری شرابوں کا حکم الگ ہے۔ تفصیل ہدایہ جزء چہارم میں ملاحظہ کریں۔ ۱۲ ہزاروی۔

میرے لئے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کلام میں فساد ڈالنے والی ہیں۔ زرکشی نے قرافی کے کلام کا تعاقب کیا ہے، جس کا ذکر طویل ہے۔

ان چیزوں کی حرمت پر دلائل ایک دوسرے کے موئد ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

کل مسکر حرام۔ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۷، سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۲۳، کتاب الاشربہ)

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ۔ اور وہ (آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر خبیث چیزیں حرام کرے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اور عقل جس کی حفاظت پر تمام ملتیں اور شریعتیں متفق ہیں، اس کو خراب کرنے والی چیز سے بڑھ کر کونسی چیز خبیث ہو سکتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص حشیش استعمال کرتا ہے، اس کے اس انتظام فعل و قول میں خلل واقع ہوتا ہے، جس کا کمال نور عقل سے حاصل کیا گیا ہے۔

امام ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم ٹھنڈے علاقے میں رہتے ہیں۔ اس میں سخت کام کرتے ہیں اور گندم سے شراب بناتے ہیں، جس سے اپنے کام پر قوت حاصل کرتے ہیں اور سردی سے بچتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ نشہ دیتی ہے؟ (فرماتے ہیں) میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا اس سے بچو میں نے کہا لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ فرمایا اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے لڑو۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۳)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس علت پر آگاہی ہے، جس کی وجہ سے جو اور جوار کی شراب حرام ہے، لہٰذا جو چیز بھی یہ عمل کرے (نشہ دے) اس کا حرام ہونا ضروری ہے اور اس میں شک نہیں کہ حشیش کا یہی عمل ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ دینے والی اور جسم میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا۔ (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۳۰۹، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۳) علماء کرام فرماتے ہیں: وہ چیز جو جسم میں فتور اور ڈھیلا پن پیدا کرے وہ مفتر ہے۔ (اس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا)۔

یہ حدیث حشیش اور ان تمام چیزوں کے حرام ہونے پر زبردست دلیل ہے جو اعضاء کو ڈھیلا کر دیتی ہیں، حشیش وغیرہ اگر نشہ نہ بھی دیں تو مفتر تو ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے استعمال کرنے والوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور اس کے بخارات دماغ میں چڑھنے کی وجہ سے ان لوگوں کا سر بھاری بھاری رہتا ہے۔

اس کے حرام ہونے پر متعدد حضرات نے اجماع نقل کیا ہے۔ ان میں قرافی اور ابن تیمیہ بھی شامل ہیں۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے جو شخص اسے حلال سمجھے وہ کافر ہے۔

لیکن زرکشی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے معلوم نہیں ہے؛ اگرچہ ہم اس کے حرام ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، (لیکن اس کے حرمت کے منکر کو کافر نہیں کہتے کیونکہ) اجماع کی دلیل دو وجہوں میں سے ایک پر قطعی ہونی چاہئے اور ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ انگور کے رس کے علاوہ نشہ دینے والی چیز اگر حد کے نافذ ہونے (سزا ملنے) کے اعتبار سے انگور کے رس کی طرح ہے لیکن اس کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

تھوڑی حشیش جو نشہ نہ دے اس کے استعمال میں اختلاف ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح المہذب میں فرمایا کہ تھوڑی حشیش جو نشہ نہ دے استعمال کرنا حرام نہیں۔ بخلاف خمر (انگور کی شراب) کے کہ وہ تھوڑی سی جو نشہ نہ دے اس کا استعمال بھی حرام ہے۔ ان میں فرق یہ ہے کہ حشیش پاک ہے اور خمر ناپاک ہے، لہٰذا اس کی نجاست کی وجہ سے تھوڑی سی پینا بھی جائز نہیں ہے۔

زرکشی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس کا کثیر کا نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حشیش کم ہو یا زیادہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے، جہاں تک امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ طاہر ہے ناپاک نہیں ہے تو ابن دقیق العید نے اسے قطعی قرار دیا اور اس پر اجماع بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں افیون جو خشخاص کا دودھ ہے اس کا عمل حشیش کے عمل سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ تھوڑی بھی ہو تو نشہ دیتی ہے اس طرح سیکران (ایک بوٹی جو ہمیشہ ہری رہتی ہے اور اس کا دانہ کھایا جاتا ہے) اور جوز طیب کا حکم ہے حالانکہ یہ بالاجماع پاک ہیں۔

حشیش کا نقصان

بعض علماء نے حشیش کے ایک سو بیس دینی اور بدنی نقصان بیان کیے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ خمر میں جتنی قابل مذمت باتیں ہیں، وہ سب حشیش میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے زائد بھی، خمر کا زیادہ نقصان دین کے حوالے سے ہے بدن کے اعتبار سے نہیں لیکن اس کا نقصان دینی بھی ہے اور بدنی بھی۔ (مصنف کی مراد یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں خمر کا جسمانی نقصان کم ہے بالکل نفی نہیں ہو سکتی۔)

ان نقصانات میں چند نقصان یہ ہیں:

فساد عقل، بے مروتی، ستر کا ننگا ہونا، نمازوں کو چھوڑنا، حرام کاموں میں پڑنا (یہ دینی بیماریاں ہیں) نسل کا خاتمہ، برص، (سفید داغ کی بیماری) کوڑھ کا مرض، دیگر کئی بیماریاں، کپکپاہٹ، گفتگو کی خرابی، منہ سے بو آنا، پلکوں کے بالوں کا گر جانا، دانتوں میں گڑھے پڑنا اور ان کا سیاہ ہو جانا، سانس میں رکاوٹ، رنگ پیلا پڑ جانا، جگر کا ریزہ ریزہ ہو جانا، اس کا استعمال شیر کو چھونے سے کیڑے (گبرو) کی طرح بنا دیتا ہے۔ سستی اور نامردی پیدا کرتا ہے، عزت والے کو ذلیل کر دیتا ہے، تندرست شخص بیمار پڑ جاتا ہے، فصیح اللسان آدمی گونگا بن جاتا ہے اور ذکی کو کلام سے بے بس کر دیتا ہے، خوش بختی چلی جاتی ہے اور شہادت بھول جاتی ہے۔ حشیش استعمال کرنے والا سنت سے دور اور جنت کا

مسترد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مستحق ہوتا ہے یہاں تک کہ ندامت سے اپنے دانتوں کو کھٹکھٹالے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

قل لمن یاکل الحشیشة جهلا　　یا خسیسا قد عشت شر معیشه

دیة العقل بدرة فلماذا　　یا سفیها قد بعتها بحشیشه

"جو شخص جہالت کی وجہ سے حشیش استعمال کرتا ہے اسے کہو اے خسیس! تو نے بری زندگی گزاری"۔

"عقل کی دیت (قیمت) ایک بدرہ (دس ہزار درہم یا سات ہزار دینار) ہے۔ اے بے وقوف تو نے حشیش کے بدلے میں اسے بیچ دیا"۔[1]

---

[1] زواجر میں حشیش کے مزید نقصانات بھی لکھے ہیں مثلاً جسمانی رطوبت کا خشک ہو جانا، نسیان پیدا ہونا، سر میں درد رہنا، منی کا خشک ہو جانا، نگاہوں میں اندھیرا چھا جانا، اچانک موت، ٹی بی کی بیماری کا لگ جانا، استسقاء پیاس کا ختم نہ ہونا، فکر کی خرابی، یادداشت میں کمی، راز فاش کرنا، حیاء اور غیرت کا ختم ہو جانا، روپے پیسے کا ضیاع، شیطان کا ہم نشین ہونا، خون کا جل جانا، ذہانت کا ختم ہو جانا وغیرہ۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۲۹) ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ خیبر

جگہ اور تاریخ

خیبر ایک بہت بڑا شہر ہے، جہاں بہت سے قلعے اور کھیت ہیں اور یہ مدینہ طیبہ سے شام کی جانب تقریباً چھیانوے میل کے فاصلے پر ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حدیبیہ سے واپسی کے بعد کچھ دن ذوالحجہ کے اور کچھ دن محرم کے مدینہ طیبہ میں رہے اور پھر) محرم کے کچھ دن باقی تھے کہ خیبر کی طرف تشریف لے گئے اور یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۵) آپ نے وہاں دس سے کچھ زائد راتیں محاصرہ فرمایا، یہاں تک کہ خیبر کو فتح کر لیا۔

کہا گیا کہ یہ واقعہ ۶ھ کے آخر میں ہوا حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے یہی بات منقول ہے۔ ابن حزم نے بھی اس کو قطعی قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح بات وہی ہے جو ابن اسحاق نے ذکر کی ہے اور (دونوں قسم کے قول میں) جمع کرنا ممکن ہے کہ جس نے سنہ ۶ھ کا ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سال کی ابتدا ہجرت کے حقیقی مہینے (ربیع الاول شریف) سے ہے۔ (لہٰذا محرم اور صفر چھٹے سال میں چلے جائیں گے۔)

ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے عجیب و غریب بات کی ہے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف رمضان شریف کی اٹھارہ تاریخ کو گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۰۸) اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں خطا ہے، ہو سکتا ہے کہ حنین کی طرف تشریف لے گئے ہوں، لہٰذا (لکھنے یا پڑھنے میں) غلطی واقع ہو گئی۔ اس کی توجیہ اس طرح ہو گی کہ غزوہ حنین نے غزوہ فتح سے جنم لیا اور غزوہ فتح مکہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں ہی تشریف لے گئے تھے، یہ قطعی بات ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: شیخ ابو حامد نے "التعلیقہ" میں ذکر کیا کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں تھا اور یہ وہم ہے شاید خندق سے خیبر کی طرف ذہن منتقل ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۶)

اس غزوہ میں صحابہ کرام کی تعداد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو پیدل اور دو سو سوار صحابہ کرام تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔

خیبر کے راستے میں حدی خوانی

صحیح بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے تو رات کے وقت چلے۔ قوم میں سے ایک شخص نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے کہا اے عامر! کیا اپنا شاعرانہ کلام نہیں سناؤ گے؟ اور حضرت عامر شاعر تھے تو وہ اونٹ سے اتر کر ساتھ حدی خوانی کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداء لک ما اتقینا وثبت الاقدام ان لاقینا

وابقین سکینۃ علینا انا اذا صیح بنا اتینا

وبالصیاح عولوا علینا (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳، کتاب المغازی)

"یا اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے (تیرا کرم اور فضل نہ ہوتا) اور نہ صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے"۔

"تجھ پر ہماری جان فدا تیرے جن احکام پر ہم نے عمل نہیں کیا تو ہمارے وہ گناہ بخش دے اور اگر ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔

"یا اللہ! ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما جب ہمیں لوگ (لڑائی کے لیے) پکارتے ہیں، تو ہم فوراً حاضر ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ جو ہم سے مدد طلب کرتے ہیں (تو وہاں بھی ہم پہنچ جاتے ہیں)"۔

حضرت ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ اس میں یہ اضافہ ہے:

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ونحن عن فضلک ما استغنینا

"بے شک لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی جب انہوں نے فتنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کیا اور ہم تیرے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷، مسند امام احمد)

صحیح بخاری کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹوں کو چلانے والا کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے تو

صحابہ کرام میں سے ایک نے عرض کیا (صحیح مسلم کے مطابق یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے اونٹ سے بلند آواز میں فرمایا:) اے اللہ کے نبی ان کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ آپ نے ان کو ہمارے لیے باقی رہنے کی دعا کیوں نہیں فرمائی۔[1]

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عامر اشعار رجزیہ پڑھتے اور سواریوں کو لے جا رہے تھے اور اہل عرب کی یہی عادت تھی جب وہ اونٹوں کو اچھی طرح چلانا چاہتے تو ایک شخص اتر جاتا۔ حدی خوانی کرتے ہوئے ان کو چلاتا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷)

اور ان کا (اپنے اشعار میں یہ) کہنا کہ "اللھم لولا انت ما اھتدینا" اس طرح مروی ہے اور علماء کرام فرماتے ہیں: وزن میں بہتر اس طرح ہے "لاھم یا تاللہ" (یہ اللھم کی جگہ ہے) جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

اور ان کا قول فداء لک (تجھ پر فدا ہوں) تو مازری (محمد بن علی بن عمر تمیمی الامام الفقیہ الاصولی متوفی ۵۳۶ھ) فرماتے ہیں یہ الفاظ مشکل ہیں (ان کا مفہوم حل طلب ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے "فدیتک" کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ لفظ ایسی صورت میں استعمال ہوتا ہے، جب کسی شخص کے لیے مکروہ کام کا خطرہ ہو تو (کہا جاتا ہے، میں تم پر فدا ہو جاؤں یعنی) دوسرا شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ مصیبت اس پر نازل ہو جائے اور وہ اس کے لیے اپنے آپ کو فدا کر دے۔

مازری فرماتے ہیں: شاید انہوں نے یہ لفظ اس کے حقیقی معنی کا قصد نہ کرتے ہوئے استعمال کیا ہو جیسے کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے حالانکہ بددعا کا قصد نہیں ہوتا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں اور تمہارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو جائے۔ ان تمام صورتوں میں استعارہ ہے (مجازی معنی ہے)" کیونکہ فدا ہونے والا شخص جب کسی مکروہ کام میں اس شخص کی جگہ اپنے آپ کو رکھتا ہے، جس پر فدا ہوتا ہے تو وہ اس کی رضا طلب کرنے میں مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ پس شاعر کی مراد یہ ہے کہ میں تیری رضا میں اپنے نفس کو فدا کرتا ہوں۔ بہرحال اگر معنی کو صحیح جہت کی طرف پھیرنا ممکن ہو تو بھی لفظ کا اطلاق اور اس کا استعارہ نیز مجاز کی طرف جانا اس بات کا محتاج ہے کہ شریعت اس کی اجازت دے۔[2]

یہ بھی کہا کہ "فداء لک" سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے کلام کے درمیان فصل کر کے پھر سے کلام کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس انہوں نے فرمایا: "ما اتقینا" اور تاویل سے لفظ اور معنی دونوں صحیح ہوتے ہیں۔ اگر اس میں ایسا معنی نہ ہوتا جس کی دلالت واضح نہیں ہے تو ہم کلام کی تصحیح کی خاطر اس تاویل کی طرف مجبور ہوتے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شعر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا اور معنی یہ ہے کہ آپ کے حق

[1] یہاں لفظ "امتعتنا بہ" استعمال ہوا' یعنی آپ ان کے ذریعے ہمیں نفع دیتے۔ نفع دینے کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف مجازاً ہے اور یہ جائز ہے۔ ...۱۲ ہزاروی۔

[2] حضور علیہ السلام نے یہ کلام سن کر شاعر کو دعا دی تو گویا شریعت کی طرف سے اجازت مل گئی ...۱۲ ہزاروی۔

اور مدد میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی اس پر ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔ اس بنیاد پر شاعر کا قول "اللھم" سے دعا کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے کلام کا آغاز کیا گیا اور شاعر کے قول "لولا انت" (اگر آپ نہ ہوتے) کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن بعد والا شعر اس مراد کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ وہ شعر ہے:

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

"پس تو ہم پر سکون نازل فرما اور اگر لڑائی ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔

اس معنی کا یہ بھی احتمال ہے کہ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ (سکون) نازل کرے اور ثابت قدم رکھے۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷)۔

شاعر کا قول "اذا صیح بنا اتینا" یعنی جب ہمیں لڑائی کے لیے پکارا جاتا ہے یا کسی دوسرے مشکل کام کے لیے بلایا جاتا ہے، ہم آجاتے ہیں اور اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

ایک روایت میں تاء کی بجائے باء کے ساتھ "ابینا" ہے یعنی ہم نے بھاگنے سے انکار کیا اور ان کا قول "وبالصیاح عولوا علینا" یعنی انہوں نے لڑائی کے لیے ہم سے مدد مانگی اور ہمیں لڑائی کے لیے مجبور کیا کہا گیا ہے کہ یہ "التعویل علی الشئ" سے بنا ہے یعنی کسی پر اعتماد کرنا اور یہ بھی کہا کہ یہ عویل سے بنا ہے اور اس سے آواز مراد ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھنا کہ یہ اونٹوں کو چلانے والا کون ہے؟ اور صحابہ کرام کا عرض کرنا: حضرت عامر رضی اللہ عنہ ہیں تو آپ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ پھر قوم میں سے ایک کا کہنا کہ واجب ہوگئی یعنی اس کے لیے شہادت واجب ہوگئی اور عنقریب وہ واقع ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ اس مقام پر جس شخص کے لیے نبی اکرم علیہ السلام یہ دعا مانگیں، وہ شہادت کا درجہ پائے گا۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ آپ نے ان سے ہمیں کیوں نفع نہ دلوایا یعنی ہم چاہتے تھے کہ آپ ان کے لیے اس دعا کو اس وقت سے موخر کرتے تاکہ ہم ایک مدت تک ان کی صحبت اور زیارت سے فائدہ حاصل کرتے۔

خیبر کے دروازوں پر

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں رات کے وقت تشریف لائے اور آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس رات کے وقت تشریف لے جاتے تو ان کے قریب نہ ہوتے (حملہ آور نہ ہوتے) یہاں تک کہ صبح ہو جاتی جب صبح ہوئی تو یہودی کدالیں اور ٹوکریاں لے کر نکلے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لشکر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیبر ویران ہوگیا۔ بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں، تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳، کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہاتھ بلند کر کے فرمایا: "اللہ اکبر" خیبر ویران ہو گیا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۰، کتاب الجہاد)

(یہودیوں نے کہا تھا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خمیس ہے تو خمیس لشکر کو کہتے ہیں اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مقدمہ (آگے جانے والا) ساقہ (پیچھے والا حصہ) میمنہ (دایاں بازو) میسرہ (بایاں بازو) اور قلب (فوج کا درمیان والا حصہ)

(اور انہوں نے کہا تھا "محمد") تو لفظ محمد مبتدا کی خبر ہے یعنی "ھذا محمد" (یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔)

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ فال لی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گرانے والے آلات (کدال وغیرہ) دیکھے تو آپ جان گئے کہ ان کا شہر عنقریب ویران اور تباہ ہو جائے گا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷ ۲۳)

یہ بھی احتمال ہے جیسا کہ فتح الباری میں فرمایا کہ آپ کا یہ قول کہ خیبر تباہ ہو گیا وحی کی بنیاد پر ہو اور اس کی تائید بعد والا ارشاد گرامی کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز خیبر کے قریب (اول وقت) تاریکی میں پڑھی پھر فرمایا: "اللہ اکبر" خیبر ویران ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے صحن میں (بستی میں) اترتے ہوتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی)

جھنڈے باندھنا

مغلطائی وغیرہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے (رایات) تقسیم فرمائے اور رایہ (جھنڈے) صرف خیبر میں تھے اس کے علاوہ لواء تھے (جھنڈوں کی قسمیں ہیں: رایہ اور لواء)[2] دمیاطی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔
اور صحیح بخاری میں ہے: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے

---

[1] زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث مثال دینے اور قرآن مجید سے شہادت پیش کرنے اور اقتباس میں اصل ہے زرقانی شرح مواہب ۲۲۱-۲۲۲ ۱۲ ہزاروی
شاید امام زرقانی کا اشارہ اس آیہ کی طرف ہے: "فاذا نزل بساحتھم فساء صباح المنذرین" (الصّٰفّٰت: ۱۷۷)

[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا عقاب (رایہ) حضرت حباب بن منذر کو اور ایک جھنڈا (رایہ) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو دیا اور اپنا سفید (لواء) جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا آپ کا رایہ (جھنڈا) سیاہ رنگ کا اور لواء (جھنڈا) سفید رنگ کا تھا مصباح میں ہے کہ لواء، رایہ سے چھوٹا ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

کیونکہ آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں، پھر آپ سے جا ملے (راوی فرماتے ہیں) جب ہم نے وہ رات گزاری جس کی صبح خیبر فتح ہوا تو آپ نے فرمایا: میں صبح اس شخص کو جھنڈا دوں گا) جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے فتح عطا فرمائے گا۔ یا یہ فرمایا کہ کل وہ شخص جھنڈا لے گا۔ (وضاحت آگے آرہی ہے۔)

جب صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کو امید تھی کہ آپ اسے جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ۔ جب وہ لائے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں گویا ان میں کوئی تکلیف نہ تھی۔

آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں ان سے لڑوں، حتیٰ کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں۔ (ایمان لائیں) آپ نے فرمایا: وقار کے ساتھ جاؤ حتیٰ کہ تم ان کے میدان میں اترو، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے حق سے کیا واجب ہے۔ پس اللہ کی قسم! تمہارے سبب اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو تمہارے لیے یہ سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵ – ۶، کتاب المغازی)

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب قوم نے صف بندی کی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار مارنے کا ارادہ کیا تو ان کی تلوار کی دھار پلٹ گئی۔ اور ان کے گھٹنے میں لگی جس سے وہ شہید ہوگئے۔

جب مسلمان خیبر سے واپس لوٹے تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے اعمال ضائع ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ بات کی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے۔ ان کے لیے دو اجر ہیں اور حضور علیہ السلام نے اپنی دو انگلیوں کو جمع فرمایا۔ نیز فرمایا کہ وہ بہت بڑے مجاہد ہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۸، کتاب الادب)

حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں زخم کا نشان دیکھ کر پوچھا: یہ کیسی ضرب ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ ضرب خیبر کے دن پہنچی تھی۔ (فرماتے ہیں) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تین بار پھونک ماری۔ اس کے بعد سے آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵، کتاب المغازی)

جنت میں صرف مومن جائیں گے

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہم خیبر میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ اور فرمایا: یہ جہنمیوں میں سے ہے۔ جب لڑائی کا وقت ہوا تو وہ شخص بہت زیادہ لڑا حتی کہ اس کے زخم زیادہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ بعض لوگ رشک کا شکار ہو جاتے تو اس نے زخم کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا اور ایک تیر نکال کر اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا۔ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ فوراً حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات کو سچ کر دیا۔ فلاں آدمی نے اپنے آپ کو ذبح کر کے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا: اے بلال اٹھو اور اعلان کرو کہ مومن کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر سے بھی کروا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے، جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے لیکن وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے اور ایک شخص ظاہری طور پر جہنمیوں والے کام کرتا ہے لیکن وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴)

فتح خیبر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جنگ کی اور انہوں نے بھی آپ سے شدید جنگ لڑی چنانچہ پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی قتل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک قلعہ مسلمانوں کے لیے کھول دیا۔ ان قلعوں کے نام یہ ہیں: النطاۃ، حصن الصعب، حصن ناعم، حصن الزبیر، الشق، حصن ابی، حصن البرئی، القموص، الوطیح، السلالم اور یہ بنو ابی الحقیق کا قلعہ ہے۔

اور ابو الحقیق کا خزانہ جو گدھے کے چمڑے میں رکھا ہوا تھا مسلمانوں کے ہاتھ آیا، انہوں نے اسے ایک ویرانے میں چھپایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی جگہ بتائی اور آپ نے اسے وہاں سے نکلوایا۔

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کا دروازہ اٹھایا؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا اور اسے ستر آدمی بڑی مشقت کے بعد حرکت دیتے تھے۔

ابن اسحاق کی روایت میں سات آدمیوں کا ذکر ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۴۹) ابن اسحاق نے امام بیہقی کے طریقے سے ذکر کیا۔ انہوں نے اسے دلائل النبوت میں بیان کیا۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور

امام حاکم سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے لیث بن ابی سلیم کے طریق پر روایت کیا۔ وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن دروازہ اٹھایا۔ اس کے بعد اس کا تجربہ کیا گیا تو اسے چالیس آدمی نہ اٹھا سکے۔ لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۱۲)

بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب قلعے تک پہنچے تو آپ نے اس کا ایک دروازہ کھینچا اور اسے زمین پر دے مارا۔ بعد میں وہاں ہمارے ستر افراد اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کوشش کی کہ اسے اپنی جگہ پر رکھ دیں۔ (دلائل النبوۃ جلد ۴، ص ۲۱۲، البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۱۹۰)

ہمارے شیخ (السخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المقاصد الحسنہ میں) نے فرمایا کہ یہ تمام روایات کمزور ہیں اس لیے بعض علماء نے ان روایات کو منکر قرار دیا ہے۔[1]

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح فرمایا۔ ان کا خاوند کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق قتل ہو گیا تھا اور ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ انہیں لے کر روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب "سد صہباء" (مقام) تک پہنچیں تو آپ کے لیے حلال ہو گئیں۔ یعنی حیض سے پاک ہو گئیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک چھوٹے سے چمڑے کے دسترخوان میں حیس بنایا (کھجور اور پنیر کو ملا کر حلوہ تیار کیا) پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے اردگرد والوں کو آگاہ کرو تو یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ولیمہ تھا۔ (راوی فرماتے ہیں) پھر ہم مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنی عباء (جبہ مبارک) سے پردہ کرتے تھے۔ پھر اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور اپنا گھٹنا رکھ دیتے اور حضرت صفیہ آپ کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا کہ یہ امہات المؤمنین میں سے ایک ہیں یا لونڈی ہیں؟ پھر کہنے لگے اگر حضور علیہ السلام نے ان کا پردہ کروایا تو وہ ازواج مطہرات میں سے ہوں گی، اگر پردہ نہ کرایا تو وہ لونڈیوں میں سے ہوں گی۔ پھر آپ نے کوچ کیا تو ان کے لیے بچھونا بچھایا اور پردہ تان لیا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑنے والوں سے لڑے اور بچوں کو قیدی بنایا اور جن کو

[1] حدیث منکر، حدیث ضعیف کی ایک قسم ہے۔ گویا ان روایات کو ضعیف کہا جا سکتا ہے اور فضائل میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ یہ موضوع نہیں کہ رد کر دیا جائے۔ ...۱۲ ہزاروی

قیدی بنایا ان میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئیں اور آپ نے ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴ کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے بدلے قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ سے حضرت صفیہ کو سات غلاموں کے بدلے خریدا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴ کتاب المغازی) اور سات سروں کا ذکر صحیح بخاری کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ ان کی جگہ قیدیوں میں سے کوئی اور لے لو، کیونکہ وہاں زیادہ پر دلالت کی نفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خود رکھ لینا اس بنیاد پر تھا کہ وہ یہودیوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں اور ان خواتین میں سے نہیں تھیں، جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ہبہ کی جائیں کیونکہ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت دحیہ کے برابر اور ان سے بلند مرتبہ حامل تھے، اور قیدیوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی معزز خواتین، بہت کم تھیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت دحیہ کو ان کے ساتھ خاص کرتے تو ممکن ہے بعض صحابہ کرام کے دلوں میں کچھ احساس پیدا ہوتا لہٰذا مصلحت عامہ کا تقاضا تھا کہ حضرت صفیہ کو ان سے واپس لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے خاص کرلیں۔ اس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رضامندی شامل تھی اور یہ ہبہ کی واپسی نہیں ہے۔ (کہ اس پر اعتراض ہو سکے)
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۴۰)

مغلطائی وغیرہ فرماتے ہیں: اس سے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے (خواب میں) دیکھا کہ ان کی گود میں چاند اترا ہے تو اس کی یہی تعبیر کی گئی ہے۔ حضرت امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔[1]

گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام ہونا

اسی غزوہ میں گھریلو (پالتو) گدھوں کا گوشت حرام کیا گیا۔ جس طرح بخاری شریف میں ہے۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں: جب فتح کے دن لوگوں نے شام کی یعنی فتح خیبر کے دن، تو انہوں نے بہت سی آگ جلائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسی آگ ہے؟ کس چیز کے لیے آگ جلا رہے ہو؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

[1] حضرت جویریہ بنت حارث ام المومنین ہیں اور بنو مصطلق سے تعلق رکھتی ہیں۔ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تین دن پہلے میں نے خواب دیکھا کہ گویا چاند یثرب (مدینہ طیبہ) سے چل کر میری گود میں اترا۔ میں نے کسی کو بتانا مناسب نہ سمجھا۔ جب ہم لوگ قید ہوئے تو مجھے اس کی (خواب کی تعبیر کی) امید لگ گئی (زرقانی جلد ۲ ص ۲۳۳)...۱۲

ہزاروی

عرض کیا: گوشت کے نیچے آگ جلا رہے ہیں: فرمایا: کون سا گوشت؟ انہوں نے عرض کی: گھریلو گدھوں کا گوشت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے انڈیل دو اور (ہانڈیاں) توڑ دو۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اسے انڈیل کر (ہانڈیوں کو) دھو نہ لیں؟ فرمایا: یا اس طرح کر لو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳، کتاب المغازی)

(گھریلو گدھوں کے لیے "الحمر الانسیہ" کا لفظ استعمال ہوا۔ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ "الانسیہ" مشہور ہے جو انس یعنی انسان کی طرف منسوب ہے اور ہمزہ پر ضمہ (پیش) بھی منقول ہے، جو وحشت کی ضد ہے، اور ہمزہ اور نون پر فتح (زبر) بھی جائز ہے۔ یہ "انست بہ" (تو اس سے مانوس ہوا) سے ماخوذ ہے۔ انس انسا وانسۃ ہے۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۳)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن لہسن کھانے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

ایک اور روایت میں ہے کہ خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں (کا گوشت کھانے) کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم (صحابہ کرام) آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس سے خمس نہیں لیا گیا اور بعض نے لکھا کہ اس سے قطعی طور پر منع فرمایا کیونکہ یہ نجاست کھاتا ہے۔

اور علماء کرام فرماتے ہیں: اس کا گوشت گرانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ یہ ناپاک حرام ہے اور کہا گیا کہ گدھوں کی ضرورت کی وجہ سے ان کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ تقسیم سے پہلے لیے گئے تھے۔ آخری دو تاویلیں وہ لوگ کرتے ہیں جو ان کا گوشت کھانا جائز سمجھتے ہیں۔

لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی (کہ یہ حرام اور نجس ہے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان برتنوں کو توڑ دو اور ایک صحابی کا یہ پوچھنا کہ ہم یہ گوشت گرا کر برتن دھو لیں اور آپ کا فرمانا کہ اس طرح بھی کر سکتے ہو، تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اجتہاد فرمایا اور برتن توڑنا مناسب سمجھا پھر آپ کا اجتہاد تبدیل ہو گیا یا آپ کی طرف وحی آئی کہ ان برتنوں کو دھویا جائے۔

گھوڑوں کے گوشت کا حکم

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے:

امام شافعی، جمہور متقدمین و متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ یہ مباح ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس بن مالک اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ہم نے عہد رسالت میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ اس وقت ہم مدینہ طیبہ میں تھے۔

اور دار قطنی کی روایت میں ہے: پس ہم نے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے اسے کھایا۔
(سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۹۰، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۸)

فتح الباری میں ہے کہ ان الفاظ سے کہ "ہم مدینہ طیبہ میں تھے" معلوم ہوا کہ یہ جہاد فرض ہونے کے بعد کا واقعہ ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات رد ہو جائے گی جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کا کھانا لیے اس منع ہے کہ یہ جہاد کا آلہ ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے کھانے کا ذکر ان لوگوں کی بات کو رد کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی کھاتے تو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں کوئی اقدام کریں مگر اسی صورت میں جب انہیں اس کے جواز کا علم ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا میل جول بہت زیادہ تھا اور وہ لوگ آپ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اور پھر یہ کہ صحابہ کرام میں احکام سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ راجح بات یہ ہے کہ جب کوئی صحابی کہے "ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فلاں کام کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کام پر مطلع ہوتے تھے اور آپ اس کا رد نہ کرتے جب عام صحابہ کرام کے بارے میں یہ بات ہے تو آل ابی بکر رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیسے یہ تصور نہ ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۵۹)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا (گوشت) کھانا مکروہ ہے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے ان متواترہ احادیث سے استدلال کیا جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں وارد ہیں۔ (شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۳۶۸)

بعض تابعین نے صحابہ کرام سے مطلقاً حلت نقل کی ہے اور کسی کا استثناء نہیں کیا۔ ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے صحیح سند کے ساتھ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) کی شرط پر حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں: تمہارے اسلاف ہمیشہ اسے کھاتے رہے ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں: میں نے ان سے پوچھا: صحابہ کرام مراد ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کراہت منقول ہے، تو اسے ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے دو ضعیف سندوں کے ساتھ ذکر کیا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ میں گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ جانتا ہوں تو حضرت ابوبکر رازی نے اسے کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور فرمایا کہ امام صاحب نے اس میں تحریم کا ذکر نہیں کیا اور یہ ان کے نزدیک گھریلو گدھوں کی طرح نہیں ہے، لیکن محیط، ہدایہ اور ذخیرہ کے مصنفین نے آپ سے تحریم کو صحیح قرار دیا اور اکثر کا یہی قول ہے (کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب مطلق مکروہ فرمائیں تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے) (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۰)

امام قرطبی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی مکروہ ہے اور فاکہانی فرماتے ہیں مالکی مسلک والوں کے نزدیک کراہت مشہور ہے اور ان کے محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حرام ہے۔
(المفہم شرح مسلم جلد ۵ ص ۲۲۴)

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: مطلق جواز پر دلیل واضح ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اس کا کھانا اس لیے مکروہ قرار دیا کہ گھوڑا عام طور پر جہاد میں استعمال ہوتا ہے اگر اس کی کراہت کی نفی کر دی جائے تو اس کا استعمال زیادہ ہو جائے اور اگر استعمال زیادہ ہو تو یہ ختم ہو جائے گا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دشمن کو ڈرانا جس کا قرآن پاک میں حکم دیا گیا اس میں نقصان ہو گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ۔ (الانفال: ۶۰)

(اور دشمن کے مقابلے میں تیاری کے سلسلے میں) گھوڑے باندھو، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ۔

اس بنیاد پر کراہت کا سبب کوئی خارجی بات نہیں اور نہ اس میں کوئی بحث ہے۔ جس حیوان کے مباح ہونے پر اتفاق ہو، اگر کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے، جس کا تقاضا یہ ہو کہ اس کے ذبح کرنے سے ممنوع بات لازم آتی ہے تو وہ کام منع ہو گا، لیکن اس سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آئے گا۔[1] (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۰)

اور ناجائز کہنے والوں میں سے بعض کا یہ قول کہ اگر یہ جائز ہوتا تو گھوڑوں کی قربانی جائز ہوتی تو یہ قاعدہ خشکی کے دیگر جانوروں کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے کہ ان کا کھانا جائز ہے لیکن ان کی قربانی جائز نہیں ہے اور حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ والی حدیث جو امام ابوداؤد، امام نسائی نے نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر اس کے ثبوت کو تسلیم بھی کیا جائے تو بھی یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو جواز پر دلالت کرتی ہے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا والی حدیث بھی اس کے موافق ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد، امام بخاری، دار قطنی، خطابی، ابن عبد البر، عبد الحق اور دوسرے حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔
(سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۸۷، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۵، سنن نسائی جلد ۲ ص ۵۳۱)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی اور اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ممانعت کا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ قرار نہ دیا جائے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ جہاد کے لیے گھوڑے دستیاب نہ ہوں گے لہٰذا ان کا کھانا ممنوع ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی جائز کام سے کوئی خرابی لازم آتی ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے جیسے حضور علیہ السلام بشر ہیں لیکن اس کا زیادہ ذکر کرنا توہین کے مترادف ہے۔ جس طرح کفار کا طریقہ تھا کہ وہ انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام بے مثل بشر ہیں.... ۱۲ ہزاروی

سبب موجود ہونے کے باوجود اجازت دی کیونکہ خیبر میں مسلمانوں کو بھوک کی شدت کا سامنا تھا لہٰذا یہ مطلقاً حلال ہونے پر دلالت نہیں ہے۔

اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ اکثر روایات میں رخصت کی بجائے اذن کا لفظ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۰)

اور انہی کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے خیبر کے زمانے میں گھوڑوں اور جنگلی گدھوں کا گوشت کھایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھریلو گدھوں سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۰)

امام دار قطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھریلو گدھوں (کے کھانے) سے منع فرمایا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جو رخصت کا لفظ آیا ہے وہ اذن (اجازت) کے معنی میں ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس تحریم کا ذکر ہے' اس سے استدلال اس بات سے بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ گھوڑے کھانے کی اجازت دی گئی۔ (سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۹۰ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۹) اگر بھوک کی شدت کی وجہ سے رخصت ہوتی تو اس بات کے زیادہ لائق گھریلو گدھے تھے کیونکہ اس وقت ان کی تعداد زیادہ اور گھوڑوں کی تعداد کم تھی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ گھوڑے کھانے کی اجازت عام اباحت کے لیے تھی' خصوصی ضرورت کے تحت نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ جو اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں' ان سے منقول ہے کہ انہوں نے ممانعت کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً۔ (النحل: ۸)

اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت (کا باعث) ہیں۔

اور انہوں نے اس کی تقریر کئی طریقوں سے کی۔

ایک یہ کہ لام تعلیل کے لیے ہے۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ کسی اور مقصد کے لیے پیدا نہیں کئے گئے کیونکہ قرآن مجید میں بیان کی گئی علت حصر کا فائدہ دیتی ہے (یعنی ان کا صرف یہی مقصد ہے)' پس ان کا کھانا ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بغال اور حمیر کا عطف کیا گیا جو اس بات پر دلالت ہے کہ حرام ہونے کے حکم میں یہ سب شریک ہیں پس جو شخص معطوف علیہ کے لیے الگ حکم بیان کرتا ہے' وہ دلیل کا محتاج ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آیت احسان جتانے کے مقام پر ذکر کی گئی۔ پس اگر کھانے کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا تو اس کے ساتھ احسان جتانا زیادہ بڑی بات تھی اور حکمت والا اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز کے ساتھ احسان نہیں جتاتا بالخصوص جب کہ اس سے پہلے مذکورہ اشیاء میں کھانے کے ساتھ احسان جتایا گیا (اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ یہ جانور تمہارے کھانے کے لیے پیدا کئے)۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو ان کا وہ نفع جس کے ذریعے احسان جتایا گیا یعنی سواری اور زینت وہ (نفع) فوت ہو جاتا۔

ان باتوں کا جواب یوں دیا گیا کہ سورہ نحل کی یہ آیت مکی ہے اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت مکہ مکرمہ سے ہجرت کے چھ سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد دی گئی۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت سے ممانعت سمجھتے تو کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

نیز سورہ نحل کی یہ آیت کھانے سے ممانعت کے لیے نص نہیں ہے جبکہ اسکے جواز کی حدیث صریح ہے۔

نیز اگر ہم تسلیم کرلیں کہ لام تعلیل کے لیے ہے تو بھی ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ سواری اور زینت میں حصر کا فائدہ حاصل ہوا کیونکہ گھوڑوں سے ان دو کاموں کے علاوہ بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کھانے کے علاوہ بھی بے شمار فائدے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ سواری اور زینت کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ عام طور پر اس سے یہی فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال گائے سے متعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ جب گائے نے اپنے سوار کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ مجھے کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔[1]

یہ حدیث اگرچہ حصر میں نہایت واضح ہے لیکن اس سے اس بات کا قصد کیا گیا جو عام طور پر ہوتی ہے یعنی (کھیتی باڑی) ورنہ گائے کو کھایا بھی جاتا ہے اور دیگر کئی فوائد بھی حاصل کئے جاتے ہیں جو ہل چلانے کے علاوہ ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت (آیت نحل) سے ان جانوروں کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے لیکن اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ فعل کی تعلیل سے جس بات کا قصد کیا جاتا ہے عام طور پر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسری بات کا قصد نہ کیا جائے۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۳۱۰)

نیز اگر یہ استدلال تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ گھوڑوں خچروں اور گدھوں پر کوئی بوجھ نہ لاد سکیں اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ جہاں تک لفظ بغال اور حمیر کے عطف کا تعلق ہے تو یہ دلالت اقتران ہے (معطوف اور معطوف علیہ کو ملانا) اور یہ ضعیف ہے۔

اور یہ بات کہ احسان کے طور پر یہ ذکر کیا گیا تو عام طور پر احسان سے اس بات کا قصد کیا گیا جس کا عام طور پر گھوڑوں سے نفع حاصل کیا جاتا ہے تو اس چیز کے ساتھ ان کو خطاب کیا گیا جسے وہ جانتے تھے اور وہ معروف تھی اور

---

[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایک شخص اپنی گائے لے کر جا رہا تھا اور اس گائے پر بوجھ لاد رکھا تھا۔ گائے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ مجھے ہل چلانے کے لیے (کھیتی کے لیے) پیدا کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے تعجب اور خوف کے تحت سبحان اللہ کہتے ہوئے کہا: کیا گائے بھی باتیں کرتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں، ابوبکر صدیق، اور عمر (رضی اللہ عنہما) اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۳)

چونکہ ان کے شہروں میں گھوڑے کمیاب تھے لہٰذا ان کے ہاں ان کا کھانا معروف نہ تھا بہ خلاف دوسرے جانوروں کے، اس کا اکثر نفع بوجھ اٹھانا اور کھانا تھا تو ہر چیز میں احسان کا اسی بات میں حصر کیا گیا جس سے عام طور پر نفع اٹھایا جاتا تھا۔ اگر اس سے صرف اس بات میں حصر لازم آتا تو نقصان ہوتا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر گھوڑوں کا کھانا جائز ہوتا تو اس سے منفعت ختم ہو جاتی تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر اس کے کھانے کی اجازت سے اس کا فنا ہونا لازم آتا تو گائے وغیرہ جن کا کھانا جائز ہے اور ان کے ذریعے بھی احسان جتایا گیا ان کا ختم ہو جانا بھی لازم آتا۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں نے اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ ضرورت کے باعث بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

اسی غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلیوں (دانتوں) سے پھاڑنے والے جانوروں کو کھانے سے بھی منع فرمایا اور مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے بیچنے سے بھی روکا نیز جب تک لونڈی کے پیٹ کی حالت معلوم نہ ہو جائے، اس سے وطی کرنے کو بھی منع کیا۔

زہر ملی ہوئی بکری

اسی غزوہ میں سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث (یہودیہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری کا تحفہ بھیجا گیا جس میں زہر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں کے تمام یہودیوں کو میرے پاس جمع کرو۔ ان کو اکٹھا کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم اس کے بارے میں مجھ سے سچ کہو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں، اے ابو القاسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہارا باپ کون ہے؟ کہنے لگے ہمارا باپ فلاں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا ہے۔ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک کہا اور آپ نیکوکار ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں ایک بات کے بارے میں تم سے پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! اے ابو القاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو ہمارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا جیسا کہ ہمارے باپ کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم والے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم تھوڑی مدت وہاں رہیں گے پھر آپ لوگ دوزخ میں ہمارے قائم مقام ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس میں ذلت کے ساتھ رہو۔ اللہ کی قسم! ہم تمہاری جگہ کبھی نہیں جائیں گے۔ پھر فرمایا: اگر میں تم سے ایک بات کے بارے میں پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: ہم چاہتے تھے کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات پائیں گے اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہیں دے گا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۹، کتاب المغازی)

سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ خیبر والوں میں سے ایک یہودیہ نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں وہ بکری بطور تحفہ ارسال کی۔ آپ نے اس میں سے کچھ لے کر کھایا۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی کھایا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ اٹھالو اور یہودیہ کی طرف پیغام بھیجا کہ تم نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا؟ فرمایا مجھے بکری کے اس شانے نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا: ہاں (میں نے زہر ملایا ہے) میں نے سوچا اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو ہرگز نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس سے کھایا تھا وہ سب انتقال کر گئے اور حضور علیہ السلام نے اس بکری کے کھانے کے سبب اپنے شانوں کے درمیان پچھنے لگوائے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۶۴)

ابو داؤد کے علاوہ روایت میں ہے: ابن شکم کی بیوی زینب بنت حارث پوچھنے لگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا کون سا حصہ پسند ہے۔ لوگوں نے کہا: اس کی دستی۔ اس نے اپنی بکری کا قصد کیا اور اسے ذبح کر کے بھونا پھر ایسے زہر کا قصد کیا جو جلد اثر کرتا ہے اور فوری طور پر ہلاک کر دیتا ہے۔ اس نے یہودیوں سے زہروں کے بارے میں مشورہ کیا تو ان سب نے ایک خاص زہر پر اتفاق کیا۔ اس نے بکری میں زہر ملایا اور اس کے شانے اور دونوں دستیوں میں زیادہ زہر ملایا۔ پھر آپ کے اور آپ کے ساتھ حاضر صحابہ کرام کے سامنے رکھ دیا ان میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بازو تناول فرمایا اور دانتوں کے ساتھ اس کا گوشت لیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا لقمہ حلق سے نیچے اتار لیا تو حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جو کچھ تھا انہوں نے اسے نگل لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ اٹھالو۔ اس دستی نے مجھے بتایا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تھے اور یہ بھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثا کے حوالے کی تو انہوں نے اسے (قصاص میں) قتل کر دیا۔ اسے دمیاطی نے روایت کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۰۲)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سزا دی یا نہیں؟

امام بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور حضرت ابو نضرہ کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: آپ نے اسے سزا نہیں دی۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس نے اسلام قبول کیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے پہلے اسے چھوڑ دیا ہو لیکن جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس کا لقمہ کھانے سے انتقال کر گئے تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ (قتل کرنے کا حکم دے دیا)

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

امام سہیلی نے بھی یہی جواب دیا اور اس میں یہ اضافہ بھی کیا کہ آپ نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ آپ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے پھر حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اسلام لانے پر اس کو چھوڑ دیا ہو اور اس کا قتل مؤخر کر دیا، حتیٰ کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا؛ کیونکہ ان کی موت سے قصاص کی شرط پائی گئی اور قصاص واجب ہو گیا۔

سلیمان تیمی کے مغازی میں ہے کہ اس عورت نے کہا (میں نے سوچا تھا کہ) اگر آپ جھوٹے ہیں تو میں آپ سے لوگوں کو راحت پہنچاؤں گی اور اب میرے لیے واضح ہو گیا کہ آپ سچے ہیں اور آپ کو اور باقی موجود لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کہتے ہیں: جب اس نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۱) اس روایت میں حضرت زہری کی موافقت ہے کہ وہ اسلام لائی تھی۔ واللہ اعلم (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

فجر کی نماز سے سو جانا

اسی غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے سو گئے۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سونپی تھی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو رات بھر چلتے رہے حتیٰ کہ جب آخر رات میں اترے تو اونگھ آ گئی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! ہمارے لیے رات کی حفاظت کرنا۔ (جونہی رات گزرے ہمیں نماز کے لیے جگانا) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جس قدر مقدر تھا، نماز پڑھی اور نبی اکرم مع صحابہ کرام آرام فرما ہوئے۔ جب فجر قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مشرق کی سمت میں رخ کر کے اپنے کجاوے کا سہارا لیا تو ان کی آنکھوں پر بھی نیند غالب آ گئی اور انہوں نے کجاوے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی سو نہ تو حضور علیہ السلام بیدار ہوئے نہ حضرت بلال اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی کی آنکھ کھلی۔ حتیٰ کہ ان پر دھوپ آ گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بیدار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے بلال! (یہ کیا؟) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؟ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میرے نفس پر بھی اسی چیز کا غلبہ ہوا جس کا آپ پر غلبہ ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں کو چلاؤ[۱] چنانچہ انہوں نے اپنی سواریاں کچھ دور چلائیں، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

---

[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے کوچ کا حکم اس لیے دیا تاکہ معلوم ہو کہ جہاں شیطانی اثرات ہوں، وہاں سے دور رہنا چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی)

انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی تو آپ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا جو شخص نماز (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص۲۳۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طٰہٰ: ۱۴) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد

اسی موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور آپ کے دوسرے ساتھی حبشہ سے آئے تھے۔

خیبر کی جنگ سے فتح ہوا یا صلح سے، اس بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کرتے ہیں، اس میں یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ فتح غلبہ سے ہوئی۔ ابن عبدالبر نے بھی اسے قطعی قرار دیا اور ان لوگوں کا رد کیا جو کہتے ہیں کہ خیبر کی فتح صلح سے ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں: جو لوگ کہتے ہیں کہ صلح کے ذریعے فتح ہوئی، انہیں ان دو قلعوں کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا جن میں موجود لوگوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے وہ قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیئے تھے اور یہ ایک قسم کی صلح تھی لیکن یہ بھی محاصرہ اور جنگ کے بعد ہوئی۔[1]

وادیٔ قریٰ کی فتح

پھر جمادی الاخریٰ میں وادی قریٰ فتح ہوئی۔ آپ نے ان لوگوں کا محاصرہ کرتے ہوئے وہاں چار دن قیام فرمایا اور زیادہ کا قول بھی کیا گیا ہے۔[2]

آپ کے غلام مدعم کو تیر لگا تو آپ نے فرمایا کہ وہ چادر جو اس نے خیبر (کے مال) سے خیانت کے طور پر لی تھی اس پر ضرور جہنم کی آگ بھڑکے گی۔ اور اہل تیماء نے جزیہ دینا قبول کر کے صلح کی۔ یہ بات حافظ مغلطائی نے کہی ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۷۰)

---

[1] مقصد یہ ہے کہ جب محاصرہ ہوا اور اس کے بعد صلح ہوئی تو یہ غلبہ ہی ہو گا... ۱۲ ہزاروی۔

[2] واقدی کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو لڑائی کے لیے تیار کیا اور ان کی صف بندی کی۔ اپنا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور چھوٹے جھنڈے حضرت حباب بن منذر، حضرت سہیل بن حنیف اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو دیئے۔ پھر ان لوگوں کو دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے ایک شخص کو مقابلے کے لیے بھیجا۔ اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ پھر ایک اور کو بھی انہوں نے قتل کیا۔ ایک کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دو کو حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ ہر قتل کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی جاتی لیکن وہ اسلام نہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۷)

خیبر کے بعد سرایا

سریہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

پھر شعبان سات ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سریہ ترت کی طرف گیا[1] آپ کے ہمراہ تیس افراد تھے اور ایک راہنما جو بنو بلال میں سے تھا آپ کے ساتھ نکلا۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ ہوازن قبیلے کو اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ نکلے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ٹھکانوں کی طرف آئے، لیکن ان میں سے کسی کو نہ دیکھا۔ پس مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۷)

سریہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو (نجد میں) بنو کلاب کی طرف گیا جو ضریہ مقام کے نواح میں تھے۔[2] اور یہ سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۷) یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو فزارہ کی طرف گئے اور ان سے کچھ لوگوں کو قیدی بنایا جب کہ دوسروں کو قتل کر دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ فزارہ کی طرف تشریف لے گئے اور یہی صحیح ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۹، کتاب الجہاد)

سریہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

پھر حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو شعبان سنہ ۷ھ میں فدک میں بنو مرہ کی طرف گیا تھا۔[3] ان کے ہمراہ تیس افراد تھے۔ ان لوگوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور حضرت بشیر رضی اللہ عنہ لڑتے رہے، حتی کہ زخمی ہوئے۔ ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ آپ کے ٹخنے پر چوٹ لگائی گئی۔ (تاکہ معلوم ہو کہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں) اور کہا گیا کہ آپ انتقال فرما چکے ہیں۔

علبہ بن یزید حارثی رضی اللہ عنہ ان کی خبر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر ان کے بعد حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۸)

---

[1] تربہ مکہ مکرمہ سے دو دن کے فاصلے پر ایک وادی کا نام ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ چار دن کے فاصلے پر مکہ مکرمہ سے صنعا اور نجران کے راستے پر ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۹)

[2] یہ مکہ مکرمہ کے قریب بصرہ کے راستے پر ایک بستی ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۹)

[3] فدک خیبر میں ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ سے دو یا تین منزل کے فاصلے پر ہے۔ (زرقانی)

سریۂ غالب لیثی رضی اللہ عنہ

پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو میفعہ کی طرف گیا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے نجد کی جانب آٹھ برید (ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے) کے فاصلے پر ہے۔ یہ سریہ رمضان المبارک سنہ ۷ھ میں گیا۔ یہ دو سو تیس افراد تھے۔ انہوں نے اہل میفعہ پر اچانک یلغار کردی اور جو لوگ ان کے سامنے آئے، ان کو قتل کردیا۔ نیز ان کے اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ طیبہ آگئے۔ اہل مغازی کہتے ہیں: اس سریہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو قتل کر دیا حالانکہ اس نے کلمہ طیبہ پڑھا تھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا (اے اسامہ) تم نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھا تاکہ تم جان لیتے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آئندہ میں اس شخص سے نہیں لڑوں گا جو لاالہ الا اللہ کی شہادت دے گا۔

الاکلیل میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال اس سریہ میں ہوا، جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ امیر تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ظبیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ فرما رہے تھے: ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم ان لوگوں کے پاس صبح کے وقت پہنچے اور ہم نے ان کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک شخص کو پالیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے لاالہ الا اللہ کہا۔ انصاری اس سے رک گئے لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کردیا۔ جب ہم واپس آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: اے اسامہ! اس شخص کے لاالہ الا اللہ کہنے کے بعد تو نے اسے قتل کردیا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ پناہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا تھا۔ لیکن آپ مسلسل وہی بات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲، کتاب المغازی)

سریۂ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

پھر حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن اور جبار کی طرف گیا اور یہ غطفان قبیلے کا علاقہ ہے۔ اسے فزارہ اور عذرہ کا علاقہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ سریہ شوال سنہ ۷ھ میں گیا اور اس میں حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین سو افراد تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کچھ لوگ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع تھے۔ مسلمان رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے جب ان لوگوں کو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتا چلا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان لوگوں کے بہت سے اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگے جن کو مال غنیمت بنایا گیا۔ نیز ان کے دو آدمیوں کو قیدی بنا کر مدینہ طیبہ بارگاہ نبوی میں لایا گیا تو وہ دونوں مسلمان ہوگئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۰)

عمرۂ قضا

وجہ تسمیہ

پھر عمرہ قضیہ ہے جسے عمرۂ قضا کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ کو روکا گیا تھا کیونکہ آپ نے اسے فاسد نہیں کیا تھا کہ اس کی قضا واجب ہوتی بلکہ وہ عمرہ تامہ (مکمل اصل) تھا۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عمرے شمار ہوئے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ۔[1]

دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ یہ پہلے عمرہ کی قضا تھی اور انہوں نے حدیبیہ والے عمرہ کو اس لیے عمروں میں شمار کیا کہ اس کے لیے ثواب ثابت ہوا۔ اس لیے نہیں کہ وہ کامل تھا۔

اس اختلاف کی بنیاد اس مسئلے میں اختلاف پر ہے کہ جو شخص عمرے کا ارادہ کرے اور پھر اسے بیت اللہ شریف سے روک دیا جائے تو کیا اس پر قضا واجب ہے؟

جمہور کہتے ہیں اس پر قربانی واجب ہے لیکن قضا واجب نہیں ہے۔[2] لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے برعکس فرماتے ہیں، حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر ھدی اور قضا لازم نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ قضا اور ہدی دونوں واجب ہیں۔

جمہور کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ (البقرۃ: ۱۹۶)

پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو قربانی کا جانور تمہیں میسر ہو۔ (ذبح کرو)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے۔ پس جب رکاوٹ ہو جائے تو اس میں تاخیر جائز ہے۔ جب رکاوٹ ختم ہو جائے تو اسے بجالائے اور دونوں احراموں کے درمیان احرام سے نکل جانے سے قضاء کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا۔

---

[1] عمرہ حدیبیہ، عمرہ قضاء، عمرہ جو جعرانہ مقام سے کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ۔

[2] حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے اختلاف کے بعد جمہور علماء کون سے رہ جاتے ہیں اگر ائمہ مراد ہوں، اور اگر مقلدین مراد ہوں تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے مقلدین بھی تو جمہور ہیں۔...۱۲ ہزاروی۔

اور جس نے دونوں (عمرہ اور قربانی) کو واجب قرار دیا، اس کے لیے صحابہ کرام کا عمل دلیل ہے کہ جب انہیں روکا گیا تو انہوں نے قربانی کے جانور ذبح کئے اور آئندہ سال عمرہ بھی کیا اور قربانی کے جانور بھی لائے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک دونوں واجب نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا رکاوٹ کی وجہ سے احرام کھولنا جانور کی قربانی پر موقوف نہیں تھا بلکہ جس کے پاس قربانی کا جانور تھا، اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور جس کے ساتھ جانور نہیں تھا، اسے سر منڈانے کا حکم دیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳)

عمرہ کا واقعہ

حاکم نے الاکلیل میں فرمایا کہ اس سلسلے میں تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ جب ذی قعدہ سنہ ۷ھ کا چاند طلوع ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اپنے اس عمرہ کی قضاء کے طور پر عمرہ کریں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳) جس سے مشرکین نے ان کو حدیبیہ میں روک دیا تھا اور حدیبیہ میں جتنے لوگ حاضر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ پس ان میں سے سوائے ان لوگوں کے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے یا جو انتقال کر گئے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دو ہزار مسلمان نکلے اور آپ نے مدینہ طیبہ میں ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور آپ قربانی کے ساٹھ اونٹ لے گئے۔ اسلحہ بھی اٹھایا خود، زرہ اور نیزے بھی ساتھ لیے اور ایک سو گھوڑے بھی لیے جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سواروں کو آگے بھیج دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں اسلحہ بھی بھیج دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سواروں کو لے کر مرالظہران میں پہنچے تو وہاں قریش کے کچھ لوگوں کو پایا۔ ان کے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل صبح یہاں پہنچنے والے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے جا کر قریش کو بتایا تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں پہنچے تو اسلحہ وادی یاجج (یاجج اور یاجج بھی پڑھا جاتا ہے) میں بھیج دیا یہ مکہ مکرمہ میں ایک مقام ہے جہاں سے حرم کی حدود نظر آتی ہیں اور حضرت اویس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو مردوں کے ساتھ اس کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ (اس دوران) قریش مکہ مکرمہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور آگے بھیجے تو انہیں وادی ذی طویٰ میں چھوڑ دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر روانہ ہوئے اور مسلمان اپنی گردنوں میں تلواریں حمائل کئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہے تھے اور تلبیہ کہتے تھے۔ آپ اس گھاٹی سے داخل ہوئے جو مقام حجون پر نکلتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی۔

شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں

عمرۂ قضا کے لیے داخل ہوئے اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ (کی سواری) کے آگے آگے چلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　　الیوم نضربکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ　　　ویذھل الخلیل عن خلیلہ

"اے کفار کے بیٹو! آپ کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج کے دن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اترنے پر (یا قرآن پاک کے حکم پر) تمہاری گردنیں ماریں گے"۔

"ایسی ضرب لگائیں گے کہ کھوپڑیاں گردنوں سے الگ ہوجائیں گی اور دوست، دوست کو بھول جائے گا"۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن رواحہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑ دو، یہ اشعار کفار کے دلوں میں تیر کی نوک سے زیادہ موثر ہیں۔

امام عبدالرزاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو طریقوں پر روایت کیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۵۸۴)
جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　　قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
بان خیر القتل فی سبیلہ　　　نحن قتلنا کم علی تاویلہ
کما قتلناکم عن تنزیلہ

"اے کفار کے بیٹو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ کلام میں فرمایا کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کے راستے میں ہو (یعنی جہاد) ہم اس کی تاویل پر تم سے لڑیں گے جیسا کہ ہم تم سے اس کے نازل کردہ قرآن (سے تمہارے انکار) پر لڑے"۔

امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس طرح نقل کیا ہے:

الیوم نضربکم علی تنزیلہ　　　ضربا یزیل الھام عن مقیلہ
ویذھل الخلیل عن خلیلہ　　　یارب انی مومن بقیلہ

"آج ہم ان کے اترنے پر یا قرآن مجید کے حکم پر تمہیں ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیوں کو ان کے سروں سے الگ کردے گی اور دوست کو دوست سے غافل کردے گی۔ اے میرے رب! بے شک میں ان کے قول پر ایمان رکھتا ہوں"۔

ابن عقبہ نے مغازی میں حضرت ابن رواحہ کے قول کے بعد یہ شعر ذکر کیا ہے:

وقد انزل الرحمن فی تنزیلہ　　　فی صحف تتلی علی رسولہ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے اتارے جانے والے کلام میں نازل فرمایا۔ ایسے صحائف میں جو اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جاتے ہیں"۔
لیکن انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور ابن اسحاق نے ان کے قول کے بعد یہ اضافہ کیا:

یارب انی مؤمن بقیلہ انی رایت الحق فی قبولہ

"اے میرے رب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ایمان لانے والا ہوں۔ میں نے آپ کا قول قبول کرنے میں حق کو دیکھ لیا"۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ:
"نحن ضربناکم علی تاویلہ" آخر تک، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ کا قول ہے جو انہوں نے جنگ صفین میں کہا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۴)

انہوں نے (ابن سعد وغیرہ نے) کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے رکن (حجر اسود) کو اس عصا کے ذریعے بوسہ دیا جس کا سرا ٹیڑھا تھا۔ آپ نے اضطباع کیا ہوا تھا یعنی بازو مبارک ننگے تھے اور چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لا کر بائیں کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور آپ نے سواری پر ہی طواف کیا۔ مسلمان آپ کے ساتھ طواف کر رہے تھے اور انہوں نے بھی اضطباع کیا ہوا تھا۔

طواف میں رمل

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ (مسلمان) تمہارے پاس اس طرح آئے ہیں کہ ان کو یثرب (مدینہ طیبہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ (طواف کے) تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان عام طریقے سے چلیں۔[1] اور ان کو تمام چکروں میں رمل سے اس لیے روکا کہ ان کی قوت برقرار رہے اور کمزور نہ پڑ جائیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے حکم دیا۔
ایک روایت میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمل کرو تاکہ مشرک تمہاری قوت کو دیکھیں اور مشرکین قعیقعان (پہاڑ) کی جانب تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

سعی اور احرام کھولنا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر ہی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، پھر جب ساتویں چکر سے فارغ ہوئے اور سواری کا جانور مروہ کے پاس تھا تو آپ نے فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکہ مکرمہ کی ہر گلی قربان گاہ ہے۔

---

[1] پہلوانوں کی طرح کاندھوں کو حرکت دیتے ہوئے چلنا رمل ہے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی کا جانور ذبح کیا اور اس جگہ سر منڈوایا۔ صحابہ کرام نے بھی اسی طرح کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وادی یاجج میں جائیں اور اسلحہ کے پاس ٹھہریں تاکہ دوسرے حضرات آکر عمرہ کے افعال بجالائیں، چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور پھر مدت پوری ہوگئی تو مشرکین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ مدت پوری ہوگئی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱، کتاب المغازی)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا باہر آنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اے چچا! اے چچا! کہتی ہوئی آپ کے پیچھے آئی۔[1] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو پکڑو تو انہوں نے اسے اٹھالیا۔

اب اس بچی کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے میں لوں گا کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میری چچازاد بھی ہے اور میرے گھر اس کی خالہ ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میری بھتیجی ہے۔[2] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰، کتاب المغازی)

مشرکین نے شرط رکھی تھی کہ آپ کے خاندان کا کوئی شخص آپ کے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بچی لے جانے کی اجازت اس لیے دی کہ قریش نے اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ خالہ ماں کی طرح ہے، یعنی اس خاص حکم میں کیونکہ بچے پر شفقت اور بچے کی بہتری کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں، ان کی راہنمائی کے حوالے سے وہ زیادہ قریب تھیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ پرورش کے سلسلے میں خالہ، پھوپھی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب

---

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ اس مناسبت سے بچی نے آپ کو چچا کہا۔

[2] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی امداد کے لیے مہاجرین کو باہم بھائی بھائی بنایا تو حضرت حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی تھی اس لیے انہوں نے فرمایا: یہ میری بھتیجی ہے۔

رضی اللہ عنہا بھی اس وقت موجود تھیں۔[1] تو جب خالہ پھوپھی پر مقدم ہے حالانکہ پھوپھی عصبات عورتوں (باپ کے خاندان کی عورتوں) میں سے سب سے زیادہ قریب ہے تو باقی عورتوں پر خالہ بدرجہ اولیٰ مقدم ہوگی[2]، اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ باپ کے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ماں کے رشتہ دار مقدم ہیں۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۱)

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے اور جب ان کا قرب حاصل کیا تو احرام کھول چکے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱، کتاب المغازی)

یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وہم سے شمار کی گئی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں لیکن ان سے غلطی ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب آپ احرام کھول چکے تھے۔ اسے امام بخاری نے ذکر کیا۔

حضرت یزید بن اصم، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقام سرف میں مجھ سے نکاح کیا تو ہم دونوں احرام سے نکل چکے تھے۔ (صحیح مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان میں آپ کے خصائص کے ضمن میں آئے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حالت احرام میں بھی نکاح کرنا جائز تھا۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔[3]

---

[1] اس بات کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ پھوپھی نے مطالبہ نہیں کیا تھا جبکہ خالہ کے خاوند نے مطالبہ کیا تھا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۱)

[2] قرابت ماں کو ترجیح ہوگی لہٰذا پھوپھی سے خالہ مقدم ہوگی۔ (ہدایہ جلد اول ص ۴۳۴ باب حضانۃ الولد)

[3] احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے البتہ جماع نہیں ہوسکتا۔... ۱۲ ہزاروی۔

عمرہ اور غزوۂ موتہ کے درمیان کا عرصہ

سریّہ ابن ابی العوجاء

اس کے بعد ذوالحجہ سنہ ۷ھ میں حضرت ابن ابی العوجاء سلمی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں پچاس مسلمانوں پر مشتمل ایک دستہ بنو سلیم کی طرف گیا۔ کفار نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور سخت لڑائی ہوئی حتیٰ کہ ان میں سے اکثر شہید ہوگئے اور مقتولین کے ساتھ حضرت ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ زخمی پائے گئے (اور ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آپ قتل ہوگئے ہیں، چھوڑ دیا) پھر بڑی مشقت اٹھانے کے بعد آپ صفرالمظفر سنہ ۸ھ کے شروع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۲۳، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۴۱)

سریّہ غالب لیثی

پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ (دستہ) ہے جو بنو الملوح کی طرف گیا جو کدید میں تھے۔ قاموس میں ہے کہ کدید (کاف پر زبر کے ساتھ) حرمین شریفین کے درمیان ایک کنواں ہے اور نہایت کشادہ سخت زمین کو کدید کہتے ہیں جس طرح کدہ کا یہی معنی ہے اور یوم کدید معروف ہے۔ یہ سریہ صفر سنہ ۸ھ میں گیا اور مال غنیمت حاصل ہوا۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵)

حضرت خالد بن ولید اور اُن کے ساتھیوں کی آمد اور قبول اسلام

اسی مہینے صفر سنہ ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت عمرو بن عاصی رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں: یہ پانچ ہجری کی بات ہے اور امام حاکم اسے ۷ھ کا واقعہ بتاتے ہیں۔

حضرت غالب کا دوسرا سریہ

اس کے بعد پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے، جو فدک میں اس جگہ کی طرف گیا جہاں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہوئے تھے۔ یہ سریہ صفر سنہ ۸ھ میں گیا اور حضرت غالب

کے ساتھ دو سو افراد تھے۔ انہوں نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے کئی لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اونٹ بھی حاصل کئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)

شجاع بن وہب کا سریہ

اس کے بعد حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا دستہ مقام سِیّ میں بنو عامر کی طرف گیا۔ یہ ذات عرق سے وجرہ کی طرف ہے۔ مکہ سے بصرہ کی طرف تین منزل اور مدینہ طیبہ سے پانچ منزل (مراحل) کے فاصلے پر ہے۔ (مسافر جو مسافت ایک دن میں (پیدل) طے کرے اس مرحلہ کہتے ہیں جس کی جمع مراحل ہے)
یہ دستہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں گیا اور حضرت شجاع کے ہمراہ چوبیس افراد تھے جو ہوازن قبیلہ کے ایک اجتماع کی طرف گئے تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ ان پر حملہ کر دیں۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے حتیٰ کہ صبح کے وقت وہاں جا پہنچے اور بکریاں اور اونٹ ہاتھ لگے جنہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ یہ حضرات پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ مال غنیمت تقسیم ہو کر ایک ایک کے حصے میں پندرہ پندرہ اونٹ آئے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر شمار کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)

کعب غفاری کا سریہ

پھر حضرت کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ذات اطلاح کی طرف گیا اور یہ وادی قریٰ سے پیچھے ہے۔ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں پندرہ افراد کے ساتھ روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ذات اطلاح میں پہنچے۔ وہاں بہت سے لوگوں کو جمع پایا تو صحابہ کرام نے ان سے سخت لڑائی کی حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان شہیدوں کے درمیان ایک زخمی نے نجات پائی۔ مغلطائی کہتے ہیں: کہا گیا ہے کہ وہ ان کے امیر تھے۔ جب رات پرسکون ہوئی تو وہ مشقت برداشت کرتے کرتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور واقعہ بتایا۔ آپ کو سخت دکھ ہوا۔ اس لیے آپ نے ان کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا لیکن جب ان لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے چلے گئے۔ بنابریں آپ نے ان کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)

غزوۂ موتہ

جگہ اور تاریخ

اس کے بعد سریہ موتہ ہے۔ یہ لفظ میم پر پیش اور واؤ ساکن کے ساتھ ہے۔ اکثر راویوں کے نزدیک (واؤ ہے) ہمزہ نہیں ہے۔ مبرد (عربی شاعر) نے یہ بات قطعی طور پر کہی ہے۔ ثعلب، جوہری اور ابن فارس نے ہمزہ کے ساتھ لکھا ہے (یعنی مؤتہ)، دوسرے لوگوں نے دونوں طرح کہا ہے۔[1]

یہ جگہ دمشق کے نزدیک شام میں بلقاء شہر کی عمل داری میں ہے اور یہ غزوہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں ہوا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

غزوہ کا سبب

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر الازدی کو اپنا مکتوب گرامی دے کر بصریٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ موتہ میں اترے تو شرحبیل بن عمرو غسانی سامنے آیا اور اس نے حضرت حارث کو شہید کر دیا اور ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو شہید نہیں کیا گیا۔

(کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں تین ہزار کا لشکر بھیجا اور فرمایا: اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اگر وہ شہید ہو جائیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سربراہ ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک شخص پر راضی ہو کر اسے اپنا امیر بنا لیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام احمد و نسائی رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ اس میں یہ ہے کہ اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہوں گے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۳)

---

[1] مبرد سے ابو العباس محمد بن یزید مراد ہیں جو عربی زبان کے بہت بڑے امام ہیں۔ ثعلب علامہ ہیں محدث اور لغت اور عربیت کے امام ہیں۔ ان کا نام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن یزید شیبانی ہے۔ جوہری، امام ابو نصر اسماعیل بن حماد ہیں اور ابن فارس سے مراد ابو الحسن رازی لغوی فقیہ مالکی ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۷۵۶)

سیرت نگار کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا مقرر کیا اور وہ حضرت زید بن حارثہ کے حوالے کیا نیز ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ پر جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور ان سے لڑیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

مدینہ طیبہ سے کوچ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لیے شہر سے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع پر پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے اور ان کو رخصت کیا۔ وہ چلے تو مسلمانوں نے پکار کر کہا: اللہ تعالیٰ تم سے دشمن کو دور رکھے اور تمہیں سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

لکننی اسال الرحمن مغفرۃ وضربۃ ذات فرغ تقذف الزبدا

"لیکن میں تو رحمٰن ذات سے مغفرت چاہتا ہوں اور ایسی ضرب کا طالب ہوں جو وسیع ہو اور خون سے جھاگ نکلے"۔

جب یہ لوگ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو دشمن کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی چنانچہ وہ ان کے انتظار میں جمع ہوئے اور شرحبیل بن عمرو نے ایک لاکھ سے زیادہ لوگ جمع کیے اور جاسوسوں کو اپنے آگے بھیجا۔

مسلمان شام کے ایک مقام معان میں اترے اور ان کو دشمن کی کثرت اور ان کے جمع ہونے کی خبر مل گئی اور ہرقل (بادشاہ) ایک لاکھ مشرکین کے ساتھ بلقاء کی زمین (یعنی روم) میں خیمہ زن تھا۔ مسلمانوں نے وہاں دو راتیں گزاریں تاکہ حالات کا جائزہ لیں اور مشورہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورت حال لکھ کر بھیجیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگے جانے کی جرات دلائی، چنانچہ وہ موتہ کی طرف چل پڑے۔

معرکہ

مشرکین اس کثرت سے آئے کہ کسی کو ان سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھ اسلحہ، گھوڑے، ریشم اور سونا لے کر آئے (تاکہ شان و شوکت دکھائیں)۔

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مقابلہ ہوا تو اس دن مسلمانوں کے (تینوں) امیر پیدل لڑے اور ان کے ساتھ مسلمان بھی صف بستہ ہو کر دشمنوں سے لڑے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور لڑائی کی حتیٰ کہ آپ نیزے کے بھالے سے زخمی ہو کر شہید ہو گئے۔

پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا۔ وہ اپنے گھوڑے شقراء سے اتر کر لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان کو ایک رومی نے ضرب لگائی اور دو ٹکڑے کر دیا۔ ان کے جسم کے ایک نصف حصے میں اسی (۸۰) سے زائد زخم پائے گئے اور ان کے جسم کے سامنے والے حصے میں تلوار اور نیزے کے بہتر (۷۲) زخم تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے، راوی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم میں تلوار اور نیزوں کے نوے سے زیادہ زخم پائے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس دن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوئے جبکہ حضرت جعفر شہید ہو چکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے ان میں پچاس زخم گنے جو تلوار یا نیزے کے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی زخم پیٹھ کی طرف نہیں تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

ابن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا اور یہ روایت سنن ابی داؤد میں امام ابوداؤد نے اپنے طریق سے مرہ قبیلہ کے ایک شخص کی روایت سے نقل کی ہے: وہ کہتا ہے اللہ کی قسم! گویا میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ اپنے گھوڑے شقرا سے نیچے کودے اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر آگے بڑھ کر لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۳، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۸)

راوی بتاتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جھنڈا حضرت ابن اقرم عجلانی نے لیا حتیٰ کہ صحابہ کرام خالد بن ولید پر متفق ہوئے انہوں نے جھنڈا لیا تو رومی تتر بتر ہو گئے اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور رومیوں کے پیچھے مشرکین بھی بھاگ اٹھے اور مسلمانوں میں سے شہید ہوا جو شہید ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے سخت لڑائی کی اور بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔

ابن سعد نے کہا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہر گروہ (مسلمان بھی اور کفار بھی) کسی شکست کے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے زمین کا پردہ ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے قوم کی جنگ کی جگہ ملاحظہ فرمائی۔[1]

دو پروں والا

حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: مجھ سے میرے رضاعی باپ نے بیان کیا۔ ان کا تعلق بنو مرہ کے قبیلہ سے تھا کہ وہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ حاضر ہوئے، کہتے ہیں: میں نے دیکھا جب لڑائی سخت ہو گئی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے شقراء

[1] یہ نبوت کی خصوصیت میں سے ہے کہ جہاں دوسروں کی نگاہ نہیں پہنچتی، وہاں اللہ تعالیٰ کے نبی کے لیے سب پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بے مثل بشر ہیں۔ ہماری طرح نہیں۔...۱۲ ہزاروی۔

سے کود پڑے، پھر اس کے پاؤں کاٹ دیئے اور مخالف قوم سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ یہ روایت امام بغوی نے اپنی معجم میں نقل کی ہے۔ اس جنگ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے، پھر ان کو شہید کر دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ہاتھوں کی جگہ دو پر عطا کئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھریں، ابو عمر نے یہ روایت نقل کی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں: جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ، زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ کے چہرہ انور پر غم ظاہر تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱، کتاب المغازی)

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں، مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تمہارے والد آسمان میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (حضرت) جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے نقل کیا اور اس کی سند میں ضعف ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن سعد نے نقل کی ہے، وہ اس کی شاہد ہے۔ (لہٰذا ضعف ختم ہو گیا۔) (جامع ترمذی، ابواب المناقب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: آج رات (حضرت) جعفر (رضی اللہ عنہ) فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے تو ان کے دونوں پر خون سے رنگین تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے امام مسلم کی شرط پر نقل کیا۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۶۳)

امام حاکم اور امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گزشتہ رات (خواب میں) جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں (حضرت) جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو فرشتوں کے ہمراہ اڑتے ہوئے دیکھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۶۳)

انہی سے ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے تھے اور ان کے دو پر تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے ہاتھوں کے عوض عطا فرمائے تھے، اس کی سند جید ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ کے موقع پر جھنڈا اپنے دائیں ہاتھ میں لیا تو وہ کٹ گیا، پھر بائیں ہاتھ میں پکڑا تو وہ بھی کٹ گیا، پھر انہوں نے بغل میں لے لیا۔ اس کے بعد آپ کو شہید کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا عوض عطا فرمایا۔

پروں سے مقصود

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے دو پر تھے۔ اس کا یہ مطلب جس طرح گزشتہ احادیث سے وہم ہوتا

ہے کہ پرندوں کی طرح پر تھے کیونکہ آدمی کی صورت تمام صورتوں سے زیادہ اچھی اور کامل ہے تو پروں سے مراد فرشتوں کی صفت اور روحانی قوت کا پیدا ہونا ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو عطا کی گئی۔ قرآن پاک میں توسع کے طور پر پہلو (یا پسلی) کے لیے پر کا لفظ استعمال ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ۔ (طٰہٰ: ۲۲) اور اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے ملائیں۔

علماء کرام فرشتوں کے پروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں والی صفات ہیں جو معائنہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں اور پرندے کے لیے تو تین پروں کا تصور بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ زیادہ کا تصور کیا جائے۔

پس جب ان کی کیفیت کے بیان میں کوئی حدیث نہیں آئی تو ہم اس کی حقیقت پر بحث کیے بغیر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منع کے مقام میں امام سہیلی نے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی ہے اور جو کچھ انہوں نے علماء کرام سے نقل کیا ہے، وہ ان کے دعویٰ پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اور ظاہر پر محمول کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں، مگر جو حجت انہوں نے ذکر کی ہے اور وہ غائب کو شاہد پر قیاس کرنا ہے جو ضعیف ہے۔

اور صورت بشریہ کا سب سے اچھی صورت ہونا حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ صورت تو باقی ہے (صرف پروں کا مسئلہ ہے)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہ اللہ کی مرسل روایت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پر یاقوت سے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں آیا کہ ان کے دو پر موتیوں سے ہیں۔ اسے ابن مندہ نے ورقہ کے ذکر میں نقل کیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۷)

مدینہ طیبہ میں ان کی خبر کا پہنچنا

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اہل موتہ کی خبر لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو مجھے خبر دو اور اگر چاہو تو میں تمہیں خبر دوں۔ انہوں نے عرض کیا: آپ مجھے خبر دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری خبر دے دی۔ اس پر حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ نے ان کے واقعہ سے کوئی بات بھی ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑی۔

امام طبرانی کے نزدیک حضرت ابوالیسر انصاری کی روایت سے ہے کہ حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی جو موتہ والوں کو پہنچی تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۴)

ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ کھجوروں کی تھیلی کے علاوہ بھی کھجوریں تھیں۔ اس پر صحیح بخاری کی وہ حدیث جو جہاد کے ضمن میں مذکور ہے، دلالت کرتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں: ہم نکلے اور ہم تین سو افراد تھے، ہم نے اپنا زاد راہ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا پس ہمارا زاد راہ ختم ہو گیا حتیٰ کہ ہم میں سے ایک شخص (پورے دن میں) ایک کھجور کھاتا تھا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۱۹، کتاب الجہاد)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے ایک اونٹ خریدا اور اس کو ان کے لیے ذبح کیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، کتاب المغازی)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے سمندر سے ایک جانور بھی نکالا جسے عنبر کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کو کھایا اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور یہ حضرات واپس آ گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے حدیث کے چھ ائمہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ) نے روایت کیا، اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کی صورت میں بھیجا اور ہمارے امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم ساحل پر ٹھہرے حتیٰ کہ ہماری خوراک کا سامان ختم ہو گیا اور ہم نے درخت سلم کے پتے کھائے، پھر سمندر نے ایک جانور ہماری طرف پھینکا جس کو عنبر کہا جاتا ہے۔ پس ہم نے اس سے نصف مہینے تک کھایا حتیٰ کہ ہمارے جسم ٹھیک ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک پسلی لے کر کھڑی کی اور سب سے طویل اونٹ کو دیکھا کہ وہ اس کے نیچے سے گزر گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۵، کتاب المغازی)

صحیحین کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا۔ تمہارے پاس اس گوشت میں سے کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے اس میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گوشت بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، کتاب المغازی، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۷)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے سریے

پھر حضرت ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ کا شعبان سنہ ۸ھ میں مقام خضرہ کی طرف سریہ ہے۔ یہ جگہ نجد میں بنو محارب کی زمین ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ پندرہ افراد بنو غطفان کی طرف بھیجے ان میں سے جو مسلمانوں کے مقابلے میں آئے ان کو قتل کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ ان کے جانوروں کو ہانک کر لایا گیا جن میں سے اونٹوں کی تعداد دو سو اور بکریاں دو ہزار تھیں۔ اس دوران یہ لوگ پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۲)

اس کے بعد پھر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو سنہ ۸ھ میں رمضان شریف کے آغاز میں بطن اضم (وادی اضم) کی طرف گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے تین برید (یعنی چھتیس میل) کے فاصلے پر ذی خشب اور ذی مروہ

کے درمیان واقع ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے جہاد کا قصد فرمایا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو آٹھ افراد کے ساتھ سریہ کے طور پر وادی اضم کی طرف بھیجا تاکہ گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کا ارادہ کیا ہے اور وہ لوگ یہ خبر (مکہ مکرمہ) لے جائیں۔

عامر بن اضبط سے مسلمانوں کی ملاقات ہوئی تو عامر نے ان کو اسلام کے طریقے پر سلام کیا لیکن محلم بن جثامہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ آخر تک (النساء: ۹۴)

اور جو شخص تمہیں سلام کرے، اسے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔

اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔[1]

ابن جریر کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی طرح مروی ہے البتہ یہ اضافہ ہے کہ محلم بن جثامہ دو چادروں میں آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا تاکہ آپ اس کے لیے مغفرت طلب کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نہ بخشے وہ کھڑا ہوا اور اپنی چادروں سے آنسو پونچھتا تھا۔ ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔
(تفسیر ابن جریر جلد ۵، ص ۱۳۰)

دوسرے حضرات کے نزدیک یوں ہے کہ انہوں نے اسے پھر زمین میں رکھا لیکن زمین نے اسے باہر پھینک دیا جب قوم عاجز آ گئی تو انہوں نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان زمین پر رکھ دیا، پھر اس پر پتھر رکھ کر اسے چھپا دیا۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۷۸)

ابن جریر کی روایت میں ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: زمین تو تمہارے اس ساتھی سے برے لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرنا (سمجھانا) چاہتا ہے۔
(تفسیر ابن جریر جلد ۵ ص ۱۳)

ابن اسحاق نے اس سریہ کو ابن ابی حدرد کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کے ساتھ دو مرد غابہ کی طرف گئے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ رفاعہ بن قیس نے آپ سے لڑنے کے لیے وہاں لوگوں کو جمع کیا ہے۔ انہوں نے رفاعہ کو قتل کیا اور اس لشکر کو شکست دی، نیز بہت بڑی غنیمت حاصل کی۔ اسے مغلطائی نے بیان کیا۔ واللہ اعلم

[1] حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا ہم نکلے تو عامر بن اضبط سے ہماری ملاقات ہوئی۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں اسلام کے طریقے پر سلام کیا تو ہم اس سے رک گئے لیکن محلم بن جثامہ نے اسے قتل کیا اور اس کا اونٹ لے لیا ان کے درمیان پہلے سے کوئی جھگڑا تھا۔
(مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۱)

فتح مکّہ

اس کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس محترم شہر کی عزت اور شرف کو اور زیادہ کرے (آمین) جیسا کہ زادالمعاد میں کہا گیا ہے کہ یہ عظیم ترین فتح تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے لشکر اور اپنے حرم امین کو عزت بخشی۔ اس فتح کے ذریعے اپنے شہر (مکہ مکرمہ) اور اپنے گھر (خانہ کعبہ) کو جسے تمام عالمین کی ہدایت کا باعث بنایا، کفار اور مشرکین کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا۔ اس فتح پر آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزاء پر عزت کے خیمے نصب کیے گئے۔

نیز اس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور اس کے ذریعے زمین کا چہرہ روشنی اور سرور سے چمک اٹھا۔

فتح کا سبب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے لشکر اور رحمٰن کے عساکر اس لیے نکالے کہ قریش نے حدیبیہ میں ہونے والے عہد کو توڑ دیا تھا۔ اس معاہدے میں یہ شرط بھی تھی کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو آدمی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، اسے بھی اس کی اجازت ہے۔ پس بنو بکر قریش کے عہد میں اور خزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے۔ (زادالمعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۱۷۸)

بنو بکر اور خزاعہ کے درمیان دور جاہلیت میں لڑائی اور قتل کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لیکن جب اسلام ظاہر ہوا تو وہ لوگ اس باہمی دشمنی سے غافل ہو گئے۔ جب صلح حدیبیہ ہوئی تو نوفل بن معاویہ دیلی جس کا تعلق بنو دیل کے قبیلے بنو بکر سے تھا رات کے وقت خزاعہ کے ہاں پہنچا۔ خزاعہ اس وقت اپنے ایک پانی جسے وتیر کہا جاتا تھا پر تھے۔ نوفل نے ان کے ایک آدمی منبہ کو قتل کر ڈالا۔ اس سے خزاعہ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور لڑائی شروع ہو گئی حتیٰ کہ وہ حرم میں داخل ہوئے، پھر بھی لڑائی موقوف نہ کی۔ قریش نے اسلحہ کے ذریعہ بنو بکر کی مدد کی اور بعض قریش نے رات کو خفیہ طور پر ان کے ساتھ لڑائی میں بھی حصہ لیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹)

ادھر عمرو بن سالم خزاعی نے جس کا تعلق خزاعہ سے تھا چالیس سوار لیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ واقعہ کی خبر دیں اور مدد طلب کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک گھسیٹتے

ہوئے کھڑے ہوئے اور آپ فرما رہے تھے۔ اگر میں تمہیں اس چیز کے ساتھ مدد نہ دوں جس کے ساتھ اپنے آپ کو مدد دیتا ہوں تو گویا میں نے تمہیں مدد ہی نہیں دی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۴)

امام طبرانی کی معجم صغیر میں ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ رات کے وقت وضو کی جگہ میں فرما رہے تھے "لبیک لبیک" (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) تین بار فرمایا، پھر تین بار فرمایا: میں نے مدد کی۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے مقام وضو میں فرما رہے تھے "لبیک لبیک" اور "نصرت نصرت" (تین بار) گویا آپ کسی آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ کے ساتھ کوئی تھا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو کعب کا رجز کہنے والا (اشعار پڑھنے والا) مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور اس کا خیال ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۰۰)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سامان سفر تیار کریں اور کسی کو نہ بتانا۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بنو اصفر[1] سے جہاد کا زمانہ نہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم تین دن ٹھہرے پھر آپ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے رجز کرنے والے کو یہ اشعار پڑھتے سنا:

یارب انی ناشد محمدا	حلف ابینا وابیه الاتلدا
ان قریشا اخلفوک الموعدا	ونقضوا میثاقک المؤکدا
وزعموا ان لست تدعوا احدا	فانصر هداک الله نصرا ابدا
وادع عباد الله یاتوا مددا	فیهم رسول الله قد تجردا
ان سیم خسفا وجهه تربدا	

(زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۱۷۸)

"اے میرے رب! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ اور ان کے باپ کی پرانی باہمی دوستی اور عہد یاد دلاتا ہوں"۔

"بے شک قریش نے وعدہ خلافی کی اور آپ کا مضبوط عہد توڑ دیا"۔

"ان کا خیال ہے کہ آپ (ہماری مدد کے لیے) کسی کو نہیں بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے ہماری دائمی مضبوط مدد فرمائیں"۔

---

[1] رومیوں کو بنو اصفر کہا گیا کیونکہ ان کے دادا روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا رنگ سفید اور سیاہ تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۱)

"آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیں کہ وہ مدد کے لیے آئیں۔ ان میں اللہ کے رسول بھی ہوں جو جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ (یا غضبناک ہوں)"

"جب ان کی توہین کی جاتی ہے توان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے"۔

ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا:

هم بيتونا بالوتير هجدا وقتلونا ركعا وسجدا
وزعموا ان لست ادعوا احدا وهم اذل واقل عددا

"انہوں نے ہمارا قصد مقام وتیرہ میں کیا جب کہ ہم سوئے ہوئے تھے اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا"۔

"ان کا خیال تھا کہ میں کسی فریادرس کو نہیں بلاؤں گا اور وہ نہایت ذلیل اور تعداد میں بھی کم ہیں"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو بن سالم تمہیں مدد دی گئی۔

تو فتح مکہ کا یہ سبب تھا۔ امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان مذکورہ اشعار میں سے بعض ذکر کیے ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹)

ابو سفیان مدینہ طیبہ میں

ابو سفیان بن حرب مدینہ طیبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ تجدید عہد کریں اور اس کی مدت میں اضافہ کیا جائے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا اور ابو سفیان واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔

حضرت حاطب کا قریش کی طرف خط

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری فرمائی لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہونے دیا۔ ادھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر مکہ مکرمہ بھیجا جس میں اس واقعہ کی خبر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم سے فرمایا روضۂ خاخ (مقام) تک جاؤ وہاں ایک ہودج نشین عورت ہے جس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو۔ وہ فرماتے ہیں، ہم چلے حتی کہ ہم روضۂ خاخ میں پہنچے تو ہم نے وہاں ایک ہودج نشین کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکالو۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: تمہیں خط نکالنا ہو گا ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ فرماتے ہیں: اس نے اپنے بالوں کی مینڈھی سے خط نکالا جسے ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے کچھ لوگوں کی طرف تھا جس میں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی خبر دی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حاطب نے کہا: یارسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے اس اعتبار سے تعلق رکھتا ہوں کہ ان کا حلیف ہوں اور ان میں سے نہیں ہوں۔ جب کہ آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین کے وہاں رشتہ دار ہیں۔ جو ان کے گھر والوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو میں نے چاہا کہ جب مجھے ان سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے اپنے دین سے پھرتے ہوئے اور اسلام کے بعد کفر پر راضی ہوتے ہوئے یہ کام نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: یارسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ نے فرمایا: یہ شخص بدر میں موجود تھا اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر خصوصی توجہ فرمائی اور فرمایا جو عمل تمہارا دل چاہے کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔[1]

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲، کتاب المغازی، کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۷۲۶)

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ (الممتحنہ: ۱)	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔ گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے۔ اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے ہو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ تم انہیں خفیہ پیغام محبت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں، جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم سے جو ایسا کرے، بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کے عذر کی تصدیق بھی فرمادی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دین میں بہت مضبوط اور منافقین سے بہت نفرت کرنے والے تھے۔ اس لیے انہوں نے خیال کیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتا ہے، وہ قتل کا مستحق ہے لیکن انہیں اس بات کا یقین نہ تھا اس لیے آپ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی اور

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے عمل کی اجازت دی بلکہ اصحاب بدر کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے تمام اعمال درست اور اچھے ہی ہوں گے.... ۱۲ ہزاروی۔

حاطب کو منافق کہا کیونکہ اس نے جو کچھ چھپایا تھا اس کے خلاف ظاہر کیا اور حاطب نے اپنا عذر پیش کیا کہ اس نے یہ سمجھ کر ایسا کیا کہ اس میں کوئی نقصان والی بات نہیں۔

طبری نے بھی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے "انی غافر لکم" کے الفاظ نقل کئے تو "غفرت" (ماضی کا صیغہ جو پہلے بخاری شریف میں آیا ہے) سے اغفر (مضارع کا صیغہ) مراد ہے۔ یعنی آنے والے کلام کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کر کے اس کی تحقیق میں مبالغہ کیا (کیونکہ ماضی کا صیغہ اس کے واقع ہو جانے کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کی بخشش اس قدر یقینی ہے کہ گویا ان کو بخش دیا)۔

فتح الباری میں فرمایا کہ جو بات ظاہر ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ خطاب ان کی عزت و شرف کے اظہار کے طور پر ہے۔ اور یہ اس بات کو متضمن ہے کہ ان لوگوں کو ایسی حالت حاصل ہو گئی ہے جس کے ذریعے ان کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور وہ اس بات کے اہل ہو گئے کہ آئندہ وہ جو گناہ بھی کریں، انہیں بخش دیا جائے گا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے بارے میں جو خبر دی، اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی کہ وہ لوگ دنیا سے جدا ہونے تک ہمیشہ اچھے کام کرتے رہے۔ اگر بفرض محال ان میں سے کسی سے اس قسم کا کوئی عمل صادر بھی ہوا تو اس نے توبہ کرنے میں جلدی کی اور اچھا راستہ اپنایا، جو شخص اہل بدر کی سیرتوں پر مطلع ہے، وہ اس بات کو قطعی طور پر جانتا ہے، یہ بات قرطبی نے کہی ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۸۶)

اور بعض اہل مغازی نے ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن سلام کی تفسیر میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جو خط لکھا تھا اس کے الفاظ یوں تھے۔ امابعد! اے قریش کی جماعت بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو سیلاب کی طرح چلتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ تمہارے پاس تنہا بھی آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور ان سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گا۔ پس تم اپنے بارے میں سوچو۔ والسلام ـــــ امام سہیلی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

واقدی نے مرسل سند کے ساتھ روایت کیا کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ کو لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں جہاد کا اعلان کر دیا ہے اور میرا خیال نہیں کہ انہوں نے تمہارے علاوہ کسی اور کا ارادہ کیا ہو اور میں چاہتا ہوں کہ میرا تم پر کوئی احسان رہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱)

مدینہ طیبہ سے کوچ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے اہل عرب کی طرف آدمی بھیجے اور ان کو طلب فرمایا: وہ قبیلہ اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ اشجع اور سلیم کے لوگ تھے تو ان میں سے بعض آپ سے مدینہ طیبہ میں آ ملے اور بعض راستے میں آپ سے جا ملے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۹۹) اور اس غزوہ فتح میں مسلمان دس ہزار تھے۔

الاکلیل اور شرف المصطفیٰ میں بارہ ہزار کی تعداد لکھی ہے۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ سے دس ہزار نکلے، پھر دو ہزار راستے میں مل گئے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳) اس دوران آپ نے مدینہ

طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور یہ بھی کہا گیا کہ ابورہم الغفاری کو مقرر فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۵) واقدی کے مطابق رمضان المبارک سنہ ۸ھ کی دس راتیں گزر چکی تھیں کہ آپ بدھ کے دن عصر کے بعد روانہ ہوئے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۸۰۱)

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ہم فتح کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب کہ رمضان شریف کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ (فتح الباری جلد ۸، ص ۲)

واقدی کا قول قوی نہیں ہے کیونکہ یہ زیادہ صحیح قول کے خلاف ہے۔ اس تاریخ کی تعیین میں کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک سولہ، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اٹھارہ اور ایک دوسرے قول میں بارہ راتوں کے گزرنے کا ذکر ہے۔

اور کتب مغازی میں یہ ہے کہ انیس راتیں گزر چکی تھیں تو یہ مہینے کے آغاز میں اختلاف پر محمول ہے اور ایک دوسری روایت میں انیس یا سترہ راتوں کا بطور شک ذکر کیا گیا۔[1]

جب مقام کدید میں پہنچے اور یہ قدید اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے تو وہاں افطار فرمایا اور مہینے کے اختتام تک روزہ نہ رکھا۔ (کیونکہ آپ حالت جنگ میں ہونے کی وجہ سے مسافر تھے۔ اس لیے نمازوں میں قصر فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرام کی آسانی کے لیے روزہ رکھنا چھوڑ دیا) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ چھوڑ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی)

راستے میں ملاقاتیں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی مسلمان ہو کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کرتے ہوئے (مکہ مکرمہ سے) نکل آئے تھے چنانچہ مقام جحفہ میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔ اس سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے (اور حاجیوں کو) پانی پلانے پر مامور تھے۔

راستے میں ملنے والوں میں ابوسفیان بن حارث بھی تھے جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ میں شرکت کی وجہ سے آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے جعفر بن ابوسفیان بھی تھے۔ ابوسفیان، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت ومحبت رکھتے تھے لیکن جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو وہ

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ کے بارہ اور اٹھارہ راتوں والے دو قولوں کو یوں جمع کیا گیا کہ ایک میں گزرنے والی اور دوسرے میں باقی رہ جانے والی راتوں کا ذکر ہے نیز یہ بعد والا اختلاف دخول مکہ کے سلسلے میں ہے۔ مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بارے میں صرف دو قول ہے دس راتیں یا دو راتیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۹)

آپ کے دشمن بن گئے اور آپ کی برائی کرنے لگے۔ ان دونوں باپ بیٹے کی حضور علیہ السلام سے ملاقات مقام ابواء میں ہوئی اور آپ کے دخول مکہ سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اور عبداللہ بن امیہ جو حضور علیہ السلام کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ سقیا اور عرج کے درمیان آپ سے ملے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا: کیونکہ آپ ان سے بہت زیادہ اذیت اور برائی اٹھا چکے تھے لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کے چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی لوگوں کی نسبت زیادہ بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں اور (ابن عبدالبر) ابو عمر اور ذخائر العقبیٰ کے مصنف (محب طبری) کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان سے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف سے آؤ اور وہی بات کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہی تھی: یعنی

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۔ (یوسف: ۹۱) — اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور بے شک ہم خطاکار تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہوتے تھے کہ آپ سب سے اچھی بات فرمانے والے ہوں۔ (آپ سب سے اچھی بات کرنا پسند فرماتے ہیں) چنانچہ ابو سفیان نے یہی طریقہ اختیار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (یوسف: ۹۲) — آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

اور کہا گیا کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا کرتے ہوئے کبھی آپ کے سامنے سر نہ اٹھایا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

علماء کرام فرماتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے جب مقام قدید میں پہنچے تو چھوٹے بڑے جھنڈے مقرر فرمائے اور مختلف قبائل کے حوالے کیے۔ پھر عشاء کے وقت مرالظہران میں اترے اور صحابہ کرام کو حکم دیا تو انہوں نے دس ہزار جگہ آگ جلائی۔

قریش کو آپ کے آنے کا علم نہیں ہوا تھا اور وہ غمگین تھے کیونکہ ان کو خوف تھا کہ اب آپ صرف انہی سے جہاد فرمائیں گے چنانچہ انہوں نے ابو سفیان بن حرب کو بھیجا اور کہا کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرو تو ان سے ہمارے لیے امان حاصل کرو چنانچہ ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا نکلے حتیٰ کہ مرالظہران میں پہنچے تو لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے آگ دیکھی گویا کہ وہ عرفات کی آگ ہے (جو حج کے موقع پر جلائی جاتی

ہے) ابوسفیان نے کہا یہ کیا ہے؟ گویا یہ عرفات کی آگ ہے۔ بدیل بن ورقاء نے کہا: بنو عمرو کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: بنو عمرو کی آگ اس سے کم ہوتی ہے، اچانک ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ محافظوں نے دیکھ لیا تو ان کو پکڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔

جب وہاں سے چلے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوسفیان کو خطم الجبل (پہاڑ کی چوٹی) کے پاس روک دو تاکہ وہ مسلمانوں کو دیکھیں، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو روک لیا۔ اب قبائل حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ایک دستے کے طور پر ابوسفیان کے پاس سے گزرتے رہے۔ ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے کہا: اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ قبیلہ غفار ہے۔ ابوسفیان نے کہا: مجھے غفار سے کیا واسطہ۔ پھر جہینہ قبیلہ گزرا تو یہی سوال کیا حتیٰ کہ ایک ایسا لشکر آیا جس کی مثل نہیں دیکھا گیا۔

ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ انصار ہیں جن پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مقرر ہیں اور ان کے پاس جھنڈا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان! آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ آج حرم کعبہ میں خون حلال کر دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا اے عباس! ہلاکت کا دن کیا اچھا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی)

خطابی نے کہا کہ ابوسفیان نے تمنا کی کہ ان کو طاقت ہوتی تو وہ اپنی قوم کی حفاظت اور ان کا دفاع کرتے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ دن حرم اور اہل حرم کے لیے غضب (ہلاکت) اور ان کی مدد کا دن ہے یعنی جو اس پر قادر ہے، یہ بھی کہا گیا کہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دن آپ پر میری حفاظت اور حمایت لازم ہے تاکہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈے کی واپسی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بعض اہل علم نے گمان کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج لڑائی کا دن ہے۔ آج حرمت، حلت میں بدل جائے گی۔ مہاجرین میں سے ایک شخص نے سنا تو کہا: یارسول اللہ! ہم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریش پر حملہ سے بے خوف نہیں ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان سے جھنڈا لے لیں اور آپ اس جھنڈے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔

اموی نے مغازی میں روایت کیا کہ ابوسفیان کا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے کہا: آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: "نہیں" ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات بتائی، پھر آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کی قسم دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان! آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت بخشے گا اور آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کو بھیج کر ان سے جھنڈا واپس لے کر ان کے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کو دیا۔

ابن عساکر نے ابوالزبیر کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو قریش کی ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور یوں کہا:

یا نبی الهدی الیک لجا حی قریش ولات حین لجائی
حین ضاقت علیهم سعة الار ض وعاداهم اله السماء
ان سعدا یرید قاصمة الظه رباهل الحجون والبطحاء

"اے نبی ہدایت! قبیلہ قریش نے اس وقت آپ سے پناہ حاصل کی۔ جب پناہ کا وقت نہیں"۔

"جب ان پر زمین کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی اور آسمان کا خدا بھی ان کا دوست نہیں (اس نے دشمنی کی)"۔

"بے شک حضرت سعد نے اہل حجون اور بطحا والوں کی کمر توڑنے کا ارادہ کیا ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو آپ کے دل میں قریش کے لیے رحمت و رافت پیدا ہوئی تو آپ کے حکم سے سعد سے جھنڈا لے کر آپ کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷)

ابو یعلیٰ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا دیا، تو وہ مکہ مکرمہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں حضرت زہری سے قطعیت کے ساتھ نقل کیا کہ آپ نے یہ جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر جھنڈا کس کو عطا فرمایا؟ اس سلسلے میں یہ تین قول ہیں اور ان اقوال کو جمع کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا کہ آپ ان سے جھنڈا لے لیں اور خود اسے لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، پھر آپ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کبیدہ خاطر ہونے کا اندیشہ ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر محسوس ہوا کہ ان کے صاحبزادے سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قیس سے جھنڈا لے لیں، تو اس وقت یہ جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷)

دخول مکہ کے بارے میں حدیث کا تتمہ

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر ایک لشکر آیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: آپ کو معلوم ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے؟

فرمایا کیا کہا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ انہوں نے فلاں فلاں بات کہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد نے غلط کہا ہے بلکہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کی عظمت ظاہر کرے گا اور اس میں کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا۔ راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کا جھنڈا حجون میں گاڑا جائے[1]۔

راوی فرماتے ہیں حضرت عروہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت نافع بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اے ابو عبداللہ! کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہاں جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ (صحیح بخاری میں لفظ "نعم یعنی ہاں نہیں ہے")۔

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کی بالائی جانب یعنی کدا سے داخل ہوں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کُدیٰ سے داخل ہوئے۔ پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے اس دن دو آدمی جیش بن اشعر اور کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہما شہید کیے گئے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳ کتاب المغازی)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات (حضرت عروہ کی مرسل روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جو صحیح بخاری کے حوالے سے آگے آرہی ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی زیریں جانب سے داخل ہوئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی جانب سے داخل ہوئے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کی بالائی جانب سے تشریف لائے۔ آپ اپنی سواری پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ فتح مکہ کے سال کداء سے داخل ہوئے جو مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

ابن عقبہ کے نزدیک مکہ میں داخلہ

موسیٰ بن عقبہ نے اس کا سیاق واضح کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے سواروں پر مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے کداء سے داخل ہوں اور ان کو یہ حکم بھی دیا کہ اپنا جھنڈا حجون میں گاڑیں اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائیں، وہ وہاں سے نہ ہٹیں۔

اور حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں قضاعہ، سلیم اور دوسرے قبائل کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ

---

[1] اب اس مقام پر مسجد رایہ ہے۔ حرم شریف سے پھتہ بازار کی طرف سے نکلتے ہوئے جنت المعلیٰ کی طرف جائیں تو راستے میں مسجد رایہ آتی ہے۔ یہ نام اسی مناسبت سے ہے۔ ...۱۲ ہزاروی

کی زیریں جانب سے داخل ہوں اور اپنا جھنڈا گھروں کے قریب گاڑیں۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے لشکر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بھیجا گیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکیں اور صرف ان لوگوں سے لڑیں جو ان سے لڑیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸) حضرت خالد بن ولید روانہ ہوئے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی نچلی جانب سے داخل ہوئے اور اس جگہ بنو بکر، بنو الحارث بن عبد مناف، ہذیل سے کچھ لوگ اور احابیش کے چند افراد تھے جن سے قریش نے مدد طلب کی تھی۔

انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی تو آپ بھی ان سے لڑے، چنانچہ وہ لوگ بھاگ گئے۔ بنو بکر سے بیس کے قریب اور ہذیل قبیلے سے تین یا چار افراد قتل ہوئے حتیٰ کہ ان کا قتل حزورہ تک مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا اور وہ لوگ گھروں میں داخل ہوگئے۔ (حزورہ اب مسجد حرام میں شامل ہے) اور کچھ لوگ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔

(اس دوران) ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے گا اور اپنا ہاتھ روک لے گا اسے امن حاصل ہوگا۔

ابن عقبہ راوی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان حاصل ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کیوں لڑے جبکہ میں نے تمہیں لڑنے سے منع کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ کفار نے لڑائی کا آغاز کیا تھا اور مجھ سے جس قدر ممکن ہوا، میں نے اپنا ہاتھ روکا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بہتر ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۹)

دخول مکہ اور ابن اسحاق کی روایت

ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں اترے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں اہل مکہ کے لیے نرمی پیدا ہوئی۔ وہ رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کسی شخص کو دیکھیں جو مکہ مکرمہ والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دے اور وہ آپ سے امان حاصل کریں، چنانچہ انہوں نے سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی تو ابوسفیان کو اپنے پیچھے بٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور وہ مسلمان ہوگئے۔ باقی دونوں اہل مکہ کو خبر دینے واپس چلے گئے۔

دونوں قسم کے اقوال کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حفاظتی دستے نے ابوسفیان کو پکڑا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچالیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (خیمے میں) داخل ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول

اللہ! میں نے اس کو پناہ دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ انہیں اپنی منزل (خیمے وغیرہ) میں لے جائیں، جب صبح ہو تو انہیں میرے پاس لانا۔ وہ ان کو لے کر چلے گئے، صبح ہوئی تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر بردبار، معزز اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، میں گمان کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو وہ میرے کچھ کام نہ آسکتا۔[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اے ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کس قدر بردبار، کریم اور صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے (رسالت کو ماننے کا) تو میرے دل میں اس سلسلے میں کچھ شبہ ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (یہ بات سنی تو) فرمایا: تمہارا بھلا ہو اسلام قبول کرو اور اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (یہ گواہی دو) اس سے پہلے کہ تمہاری گردن ماری جائے، چنانچہ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا اور حق بات کی شہادت دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیان ایک ایسے شخص ہیں جو فخر کرنے کو پسند کرتے ہیں، انہیں کوئی اعزاز بخشیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں اور پھر حکم دیا تو آپ کے منادی نے اعلان کیا کہ جو شخص مسجد (الحرام) میں داخل ہوگا اسے امن حاصل ہوگا اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن ملے گا اور جو آدمی گھر میں رہتے ہوئے اپنا دروازہ بند کر دے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ (ان کا ذکر آگے آرہا ہے)

ان لوگوں کے لیے امان نہیں

جن لوگوں کو امان نہ ملی، مغلطائی کے مطابق وہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور ابن خطل جسے ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور ابن خطل کی دو گانے والیاں تھیں، ایک کا نام فرتنی اور دوسری کا قریبہ تھا۔ ان میں سے ایک نے اسلام قبول کیا اور دوسری قتل کر دی گئی۔

ابن اسحاق کے غیر نے لکھا ہے کہ فرتنی نے اسلام قبول کیا تھا اور قریبہ کو قتل کیا گیا۔

نیز بنو مطلب کی لونڈی سارہ جو اسلام لے آئیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ عمرو بن صیفی بن ہشام کی لونڈی تھی۔ ان لوگوں میں ارنب نامی عورت بھی تھی (فتح الباری میں ہے کہ یہ بھی ابن خطل کی لونڈی تھی اور اسے

---

[1] حضرت ابوسفیان کا مطلب یہ تھا کہ جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ ہوا تو انہوں نے اپنے معبودوں سے مدد مانگی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مدد طلب کی۔ لیکن آپ کی مدد کی گئی لیکن ابوسفیان کی مدد نہ ہوئی۔ جس سے واضح ہوا کہ وہ (معبودان باطلہ کچھ نہیں کر سکتے)۔ ...۱۲ ہزاروی۔

قتل کر دیا گیا)۔

قریبہ قتل ہوئی، عکرمہ بن ابی جہل مسلمان ہو گئے۔ حویرث بن نقید جسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

مقیس بن صبابہ کو امان نہ ملی اسے نمیلہ لیثی نے قتل کیا۔

ھبار بن اسود نے اسلام قبول کیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کا ارادہ کیا تو وہ سامنے آگیا اور اونٹ وحشت زدہ ہو کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے دوڑا اور آپ پتھر پر گر گئیں، جس سے آپ کا حمل ضائع ہو گیا۔

کعب بن زہیر، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہند بنت عتبہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

وحشی بن حرب نے بھی اسلام قبول کر لیا[1] مغلطائی کا قول مکمل ہوا۔

ابن خطل، خاء اور طاء دونوں پر فتح (زبر) ہے، ابن نقید نون پر پیش اور قاف پر زبر ہے (اسم تصغیر ہے) مقیس، میم کے نیچے زیر ہے۔ قاف ساکن اور یاء پر زبر ہے۔

واقدی نے اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہوئے، ان لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں جو فتح مکہ کے دن اسلام نہیں لائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کے قتل کا حکم دیا۔ ان میں چھ مرد اور چار عورتیں شامل ہیں۔

مکہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے

امام احمد، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ایک لشکر پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر بھیجا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس دستے پر مقرر فرمایا جو اسلحہ کے بغیر تھا (اسے حسر کہا جاتا ہے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! آواز دے کر انصار کو میرے پاس بلاؤ، چنانچہ میں نے انہیں آواز دی۔ وہ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم قریش کے اوباش لوگوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہو، پھر آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کو اچھی طرح کاٹ کر رکھ دینا حتیٰ کہ تم میرے پاس صفا پر آجاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم چلے تو ہم جس کو بھی قتل کرنا چاہتے، اسے قتل کر دیتے۔ ابو سفیان نے کہا: یا رسول اللہ! کیا قریش کا خون مباح کر دیا گیا تو (اس طرح) آج کے بعد قریش نہ رہیں گے۔ آپ

[1] ہند وہ خاتون ہیں جنہوں نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا یہ ابو سفیان کی زوجہ تھیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو معاف کیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ۱۲ ہزاروی۔ وحشی بن حرب نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میرے سامنے کبھی نہ آنا۔ ۱۲ ہزاروی۔

نے فرمایا: جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے گا اسے امن ملے گا۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۸، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴)

فتح الباری میں فرمایا کہ اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ جنگ سے فتح ہوا اور یہی اکثر کا قول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہی ہے کہ یہ فتح، صلح کے طریقے پر ہوئی کہ ان کو امن دیا گیا اور ان کے گھر انہی کو دیئے گئے اور تقسیم نہ ہوئے۔ غنیمت والے ان کے گھروں کے مالک نہ بنے ورنہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز ہوتا۔

پہلے قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ صراحتاً لڑائی کا حکم اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ کا وقوع اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آپ کے لیے ایک ساعت کے لیے مکہ مکرمہ میں لڑنا جائز ہوا اور آپ نے کسی دوسرے کو اجازت نہیں دی۔ (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ بروز شمشیر فتح ہوا۔)

(فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰)

مکانات وغیرہ کی تقسیم نہ ہونے کے بارے میں انہوں نے یوں جواب دیا کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ مکہ مکرمہ غلبہ کے طور پر فتح نہیں ہوا۔ کئی شہر غلبہ کے ساتھ فتح ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں پر احسان کرتے ہوئے ان کے گھر ان کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے احادیث مشہورہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے مرالظہران میں ہی ان سے صلح کرلی تھی تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ جس بات کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے، اگر اس سے وہ بات مراد ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہوگا وہ امن میں ہوگا اور جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اسے بھی امن حاصل ہوگا جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے تو اس بات کو صلح نہیں کہا جاسکتا، مگر اس وقت کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ لڑائی سے رکے تو اس نے اس (رکنے) کا التزام کیا ہو۔

اور جو کچھ صحیح احادیث میں آیا، وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ قریش نے اس کا التزام نہیں کیا کیونکہ وہ لڑائی کے لیے تیار ہوئے۔

اور اگر صلح سے مراد یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا تو یہ بات (احادیث میں) منقول نہیں ہے اور میرے خیال میں پہلی بات کا ہی احتمال ہے اور اس پر جو اعتراض ہوتا ہے، وہ میں نے ذکر کردیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰)

روایت ابن اسحاق کا تتمہ

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بڑے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ اپنی

اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں بائیں تھے۔ ابوسفیان نے وہ لشکر دیکھا جس کے مقابلے کی انہیں طاقت نہ تھی، چنانچہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوالفضل! آپ کے بھتیجے کی بادشاہت ایک عظیم بادشاہت بن چکی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہ بادشاہت نہیں، بلکہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کے ذریعے آپ کو کس قدر عزت عطا فرمائی تو آپ نے تواضع کے طور پر اپنا سر سجدے میں رکھ دیا، حتیٰ کہ قریب تھا کہ آپ کا سر انور آپ کے کجاوے کو جا لگتا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کی عظمت کے سامنے جھکتے ہوئے ایسا کیا کہ اس نے آپ کے لیے اپنے شہر کو حلال کر دیا کہ آپ سے پہلے اور بعد میں کسی کے لیے حلال نہیں ہوا۔

کعبۃ اللہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے کا قتل

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اس طرح داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھی۔

لفظ مغفر میں میم کے نیچے زیر ہے عین ساکن اور خاء پر زبر ہے۔ یہ ایک ٹوپی ہوتی ہے سر کے مطابق زرہ سے بنی جاتی ہے۔

محکم میں ہے کہ زرہ کا بچا ہوا لوہا ٹوپی کی طرح سر پر رکھا جاتا ہے۔ وہ مغفر (خود) ہے۔ جب آپ نے خود کو اتارا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴، کتاب المغازی)

امام دار قطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چار آدمیوں کو حرم اور غیر حرم میں کہیں بھی امن نہیں دوں گا۔ حویرث، ہلال بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن ابی سرح ——— چنانچہ ہلال بن خطل کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

امام بزار، امام حاکم نے اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے دلائل النبوۃ میں اس کی مثل روایت کیا لیکن انہوں نے فرمایا کہ چار مرد اور دو عورتیں تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو قتل کر دو، اگرچہ ان کو کعبۃ اللہ کے پردے پکڑے ہوئے پاؤ۔

راوی نے اسے ذکر کیا لیکن ہلال بن خطل کی بجائے عبد اللہ بن خطل کہا ہے اور حویرث کی بجائے عکرمہ کا

---

[1] ابن خطل ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی اور مسلمانوں کو سخت اذیت دی۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس کو امن نہیں دیا۔ وہ مسلمانوں کے خوف سے کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۳۱) تفصیل آگے آرہی ہے۔ یہ گستاخ بھی تھا۔ ۱۲ ہزاروی

نام ذکر کیا اور ان دو عورتوں کا نام نہیں بتایا اور یہ بھی کہا کہ عبداللہ بن خطل اس حالت میں پایا گیا کہ اس نے کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ رکھا تھا پس حضرت سعید بن حریث اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف دوڑ لگائی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ حضرت عمار سے پہلے پہنچ گئے اور وہ ان سے جوان (کم عمر) تھے، چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۴۴)

ابن ابی شیبہ نے ابو عثمان نہدی کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے ابن خطل کو قتل کیا جب کہ اس نے کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ رکھا تھا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اگرچہ یہ مرسل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے اور ابن خطل کے قاتل کے سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور بلاذری وغیرہ مورخین نے اس کو قطعی قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۴۴) اور باقی روایات کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ حضرات اس کے قتل کی طرف بڑھے لیکن حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے حضرات ان کے ساتھ شریک ہوئے ہوں۔ ابن ہشام نے سیرت کی کتاب (سیرت ابن ہشام) میں کہا ہے کہ حضرت سعید بن حریث اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما دونوں اس کو قتل کرنے میں شریک ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کے قتل کا حکم اس لیے دیا کہ (پہلے) وہ مسلمان تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوۃ کی وصولی کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ انصار کا ایک شخص بھی بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک غلام تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا اور وہ بھی مسلمان تھا۔ وہ ایک جگہ اترا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو کھانا تیار نہیں ہوا تھا چنانچہ اس نے غلام پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا، پھر وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی دو لونڈیاں بھی تھیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۵۲)

اس کے نام میں جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے تو ان مختلف اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور جس نے ہلال کہا تو اسے اس کے بھائی ہلال کی وجہ سے شبہ پڑ گیا۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۵۲)

ابن ابی سرح کی نجات

سنن ابی داؤد میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے چار آدمیوں کے باقی سب کو امان دے دی۔ انہوں نے ان کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ جہاں تک ابن ابی سرح کا تعلق ہے تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس لا کھڑا کیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! عبداللہ سے بیعت لیں۔ آپ نے سرانور اٹھا کر تین مرتبہ اسے دیکھا اور ہر بار انکار فرمایا۔ اس کے بعد بیعت فرما لیا' پھر آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار نہیں تھا جو اس کی طرف اٹھتا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے اس سے بیعت لینے سے انکار کیا تو وہ اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں' آپ نے ہمیں اشارہ کیوں نہ کیا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنکھ کی خیانت کرے۔ (یعنی آنکھ سے اشارہ کرے) (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۹)

کیا دخول مکہ کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے؟

امام مالک نے کہا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن حالت احرام میں نہ تھے۔ ہمارا خیال یہی ہے۔

امام مالک کا یہ قول عبدالرحمٰن بن مہدی نے قطعی طور پر روایت کیا ہے۔ اسے دار قطنی نے الغراب میں ذکر کیا۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام کے بغیر تھے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۲۳۶)

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت طاؤس سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن کے علاوہ کبھی بھی مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل نہیں ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۳)

علماء کرام کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے پر احرام واجب ہے یا نہیں؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مطلقاً واجب نہیں ہے اور ایک قول میں وہ واجب قرار دیتے ہیں اور جو شخص بار بار داخل ہوتا ہے' اس کے بارے میں اختلاف ہے لیکن عدم وجوب اولیٰ ہے۔

باقی تین ائمہ (امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) سے مشہور ہے کہ احرام واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک سے عدم وجوب کی روایت بھی منقول ہے۔ حنبلی فقہ والوں نے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا' جن کو ضرورت کے تحت بار بار مکہ مکرمہ میں داخل ہونا پڑتا ہے اور احناف نے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا جو میقات کے اندر رہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۰)

حاکم نے الاکلیل میں قطعی طور پر کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں سیاہ عمامہ کا ذکر ہے' دونوں میں تعارض ہے۔

لیکن علماء کرام نے حاکم کی اس بات کا یوں جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے' شروع میں جب داخل ہوئے تو آپ

کے سر پر مغفر (خود) ہو پھر اسے اتار کر آپ نے عمامہ باندھ لیا ہو۔ لہٰذا جس نے جو کچھ دیکھا وہی بیان کیا۔
اس بات کی تائید یوں ہوتی ہے کہ حضرت عمرو بن حریث کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ اسے امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے اور خطبہ کعبہ شریف کے دروازے کے پاس اس وقت ارشاد فرمایا جب داخلہ مکمل ہوگیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مختلف اقوال کو اسی طرح جمع کیا۔
قاضی عیاض رحمہ اللہ کے علاوہ حضرات نے فرمایا کہ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ عمامہ مبارک جو سیاہ رنگ کا تھا وہ مغفر کے اوپر لپٹا ہوا تھا یا مغفر کے نیچے تھا تاکہ لوہے کے زنگ سے سر کو محفوظ رکھا جاسکے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مغفر کا ذکر کرکے اس بات کا ارادہ کیا کہ آپ لڑائی کے لیے تیاری کے ساتھ داخل ہوئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عمامہ کا ذکر کرکے یہ بتانا چاہا کہ آپ احرام کے بغیر داخل ہوئے۔
(فتح الباری جلد ۴ ص ۵۳)

مکہ مکرمہ میں آپ کی منزل

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح کے وقت پوچھا: یارسول اللہ! کل آپ کہاں ٹھہریں گے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے اترنے کے لیے کوئی جگہ چھوڑی ہے؟ اور ایک روایت میں ہے، (فرمایا:) کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان یا گھر چھوڑا ہے؟
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴، کتاب المغازی)

عقیل اور طالب، ابوطالب کے وارث ہوئے اور حضرت جعفر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ابوطالب کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے جبکہ عقیل اور طالب کافر تھے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی کافر کسی مومن کا اور کوئی مومن کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴، کتاب المغازی)
صحیح بخاری کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطا فرمائے گا تو ان شاء اللہ ہمارے اترنے کی جگہ خیف ہے۔ اس جگہ کفار نے کفر پر باہم قسمیں کھائی تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴) اور یہ وادی محصب ہے۔ یعنی قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف متحد ہو کر باہم قسمیں کھائیں کہ نہ تو ان سے نکاح کریں گے اور نہ خرید و فروخت یہاں تک کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کردیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳)
صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر غسل فرمایا پھر چاشت کی آٹھ رکعات پڑھیں۔ وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مختصر نماز پڑھتے (کبھی) نہیں دیکھا۔ البتہ آپ رکوع اور سجدہ مکمل کرتے تھے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵، کتاب المغازی جلد اول ص ۱۳۹، کتاب تقصیر الصلوٰۃ)

جس کو تو نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی

حضرت ام ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔ وہ دونوں مرد حارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ بن مغیرہ تھے جیسا کہ ابن ہشام نے کہا ہے، حالانکہ حضرت ام ہانی کے بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ام ہانی نے ان پر دروازہ بند کرلیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی گئیں۔

جاؤ تم آزاد ہو

جب فتح مکہ کا دوسرا دن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ لوگوں کو خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور بزرگی جو اس کے شایان شان ہے، بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

ایھا الناس، ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق السموت والارض، فھی حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیامۃ، فلا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الاخر ان یسفک بھا دما او یعضد بھا شجرۃ، فان احد ترخص فیھا لقتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا: ان اللہ اذن لرسولہ ولم یاذن لکم، وانما احلت لی ساعۃ من نھار، وقد عادت حرمتھا الیوم کحرمتھا بالامس، فلیبلغ الشاھد الغائب۔

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اس دن سے مکہ مکرمہ کو حرمت عطا فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حرمت کے ساتھ قیامت تک محترم ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا اس کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لڑائی سے استدلال کرے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی ہے تمہیں اجازت نہیں دی اور میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت اس کو حلال کیا گیا اور اب اس کی حرمت آج بھی کل گزشتہ کی طرح ہے۔ پس ہر موجود کو چاہیے کہ غائب تک پہنچا دے۔

پھر فرمایا: اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے۔ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: اچھا سلوک کریں گے کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۵) یعنی ان لوگوں کو آزادی دی گئی۔ نہ انہیں غلام بنایا گیا اور نہ ہی قیدی بنائے گئے، جب کسی قیدی کو چھوڑا جائے تو اسے طلیق کہتے ہیں اور جس ساعت میں آپ کے لیے وہاں لڑائی جائز قرار دی گئی، وہ دن کے آغاز سے وقت عصر کے داخل ہونے تک ہے۔ فتح الباری میں اسی طرح ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۵)

فتح مکہ کے بارے میں اشعار

علامہ ابو محمد شقراطسی نے اپنے مشہور قصیدہ میں بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں جو درج ذیل ہیں:

ویوم مکة اذا اشرفت فی امم — تضیق عنها فجاج الوعث والسهل
خوافق ضاق ذرع الخافقین بها — فی قاتم من عجاج الخیل والابل
وجحفل قذف الارجاء ذی لجب — عرمرم کزهاء اللیل .منسحل
وانت صلی علیك الله تقدمهم — فی بهو اشراق نور منك مکتمل
ینیر فوق اغر الوجه منتجب — متوج بعزیز النصر مقتبل
بسمو امام جنود الله مرتدیا — ثوب الوقار لامر الله تمثل
خشعت تحت بهاء العزحین سمت — بك المهابة فعل الخاضع الوجل
وقد تباشر املاك السماء بما — ملکت اذ نلت منه غایة الامل
والارض ترجف من زهو ومن فرق — والجو یزهر اشراقا من الجدل
والخیل تختال زهوا فی اعنتها — والعیس تنثال رهوافی ثنی الجدل
لولا الذی خطت الاقلام من قدر — وسابق من قضاء غیر ذی حول
اهل ثهلان بالتهلیل من طرب — وذاب یذبل تهلیلا من الذبل
الملك لله هذا عز من عقدت — له النبوه فوق العرش فی الازل
شعبت صدع قریش بعدما قذفت — بهم شعوب شعاب السهل والقلل
قالوا محمد قد زادت کتائبه — کالا سد تزار فی انیا بها العصل
فویل مکه من آثار وطاته — وویل ام قریش من جوی الهبل
فجدت عفوابفضل العفو منك ولم — تلم ولا بالیم اللوم والعذل
اضربت بالصفح صفحا عن غوائلهم — طولا اطال مقیل النوم فی المقل
رحمت واشج ارحام اتیح لها — تحت الوشیج تشیج الروع والوجل
عاذوا بظل کریم العفو ذی لطف — مبارك الوجه بالتوفیق مشتمل
ازکی الخلیقة اخلاقا واطهرها — واکرم الناس صفحا عن ذوی الزلل
وطفت بالبیت محبورا وطاف به — من کان عنه قبیل الفتح فی شغل

(۱) "یوم مکہ (فتح کا دن) کتنا عظیم دن تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گروہوں میں تشریف لائے جن کی وجہ سے دشوار گزار راستے اور آسانی سے گزرنے والے راستے بھی تنگ ہو چکے تھے"۔

(۲) "اس قدر حرکت کرنے والے کہ مشرق و مغرب کی وسعت تنگ ہو چکی تھی اور گھوڑوں اور اونٹوں کے غبار نے بھی مشرق و مغرب کو گھیر رکھا تھا"۔

(۳) "وہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس کے کنارے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور اس میں اس قدر آواز تھی کہ رات کی طرح (تمام افق کو گھیر رکھا تھا) اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ گزر جاتے، کہیں نہ رکے"۔

(۴) "اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے آگے تھے۔ (یعنی آپ کا حکم مقدم تھا) اور آپ اپنے نور کے اشراق کے ایوان میں کامل تھے"۔

(۵) "وہ نور آپ کے روشن اور شفاف چہرے پر چمکتا تھا، آپ کریم الاصل ہیں اور اس نصرت کا تاج آپ نے پہن رکھا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ خیر کا استقبال کرنے والے تھے"۔

(۶) "آپ اللہ تعالیٰ کے لشکر کے آگے سب سے بلند تھے آپ نے وقار کی چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور حکم خداوندی کی تعمیل فرماتے تھے"۔

(۷) "آپ نے حسن عزت کے تحت اس وقت خشوع اور عاجزی کا مظاہرہ فرمایا جب آپ کی ہیبت بلندی پر تھی تو یہ خوف خدا رکھنے والے شخص کا خشوع تھا"۔

(۸) "آسمانی فرشتوں نے ایک دوسرے کو اس بات کی بشارت دی جس کے آپ مالک ہوئے کہ آپ نے نہایت مطلوب کو پایا"۔

(۹) "خوشی اور (لشکر کی ہیبت سے) خوف کی وجہ سے قریب تھا کہ زمین میں زلزلہ بپا ہوتا اور فضا خوشی کی وجہ سے روشن ہو گئی"۔

(۱۰) "گھوڑے خوشی کے باعث اپنی لگاموں سے اکڑ رہے تھے اور اونٹوں کی مہاریں ان کی گردنوں میں تھیں۔ (سکون سے چل رہے تھے۔)"

(۱۱) "اگر وہ بات نہ ہوتی جسے تقدیر کے قلموں نے لکھ دیا ہے اور اس سلسلے میں حکم الٰہی ہو چکا ہے کہ یہ تبدیل نہیں ہوگا"۔

(۱۲) "تو شہلاں پہاڑ طرب اور خوشی سے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھتا اور ہذیل پہاڑ خوف کی وجہ سے پگھل جاتا"۔

(۱۳) "بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ عزت اس کے لیے ہے جس کے لیے عرش کے اوپر ازل میں ہی نبوت ظاہر کی گئی"۔

(۱۴) "قریش جمع ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے موت کے خوف نے ان کو نرم زمین اور پہاڑوں کے راستوں اور گھاٹیوں میں پھینک دیا اور منتشر کر دیا تھا"۔

(۱۵) "اہل مکہ نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کثیر ہو گئے اور وہ شیر کی طرح ہیں جو آواز دیتے ہیں اور ان کے دانت نہایت ٹیڑھے ہوتے ہیں"۔

(۱۶) "مکہ کی خرابی آپکے روندنے سے ہے اور ام قریش کی خرابی اپنے فرزند کو گم کرنے سے ہے"۔

(۱۷) "آپ نے اپنے فراواں عفو سے ان کو معاف کر دیا اور آپ نے ان کا مقابلہ بھی نہیں کیا اور دکھ دینے والی ملامت سے ان کا تدارک بھی نہیں فرمایا"۔

(۱۸) "آپ نے ان کی دشمنی سے منہ پھیر لیا اور ان سے درگزر فرمایا کہ ان کی آنکھوں میں استراحت کو دراز کر دیا (کہ وہ آرام سے سوئے)"۔

(۱۹) "آپ نے ان رشتہ داروں پر رحم فرمایا جن کے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ وہ نیزوں کے نیچے دھاڑیں مار کر روئیں"۔

(۲۰) "انہوں نے اس کریم العفو کے سائے میں پناہ لی جو مہربان ہے، مبارک ذات ہے اور ہر طرف سے توفیق عطا کیا گیا ہے"۔

(۲۱) "آپ اخلاق کے اعتبار سے پاک طینت اور نہایت پاکیزہ ہیں اور خطاکار سے درگزر کرنے میں سب سے زیادہ کریم ہیں"۔

(۲۲) "آپ نے مسرت کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کیا اور ان لوگوں نے بھی طواف کیا جو فتح سے پہلے اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے"۔

میری زندگی تو تمہاری زندگی ہے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ عطا فرمائی تو انصار نے ایک دوسرے سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شہر اور زمین کی فتح عطا فرمائی تو وہاں ہی قیام فرمائیں گے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے، جب دعا سے فراغت ہوئی تو فرمایا: تم نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ کچھ بھی نہیں، آپ مسلسل پوچھتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بات بتائی تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! میری زندگی تمہاری زندگی اور میری وفات تمہاری وفات ہے۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۳)

فضالہ کے دل کی دنیا بدل گئی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپ کے قریب گیا تو آپ نے فرمایا: فضالہ ہو؟ اس نے کہا جی یا رسول اللہ! فرمایا: تمہارے دل میں کیا بات تھی؟ اس نے کہا: کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ اس کے بعد اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا اور فضالہ کہا کرتے تھے، اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا (کہ میری حالت یوں ہو گئی) کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آپ سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں بنایا۔

بتوں کو گرانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جب رمضان شریف کے دس دن باقی تھے، بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور بیت اللہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ جس وقت کسی بت کے پاس سے گزرتے تو لاٹھی سے اس کی طرف اشارہ فرماتے اور ارشاد فرماتے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (القرآن) حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے کے لیے ہے۔

تو بت چہرے کے بل گر پڑتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۷۲)

ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ شیطانوں نے ان بتوں کو تانبے اور سیسے سے جما دیا تھا۔

علامہ ابن النقیب المقدسی (محمد بن سلیمان بن حسن بلخی الامام المفسر رحمہ اللہ جو ۶۹۸ھ میں القدس میں فوت ہوئے) کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ اس نے آپ سے دشمن کے خلاف مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے، مکہ مکرمہ کو فتح کر دیا اور آپ کے دین کا کلمہ بلند کر دیا تو آپ کو حکم دیا کہ "قل جاء الحق وزهق الباطل" کہتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان بتوں کو جو کعبہ شریف کے گرد تھے۔ اپنا ڈنڈا چبھوتے جس کا سرا ٹیڑھا تھا اور فرماتے "جاء الحق وزهق الباطل" تو بت گر پڑتا حالانکہ ان کو سیسے اور لوہے کے ساتھ پکا کیا گیا تھا اور یہ بت سال کے دنوں کی تعداد کے مطابق تین سو ساٹھ تھے۔

حضرت علامہ ابن نقیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق اور باطل کے سلسلے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ قرآن مجید آیا اور شیطان چلا گیا۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاد آیا اور شرک چلا گیا۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت کا وقت آیا اور شیطان کی پوجا کا وقت چلا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے گئے جو مختلف قبائل عرب کے تھے۔ وہ ان کے لیے حج کرتے اور ان کے لیے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ بیت اللہ شریف نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب! کب تک میرے گرد ان بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی اور تیری عبادت نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف الہام فرمایا کہ میں ایک نئے گروہ کو پیدا کروں گا جو نسر پرندے (یعنی باز) کی طرح جلدی کریں گے اور جس طرح پرندے اپنے انڈوں کا اشتیاق رکھتے ہیں، وہ تمہارا شوق رکھیں گے۔ تیرے گرد تلبیہ کے ساتھ آوازیں بلند ہوں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آیت فتح نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ اپنا عصا مبارک لیجئے، پھر ان بتوں کو گرائیں، چنانچہ آپ ایک ایک بت کے پاس تشریف لاتے اور اپنا عصا مبارک اس کی آنکھ یا پیٹ میں چبھوتے اور فرماتے "حق آگیا اور

باطل مٹ گیا"۔ چنانچہ بت اوندھے منہ گر جاتا، حتیٰ کہ آپ نے ان سب کو گرا دیا، اور خزاعہ قبیلے کا بت کعبہ شریف کی چھت پر باقی رہ گیا اور وہ تانبے کے ٹکڑوں سے بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے علی! اس بت کو پھینک دو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا اور انہوں نے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اسے نیچے پھینکا، جس سے وہ ٹوٹ گیا۔ اس پر اہل مکہ تعجب کرنے لگے۔ (ابن النقیب کا کلام مکمل ہوا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس وقت تک خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے انکار فرمایا جب تک اس میں بت موجود ہیں۔ چنانچہ آپ کے حکم سے ان کو نکال دیا گیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تصویریں بھی نکالیں جن کے ہاتھوں میں وہ تیر تھے جن سے قریش فال نکالتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و برباد کرے۔ اللہ کی قسم! یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کبھی ان تیروں کے ذریعے (امور کی) تقسیم نہیں کی۔ پس آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور اس کے کناروں میں اللہ اکبر کی صدا بلند کی لیکن نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۶۱۸ کتاب الحج)

کعبہ شریف کی چابی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال اپنی اونٹنی قصواء پر تشریف لائے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے حتیٰ کہ آپ نے اونٹنی کو کعبہ شریف کے صحن میں بٹھا دیا۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا: چابی میرے حوالے کرو۔ وہ اپنی ماں کے پاس آئے تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ عثمان نے کہا: اللہ کی قسم تم ضرور چابی دو گی ورنہ یہ تلوار میری پیٹھ سے ضرور نکلے گی۔ (یعنی میں اپنے آپ کو قتل کر دوں گا)

چنانچہ ان کی ماں نے چابی دے دی۔ عثمان بن طلحہ نے یہ چابی لا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور آپ نے دروازہ کھولا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص۴۲۸)

فاکہی نے ایک ضعیف طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں ابو طلحہ کی اولاد کا خیال تھا کہ ان کے علاوہ کوئی شخص بیت اللہ شریف کا دروازہ نہیں کھول سکتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی لے کر اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ (فتح الباری جلد۳ ص۳۷۱)

یہ عثمان (مذکور) عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ ہیں۔ ان کو حجبی کہا جاتا تھا اور آج کل شیبین کے نام سے پہچانے جاتے ہیں یعنی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کی طرف منسوب ہیں اور یہ عثمان بن طلحہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان (عثمان بن طلحہ) کی اولاد نہیں تھی۔ ان کی صحابیت اور ان سے حدیث کی روایت معروف ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلافہ ہے۔ (فتح الباری جلد۳ ص۳۷۱)

طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: جاہلیت کے دور میں

ہم کعبہ شریف کا دروازہ سوموار اور جمعرات کے دن کھولتے تھے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ میں آپ سے سخت کلامی سے پیش آیا لیکن آپ نے بردباری اختیار کرتے ہوئے فرمایا: اے عثمان! عنقریب تم دیکھو گے کہ چابی میرے قبضے میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ میں نے کہا: اس دن قریش ہلاک اور ذلیل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس دن ان کو زندگی اور عزت حاصل ہوگی۔ یہ فرمانے کے بعد آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور آپ کے اس ارشاد گرامی نے میرے دل پر اثر کیا۔ میں نے سوچا: ایک دن ایسا بھی ہوگا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔

پھر جب فتح مکہ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان چابی مجھے دو۔ میں آپ کے پاس چابی لایا اور آپ نے مجھ سے لے کر دوبارہ مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھو، کسی ظالم کے علاوہ کوئی بھی تم سے یہ چابی نہیں لے سکے گا۔

اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس گھر کا امین بنایا ہے، پس اس گھر سے تمہیں جو کچھ ملے، اچھے اور مناسب طریقے سے کھاؤ۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں: جب میں واپس ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی۔ میں آپ کی طرف لوٹا تو آپ نے فرمایا: کیا وہی بات نہیں ہوئی جو میں نے تم سے کہی تھی؟ فرماتے ہیں: مجھے وہ بات یاد آگئی جو آپ نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھ سے فرمائی تھی کہ عنقریب تم دیکھو گے یہ چابی میرے قبضے میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

(ثعالبی کی) تفسیر میں ہے کہ یہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ (النساء: ۵۸) — بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو لوٹا دو۔

حضرت عثمان بن طلحہ حجبی کے بارے میں نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ کعبہ شریف کی چابی لائیں تو انہوں نے انکار کیا اور بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کر کے چھت پر چڑھ گئے اور کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں آپ سے چابی نہ روکتا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا، اور ان سے چابی لے کر دروازہ کھول دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ چابی ان کو عطا فرمادیں اور حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبہ شریف کی خدمت دونوں باتیں آپ کے لیے جمع کر دیں۔ تو اس پر یہ مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چابی حضرت عثمان کو دے دیں اور ان سے معذرت بھی کریں، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کے اس حکم پر عمل کیا۔ انہوں نے کہا: آپ نے مجھے مجبور کیا، اذیت پہنچائی اور اب نرمی کرنے تشریف لائے ہیں؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں قرآن پاک نازل کیا ہے اور ان کو وہ آیت پڑھ کر سنائی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر

ہوئے اور فرمایا جب تک یہ گھر یا اس کی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ قائم رہے گی تو چابی اور خانہ کعبہ کی خدمت حضرت عثمان کی اولاد کے پاس رہے گی۔ لہٰذا وہ چابی ان کے پاس رہی اور جب ان کا وصال ہوا تو انہوں نے وہ چابی اپنے بھائی شیبہ کو دے دی۔ پس چابی اور کعبہ شریف کی خدمت کی ذمہ داری قیامت تک ان کی اولاد کے پاس رہے گی۔[1]

ابن ظفر نے ینبوع الحیاۃ میں لکھا کہ حضرت عثمان بن طلحہ کا یہ کہنا کہ اگر میں جانتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ وہ تو اسلام لاچکے تھے۔ اب اگر وہ یہ بات کہتے تو مرتد ہو جاتے۔ (معاذاللہ)

اور کلبی سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چابی مانگی اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کے ساتھ اس ذمہ داری کو بھی میرے سپرد کر دیں۔ اس پر حضرت عثمان نے چابی والا ہاتھ روک لیا۔ (یا مٹھی بند کر دی۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو چابی دے دو تو انہوں نے آپ کو چابی دیتے ہوئے عرض کیا: امانت کے ساتھ لیجئے۔ آپ نے عنایت فرمادی اور آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کر دو۔

ابن ظفر نے کہا کہ یہ روایت قبول کے زیادہ لائق ہے۔

کعبہ شریف میں نماز

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ بن زید، حضرت بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہم (کعبہ شریف میں) داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا۔ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملا تو ان سے پوچھا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کعبہ شریف میں) نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! دو یمانی ستونوں کے درمیان پڑھی ہے اور میں یہ بات پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۲۸)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنی بائیں جانب، دوسرا دائیں جانب اور تین ستونوں کو پیچھے رکھا (اور نماز پڑھی) (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۲، کتاب الصلوۃ) اور ان دو روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن دوسری روایت میں یہ قول کہ ان دنوں بیت اللہ شریف کے چھ ستون تھے، اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ حدیث شریف سے پتا چلتا ہے کہ جب ایک ستون دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث کئی وجہ سے منکر ہے۔ ...۱۲ ہزاروی
(تفسیر خازن جلد اول ص ۵۴۸، تفسیر غرائب القرآن جلد ۵ ص ۶۵)

تو یہ دو ستون ہوئے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے شیخ اسماعیل بن ابی اویس کی روایت کے باعث فرمایا کہ آپ کی دائیں جانب دو ستون تھے۔

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ جب دو ستونوں کا ذکر آیا تو بیت اللہ کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور جب ایک ستون کا ذکر کیا تو بعد میں پیدا ہونے والی صورت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ ان کا یہ قول کہ ان دنوں بیت اللہ شریف اس حالت پر تھا' سے بھی اس بات کا پتا چلتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ شریف کی پہلی حالت بدل گئی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ تینوں ستون ایک سمت میں نہیں تھے بلکہ دو ایک طرف اور تیسرا دوسری سمت میں تھا اور بخاری شریف کی ایک روایت میں **متقدمین** کا لفظ (یعنی آگے والے دو) اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۲، کتاب الصلوۃ)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ستونوں کو اپنی بائیں جانب اور ایک ستون کو دائیں جانب رکھا اور یہ اسماعیل (بن ابی اویس) کی روایت کے برعکس ہے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور بشر بن عمر نے بھی ان دونوں سے دو روایتیں نقل کرتے ہوئے ایک روایت میں اسی طرح فرمایا۔

بعض متاخرین نے ان دو روایتوں کو یوں جمع کیا کہ ہو سکتا ہے' واقعات متعدد ہوں' لیکن یہ احتمال بعید ہے کیونکہ حدیث کا مخرج ایک ہی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسماعیل کی روایت کو قطعی طور پر ترجیح دی ہے اور ابن قاسم (عبدالرحمٰن بن قاسم مشہور فقیہ) قعنبی (عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ثقہ عابد جن کے بارے میں آتا ہے کہ ابن معین اور ابن مدینی موطا میں ان پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے۔ ان کی وفات ۲۲۱ھ میں ہوئی) ابو مصعب (احمد بن ابی بکر قاسم بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف متوفی ۲۴۲ھ فقیہ حافظ اور نہایت صادق تھے) محمد بن حسن (شیبانی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد) اور ابو حذافہ (احمد بن اسماعیل سہمی متوفی ۲۵۹ھ) نے ان کی موافقت کی۔ اس طرح امام شافعی رحمہ اللہ اور ابن مہدی (عبدالرحمٰن بن مہدی بن حبان حافظ متوفی ۱۹۸ھ) رحمہم اللہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں ان کی موافقت کی۔ (فتح الباری جلد اول ص ۴۷۸)

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور سامنے والی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اس زائد عبارت کو قطعی طور پر مرفوع درست قرار دیا۔ امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کرتے ہوئے قطعیت اختیار کی جیسا کہ امام دارقطنی نے غرائب میں اس کی تخریج کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی تو آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین ہاتھ تھے (یعنی تین ہاتھ کا فاصلہ تھا)

اور ازرقی کی کتاب "کتاب مکہ" اور فاکہی کی کتاب میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کہاں پڑھی؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے اور دیوار

کے درمیان دو یا تین ہاتھ کا فاصلہ رکھ لو۔ اس بنیاد پر ہر وہ شخص جو اتباع کا ارادہ رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ اپنے اور دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھے۔ اگر تین ہاتھ ہوئے تو اس کے قدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی جگہ ہوں گے یا اس کے گھٹنے یا ہاتھ یا چہرہ اس مقام پر لگے۔ اگر تین ہاتھ سے کم فاصلہ ہو۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کے تمام کونوں میں دعا مانگی اور نماز نہیں پڑھی' حتیٰ کہ آپ باہر تشریف لائے اور جب باہر آگئے تو بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص۴۲۹)

اس روایت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی جسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ کہ جہاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں' وہاں وہ دوسرے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول) پر اعتماد کرتے ہیں اور جہاں نفی فرماتے ہیں وہاں اس بات کا ارادہ کرتے ہیں جو ان کے علم میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' پھر نماز کی جگہ کے ثبوت کے لیے مزید علم کی خاطر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی سوال کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے حدیث نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کو اختیار کرنے پر اجماع کیا ہے کیونکہ اس میں اثبات ہے اور ان کو زیادہ علم تھا' لہٰذا ان کے قول کی ترجیح واجب ہے اور جہاں تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نفی کا تعلق ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ حضرات کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا میں مشغول دیکھا' پھر حضرت اسامہ کسی ایک کونے میں خود بھی مشغول ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کونے میں تھے۔ جب کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے قریب تھے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کیونکہ وہ آپ کے قریب تھے لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے دور ہونے اور (خود دعا میں) مشغول ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھی اور دروازہ بند تھا۔ نیز حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دور بھی تھے اور دعا میں مشغول بھی۔ اس لیے وہ آپ کی نماز کو نہ دیکھ سکے۔ پس ان کے لیے اپنے گمان پر عمل کرتے ہوئے نفی کرنا جائز ہے' لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی تحقیق تھی' لہٰذا انہوں نے اس بات کی خبر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص۴۲۸' حاشیہ)

علمائے کرام نے اس سلسلے میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا تعاقب کیا جس کا ذکر طویل ہے اور ان روایات کو جمع کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے زیادہ قریب بات جو کہی جا سکتی ہے' وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لیے بھیجا (یعنی آپ کو پانی لینے بھیجا) تاکہ ان تصاویر کو دھو ڈالیں جو کعبہ شریف میں تھیں۔ اس دوران جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ غائب تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس لیے انہوں نے اسے ثابت کیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیکھا لہٰذا انہوں نے نفی کر دی۔ اس کی تائید امام ابوداؤد طیالسی رضی اللہ عنہ کی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے حضرت اسامہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کعبہ شریف میں داخل ہوا۔ آپ نے وہاں تصاویر دیکھیں تو پانی کا ایک ڈول منگوایا۔ میں لے کر آیا تو آپ ان تصاویر کو مٹانے لگے اور فرماتے: اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے جو ان چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جن کو پیدا نہیں کر سکتے۔ اس روایت کے راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں۔

ازرقی نے تاریخ مکہ میں کہا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے دروازے پر تھے اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں اقامت کی مدت

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ میں) پندرہ دن ٹھہرے۔[1] ایک روایت میں انیس دن کا ذکر ہے (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۷۳، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵) اور ابوداؤد کی روایت میں سترہ دن مذکور ہیں۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۷۳)

امام ترمذی کے نزدیک اٹھارہ دن ہیں۔[2] (جامع ترمذی جلد اول ص ۷۲)

الاکلیل میں ہے کہ ان روایات میں سے صحیح یہ ہے کہ دس سے کچھ اوپر دن ہیں۔ آپ وہاں (نماز میں) قصر فرماتے تھے۔[3]

(تقی الدین محمد بن احمد بن علی المکی الشریف القاضی) الفاسی نے تاریخ مکہ (جس کا نام شفاء الغرام ہے) میں فرمایا: کہ مکہ مکرمہ اس وقت فتح ہوا جب رمضان شریف کی دس راتیں باقی تھیں۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: یہ صحیح نہیں، یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ امام بخاری کے نزدیک آپ وہاں انیس دن ٹھہرے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۶)

[2] امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو یوں حل کیا کہ جن حضرات نے انیس دن کا ذکر کیا ہے، انہوں نے آنے اور جانے کے دو دن بھی شمار کیے، سترہ دن کا قول کہنے والوں نے ان کو شمار نہیں کیا۔ اٹھارہ دن کا قول کرنے والوں نے ایک دن شمار کیا اور پندرہ دن والا قول ضعیف ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۶-۳۴۷)

[3] اگر پندرہ دن کی نیت نہ ہو تو مسافر قصر نماز پڑھتا ہے تو ہو سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن یا زائد کی نیت نہ کی ہو اور واپسی کا کوئی متعین دن نہ ہو، اس لیے دو رکعتیں پڑھتے تھے.... ۱۲ ہزاروی

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے درمیان سرایا

عزیٰ (بت) کو گرانا

فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر نخلہ مقام میں عزیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ بت قریش اور تمام بنو کنانہ کا بت تھا اور ان کا سب سے بڑا بت تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا سریہ اس وقت گیا جب رمضان شریف کی پانچ راتیں باقی تھیں اور آپ کے ہمراہ تیس سوار تھے۔ ان کے جانے کا مقصد اس بت کو گرانا تھا' وہاں پہنچ کر اسے گرایا اور پھر واپس مکہ مکرمہ میں آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے پوچھا کہ آپ نے کوئی چیز دیکھی ہے۔ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: تم نے عزیٰ کو نہیں گرایا دوبارہ جاؤ اور اسے گراؤ' چنانچہ وہ تشریف لے گئے اور اپنی تلوار نیام سے نکالی تو کیا دیکھا کہ ایک کالے رنگ کی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور جسم ننگا تھا' باہر نکلی اس کا پجاری اس عورت کی وجہ سے چیخ رہا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور واپس آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی تو آپ نے فرمایا: ہاں یہ عزیٰ تھی اور وہ اس بات سے مایوس ہو گئی کہ اب تمہارے شہر میں کبھی اس کی پوجا ہو گی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۵)

سواع (بت) کی بیخ کنی

پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ہذیل قبیلہ کے بت "سواع" کی طرف گیا جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ سریہ بھی فتح مکہ کے سال رمضان المبارک سنہ ۸ھ میں گیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو وہاں اس کا پجاری تھا۔ اس نے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا: کیوں؟

اس نے کہا یہ بت منع کرے گا۔ میں نے کہا تجھ پر افسوس ہے' کیا یہ سنتا ہے؟ یا یہ دیکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں اس کے قریب ہوا اور اسے توڑنے کے بعد پجاری سے کہا: تم نے کیسا دیکھا؟ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۶)

مناۃ (بت) کا انہدام

پھر حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو اوس اور خزرج کے بت مناۃ کی طرف گیا یہ مشلل کے مقام پر تھا۔ یہ سریہ بھی فتح مکہ کے بعد رمضان المبارک میں ہی گیا۔ آپ بیس سواروں کو لے کر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ وہاں پہنچے تو پجاری نے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ فرمایا: مناۃ کو منہدم کرنا ہے۔ اس نے کہا: آپ کو اختیار ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے تو ایک سیاہ فام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت آپ کی طرف آئی جو کہہ رہی تھی، ہائے خرابی اور سینہ کوبی کر رہی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ضرب لگا کر ہلاک کر دیا اور پھر بت کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے اسے گرانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضری دی اس وقت رمضان المبارک کی چھ راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۶)

سریہ خالد بن ولید، بنو جذیمہ کی طرف

پھر شوال سنہ ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک سریہ لے کر عبد القیس کے ایک قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف گئے جو مکہ مکرمہ کی نچلی جانب یلملم کے کنارے ایک رات کی مسافت پر تھا اور یہ یوم غمیصاء کہلاتا ہے۔ (غمیصاء قبیلہ بنو جزیمہ کا ایک کنواں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھیجا جب وہ عزیٰ کو گرانے کے بعد واپس آئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ تین سو پچاس افراد دعوت اسلام کی خاطر بھیجے، لڑنے کے لیے نہیں۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان لوگوں تک پہنچے تو فرمایا تم کون لوگ ہو؟ کہنے لگے: ہم مسلمان ہیں، ہم نے نماز پڑھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے محلوں میں مسجدیں بنائیں ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۷)

صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لوگ یہ الفاظ اچھی طرح نہ کہہ سکے، اس لیے انہوں نے کہا ہم صابی ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۲ کتاب المغازی) (یعنی ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ "اسلمنا" ہم اسلام لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ان کو قید کر لو، چنانچہ انہوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور بعض ساتھیوں کو حکم دیا تو انہوں نے ان کے ہاتھ کاندھوں کے ساتھ باندھ دیئے اور ان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سحری کا وقت ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے منادی نے آواز دی کہ جس کے پاس قیدی ہو، وہ اسے قتل کر دے، چنانچہ بنو سلیم کے پاس جو لوگ تھے، انہوں نے ان کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو قتل نہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا: یااللہ! میں خالد کے فعل سے تیری بارگاہ میں براءت کا اظہار کرتا ہوں، چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے ان مقتولین کا خون بہا ادا کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۸)

خطابی نے کہا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا لفظ اسلام سے عدول (کر کے صبانا کہنا) اچھا نہ لگا ہو کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ یہ بات اسلام سے نفرت کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں اور یہ لوگ دین کی طرف مائل نہیں ہوئے، لہٰذا آپ نے ان کی بات کی تاویل کرتے ہوئے ان کو قتل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے جلدی کرنے اور ان کے قول "صبانا" کی مراد معلوم کرنے سے پہلے کارروائی کرنے کو اچھا نہ سمجھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۵)

غزوۂ حنین

پھر غزوۂ حنین ہے (یہ اسم تصغیر ہے) اور یہ ذوالمجاز کے کے قریب ایک وادی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک چشمہ ہے۔ اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین راتوں کا فاصلہ ہے اور یہ طائف کے قریب ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۱)

اسباب و وجوہات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ اور اس کے معاملات کی درستگی سے فارغ ہوئے اور وہاں کے رہنے والوں میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا، تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے سرکردہ افراد ایک دوسرے سے ملے اور انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ کیا اور جمع ہوئے۔ ان کا رئیس مالک بن عوف نصری تھا۔
(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ شوال کو ہفتہ کے دن بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں سے دس ہزار تو اہل مدینہ میں سے تھے جب کہ دو ہزار اہل مکہ میں سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۰) اور یہ آزاد شدہ لوگ تھے۔ یعنی فتح مکہ کے دن جن کو چھوڑ دیا گیا اور قیدی نہ بنایا گیا۔
(جب کسی قیدی کو چھوڑ دیا جائے تو اسے طلیق کہتے ہیں جس کی جمع طلقاء ہے۔)

(اس دوران) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۱۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۲۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی (۸۰) مشرک بھی نکلے، جن میں صفوان بن امیہ بھی تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک سو زرہیں مع اس کے لوازمات ادھار لی تھیں۔ منگل کی رات جب کہ شوال کی دس راتیں گزر چکی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں پہنچے۔

مالک بن عوف نے تین آدمی بھیجے تاکہ وہ صحابہ کرام کی خبر لائیں تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ (مسلمانوں کے) رعب سے ان کا بند بند ٹوٹ رہا تھا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو ان لوگوں کے لشکر میں داخل ہوئے اور چکر لگا کر ان کی خبر لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۰)

امام ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے تو تیز تیز چلنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں تمہارے آگے آگے گیا حتیٰ کہ فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں نے ہوازن کو ان کی زنانہ سواریوں اور بکریوں کے ساتھ نہایت کثرت میں دیکھا کہ وہ سب کے سب حنین میں جمع ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: انشاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے غنیمت ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۱)

اس حدیث شریف میں لفظ "بکرۃ ابیھم" استعمال ہوا جو اہل عرب کثرت تعداد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں بکرہ کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں جس پر پانی پلایا جاتا ہے، بلکہ مجازی طور پر کثرت والا معنیٰ لیا گیا۔

اسی طرح یہ لفظ "بظعنھم" فرمایا یعنی ان کی عورتیں اس کا واحد ظعینہ ہے اور اصل میں ظعینہ سے مراد وہ سواری ہے جس پر سوار ہو کر جاتے ہیں اور عورت کو ظعینہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ سوار ہو کر جاتی ہے اور کہا گیا ہے کہ ظعینہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کجاوے میں ہو، پھر ہر عورت کو ظعینہ کہنے لگے چاہے وہ ہودج (کجاوے) میں ہو یا نہ ہو۔

معرکہ آرائی

حضرت یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں حضرت ربیع سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حنین کے دن کہا کہ آج ہم لشکر کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے (یعنی ہماری تعداد زیادہ ہے، لہٰذا ہم غالب آئیں گے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات گراں گزری۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۱)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سفید خچر "دلدل" پر سوار ہوئے اور دو زرہیں مغفر اور لوہے کی ٹوپی (بیضہ) زیب تن فرمائی تو مسلمانوں کے سامنے ہوازن اس کثرت کے ساتھ آئے کہ اس کی مثل کثرت نہیں دیکھی گئی اور یہ صبح کے اندھیرے کی بات ہے اور وادی کے تنگ راستوں سے لشکر نکلے جنہوں نے یکبارگی میں حملہ کر دیا، چنانچہ بنو سلیم کے گھوڑوں نے پیٹھ پھیر دی اور اہل مکہ اور دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت اسامہ بن زید اور اہل بیت نیز صحابہ کرام میں سے کچھ دیگر افراد رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۰)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ میں اسے روک رہا تھا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں یہ دشمن تک نہ پہنچ جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برابر دشمن کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے آپ کی رکاب تھام رکھی

تھی- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آواز دیں: اے انصار کے گروہ! اے اصحاب سمرہ یعنی بیعت رضوان والو! (درخت جس کے نیچے انہوں نے بیعت کی تھی کہ) حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر نہ بھاگو- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰، فتح الباری جلد ۸، ص ۲۵)

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کبھی یوں آواز دیتے: اے اصحاب سمرہ! کبھی فرماتے: اے سورۂ بقرہ والو! حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی- جب مسلمانوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ اس طرف اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح اونٹ اپنے بچوں کا مشتاق ہو کر دوڑتا ہے-

مسلم شریف کی روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو وہ اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے- وہ کہہ رہے تھے "یالبیک، یالبیک" (ہم حاضر ہیں)- (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۱)

چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑے حتیٰ کہ ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر ان کا اونٹ واپسی کے لیے آمادہ نہ ہوتا تو وہ اس سے کود کر اسے چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہمت سے حملہ کرو- سو وہ کفار پر ٹوٹ پڑے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لڑائی دیکھی تو فرمایا: "الان حمی الوطیس" "اب تنور گرم ہوا ہے" ("وطیس" تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے) جب لڑائی میں شدت پیدا ہو تو اس کی گرمی اور تنور کی گرمی کی مشابہت کی وجہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے- یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت سے ہے- اس سے پہلے کسی سے یہ بات سنی نہیں گئی-

(پھر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں لے کر فرمایا: چہرے بگڑ گئے اور کنکریاں کفار کے مونہوں پر دے ماریں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی انسان کو پیدا نہیں فرمایا تھا مگر اس کی آنکھ اس ایک مٹھی سے بھر گئی-

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ یہ مٹی کی ایک مٹھی تھی- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱)

سو اس بات کا احتمال ہے کہ ایک بار کنکریوں کی مٹھی پھینکی ہو اور دوسری بار مٹی کی مٹھی ماری ہو اور یہ احتمال بھی کہ کنکریاں اور مٹی دونوں مخلوط ہوں اور ایک ہی بار پھینکی ہوں-

امام احمد، امام ابوداؤد اور امام دارمی رحمہم اللہ نے واقعہ حنین کے سلسلے میں حضرت ابوعبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: کہ مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1]

---

[1] ارشاد خداوندی ہے:

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین- (التوبہ: ۲۵)

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے-

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کے بعد آپ اپنے گھوڑے سے اترے اور مٹی کی ایک مٹھی لی۔ راوی فرماتے ہیں: مجھے اس شخص نے خبر دی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھ سے زیادہ قریب تھا کہ آپ نے (وہ مٹی) ان کے مونہوں پر ماری اور فرمایا: چہرے بگڑ گئے اور خراب ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی۔

یعلیٰ بن عطاء ابو ہمام سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو عبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ان کفار کے بیٹوں نے اپنے آباء واجداد سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ ہم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا مگر اس کی آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گئے اور ہم نے آسمان سے ایک جھنکار سنی جس طرح کسی نئے تھال پر لوہا پھیرنے سے آواز آتی ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۳۲، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۸۶، سنن دارمی جلد ۲ ص ۱۳۹)

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر آپ کے ساتھ ایک طرف کو جھک گئی تو اس کی زین بھی ایک طرف کو ہو گئی۔ پس میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی عطا کرے، اوپر کو ہو جائیے۔ آپ نے فرمایا: مجھے ایک مٹھی مٹی دو، پھر آپ نے اسے ان کے مونہوں پر مارا تو ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور مہاجرین وانصار اپنی تلواریں دائیں ہاتھ میں لیے آئے، گویا وہ شہاب ثاقب ہیں (یعنی چمک رہی تھیں) پس مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۲۵)

ابو جعفر بن جریر نے اپنی سند سے حضرت عبدالرحمٰن بن موتیٰ سے اور انہوں نے ایک شخص سے نقل کیا جو حنین کے دن مشرکین میں شامل تھا۔ اس نے کہا: حنین کے دن جب ہماری اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی ہوئی تو وہ بکری دوہنے کے برابر وقت بھی نہ ٹھہرے جب ان کے مقابل ہوئے تو ہم نے انہیں بھگایا کہ ہم ان کے قدموں کے نشانوں پر چل رہے تھے حتیٰ کہ ہم سفید خچر والے کے پاس پہنچے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ کہتا ہے: وہاں ہم ایسے لوگوں سے ملے جو خوبصورت سفید چہروں والے تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ چہرے بگڑ گئے، واپس لوٹ جاؤ وہ کہتا ہے بس ہم بھاگ گئے اور وہ (فرشتے) ہمارے کاندھوں پر سوار ہو گئے۔ (ہم پر غالب آئے۔)

"سیرت دمیاطی" میں ہے کہ حنین کے دن فرشتوں کی نشانی سرخ عمامے تھے جن کے شملوں کو انہوں نے اپنے کاندھوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: حنین کے دن لوگ لڑ رہے تھے تو میں نے ایک سیاہ کمبل کی طرح کوئی چیز آسمان سے اترتی ہوئی دیکھی (یعنی وہ فرشتے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی)۔

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے قیس کے ایک شخص نے پوچھا: کیا تم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو انہوں نے فرمایا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے۔ ہوازن کے لوگ اچھے تیرانداز تھے جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔ ہم غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ تیروں کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سفید خچر پر سوار ہیں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس کی لگام پکڑ رکھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب۔

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں حضرت عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷، کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست نہیں ہوئی

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صفت نبوت کے ساتھ جھوٹ کا ہونا محال ہے، گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں نبی ہوں اور نبی جھوٹ نہیں بولتے پس میں جو کچھ کہتا ہوں، میں اس میں جھوٹا نہیں ہوں کہ شکست کھاؤں، بلکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جس مدد کا وعدہ فرمایا ہے، وہ حق ہے، لہٰذا میرے لیے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۵)

اور وہ جو صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اس حال میں لوٹا کہ میں شکست خوردہ تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے شکست خوردہ حالت میں گزرا۔ حضرت سلمہ اس وقت حالت خوف میں دیکھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱) تو علماء کرام فرماتے ہیں: لفظ "منهزما" (شکست خوردہ) یہ ابن اکوع سے حال ہے، لفظ "رسول اللہ" سے نہیں جس طرح پہلے وہ اپنے شکست خوردہ ہونے کا ذکر واضح الفاظ میں کر چکے ہیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کے شکست خوردہ ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ (گویا انہوں نے یوں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ میں شکست خوردہ تھا۔)

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست نہیں ہوئی اور اس بات پر انہوں نے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکست خوردہ ہونا جائز بھی نہیں اور نہ آپ کے لیے اس کا قصد کرنا جائز ہے بلکہ حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہما نے آپ کی خچر کو پکڑ کر روک رکھا تھا کہ دشمن کی طرف دوڑ نہ جائے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱ حاشیہ)

اس سے پہلے غزوہ احد کے ذکر میں وہ بات بیان ہوئی ہے، جو ابن مرابط مالکی کی طرف منسوب ہے اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے "الشفاء" میں نقل کیا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست ہوئی تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے لیکن علامہ بساطی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس بات کا قائل اصل مسئلہ میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

گالی دینے والے کے حکم میں مخالفت کرتا ہے۔ تو اس کی کوئی وجہ ہے اور اگر اس بات کی موافقت کرتا ہے کہ گالی دینے والے کی توبہ قبول نہ ہوگی تو یہ بات مشکل ہے۔[1]

لڑائی کے لیے عام طور پر خچر پر سوار نہیں ہوتے

بعض حضرات نے کہا کہ اس جگہ پر جو لڑائی کا نیزہ زنی اور (تلوار سے) ضرب کا موقع تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا آپ کی نبوت کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کو مزید شجاعت اور تمام نبوت کے ساتھ خاص کیا ورنہ عام طور پر خچر حالت اطمینان کی سواری ہے اور جنگ کے موقع پر عام طور پر صرف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (خچر پر سوار ہو کر) بتایا کہ آپ کے نزدیک لڑائی حالت صلح جیسی ہے۔ یہ آپ کی قلبی قوت، شجاعت نفس اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کی علامت ہے اور فرشتے آپ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوئے کسی دوسرے جانور پر نہیں، کیونکہ عرف و عادت میں یہی جانور اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے دوسری سواریاں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لڑائی میں صرف گھوڑے کو (غنیمت سے) حصہ ملتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ گھوڑے کو حملہ کرنے اور بھاگنے کے لیے پیدا کیا جبکہ خچر اور اونٹ کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

غزوہ حنین میں ثابت قدم رہنے والے حضرات

ابن ابی شیبہ نے حکم بن عتیبہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تھے، تین بنو ہاشم سے اور ایک ان کے غیر سے تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے تھے اور ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے لگام پکڑ رکھی تھی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے اور آپ کی طرف جو بھی آتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۴ ص ۵۳۶)

جامع ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سند حسن کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو حنین کے دن اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ بے شک لوگ پیٹھ پھیر رہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں ہیں۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۲۰۲)

امام نووی رحمہ اللہ کی شرح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ افراد ثابت قدم رہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳) گویا امام نووی نے ابن اسحاق کا قول لیا ہے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے شعر میں یوں ہے کہ ثابت قدم رہنے والے دس حضرات تھے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] یہ بات حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب پر مشکل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا (زرقانی جلد ۳ ص ۱۸) حقیقت یہی ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو سزائے موت دی جائے۔ پاکستان میں بھی یہی قانون ہے۔ ... ۱۲ ہزاروی

نصرنا رسول اللہ فی الحرب تسعة وقد فر من قد فر عنه فاقشعوا
و وعاشرنا لاقی الحمام بنفسه لمامسه فی اللہ لا یتوجع

(فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

"لڑائی میں ہم نو مردوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی اور جنہوں نے بھاگنا تھا وہ بھاگ گئے اور ہمارے دسویں نے موت کو قبول کیا جب وہ اسے راہ خداوندی میں پہنچی اور اس نے درد اور دکھ کا اظہار نہیں کیا"۔

طبرانی نے کہا کہ ممنوع پیچھے کو پلٹنا وہ ہے جس میں واپسی کی نیت نہ ہو لیکن کثرت کے حصول کے لیے پیچھے پلٹنا ایسے ہی ہے جیسے جماعت کی طرف جانا (اور اس غزوہ میں ایسا ہی ہوا)۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

انا النبی لا کذب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ شعر نہیں ہے کیونکہ شاعر کو چند وجوہ سے شاعر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ شاعر کو اس قول کا شعور ہو' اس کا قصد کیا ہو۔ اس کی طرف راہنمائی پائی اور عرب کے طریقے پر موزوں کلام لایا ہو جس میں کافیہ وغیرہ ہو۔ اگر اس کا تمام کلام یا اس کا بعض ان اوصاف سے خالی ہو تو وہ شعر نہیں کہلاتا اور نہ ہی اس کا قائل شاعر کہلاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام سے شعر کا قصد و ارادہ نہیں فرمایا۔ اس لیے یہ کلام' شعر شمار نہیں ہوگا' اگرچہ اس میں وزن اور قافیہ وغیرہ پایا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱ حاشیہ)

اور آپ نے فرمایا: میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں عبد اللہ کا بیٹا ہوں (رضی اللہ عنہ) تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ آپ کی شہرت اپنے جد امجد کے حوالے سے زیادہ تھی۔ والد ماجد کے حوالے سے زیادہ مشہور نہ تھے کیونکہ آپ کے والد گرامی آپ کی ولادت سے پہلے اپنے باپ حضرت عبد المطلب کی زندگی میں ہی فوت ہو چکے تھے حضرت عبد المطلب بہت زیادہ مشہور تھے اور آپ کی شہرت ظاہر و عام تھی آپ قریش کے سردار تھے اور بے شمار لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد المطلب کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے یعنی ان کی شہرت کی وجہ سے ان سے منسوب کرتے تھے اور اس سلسلے میں ضمام بن ثعلبہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے پوچھا: تم میں سے عبد المطلب کا بیٹا کون ہے؟ اس کی دوسری توجیہات بھی کی گئی ہیں۔[1]

---

[1] لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت عبد المطلب کی اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں لوگوں کو ہدایت دے گا اور وہ آخری نبی ہوگا اس لیے حضرت عبد المطلب کے طرف نسبت تھی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۰)

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو مشرک بھی قابو میں آئے اسے قتل کر دیا جائے اور مسلمان ان کے بچوں کو بھی قتل کرنے لگے تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ اور فرمایا جو شخص کسی کو قتل کرے گا اور اس کا کوئی گواہ ہوگا تو مقتول کا مال و متاع اسی کا ہوگا تو اس دن تنہا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کا سامان حاصل کیا۔ (یعنی ان کو قتل کر کے ان کا مال اور سامان حاصل کیا۔) (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۱۴۸)

یوم حنین کی حکمتیں

ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے اور تمام عرب آپ کے قریب ہو جائیں گے۔ پس جب فتح مبین مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ہوازن قبیلہ اور ان کے متبعین کے دلوں کو اسلام سے روک دے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے جمع ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو۔ نیز اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز عطا فرمایا اور آپ کے دین کی مدد فرمائی وہ بھی ظاہر ہو، اور اہل فتح کے لیے ان کی غنیمت شکر کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مومن بندوں کو غالب کر دے اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی ایسی عظمت حاصل نہیں ہوئی کفار پر غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ پس اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ پہلے مسلمانوں کو شکست کی کڑواہٹ چکھائے حالانکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور ان کو قوت و شوکت بھی حاصل تھی تاکہ ان سروں کو جو فتح مکہ سے بلند ہوئے تھے، پست کرے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے شہر اور حرم پاک میں اس طرح داخل نہ ہوئے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر اپنے رب کے لیے تواضع کرتے ہوئے سر کو جھکا کر اور خود بھی جھک کر داخل ہوئے۔ آپ اپنے رب کے لیے عاجزی کا اظہار فرما رہے تھے کہ اس نے آپ کے لیے اپنے شہر کو حلال کر دیا حالانکہ آپ سے پہلے اور بعد کسی کے لیے حلال نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو کہتے تھے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے، واضح کیا کہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ جس کی مدد فرماتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آتا اور جسے وہ ذلیل کرے، اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دین کی مدد فرمائی۔ تمہاری کثرت نے نہیں جس پر تم اتراتے تھے کیونکہ وہ تمہارے کام نہ آئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے۔

پس جب مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قاصد کے ہمراہ ان کے جوڑنے کا خلعت ارسال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر سکون اتارا، ایسا لشکر نازل فرمایا جس کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ مدد کی خلعتیں اور انعامات انہی لوگوں تک پہنچائے جاتے ہیں جو انکساری سے کام لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ہم ارادہ کرتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور کر دیئے گئے، ان پر احسان کریں"۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۲۱۱)

ابن قیم نے (مزید) کہا کہ ان دو غزوؤں (حنین اور بدر) میں فرشتے بہ نفس نفیس مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور ان دونوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے چہروں پر کنکریاں ماریں اور ان دونوں غزوات کی وجہ سے عربوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی ہمت نہ رہی۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۱۲)

غزوۂ حنین کا اختتام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا تو ان میں سے بعض طائف تک پہنچ گئے اور بعض نخلہ کی طرف گئے اور ان میں سے ایک جماعت اوطاس کی طرف چلی گئی (اس غزوہ میں) مسلمانوں میں سے چار افراد شہید ہوئے جن میں ام ایمن کے بیٹے حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بھی تھے اور مشرکین میں سے ستر سے زائد افراد قتل ہوئے۔

سریۂ اوطاس

پھر ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے اور یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں اور ابن اسحاق نے کہا کہ یہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴)

یہ سریہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھیجا جب آپ حنین کے دن ہوازن کے اوطاس کی طرف بھاگنے والوں کے تعاقب سے فارغ ہوئے اور یہ (اوطاس) ہوازن کے علاقہ میں ایک وادی ہے، حضرت ابو عامر کے ساتھ سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہما) بھی تھے، جب یہ صحابہ وہاں پہنچے تو وہ لوگ وہاں جمع تھے۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے نو بھائیوں سے جنگ لڑتے ہوئے انہیں قتل کیا اور اس سے پہلے آپ نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ فرماتے تھے: یا اللہ! تو اس (بات) پر گواہ رہ، پھر ان کا دسواں سامنے آیا تو آپ نے اسے بھی اسلام کی طرف بلایا اور فرمایا: یا اللہ! تو گواہ ہے۔ اس نے کہا: یا اللہ! تو مجھ پر گواہ نہ ہو۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ اس سے رک گئے (کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے)، وہ بھاگ گیا لیکن اس کے بعد مسلمان ہو گیا اور نہایت اچھا اسلام لایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اسے دیکھتے تو فرماتے: یہ ابو عامر کا بھگایا ہوا ہے۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو حارث کے دو بیٹوں علاء اور اوفیٰ نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ ان کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے لڑے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴) قیدیوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو قتل کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ! تو

ابو عامر کو بخش دے اور ان کو جنت میں میری امت کے اعلیٰ لوگوں میں کر دے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۲)

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے (حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب انہیں تیر کا نشانہ بنایا گیا کہ اے میرے بھتیجے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے بخشش مانگیں، پھر وہ انتقال کر گئے۔ (حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں) میں واپس آیا تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنا تمام واقعہ اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی خبر سنائی اور ان کا پیغام گوش گذار کیا کہ حضور علیہ السلام سے عرض کرنا کہ میرے لیے بخشش مانگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگی۔ یا اللہ اپنے بندے ابو عامر کو بخش دے۔

راوی فرماتے ہیں: میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔[1]

پھر یوں دعا مانگی یا اللہ! ان کو قیامت کے دن اپنی بے شمار مخلوق سے اوپر رکھنا۔ میں نے عرض کیا۔ میرے لیے بھی (دعا فرمائیں) تو آپ نے فرمایا: یا اللہ عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) کے گناہ بخش دے اور قیامت کے دن ان کو اچھی جگہ داخل کرنا۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان میں سے ایک دعا حضرت ابو عامر کے لیے اور دوسری حضرت ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہما) کے لیے تھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹ کتاب المغازی)

ذوالکفین کو جلانے والا سریہ

پھر شوال میں طفیل بن عمرو دوسی کا سریہ ہے، جو ذی کفین کی طرف گیا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا بت تھا جو عمرو بن حممہ کا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل سے فرمایا کہ وہ (حضرت طفیل) اسے گرا کر آپ سے طائف میں جا ملیں۔

حضرت طفیل تیزی سے روانہ ہوئے اور اس کو گرا دیا۔ وہ اس کے منہ میں آگ ڈال کر اس کو جلاتے اور یوں کہتے:

یا ذوالکفین لست عن عبادکا
میلادنا اقدم من میلادکا
انی حشوت النار فی فوادکا

"اے ذوالکفین میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں اور ہماری پیدائش تیری بناوٹ سے پہلے ہے اور میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی قوم کے چار سو افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، آپ چار دن پہلے پہنچ گئے تھے۔ مغلطائی کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار مسلمان آئے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۷)

---

[1] معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ اس لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور پھر منہ پر پھیرنا چاہیے ... ۱۲ ہزاروی

غزوۂ طائف

اس کے بعد غزوہ طائف ہے، طائف ایک بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب دو یا تین مراحل (ایک دن کا پیدل سفر ایک مرحلہ ہے) پر واقع ہے اور اس میں انگور اور دیگر پھل بکثرت پائے جاتے ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وہ باغ جو اصحاب صریم کے لیے تھا[1] وہاں سے اکھاڑ کر اسے مکہ مکرمہ لے آئے اور اسے بیت اللہ شریف کے گرد طواف کر کے طائف والے مقام پر اتار دیا۔ اس لیے اس جگہ کو طائف (طواف کرنے والی جگہ) کہا گیا۔ پہلے یہ جگہ صنعاء کے نواحی میں تھی اور اس جگہ کو وج کہا جاتا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۵)

طائف کی طرف روانگی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شوال المکرم سنہ ۸ھ میں حنین سے طائف کی طرف روانہ ہوئے، (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸) اور غنیمتوں کو مقام جعرانہ میں چھوڑ دیا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقدمتہ الجیش پر مقرر فرما کر آگے بھیج دیا اور بنو ثقیف نے جب اوطاس میں شکست کھائی تو طائف میں اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے اور ایک سال کا ساز و سامان اندر داخل کر کے انہوں نے دروازے بند کر دیئے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راستے پر چلتے ہوئے ثقیف کے جد امجد ابو رغال کی قبر سے گزرے اور اس سے سونے کی ایک سلاخ نکلوائی، پھر آپ قلعے کے قریب اترے اور وہاں لشکر جمع کیا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر تیروں کی شدید بارش کر دی، گویا وہ ٹڈی دل ہوں، حتیٰ کہ کئی مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ مسلمان شہید ہو گئے جن میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔
اس دن حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی تیر لگنے سے زخمی ہوئے۔ پھر وہ زخم مندمل ہو گیا لیکن اس کے بعد پھر کھل گیا اور اسی کی وجہ سے آپ اپنے والد کے زمانہ خلافت میں وفات پا گئے۔

---

[1] وہ باغ جس کا پھل کاٹ لیا جائے، اسے صریم کہتے ہیں تو ان پر جب آزمائش آئی تو اس میں کوئی پھل نہ رہا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸) ان کا ذکر سورۃ القلم میں آیا ہے۔

قلعے کا محاصرہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کی طرف چڑھے جہاں آج کل طائف کی مسجد ہے اور آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ ان کے لیے دو خیمے لگائے گئے اور آپ محاصرہ کی تمام مدت میں ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ دن ان کا محاصرہ کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پندرہ دن محاصرہ فرمایا اور ان پر منجنیق نصب فرمائی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸) اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی، جس کے ذریعے پتھر پھینکے گئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳)

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جب سریہ ذوا لکفین سے واپس لوٹے تو یہ منجنیق ساتھ لائے تھے۔ ثقیف نے ان لوگوں پر تیر اندازی کی جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انگور کاٹنے اور ان کو جلانے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں نے بہت تیزی سے انہیں کاٹنا شروع کیا تو ثقیف نے اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر ان درختوں کو چھوڑنے کا سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور رحم کی خاطر ان کو چھوڑتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کیے گئے

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہماری طرف آئے گا وہ آزاد ہو گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳)

دمیاطی کہتے ہیں ان میں سے دس سے کچھ زائد افراد اترے جن میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جب کہ مغازی کے نزدیک تیئس غلام تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت سعد اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں کہ عاصم نے (ابو عثمان یا ابو العالیہ سے) کہا کہ تمہارے پاس دو مرد حاضر ہوئے۔ ایک وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے پہلے تیر لگا اور دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اترے وہ طائف کے تیئس مردوں میں سے تیسرے ہیں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹، کتاب المغازی)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اترنے والوں کو آزاد کر دیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مسلمان کے حوالے کیا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے تو یہ بات اہل طائف پر بہت گراں گذری۔[1]

---

[1] جب بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو ان کے معززین نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان غلاموں کو دوبارہ غلامی کی طرف لوٹا دیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۰۴)

واپسی کا اعلان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کی فتح کی اجازت نہ دی گئی اور آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے لوگوں میں کوچ کرنے کا اعلان کیا۔ یہ بات سن کر مسلمان ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اس حالت میں واپس جائیں کہ ہمیں فتح حاصل نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل صبح لڑو، چنانچہ اگلے دن جب وہ لڑے تو بہت سے مسلمانوں کو زخم آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انشاء اللہ کل ہم واپس جانے والے ہیں۔ اس پر صحابہ کرام خوش ہوئے اور واپسی کا یقین کر لیا۔ اب وہ کوچ کرنے لگے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت اور نرمی فرماتے ہوئے ان کو طائف سے واپسی کا حکم دیا کیونکہ وہاں معاملہ دشوار ہو گیا تھا اور جو کفار وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے سختی کا سامنا تھا اور وہ اپنے قلعوں میں بند ہونے کی وجہ سے مضبوط تھے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں معلوم کر لیا یا آپ کو اس بات کی امید تھی کہ اس کے بعد آپ کسی مشقت کے بغیر اس کو فتح کر لیں گے۔ جب صحابہ کرام نے وہاں ٹھہرنے اور لڑنے کی حرص کی تو آپ بھی ٹھہر گئے اور جہاد میں کوشش فرمائی، حتیٰ کہ صحابہ کرام زخمی ہو گئے تو آپ نے شروع میں صحابہ کرام پر شفقت کا جو قصد فرمایا تھا اس کی طرف رجوع کیا، پس انہوں نے ظاہری مشقت کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور واپسی کے سلسلے میں آپ کی موافقت کی، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے میں تبدیلی پر تعجب کرتے ہوئے مسکرانے لگے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۲، حاشیہ)

ابوسفیان کی آنکھ

اس دن حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کی آنکھ پھوٹ گئی۔ ابن سعد نے ذکر کیا کہ جب وہ آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کو کون سی بات پسند ہے۔ جنت میں آنکھ کا حصول یا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ آپ کی آنکھ لوٹا دے۔ انہوں نے عرض کیا، مجھے جنت میں (ملنے والی) آنکھ زیادہ پسند ہے اور اس آنکھ کو انہوں نے پھینک دیا۔ پھر وہ یرموک میں شہید ہوئے اور اس دن ان کی دوسری آنکھ پھوٹی تھی۔ یہ بات حافظ زین الدین عراقی نے شرح التقریب میں لکھی ہے۔

دعا اور توکل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: کہ یوں کہو!

لا الٰہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور کئی

لشکروں کو تنہا شکست دی۔

پھر انہوں نے کوچ کیا تو آپ نے فرمایا: یوں کہو!

ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۹)

ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

غور کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے نکلتے تو کس طرح اس کے لیے تیاری فرماتے۔ صحابہ کرام کو جمع کرتے اور گھوڑے، اسلحہ اور تمام ضروری جہادی سامان ساتھ لیتے، نیز سامان سفر بھی ساتھ رکھتے اور پھر جب واپس لوٹتے تو خالی ہاتھ ہوتے اور تمام معاملہ اپنے مولیٰ عزوجل کے سپرد کر دیتے کسی اور کے حوالے نہ کرتے اور یوں کہتے:

ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی لشکروں کو شکست دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کو دیکھئے کہ آپ فرماتے ہیں:
"وھزم الاحزاب وحدہ۔" یہ فرما کر آپ نے تمام مذکورہ اسباب جہاد کی نفی کر دی اور یہی حقیقت ہے کیونکہ انسان اور اس کا فعل اس کے رب عزوجل کی تخلیق ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے پیدا فرمایا اور تدبیر فرمائی، مدد کی اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا اور پسند کیا اس کے ہاتھ پر امور کو جاری فرمایا۔ پس سب کچھ اسی سے ہے اور اسی کی طرف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لڑائی کے بغیر کفار کو ہلاک کر دیتا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ۔ (محمد: ۴)

بات یہ ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو ثابت قدم رکھتا اور شکر کرنے والوں کو ثواب عطا کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۔ (محمد: ۳۱)

اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے، یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمائیں۔

پس مکلف پر لازم ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرے یعنی اسباب کو حاصل کرے اور اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کے کرم کے صحن میں سکون حاصل کرے (اس کے حکم کی تعمیل کرے) جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ربوبیت کے ادب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور امت کے

لیے اسے شریعت بنانے کی خاطر اسباب حاصل کرتے پھر اللہ تعالیٰ اپنی پوشیدہ قدرت میں سے جسے اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع کر رکھا ہے، جو کچھ چاہتا آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا۔

ابن حاج نے المدخل میں فرمایا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقیف کے خلاف بددعا کے لیے عرض کیا گیا تو آپ نے یوں دعا مانگی:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ یا اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (میرے پاس) لا۔

حنین کے مال غنیمت کی تقسیم

مال غنیمت کی مقدار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حنین کے دن اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غنیمت عطا فرمائی' اسے اور قیدیوں کو اکٹھا کیا جائے۔ پس یہ سب کچھ جعرانہ میں جمع کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی تک یہ سب کچھ وہاں رہا۔

حنین کے قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جبکہ اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔

تقسیم سے پہلے انتظار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کا دس دن سے زائد انتظار فرمایا کہ وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آ جائیں۔ (جب وہ نہ آئے تو) پھر آپ نے مال تقسیم کر دیا۔

صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ افراد کو ایک ایک سو اونٹ دینے لگے تو انصار کے کچھ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے' آپ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں' حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ان کی گفتگو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے انصار کو بلا کر چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ جو کچھ لے کر لوٹتے تھے' اس سے بہتر چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ہم راضی ہوئے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۰ کتاب المغازی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور کچھ دوسرے حضرات بھی آپ کے ساتھ تھے اور آپ حنین سے واپس آ رہے تھے تو کچھ دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو سمرہ نامی درخت کی طرف جانے

پر مجبور کر دیا اور آپ کی چادر اس کے کانٹوں سے اٹک گئی- آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میری چادر مجھے دو، اگر میرے پاس ان کانٹوں کے برابر بھی جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا- پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے-(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴۶ کتاب فرض الخمس، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۸۴)

جعرانہ سے عمرہ

محمد ابن سعد کاتب واقدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے تشریف لائے تو جعرانہ میں اترے اور وہاں مال غنیمت تقسیم فرمایا پھر وہاں سے عمرہ کیا- اس وقت شوال کی دو راتیں باقی رہ گئی تھیں-(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۱)

ابن سید الناس نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے- سیرت نگاروں کے ہاں معروف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کی رات جعرانہ میں پہنچے اور اس وقت ذی قعدہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں آپ وہاں تیرہ راتیں قیام فرما رہے جب مدینہ شریف واپسی کا ارادہ کیا تو بدھ کی رات تھی اور ذی قعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں- آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے-

ازرقی کی تاریخ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کی پچھلی جانب سے جدھر پتھر نصب ہیں، احرام باندھا-

واقدی کے نزدیک آپ نے اس مسجد سے احرام باندھا جو جعرانہ کی دوسری طرف وادی کی نچلی جانب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جعرانہ میں تھے تو وہیں نماز پڑھتے تھے-(کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۹۵۸)

جعرانہ ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک برید (بارہ میل) کے فاصلے پر ہے جس طرح کہ فاکہی نے کہا ہے اور علامہ باجی نے کہا کہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے' (اس کا نام ایک عورت کے نام پر رکھا گیا جو جعرانہ کہلاتی تھی- امام سہیلی نے اسی طرح ذکر کیا ہے-(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۷)

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

سیرت نگار فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے دو مہینے اور سولہ دن باہر رہنے کے بعد واپس (مدینہ طیبہ) تشریف لائے-

حنین اور تبوک کے درمیان

حضرت قیس کو صداء کی طرف بھیجنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو چار سو سواروں کے ساتھ یمن کی جانب بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ راستے میں جب قبیلہ صداء کے پاس سے گزریں تو ان سے لڑیں۔

پھر زیاد بن حارث صدائی نے حاضر ہو کر اس لشکر کے بارے میں پوچھا تو ان کو بتایا گیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنی قوم کا سفیر ہوں، آپ لشکر کو واپس بلا لیں، میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔ یعنی ان کو مسلمان کر کے لاؤں گا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو مقام قناۃ سے واپس بلالیا اور قبیلہ صداء والے پندرہ دن کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کے وفد کا واقعہ مقصد ثانی کی دسویں فصل میں بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بنو تمیم کی طرف لشکر کشی

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی طرف مقام سقیا میں بھیجا اور یہ بنو تمیم کی سرزمین ہے۔ آپ محرم الحرام سنہ ۹ھ میں پچاس عربی شہ سواروں کو لے کر تشریف لے گئے تھے، جن میں کوئی مہاجر اور انصاری نہ تھا۔

آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، چنانچہ ان سواروں نے صحرا میں بنو تمیم کے لوگوں پر اچانک حملہ کیا۔ ان لوگوں نے اپنے جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑا اور خود (مویشی خانوں میں) داخل ہو گئے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی جماعت دیکھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے گیارہ مردوں کو پکڑ لیا اور ان کے ٹھکانے سے گیارہ عورتیں اور تیس بچے ملے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۰)

اب بنو تمیم کے دس سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں عطارد، زبرقان، قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہوئے اور یوں آواز دی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرف باہر آئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی۔ اب یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور (اپنی عورتوں، بچوں کے متعلق) گفتگو کرنے لگے۔ آپ ان کے ساتھ (کچھ دیر) ٹھہرے اور پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔

ان لوگوں نے عطارد بن حاجب کو آگے کیا۔ عطارد نے کلام کیا اور خطبہ پڑھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (الحجرات: ۴)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدی مردوں اور عورتوں کو واپس کر دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو تمیم کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی (اور مسلمان ہو گئی) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت قعقاع بن معبد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمائیں، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: آپ نے میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ دونوں میں اختلاف ہوا تو ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو (یہاں تک کہ فیصلہ ہو جائے)۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۶)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی فیصلہ نہ کرو۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات: ۲)

اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح گفتگو کریں گے، جس طرح کوئی شخص اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا ہے تو آپ کے اور آپ جیسے دوسرے حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔ (الحجرات: ۳)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں، رسول اللہ کے پاس وہ ہیں، جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا۔

ولید بن عقبہ کو بنو مصطلق کی طرف بھیجنا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کو خزاعہ کے قبیلے بنو مصطلق کی طرف صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔

حضرت ولید اور ان لوگوں کے درمیان دور جاہلیت میں دشمنی تھی۔ اب وہ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے مساجد بھی تعمیر کر دی تھیں، جب انہوں نے حضرت ولید کے قریب آنے کے بارے میں سنا تو ان میں سے بیس آدمی نکلے کہ اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ ان کا استقبال کریں اور وہ خوشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتے تھے لیکن شیطان نے حضرت ولید کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا وہ ان لوگوں کے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے سے واپس ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ ان کی طرف اسلحہ لے کر نکلے اور ان کے صدقہ (کی وصولی) کے درمیان حائل ہوئے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان کی طرف کسی کو بھیجیں جو ان سے لڑے۔ ادھر ان لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ لوگ جو حضرت ولید سے ملے تھے، آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔

(الحجرات: ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا اذیت نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی اور ان کے ساتھ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ ان سے صدقات وصول کریں۔ ان کو شریعت کے احکام سکھائیں اور قرآن پاک پڑھائیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

سریہ ابن عوسجہ رضی اللہ عنہ

نیشاپوری کی تصنیف "شرف المصطفیٰ" میں مغلطائی کے حوالے سے مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کو بنو عمرو بن حارثہ کی طرف بھیجا۔ ایک قول کے مطابق حارثہ بن عمر کی طرف بھیجا۔ راوی فرماتے ہیں یہ زیادہ صحیح ہے۔

یہ سریہ صفر المظفر کے آغاز میں گیا اور اس کا مقصد ان کو اسلام کی طرف دعوت دینا تھا۔ انہوں نے انکار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا کی کہ ان کی عقل جاتی رہے، چنانچہ آج تک ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے جسموں پر کپکپی طاری رہتی ہے اور گفتگو میں تیزی کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔ (کلام گڑبڑ ہوتا ہے۔)

قطبہ بن عامر کا سریہ، خثعم کی طرف

پھر حضرت قطبہ بن عامر حدیدہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو قبیلہ خثعم کی طرف گیا۔ یہ لوگ تربہ مقام میں تھے جو مکہ مکرمہ کے مضافات میں سے ہے۔ یہ سریہ سنہ ۹ھ میں گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیس آدمیوں کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں پر ہر طرف سے حملہ کریں، چنانچہ ان لوگوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی اور دونوں طرف سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ حضرت قطبہ نے جن لوگوں کو قتل کیا ان کو قتل کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ ان کے اونٹ، بکریاں اور عورتیں لے کر مدینہ طیبہ آئے، ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں چار اونٹ آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر شمار کیا گیا اور خمس (پانچواں حصہ) پہلے الگ کر دیا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

ضحاک کا سریہ قرطاء کی طرف

پھر حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ربیع الاول سنہ ۹ھ میں قرطاء کی طرف گیا۔ انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا، پس یہ ان سے لڑے اور ان کو شکست دے کر مال غنیمت حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

سریہ علقمہ حبشہ کی طرف

پھر حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ربیع الثانی میں حبشہ کے ایک گروہ کی طرف گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۲) امام حاکم فرماتے ہیں: یہ سریہ صفر المظفر سنہ ۹ھ میں گیا تھا۔

ابن سعد نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حبشہ کا ایک گروہ اہل جدہ نے دیکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف علقمہ بن مجزز کو تین سو افراد کا سالار بنا کر بھیجا وہ سمندر میں ایک جزیرہ تک پہنچے۔ جب وہ ان لوگوں کی طرف سمندر میں داخل ہوئے تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب واپس لوٹے تو کچھ لوگوں نے اپنے گھروں کی طرف جانے کی جلدی کی۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو جلدی کرنے والوں پر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ کے مزاج میں مزاح کا عنصر تھا۔ یہ لوگ راستے میں ایک جگہ اترے اور آگ جلائی کہ اس سے حرارت حاصل کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں

تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں کود پڑو۔ جب ان میں سے بعض نے ارادہ کیا تو فرمایا: تم (اپنے آپ کو روکو اور بیٹھ جاؤ) میں تم سے مزاح کر رہا تھا۔

انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: جو شخص تمہیں گناہ کا حکم دے' اس کی بات نہ مانو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۳' سنن ابن ماجہ ص ۲۰۵)

اس حدیث کو حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اسے صحیح قرار دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ایک باب کی شکل دی اور فرمایا: "عبداللہ بن حذافہ سہمی اور علقمہ بن مجزز مدلجی کا سریہ"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ "سریہ انصاری" ہے۔ پھر انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا۔ جس پر ایک انصاری کو عامل مقرر فرمایا اور ان لوگوں کو اپنے امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ (کسی وجہ سے) وہ امیر ان پر ناراض ہوئے اور کہا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ تم میری اطاعت کرو' انہوں نے کہا' حکم دیا تھا۔ کہا: پھر لکڑیاں جمع کرو' انہوں نے لکڑیاں جمع کیں' امیر نے حکم دیا کہ آگ جلاؤ' پس انہوں نے آگ جلائی۔ انہوں نے کہا: اس میں داخل ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے (داخل ہونے کا) ارادہ کیا اور کچھ حضرات ایک دوسرے کو روکنے لگے اور کہنے لگے ہم آگ سے بھاگ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں۔ (مسلمان ہوئے ہیں)۔ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ آگ بجھ گئی۔ پس ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس میں داخل ہوتے تو اس سے نہ نکل سکتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳' کتاب المغازی)

حافظ ابوالفضل بن حجر نے کہا کہ اس قول کہ "کہا جاتا ہے یہ سریہ انصاری ہے" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں متعدد واقعات کا احتمال ہے اور یہ ظاہر بات ہے کیونکہ اس کے سیاق اور امیر کے نام میں اختلاف ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ کسی تاویل کے ذریعے دونوں روایتوں کو جمع کیا جائے لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی قریشی مہاجر کو انصاری قرار دینے کی وجہ سے یہ احتمال عقل سے بعید ہو جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے عمومی معنی پر محمول کیا جائے یعنی انصاری اس اعتبار سے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی (اور یہ عام مفہوم ہے' مہاجرین و انصار سب کو شامل ہے)۔

ابن القیم کا میلان واقعات کے تعدد کی طرف ہے جبکہ ابن جوزی نے کہا کہ "من الانصار" کا لفظ کسی راوی کی طرف سے اضافہ ہے حالانکہ وہ سہمی تھے۔

فتح الباری میں فرمایا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے وہ اس آیت کریمہ:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے ارباب اختیار کا حکم مانو۔

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں بھیجا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۷)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امیر نے جو یہ عمل کیا تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی آزمائش کا ارادہ کیا، یہ بھی کہا گیا کہ وہ مزاح کرنے والے تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے اس کے بعد والی روایت میں فرمایا کہ وہ حضرت عبداللہ بن حذافہ کے علاوہ کوئی شخصیت تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۵ حاشیہ)

قبیلہ طے کے بت کا انہدام

پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے۔ آپ ربیع الثانی سنہ ۹ھ میں فلس کی طرف تشریف لے گئے جو بنی طے کا بت تھا تاکہ اس کو گرا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ایک سو پچاس انصار صحابہ کرام کو بھیجا، جن کے پاس ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ دو سو مرد تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بت کو تباہ کر کے قیدی، اونٹ اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر حاصل کیں۔

قیدیوں میں سفانہ بنت حاتم بھی تھیں، (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۴) جو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپ نے اس خاتون کو چھوڑ دیا، پس آپ کا یہی عمل حضرت عدی کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

ابن سعد کے نزدیک بھی یہی ہے کہ جس نے حضرت عدی کی بہن کو قیدی بنایا تھا وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔

سریۂ عکاشہ

پھر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو جناب کی طرف گیا اور یہ سرزمین حجاز میں ایک جگہ ہے، جو بنو عذرہ اور بنو بلی قبیلوں کی زمین ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۴) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنو فزارہ اور بنو کلب کی زمین ہے، البتہ بنو عذرہ کی اس میں شرکت ہے۔

حضرت کعب بن زہیر کا اسلام

کعب بن زہیر کا واقعہ اس وقت پیش آیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف اور غزوہ تبوک سے واپس

لوٹے تھے۔

کعب اور ان کے بھائی بجیر کا واقعہ ابن اسحاق، عبدالملک ابن ہشام اور ابوبکر محمد بن قاسم بن یسار بن انباری نے نقل کیا اور ان روایات میں باہمی ربط و تعلق ہے۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ بجیر نے کعب سے کہا کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو، حتیٰ کہ میں اس شخص یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور ان کا کلام سنوں۔ نیز جو کچھ ان کے پاس ہے، اس کی پہچان حاصل کروں۔

پس کعب ٹھہر گئے اور بجیر نے بارگاہ نبوت میں حاضری دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے بعد ایمان قبول کرلیا۔

اور اس کی وجہ راویوں کے خیال کے مطابق یہ تھی کہ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا، چنانچہ اس نے ان سے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت آچکا ہے اور زہیر نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک زنجیر کھینچی گئی اور اس نے اس رسی کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے پکڑ لے لیکن وہ پکڑ نہ سکا تو اس نے اس کی تاویل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جو آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے اور وہ آپ کا زمانہ نہیں پائے گا، چنانچہ زہیر نے اپنے بیٹوں کو یہ بات بتائی اور ان کو وصیت کی کہ اگر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں تو (آپ پر) اسلام لائیں۔

ابن اسحاق نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کعب کو خط لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں چند لوگوں کو قتل کر دیا ہے جو آپ کے خلاف اشعار کہتے تھے اور قریش کے شعراء میں سے جو باقی رہ گئے ہیں جیسے ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وغیرہ، وہ ہر طرف بھاگتے پھر رہے ہیں۔

اگر تمہارے دل میں کوئی حاجت ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اڑ کر آجاؤ کیونکہ جو شخص توبہ کر کے آپ کے پاس آتا ہے، آپ اسے قتل نہیں کرتے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اپنی نجات کے لیے کوئی جگہ تلاش کرلو اور کعب نے یہ اشعار کہے تھے:

الا بلغا عنی بجیرا رسالة فهل لك فيما قلت ويحك هل لكا

فبين لنا ان كنت لست بفاعل على اى شئى غير ذلك دلكا
على خلق لم تلف اما ولا ابا عليه ولا تلقى عليه اخالكا
فان انت لم تفعل فلست باسف ولا قائل اما عثرت لعالكا
سقاك بها المامون كاسا روية فانهلك المامون منها وعلكا

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۱)

"سنو! بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کیا اس میں جو تم نے کہا تمہاری اپنی کوئی رائے ہے"۔

"اگر تم ہماری مراد پر عمل نہیں کرتے تو بتاؤ ہمارے مخالف نے کس بات پر تمہاری راہنمائی کی ہے"۔

"ایسی عادات جن پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہیں پایا اور نہ اپنے بھائی کو پائے گا"۔

"اگر تو ایسا نہیں کرتا تو مجھے تم پر افسوس نہیں ہوگا اور نہ تمہاری واپسی کی دعا کروں گا"۔

"امین (حضور علیہ السلام) نے تمہیں سیراب کرنے والا پیالہ پلایا۔ انہوں نے تمہیں بار بار پلایا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: کہ اس نے یہ اشعار بجیر کی طرف بھیجے۔ جب بجیر تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپائیں پس انہوں نے آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو آپ نے فرمایا: اس کا "سقاک بھا المامون" کہنا سچ ہے۔ لیکن وہ خود جھوٹا ہے اور میں مامون ہوں اور جب آپ نے یہ الفاظ سنے "علی خلق لم تلف اما ولا ابا" تو فرمایا: ہاں اس نے اس دین پر اپنے ماں اور باپ کو نہیں پایا، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے جو بھی کعب بن زہیر سے ملے، اسے قتل کر دے۔ چنانچہ کعب کے بھائی بجیر نے یہ اشعار لکھ کر اس کی طرف بھیجے:

من مبلغ کعبا فھل لک فی التی تلوم علیھا باطلا و ھی احزم

الی اللہ لا العزی ولا اللات وحدہ فتنجو اذا کانا النجاء و تسلم

لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت من الناس لا طاھر القلب مسلم

فدین زھیر وھو لا شئی دینہ و دین ابی سلمی علی محرم

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۲)

کوئی شخص کعب تک یہ بات پہنچائے کہ کیا تم اس دین میں داخل ہو گئے جس پر تم اپنے بھائی کو ناحق ملامت کرتے ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ بہتر ہے نہ کہ لات اور عزیٰ پس تم نجات پاؤ جب لوگ نجات پائیں گے اور سلامتی حاصل کریں۔ جس دن لوگوں میں سے وہی نجات پائیں گے جن کے دل پاک ہوں گے۔ پس زہیر کا دین جو دراصل دین نہیں ہے۔ ابو سلمیٰ کا دین ہے۔

جب کعب کے پاس خط پہنچا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے نفس پر خوف ہوا اور وہاں موجود لوگوں نے اسے اس کے دشمن سے خوف دلایا اور انہوں نے کہا کعب مقتول ہے جب کعب نے کسی چیز سے چھٹکارا نہ دیکھا تو قصیدہ کہا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی اور اپنے خوف کا نیز لوگ جو اسے ڈراتے تھے، اس کا ذکر کیا۔

پھر وہ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ آیا اور ایک ایسے شخص کے پاس اترا جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی اور وہ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اسے دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اٹھو اور آپ سے امن طلب کرو۔ کعب کھڑا ہوا حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ آپ اسے پہچانتے نہیں تھے۔

اس نے کہا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آپ کے پاس امن حاصل کرنے آیا ہے۔ وہ توبہ کر کے مسلمان ہو چکا ہے۔ آپ اس کی توبہ قبول کرلیں گے اگر میں اسے آپ کے پاس لے آؤں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں لے آؤ۔ کعب نے کہا: یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ انصار میں سے ایک شخص کعب پر جھپٹا اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اللہ کے دشمن کی گردن ماردوں۔ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہ توبہ کر کے شرک کا پٹہ اتار کر آیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: کعب کو انصار کے اس قبیلہ پر غصہ آیا جس قبیلے کے ایک شخص نے یہ رویہ اختیار کیا اور مہاجرین نے کعب کے بارے میں اچھی گفتگو کی۔ پھر حضرت کعب نے قصیدہ لامیہ کہا جس کے شروع میں یوں ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۲)

"سعاد دور ہوگئی پس میرا دل آج بیمار ہے (اور) اس کے پیچھے رسوا ہے' اس کا فدیہ نہیں دیا گیا' وہ قید میں ہے"۔

اور ان اشعار میں یہ بھی ہیں:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی	والعفو عند رسول اللہ مامول
مھلا ھداک الذی اعطاک نافلہ ال	قرآن ولو کثرت فی الاقاویل
ان الرسول لنور یستضاء بہ	مھند من سیوف اللہ مسلول
فی عصبۃ من قریش قال قائلھم	ببطن مکۃ لما اسلموا زولوا
یمشون مشی الجمال الزھر یعصمھم	ضرب اذا عرد السود التنابیل

"مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تنبیہ فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے عفو و درگزر کی امید ہی کی جاسکتی ہے"۔

"رک جاؤ تجھے اس ذات نے ہدایت دی جس نے قرآن مجید کا عطیہ دیا۔ اگرچہ اس میں اقوال زیادہ ہیں"۔

"بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک میان سے نکلی ہوئی تلوار ہیں"۔

"آپ قریش کے اس گروہ میں ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ طیبہ ہجرت کی تو وادی مکہ میں ان کے ایک قائل نے کہا:"

"کہ وہ سفید اونٹوں کی طرح چلتے ہیں جب سیاہ فام چھوٹے قد والے معرکہ سے بھاگتے ہیں"۔

ابوبکر بن انباری کی روایت میں ہے کہ جب وہ اس شعر "ان الرسول لنور" آخر تک پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر جو آپ پر تھی، ان کی طرف ڈال دی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر پر دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چادر مجھے عنایت فرمائی ہے لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کپڑے کے ساتھ کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ جب کعب کا انتقال ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء کی طرف بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر لے لی۔ ابوبکر بن انباری کہتے ہیں وہ چادر مبارک آج تک سلاطین کے پاس ہے۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں، عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہا کہ جب حضرت کعب نے "اذا عرد السود التنابیل" کہا اور اس سے انصار کے گروہ مراد لیے اور اس کی وجہ سے ان کے ایک آدمی کا حضرت کعب سے الجھنا تھا۔ جب انہوں نے مہاجرین کو تعریف کے ساتھ خاص کیا تو ان پر انصار کو غصہ آیا۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے انصار کی تعریف میں یوں کہا:

من سرہ کرم الحیا فلا یزل ۔۔۔ فی مقنب من صالحی الانصار
ورثوا المکارم کابرا عن کابر ۔۔۔ ان الخیار ھم بنو الاخیار
المکرھین السمھری بادرع ۔۔۔ کسوالف الھندی غیر قصار
والناظرین باعین محمرۃ ۔۔۔ کالجمر غیر کلیلۃ الابصار
والبائعین نفوسھم لنبیھم ۔۔۔ للموت یوم تعانق وکرار
قوم اذا خوت النجوم فانھم ۔۔۔ للطارقین النازلین مقاری

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵)

"جس شخص کو اچھی زندگی پسند ہو، وہ ہمیشہ نیک انصار کے سواروں میں رہے"۔

"وہ اپنے باپ دادا سے اچھے اخلاق کے وارث ہوئے نیک لوگ ہی نیک لوگوں کی اولاد ہیں"۔

"وہ نیزوں کو اپنی زرہوں سے دور رکھتے ہیں جیسے ہندی تلواریں (دراز ہوتی ہیں) کوتاہ نہیں ہوتیں"۔

"وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ (دشمن کو) دیکھتے ہیں جیسے سرخ انگارہ ہو اور وہ دکھتی آنکھوں کی طرح نہیں ہوتیں"۔

---

[1] ابن قانع حضرت ابن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ اسے خلفاء عیدوں کے موقع پر پہنتے تھے۔ علامہ شامی نے فرمایا: کہ اب اس کا وجود نہیں، وہ تاتاریوں کے واقعہ میں گم ہو گئی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۶۰)

"وہ اپنی جانوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیچنے والے ہیں اور دشمن سے اس طرح مقابلہ کرتے ہیں"۔

"کہ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ (یعنی جھپٹ کر لڑتے ہیں۔)"

"یہ وہ قوم ہے کہ جب ستارے غروب ہو جاتے ہیں تو وہ رات کو اترنے والے مہمانوں کے لیے وسیع دسترخوان بن جاتے ہیں (یعنی قحط سالی میں مہمان نوازی کے لیے تیار رہتے ہیں اور یہ کمال کی بات ہے)۔"

کعب اور ان کے باپ زہیر اور ان کا بیٹا عقبہ اور پوتا عوام ابن عقبہ بڑے باکمال شعراء میں سے تھے۔

غزوۂ تبوک

وقت اور مقام

تبوک ایک معروف جگہ ہے اور یہ دمشق کی طرف جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے نصف راستے میں ہے۔ اس غزوہ کو غزوۂ عسرت (تنگی والا غزوہ) کہتے ہیں۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۸۴) اور "فاضحہ" کے نام سے بھی معروف ہے کیونکہ اس میں منافقین کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ (فاضحہ کا معنی رسوا کرنے والی جنگ)[1]

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ غزوہ رجب سنہ ۹ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵) البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حجۃ الوداع کے بعد ذکر کیا ہے، شاید یہ نقل کرنے والوں کی خطا ہو۔

یہ سخت گرمی اور قحط سالی کا دور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے غزوات کی طرح یہاں "توریہ"[2] نہیں فرمایا۔

عبدالرزاق کی تفسیر میں حضرت معمر سے مروی ہے وہ ابن عقیل سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام اس حالت میں نکلے کہ ان کے اونٹ کم تھے اور گرمی بھی سخت تھی، حتیٰ کہ (پیاس بجھانے کے لیے) اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی (معدہ) میں موجود پانی پیتے تھے تو یہ پانی، سواریوں اور نفقہ کی تنگی تھی جس کی بنیاد پر اس غزوہ کو غزوۂ عسرت کہا گیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۲)

اسباب غزوہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان انباط (نبط کی طرف منسوب لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام

---

[1] منافقین کو ذلیل و رسوا کرنے والی آیات نازل ہوئیں جیسے "لاتنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا" انہوں نے کہا گرمی میں نہ نکلو تو آپ فرما دیں جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے۔ (سورۃ التوبہ: آیت ۸۱)

[2] توریہ کا لفظی معنی چھپانا ہے۔ حضور علیہ السلام جب کسی طرف غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس طرف کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ کوئی دوسری جگہ بتاتے تاکہ دشمن آگاہ نہ ہو جائے لیکن یہاں واضح طور پر تبوک کا ذکر کیا تاکہ لوگ اس کے مطابق تیاری کریں اور پریشان نہ ہوں۔ جب کسی لفظ کے دو معنی ہوں تو ایسا لفظ بولا جاتا ہے سامع قریب والا معنی مراد لیتا ہے اور متکلم کی مراد دور والا معنی ہوتی ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ آپ کی مراد دینی راہنمائی تھی اور لوگ ظاہری راستہ دکھانا سمجھتے تھے.... ۱۲ ہزاروی۔

کی اولاد سے تھا) کی طرف جو شام سے مدینہ طیبہ زیتون کا تیل لایا کرتے تھے، خبر پہنچی کہ رومی شام میں ہرقل (بادشاہ) کے پاس جمع ہیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ نے صحابہ کرام کو اس طرف جانے کے لیے بلایا اور ان کو وہی جگہ بتائی جس طرف جانے کا ارادہ تھا تاکہ اس کے لیے تیاری کرلیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

امام طبرانی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ ہلاک ہوگیا اور وہ لوگ قحط زدہ ہوگئے، اور ان کے مال بھی ہلاک ہوگئے ہیں، چنانچہ ہرقل نے اپنے سرداروں میں سے ایک سردار کے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی اور اس وقت لوگوں کو قوت حاصل نہ تھی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۲۳۲، فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک قافلہ شام کی طرف بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول یہ دو سو اونٹ اپنے کجاؤوں اور پالانوں سمیت اور دو سو اوقیہ (سونا) حاضر ہے۔

راوی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس کے بعد (حضرت) عثمان (غنی رضی اللہ عنہ) کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں دے گا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۲۳۲، مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹۱) (یہ ان کے مستقبل کے بارے میں خوشخبری تھی کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد نہ ہوگا)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش العسرت میں ایک ہزار اونٹوں اور ستر گھوڑوں پر مجاہدین کو سوار کرایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: جیش عسرت کی تیاری کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار لے کر آئے اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں ڈال دیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دامن میں ان (دیناروں) کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے: آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے گا۔ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۱۵، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۶۳، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱)

فضائل اور (عمر موصلی) الملاء نے اپنی سیرت میں لکھا جس طرح طبرانی نے الریاض النضرہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جیش العسرۃ میں) دس ہزار دینار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تو وہ آپ کے سامنے ڈالے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ہاتھوں سے الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تیری بخشش فرمائے تمہارا جو عمل پوشیدہ ہے یا ظاہر ہے اور جو عمل تم قیامت تک کرنے والے ہو، اس کے بعد وہ جو عمل کریں، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

منافقین کا رویہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشریف لے جانے کی تیاری کی تو منافقین کی ایک جماعت نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ: ۸۱)

وہ کہتے ہیں: گرمی میں نہ نکلو، آپ فرما دیجیے جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اگر وہ سمجھتے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ ص ۱۳۹)

رونے والے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور عرب کے دیگر قبائل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ آپ کے ساتھ نکلیں (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵) اور رونے والے آپ کے پاس حاضر ہو کر سواریاں طلب کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں اور یہ مندرجہ ذیل افراد تھے۔

سالم بن عمیر، علبہ بن زید، ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب مازنی، عرباض بن ساریہ، ہرم بن عبداللہ، عمرو بن عنمہ، عبداللہ بن مغفل، عبداللہ بن عمرو مزنی، عمرو بن حمام، معقل مزنی، حرمی بن مازن، نعمان، سوید، معقل، عقیل، سنان، عبدالرحمٰن اور ہند (یہ دونوں) مقرن کے بیٹے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (التوبہ: ۹۲)

اور وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے۔

یہ بات مغلطائی نے ذکر کی ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میرے ساتھیوں نے مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے سواریوں کے بارے میں سوال کروں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ساتھیوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو سواریاں عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری نہیں ہے، چنانچہ میں غمگین ہو کر واپس لوٹا ایک تو اس بات کا دکھ کہ آپ نے کوئی سواری عنایت نہ فرمائی اور دوسرا یہ خوف کہ کہیں آپ مجھ پر ناراض نہ ہوئے ہوں۔ میں اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا اور ان کو ساری بات بتا دی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے سنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اعلان کر رہے ہیں: عبداللہ بن قیس کہاں ہیں؟ میں نے کہا: حاضر ہوں۔ انہوں نے فرمایا: بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو اونٹ جو ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں، اور یہ دو اونٹنیاں جو ایک جگہ بندھی ہوئی ہیں، ان چھ اونٹوں کے ساتھ جو ابھی میں نے سعد سے خریدے ہیں، اپنے ساتھیوں کے پاس

لے جاؤ اور کہو کہ اللہ تعالیٰ نے (یا فرمایا) اللہ تعالیٰ کے رسول نے تمہیں ان پر سوار کیا ہے۔ پس تم ان پر سوار ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳، کتاب المغازی)

علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رات کا کچھ حصہ نماز پڑھ کر روئے اور یوں دعا کی:

اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا اور اس کی رغبت بھی دی پھر تو نے مجھے وہ کچھ نہ دیا کہ میں اس کے ذریعے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (جہاد پر) قوت پاتا اور تو نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بھی وہ چیز نہ دی کہ آپ مجھے اس پر سوار کرتے اور میری حالت یہ ہے کہ مجھے ہر رات کسی مسلمان کی طرف سے جو اذیت مال و جان اور عزت کے حوالے سے پہنچتی ہے تو میں وہ مال صدقہ کر دیتا ہوں اور اسے معاف کر دیتا ہوں۔

پھر آپ صبح کے وقت دیگر افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ نے فرمایا: آج رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ پس کوئی نہ اٹھا۔ پھر فرمایا: آج رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ پھر فرمایا: صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ اسے اٹھنا چاہیے، چنانچہ حضرت علبہ بن زید اٹھے اور آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں خوش خبری ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان ہے، تمہارا صدقہ مقبول زکوۃ میں لکھا گیا ہے۔ اس روایت کو یونس نے اور امام بیہقی نے "الدلائل" میں نقل کیا جس طرح امام سہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے۔[۱] (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۲۱)

عذر پیش کرنے والے

عرب کے دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ جو معذرت کرنے والے تھے، حاضر ہوئے تاکہ ان کو پیچھے رہنے کی اجازت دی جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور وہ بیاسی آدمی تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

اور دوسرے منافقین کسی عذر اور بیماری کا اظہار کیے بغیر (گھروں میں) بیٹھ گئے اور یہ گویا کہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جراءت کا مظاہرہ تھا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (التوبہ: ۹۰)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھوٹ بولا، وہ بیٹھ گئے۔

مدینہ طیبہ میں نیابت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں بطور نائب چھوڑا۔

---

[۱] اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ اور غیب کی باتوں پر بھی مطلع فرمایا۔ اسی لیے آپ نے یہ سوال فرمایا اور حضرت علبہ کو خوش خبری دی۔ مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے۔ ....۱۲ ہزاروی۔

دمیاطی کہتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ ثابت ہے اس شخص کی بات سے جو کہتا ہے کہ کسی دوسرے کو نائب مقرر کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

حافظ زین الدین عراقی شرح التقریب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ (تعارف) میں فرماتے ہیں: کہ آپ غزوہ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ طیبہ پر اور اپنے اہل و عیال پر نگرانی کے لیے متعین فرمایا اور اس دن آپ سے فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی۔

تم میرے لیے اس طرح ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام تھے لیکن (ایک فرق ہے اور یہ کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں یہ حدیث حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳، کتاب المغازی، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸، صحیح مسلم حدیث ۳۱ فضائل الصحابہ) اور ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔

پیچھے رہنے والے

بعض مسلمان (دین میں) کسی شک و شبہ کے بغیر پیچھے رہ گئے جن میں حضرت کعب ابن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔

اور ان تین کی توبہ قبول کی جو پیچھے رہ گئے تھے یہاں تک کہ ان پر زمین کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہو گئی۔

(التوبہ: ۱۱۸)

اور ان میں حضرت ابوذر اور ابو خیثمہ رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن یہ دونوں اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اس وقت آپ راستے میں اترے تھے تو آپ نے فرمایا: یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی نجات پائے گا اور تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔ پس جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۲۲)

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو ربذہ کی طرف بھیجا تو آپ کے ہمراہ آپ کی بیوی اور غلام تھا۔ آپ نے فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد مجھے راستے میں رکھ دینا اور جو گزرے، اسے کہنا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر ہیں، لہٰذا دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۷۲)

مسلمانوں کی تعداد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ہر بطن اور عرب کے ہر قبیلے کو حکم دیا کہ اپنا الگ جھنڈا (لواء اور رایہ) اٹھائیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تیس ہزار افراد تھے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں، ستر ہزار تھے، انہی سے ایک روایت ہے کہ چالیس ہزار تھے اور لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (یعنی دس ہزار گھڑسوار تھے۔)
(السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۴)

مقام حجر سے گزرنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے[1] تو فرمایا: یہاں کا پانی بالکل نہ پینا اور تم میں سے جو بھی گزرے، اس کے ساتھ اس کا ساتھی ہونا چاہیے چنانچہ لوگوں نے اسی طرح کیا، البتہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں میں سے ایک (الگ) قضائے حاجت کے لیے اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا۔ ان میں سے جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا، وہاں اسی جگہ (قضائے حاجت کی جگہ) اس کا گلا دبا دیا گیا اور جو اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، اسے آندھی نے اٹھا کر قبیلہ طے کے دو پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس کے لیے دعا مانگی (اور وہ ہوش میں آگیا) جس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا اور دوسرے کو قبیلہ طے کے لوگوں نے اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کیا جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۶)

صحیح مسلم میں حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، فرماتے ہیں: جب ہم تبوک میں آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب رات کے وقت تم پر سخت آندھی چلے گی، لہٰذا تم میں سے کوئی بھی نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو، اس کی رسی باندھ لے۔ پس سخت ہوا چلی اور ایک شخص اٹھا تو ہوا نے اسے اڑا کر طے کے دو پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۶)

امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر سے گزرے تو آپ نے اپنے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور اپنی سواری کو تیز چلایا۔ پھر فرمایا: ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا مگر روتے ہوئے (داخل ہونا یعنی) اس بات سے ڈرنا کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۸، کتاب الزہد، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا گم ہونا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب راستے میں ایک مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ زید بن صلت جو

[1] حجر وہ مقام جہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا، یہ مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے۔

منافق تھا، کہنے لگا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں دیتے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص یوں کہتا ہے پھر اس کی گفتگو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: میں وہی بات جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ میری اونٹنی کہاں ہے اور وہ اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی مہار کو ایک درخت نے روک رکھا ہے۔ جاؤ اور وہاں سے اونٹنی لے کر آؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ اسے امام بیہقی نے اور ابونعیم سے روایت کیا ہے۔[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۳۲، السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۶)

پانی میں اضافے کا معجزہ

صحیح مسلم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ تبوک کے چشمے پر اترے اور اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ ان لوگوں نے تھوڑے تھوڑے پانی سے چلو بھر کر مشکیزہ میں جمع کیا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے پھر اس پانی کو اس چشمے میں ڈال دیا تو بہت سا پانی جاری ہوگیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پانی نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۴۶، کتاب الفضائل) انشاء اللہ معجزات کے باب میں اس کا بیان آئے گا۔

تبوک تک رسائی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو آپ کے پاس صاحب ایلہ (ایلہ کا حکمران) آیا۔ اس نے آپ سے صلح کی اور جزیہ ادا کیا۔ اسی طرح جرباء اور اذرح کے لوگ آئے اور انہوں نے جزیہ ادا کیا تو آپ نے انہیں ایک تحریر دے دی۔ جرباء اور اذرح شام کے دو شہر ہیں جن کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔

ہرقل (روم کے بادشاہ) کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ حمص میں ہے۔ پس آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر ابن عبدالملک نصرانی کی طرف بھیجا اور وہ دومۃ الجندل میں بہت بڑا بادشاہ تھا۔ یہ سریہ رجب کے مہینے میں بھیجا اور یہ چار سو بیس سواروں پر مشتمل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اسے رات کے وقت گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور وہ ایک چاندنی رات میں اپنے قلعے سے نکل کر ایک گائے کی طرف گیا جس کو وہ اور اس کا بھائی حسان ہانک رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ کے سواروں نے حملہ کر کے اکیدر کو قیدی بنایا اور اس کے بھائی حسان کو قتل کر دیا اور جو شخص ان دونوں کے ساتھ تھا، وہ بھاگ کر قلعے میں داخل ہوگیا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر امان دے دی کہ وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائیں گے اور وہ آپ کے لیے دومۃ الجندل کو

---

[1] معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اونٹنی کہاں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر اعتراض کرنا منافقوں کا کام ہے..... ۱۲ ہزاروی۔

فتح کرائے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت خالد نے اس سے دو ہزار اونٹوں، آٹھ سو گھوڑوں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح کرلی۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۹، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۶)

ہرقل کی طرف خط

اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں ہرقل کو خط لکھ کر اسلام کی طرف بلایا، وہ اسلام کے قریب ہوا لیکن (قوم کے خوف سے) اس نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ تبوک میں ہرقل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک خط لکھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا ہے، وہ نصرانیت پر قائم ہے۔
(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۴۲)

ابو عبید کی کتاب "الاحوال" میں صحیح سند کے ساتھ بکر بن عبداللہ کی مرسل (روایت) سے اسی طرح ہے اور اس کے الفاظ یوں ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہ اللہ کے دشمن کا خط ہے جو مسلمان نہیں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۴۴۲)

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں دس سے کچھ زائد راتیں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ دمیاطی نے اور اس سے پہلے ابن سعد نے بیس راتوں کا قول کیا اور کہا کہ آپ وہاں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (قصر کرتے تھے) اور لڑائی نہیں ہوئی نیز آپ نے راستے میں کئی مساجد تعمیر کیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپسی میں مقام ذی اوان میں اترے۔ ذی اوان اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک موقع پر آپ کو آسمان سے (وحی کے ذریعے) مسجد ضرار کی خبر ملی۔

چنانچہ آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے اہل ظالم ہیں اور اس کو گرا کر آگ لگا دو، پس وہ دونوں گئے اور انہوں نے اسے جلایا اور گرا دیا۔ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہوا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۰، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۲۲) ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (التوبہ: ۱۰۷)

اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی، نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

واحدی کہتے ہیں حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور عام اہل تفسیر رضی اللہ عنہ و رحمہم اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی وہ بارہ آدمی تھے۔ وہ اس (مسجد) کے ذریعے مسجد قباء کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے منافقین کے ایک گروہ کے درمیان کہا کہ ہم ایک مسجد بنا کر اس میں دوپہر کو قیلولہ (آرام) کیا کریں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حاضر نہیں ہوں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں جب ان لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک جاتے وقت اپنی باطل اغراض کے تحت یہ مسجد بنائی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے بیماروں اور بارش والی رات کے لئے مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں جب ہم واپس آئیں گے تو انشاء اللہ اس میں نماز پڑھیں گے۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپ سے مسجد میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ اس پر (مندرجہ بالا) آیت کریمہ نازل ہوئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو لوگ آپ کی ملاقات کے لئے نکلے اور عورتیں، بچے اور بچیاں بھی یہ کہتے ہوئے نکلیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
و جب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳)

''ہم پر چودھویں کا چاند وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا (اور) ہم پر شکر واجب ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے گا''۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا بعض راویوں کو وہم ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کے وقت) مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہ واضح وہم ہے کیونکہ ''ثنیات الوداع'' شام کی طرف ہیں جو شخص مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا ہے وہ ان کو نہیں دیکھتا اور یہ اسی وقت دکھائی دیتی ہیں جب آدمی شام کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس لوٹے اور مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو فرمایا:

ان بالمدینۃ اقواما ما سرتم مسیرا ولا قطعتم وادیا الا کانوا معکم حبسھم العذر۔

بے شک مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں تم کسی راستے پر نہیں چلے یا کسی وادی کو نہیں کیا مگر وہ تمہارے ساتھ (اجر وثواب میں شریک) تھے ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷، کتاب المغازی، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۸)

یہ حدیث اس حدیث کی معنوی طور پر تائید کرتی ہے، جس میں فرمایا:

نیۃ المومن خیر من عملہ۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۸۵)

کیونکہ ان لوگوں کی نیت ان کے اعمال کے مقابلے میں (مقصد تک) زیادہ پہنچانے والی ہے کیونکہ اس نیت نے ان کو ان لوگوں کے مقام تک پہنچا دیا' جو اپنے جسموں کے ساتھ عمل کرتے ہیں' حالانکہ یہ اپنے گھروں میں اپنے بچھونوں پر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بلند درجات کی طرف باہم مقابلہ نیتوں اور ارادوں کے ساتھ ہوتا ہے' محض اعمال سے نہیں ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مدینہ طیبہ پر نظر پڑی تو فرمایا:

ھذہ طابۃ وھذا احد جبل یحبنا و نحبہ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷' کتاب المغازی)
یہ (مدینہ) طیبہ ہے اور یہ احد ہے یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی تعریف کروں؟ آپ نے فرمایا کہو اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کو محفوظ رکھے. انہوں نے کہا:

من قبلھا طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم ھبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغۃ ولا علق
بل نطفۃ ترکب السفین وقد الجم نسرا و اھلہ الغرق
تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما فی صلبہ انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المھیمن من خندف علیاء تحتھا النطق
وانت لما ولدت اشرقت الار ض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی ال نور وسبل الرشاد نخترق

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۸' البدایہ والنھایہ جلد ۵ ص ۲۷)

"آپ اس (دنیا میں آنے) سے پہلے (جنت کے) سایوں میں بھی طیب تھے اور جہاں آپ کو ودیعت رکھا گیا تھا۔ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں) جب وہ (اپنے جسم پر) پتے چپکاتے تھے"۔

"پھر آپ زمین پر اترے۔ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں) اس وقت آپ نہ بشر تھے نہ گوشت کا لوتھڑا' اور نہ جما ہوا خون"۔

"بلکہ ایسا نطفہ (یعنی نور) جو کشتی نوح میں سوار تھا (سام بن نوح کی پشت میں) اور غرق ہونے نے نسر اور اس کے پجاریوں کو لگام ڈال دی تھی"۔

"وہ نطفہ (نور) ایک پشت سے رحم کی طرف منتقل ہوتا جب ایک عالم گزر جاتا اور دوسرا ظاہر ہوتا"۔

"آپ اس آگ میں داخل ہوئے جو نمرود نے حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی تھی

اور اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے تو وہ کیسے جلتے؟"

"حتیٰ کہ آپ کا محفوظ گھر خندف (الیاس بن مضر کی بیوی جو شرف نسب میں مشہور تھیں) کے نسب سے ہے اور سب گھرانے آپ کے گھرانے سے پست ہیں"۔

"جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے افق نورانی ہوگیا"۔

"اور ہم اس روشنی اور نور میں ہدایت کی راہ پاتے اور اس پر چلتے ہیں"۔

کلمات اشعار کی تشریح

"من قبلها طبت فی الظلال" آپ زمین پر اترنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جنت میں طیب و طاہر تھے۔ اور "من قبلها" یعنی زمین پر اترنے سے پہلے پس اس سے کنایہ کیا اور بیان معنیٰ کے لیے پہلے ذکر نہیں ہوا۔ "ثم هبطت البلاد لا بشر" یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا کی طرف اترے تو آپ ان کی پشت میں تھے اور بشریت وغیرہ تک نہیں پہنچے تھے (یعنی نور تھے)۔

"قد الجم نسرا واهله الغرق" اس سے وہ بت مراد ہے، جس کی پوجا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کرتی تھی اور قرآن پاک کی اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا۔ (نوح: ۲۳) اور نہ یغوث، نہ یعوق اور نہ ہی نسر (بت)۔

اور آپ کا قول "حتی احتوی بیتک المهیمن" (آخر تک) النطق، نطاق کی جمع ہے، اس سے پہاڑوں کی ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی تہہ مراد ہے، ان کو نطق سے تشبیہ دی اور نطق (نطاقہ) وہ کپڑے جن سے کمر کو باندھا جاتا ہے۔ (کمربند) اپنے خاندان میں آپ کی بلندی اور شرف اور ان لوگوں کا آپ سے نچلے درجہ میں ہونا جس طرح عمدہ پہاڑ ہیں۔ اس سے آپ کے شرف اور نعت کو بیان کرنے کا قصد کیا۔ یعنی آپ کا شرف جو آپ کے فضل پر شاہد ہے، وہ خندف کے نسب سے اعلیٰ مرتبہ والا ہے۔

پیچھے رہ جانے والوں کی حاضری

جو لوگ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے قسمیں کھائیں تو آپ نے ان کے عذر کو قبول کیا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی، جبکہ حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں کے معاملے کو موخر کردیا، حتیٰ کہ ان کی توبہ کے بارے میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں، ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں

بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ - (التوبہ: ۱۱۸،۱۱۷)

پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان و رحم والا ہے۔ اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس، پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور یہ تین حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ علیہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ علیہ نے جب اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرکے بنو قریظہ کو بتایا کہ ان کو ذبح کردیا جائے گا۔[1] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں یہ بات بتائی گئی تو آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے غافل تھا جب تم نے ان کے لئے ہاتھ کے ساتھ اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا چنانچہ وہ کچھ عرصہ اس حال میں رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض تھے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہنے والوں میں پیچھے رہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت ابولبابہ نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا لیکن آپ نے منہ پھیر لیا۔ حضرت ابولبابہ گھبرا گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو سات دن تک ساریہ توبہ (توبہ والے ستون) کے ساتھ باندھے رکھا اور فرمایا جب تک میں دنیا سے جدا نہ ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کرلے اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۷۰)

امام بیہقی نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا - (التوبہ: ۱۰۲)

اور کچھ دوسرے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ملایا ایک کام اچھا۔

آپ فرماتے ہیں وہ دس حضرات تھے جو غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہے جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات افراد نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور آپ اسی طرف سے آتے تھے تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (انہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہے) حتیٰ کہ آپ ان کو کھول دیں یا ان کا عذر قبول فرمائیں۔

---

[1] بنو قریظہ نے پوچھا تھا کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اتریں تو انہوں نے یہ اشارہ فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۸۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ان کو نہیں کھولوں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا حکم دے۔ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور جہاد سے پیچھے رہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ "واخرون اعترفوا بذنوبھم" جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کسی کو بھیجا اور ان کو کھولا نیز ان کا عذر قبول کیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۷۲)

سیرت نگار کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عویمر العجلانی نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا تو حضور علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان لعان کا حکم دیا۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج

پھر ذی قعدہ ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام حج کے لئے تشریف لے گئے جس طرح ابن سعد وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا اور عکرمہ بن خالد رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ حاکم نے الاکلیل میں ذکر کیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ ذوالحجہ میں تشریف لے گئے۔ داؤدی، ثعلبی اور ماوردی نے اسی طرح کہا ہے اور اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ ابن اسحاق نے واضح طور پر ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ رمضان، شوال اور ذی قعدہ کا مہینہ ٹھہرے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ماہ ذی قعدہ کے اختتام کے بعد بھیجا گیا۔ پس آپ نے ذوالحجہ میں حج فرمایا۔ واللہ اعلم![2]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے تین سو افراد تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ قربانی کے بیس اونٹ تھے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۵)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس حج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا یہ حجتہ الوداع سے پہلے والا حج تھا۔ اس میں آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ تو حج کرے گا اور نہ ہی ننگا ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۵، کتاب الحج)

ان کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں سورہ برأت

---

[1] جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو دونوں طرف سے قسمیں کھائی جاتی ہیں اور پھر ان میں تفریق کر دی جاتی ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھیں۔ ...۱۲ ہزاروی۔

[2] جو لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذی قعدہ میں حج کیا اس میں ان کا رد کیا گیا کہ آپ کو ذی قعد کے اختتام پر بھیجا گیا اور حج ذوالحجہ میں ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۸۹)

کے ساتھ اعلان کا حکم دیا تو انہوں نے اس برأت کے ساتھ اہل منیٰ میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر طواف کرے گا۔

راوی فرماتے ہیں اس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کیا۔ پھر آئندہ سال جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع فرمایا کسی مشرک نے حج نہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سال کے بارے میں جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین کا عہد ان کی طرف ڈال دیا۔ ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (التوبہ: ۲۸)

اے ایمان والو! بے شک مشرکین ناپاک ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

یہ آیت کریمہ مشرکین کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ "المومن لاینجس" (مومن ناپاک نہیں ہوتا۔)

جہاں تک بدنی نجاست کا تعلق ہے تو جمہور کا موقف یہ ہے کہ مشرکین بدن اور ذات کے اعتبار سے ناپاک نہیں، البتہ بعض ظاہری (ظاہر پر عقیدے کی بنیاد رکھنے والے) ان کی بدنی نجاست کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ ضعیف بات ہے۔

کیونکہ اگر ان کے جسم کتے اور خنزیر کی طرح ناپاک ہوتے تو اسلام لانے سے وہ پاک نہ ہو سکتے اور ان کے لیے مسجد الحرام کی طرح اور دیگر مساجد میں بھی داخل ہونے کی کلی ممانعت ہوتی۔

سو اس سے خبث مراد ہے کیونکہ ان میں ظاہری خبث ہے، جو کفر کی وجہ سے ہے اور اسلام دشمنی کی وجہ سے خبث باطنی ہے یہ بات امام مقاتل نے فرمائی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ پس ہم آپ کے ساتھ آئے حتیٰ کہ جب ہم مقام عرج میں تھے تو صبح کی نماز کا اعلان ہوا۔ جب تکبیر کے لئے سیدھے کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے پس پشت اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی تو آپ تکبیر سے رک گئے۔ فرمایا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی "جدعاء" کی آواز ہے۔ شاید حج کے معاملے میں کوئی بات آپ کے لئے ظاہر ہوئی اور ہو سکتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، پس ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے اچانک دیکھا تو اس اونٹنی پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر بن کر آئے ہیں یا قاصد؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قاصد بن کر آیا ہوں۔ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ برأت دے کر بھیجا ہے تاکہ میں اسے حج کے مواقف (میدان عرفات) میں لوگوں کے سامنے پڑھوں۔

پس ہم مکہ مکرمہ میں آئے جب ترویہ سے پہلا دن (سات ذوالحجہ کا دن) ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں ان کو مناسک حج بتائے جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو مکمل سورۃ برأت پڑھ کر سنائی پھر ہم ان کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب نو ذوالحجہ کا دن آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا جس میں ان کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مکمل سورۃ برأت لوگوں کو سنائی پھر قربانی کا دن (دس ذوالحجہ کا دن) ہوا تو ہم واپس آئے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس ہونے لگے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں ان کو واپسی کا طریقہ، قربانی اور حج کے دیگر احکام سکھائے جب فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوری سورہ برأت پڑھی۔

جب کوچ کا پہلا دن ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ان کو بتایا کہ کیسے واپس ہونا ہے اور جمرات کو کنکریاں کیسے مارنا ہیں۔ نیز آپ نے ان کو دیگر مناسک بھی سکھائے، جب فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوری سورۃ برأت پڑھی۔

(سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۶، کتاب الحج، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۹۷)

سیاق حدیث میں اس اعتبار سے غرابت (حدیث کا مشہور حدیث کے خلاف ہونا) ہے کہ جعرانہ والے عمرہ کے سال (۸ھ) امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۹ھ) میں امیر حج تھے۔ (اس حدیث کے ان الفاظ سے کہ حضور علیہ السلام جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ جعرانہ والے سال آپ کو امیر مقرر کیا حالانکہ اس سال حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ ۔ ۔ ۱۲ ہزاروی۔)

اس واقعہ سے استدلال کیا گیا کہ حج کی فرضیت، حجۃ الوداع سے پہلے ہوئی ہے اور اس سلسلے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حج کی وجہ سے ان سے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ یہ فرض حج سے پہلے نفلی حج تھا لیکن اس قول کی کمزوری پوشیدہ نہیں ہے۔[1]

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ قول اس لئے ضعیف ہے کہ اسکے خلاف متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۹۳)

حج صدیق اکبر اور حجۃ الوداع کا درمیانی عرصہ

منافقین کے سردار کی ہلاکت

اسی سال عبداللہ بن ابی بن سلول (منافق) مرا، اس کا بیٹا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیں تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو کفن پہنائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص عطا فرمادی، پھر اس نے عرض کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا یارسول اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نماز پڑھانے سے منع فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۸۰)

آپ ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (آپ کو اختیار ہے) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اور میں ستر بار سے بھی زیادہ مغفرت مانگوں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ منافق تھا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۷۳، کتاب التفسیر، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۸۸)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں جو مر جائے کبھی بھی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کیا اور حالت فسق (کفر کی حالت) میں مر گئے۔[1]

---

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حکمت خداوندی کا تقاضا تھا کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس واقعہ کو دیکھ کر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ابھی آپ کو منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے ایلاء

اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء فرمایا[1] اور آپ کا ایک پہلو چھل گیا۔[2] آپ ایک بالا خانے میں تشریف فرما ہو گئے اور آپ نے اسے کھجور کی شاخوں سے سایہ دار بنایا۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، جبکہ وہ کھڑے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو[4] اور جب تک وہ رکوع نہ کرے تم نہ کرو اور جب تک وہ سجدہ سے سر نہ اٹھائے تم بھی نہ اٹھاؤ۔[5]

حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجنا

پھر حجۃ الوداع سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کے دو الگ الگ صوبوں کی طرف بھیجا۔ یمن میں دو صوبے ہیں اور فرمایا:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا۔ آسانی اختیار کرنا تنگی میں نہ ڈالنا اور خوشخبری دینا متنفر نہ کرنا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۲، کتاب المغازی)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اہل کتاب کے پاس جا رہے ہیں جب ان کے پاس جاؤ تو ان کو اس بات کی شہادت کی دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

---

[1] ایلاء کا معنی قسم کھانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔

[2] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے تھے، جس سے آپ کی پنڈلی یا کاندھا چھل گیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۹۷)

[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ایک بالا خانہ بنایا گیا اس دوران آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف نہیں لے گئے وہیں موجود حضرات کو نماز پڑھاتے۔ لیکن یہ بات منقول نہیں کہ اپنی جگہ کسی کو مقرر فرمایا ہو نہیں اسی لیے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ جو لوگ وہاں حجرہ میں تھے، وہ بھی اور مسجد والے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور ممکن ہے کسی کو مقرر کیا ہو۔ اگرچہ منقول ہیں۔ تفصیل زرقانی جلد ۳ ص ۹۸،۹۷ پر دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

[4] مطلب یہ ہے کہ جب امام تشہد کے لئے بیٹھے تو تم بھی بیٹھو یہ مطلب نہیں کہ مکمل نماز بیٹھ کر پڑھو... ۱۲ ہزاروی۔

[5] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتیس راتوں کے بعد (بالا خانے) سے اترے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایک مہینے کے لئے قسم کھائی تھی آپ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے۔

پس اگر وہ آپ کی اطاعت کریں تو ان کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر ان کے فقراء کو دی جائے گی۔ اگر اس سلسلے میں وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے اچھے مالوں سے بچو اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب (آڑ) نہیں ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳، کتاب المغازی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی بالائی جانب بھیجا گیا، جو عدن کی طرف ہے اور اس کا صدر مقام جند ہے اور وہاں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد مشہور ہے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کے نشیبی علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف بھیجا

پھر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے ربیع الاول ۱۰ھ میں نجران میں بنو عبد المدان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

الاکلیل میں ہے کہ ربیع الآخر میں بھیجا تھا۔ ایک قول کے مطابق جمادی الاولیٰ میں بھیجا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنا

پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں یمن کی طرف بھیجا اور ان کے لئے جھنڈا مقرر کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ شریف باندھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹) امام ابو داؤد، امام احمد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا، آپ فرماتے ہیں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں، جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں نوجوان ہوں، فیصلے کرنے کا تجربہ نہیں رکھتا۔ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ — اے اللہ! ان کی زبان کو ثابت رکھ اور ان کے دل کو ہدایت دے۔

اور فرمایا اے علی! (رضی اللہ عنہ) جب تمہارے سامنے دو باہم جھگڑنے والے آئیں تو جب تک دوسرے کی (یعنی مدعیٰ علیہ کی) بات نہ سن لو فیصلہ نہ کرنا۔

(مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۱، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۷، جامع ترمذی جلد اول ص ۱۵۹، المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۳۵)

چنانچہ آپ تین سو افراد کو لے کر روانہ ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو پھیلا دیا تو وہ مال غنیمت، عورتیں، بچے، اونٹ اور بکریاں وغیرہ لے کر آئے پھر ان کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور تیر اندازی کی۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر کے ان میں سے

بیس آدمیوں کو قتل کردیا۔ چنانچہ وہ بکھر گئے اور بھاگ گئے۔ آپ ان کی تلاش میں نہ گئے۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جلدی کی اور آپ کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے کچھ سرداروں نے اسلام کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے، اور مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ آپ ۱۰ھ میں وہاں حج کے لئے تشریف لائے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۹)

حجۃ الوداع

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والا حج کیا اور اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اور حجۃ البلاغ بھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو حجۃ الوداع کہنا ناپسند کرتے تھے۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۱ کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے آپ نے ہر سال قربانی بھی کی اور جہاد بھی۔ جب ۱۰ھ کا ذی قعدہ ہوا تو حج کے لئے جانے کا ارادہ فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۲) (تو اس کے لئے تیاری فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی تیاری کا حکم دیا) ابن سعد نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس کے بعد وفات تک صرف یہی حج کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۲)

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس غزوات میں شرکت کی اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا یعنی حجۃ الوداع اور اس کے بعد کوئی حج نہیں فرمایا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۲، کتاب المغازی)

راوی کہتے ہیں ابن اسحاق نے کہا آپ نے مکہ مکرمہ سے دو سراج کیا اور کہا گیا کہ آپ نے اعلان نبوت کے بعد دو حج کئے اور اس سے پہلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۳۰۲)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ہفتہ کے دن روانہ ہوئے اس وقت ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۳) ابن حزم نے قطعی طور پر بیان کیا کہ آپ جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ کو جمعرات کا دن تھا، یہ قطعی بات ہے کیونکہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقوف عرفات جمعۃ المبارک کے دن ہوا۔ پس مہینے کے آغاز کے لئے جمعرات

---

[1] ان سرداروں نے کہا کہ ہم اپنی قوم کے ان لوگوں کے ذمہ دار ہیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور یہ ہمارے صدقات ہیں۔ پس آپ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کریں۔ (زرقانی ۳ ص ۱۰۳)

[2] چونکہ اس میں حضور علیہ السلام کے وصال کی طرف اشارہ ہے اس لئے وہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ دیگر صحابہ کرام حجۃ الوداع ہی کہتے تھے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۵)

کا دن متعین ہوا۔ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں کہ آپ جمعرات کے دن تشریف لے گئے بلکہ ظاہر روایت کے مطابق یہ جمعہ کا دن تھا۔ لیکن صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے فرماتے ہیں ہم نے مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی چار رکعات ادا کیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۹، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۲) یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ جمعہ کے دن تشریف نہیں لے گئے۔

جن لوگوں نے کہا کہ ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں ان کے قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اگر مہینہ تیس دن کا ہوگا اور یہ اتفاق ہوگیا کہ مہینہ انتیس دن کا آگیا، پس چار راتیں گزرنے کے بعد ذوالحجہ کا آغاز جمعرات کو ہوا، پانچ راتیں گزرنے کے بعد نہیں، روایات اس بات پر متفق ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایات کو اسی طرح جمع کیا ہے اور اس جمع کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے تائید حاصل ہوتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے تو ذی قعدہ کی پانچ یا چار راتیں باقی تھیں۔

واقدی نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن روانہ ہوئے، جب کہ ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۱۰۸۹) اور مدینہ طیبہ سے آپ ظہر اور عصر کے درمیان روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں آپ چار ذوالحجہ کی صبح داخل ہوئے اور یہ اتوار کا دن تھا اور یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ آپ مدینہ طیبہ سے ہفتہ کے دن نکلے پس راستے میں آپ آٹھ راتیں ٹھہرے اور یہ درمیانی قسم کی مسافت ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نوے ہزار صحابہ کرام تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار تھے، نیز اس سے زیادہ کا قول بھی کیا گیا ہے، جس طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ حجۃ الوداع اور اس سے متعلق مباحث عبادت کے مقصد میں بیان ہوں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری لشکر

پھر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا سریہ ہے جو اہل اُبنیٰ کی طرف مقام شراۃ میں بھیجا گیا اور یہ بلقاء کے نواح میں ہے۔ یہ سریہ سوموار کے دن جب کہ صفر اللہ کی چار راتیں باقی تھیں، روانہ ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سرایا بھیجے ان میں سے یہ آخری سریہ ہے جس کو آپ نے تیار کیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے یہ پہلا سریہ رومیوں کے مقابلے میں اس جگہ بھیجا جہاں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تھے۔

جب بدھ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے آپ کو بخار آیا اور درد سر شروع ہوا۔ جمعرات کی صبح آپ نے اپنے ہاتھ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے جھنڈا تیار کیا وہ اپنا جھنڈا لے کر یوں نکلے کہ وہ بند تھا، انہوں نے یہ جھنڈا حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو دیا اور مقام جرف میں لشکر جمع کیا۔ مہاجرین وانصار

کے تمام معززین اس لشکر میں نکلے اور ان میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔
ایک قوم نے آپس میں گفتگو کی اور کہنے لگے کہ اس لڑکے کو مہاجرین پر امیر بنایا جا رہا ہے۔[1]
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے سرانور پر پٹی باندھ رکھی تھی اور آپ کے اوپر ایک چادر تھی، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:
امابعد! لوگو! اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنانے کے سلسلے میں تم میں سے بعض نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر تم نے اسامہ کو امیر بنانے کے سلسلے میں میرے فیصلے پر طعن کیا تو اس سے پہلے ان کے باپ (حضرت) زید (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنانے کے بارے میں میرے فیصلے پر بھی تم نے طعن کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ قیادت کے لائق تھے اور ان کے بعد یہ (حضرت اسامہ) بھی اس امارت کے لائق ہیں اور بے شک یہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کی خیر خواہی اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہیں۔
اس کے بعد آپ منبر سے اترے اور خانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ یہ ہفتہ کے دن کا واقعہ ہے جبکہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ کی دس راتیں گزر چکی تھیں۔
وہ مسلمان جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہے تھے وہ حاضر ہو کر آپ سے رخصت ہوتے اور لشکر میں شمولیت کے لئے مقام جرف کی طرف جاتے۔
جب اتوار کا دن ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف سخت ہو گئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بے ہوش تھے۔ اسی دن گھر والوں نے آپ کے دہن مبارک میں دوائی ڈالی تھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو نہیں فرماتے تھے آپ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے اور پھر ان کو حضرت اسامہ پر رکھ دیتے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر گاہ کی طرف لوٹ گئے۔
اس کے بعد جب سوموار کا دن ہوا تو صبح کے وقت آپ کو افاقہ ہوا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ سے رخصت ہو کر لشکر کی طرف نکلے۔
حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو چلنے کے لئے فرمایا اور خود سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ان کی ماں، ام ایمن کا قاصد پہنچا اور اس نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت جب سورج ڈھل گیا۔ آپ کا وصال ہو گیا جبکہ ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ (یعنی بارہ ربیع الاول کا دن تھا۔)

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۱)

---

[1] ابن اسحاق نے حضرت عروہ اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کیا کہ ایک نوجوان کو بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر امیر بنادیا گیا ہے اور یہ بات عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی وغیرہ نے کہی تھی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۶۸)۔

امام سہیلی اور ان کی اتباع کرنے والوں نے اس پر یوں اعتراض کیا کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ذوالحجہ کا آغاز جمعرات کے دن ہوا پس اگر تینوں مہینوں (ذوالحجہ، محرم اور صفر) کو کامل تصور کیا جائے۔ (یعنی تیس تیس دن کے ہوں) یا کم ہوں یا بعض کم اور بعض زیادہ تو یہ بات صحیح قرار نہیں پاتی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ بات اس شخص کے لئے ظاہر ہے جو غور و فکر کرتا ہے۔[1]

علامہ بارزی نے اور پھر ابن کثیر نے یوں جواب دیا کہ اگر تینوں مہینے کامل شمار کئے جائیں تو اس احتمال کی بنا پر یوں کہا جائے گا کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے میں اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان اختلاف ہو۔ اہل مکہ نے جمعرات کی رات کو چاند دیکھا اور اہل مدینہ نے جمعہ کی رات کو، تو اہل مکہ کی رویت سے وقفہ حاصل ہوا پھر مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے تو اہل مدینہ کی رویت سے تاریخ لکھی پس ذوالحجہ کا آغاز جمعہ سے اور اختتام ہفتہ کے دن ہوا۔ محرم کا آغاز اتوار سے اور اختتام سوموار کے دن ہوا۔ صفر کا آغاز منگل کو اور اختتام بدھ کو ہوا۔ پس ربیع الاول شریف کا آغاز جمعرات کو ہوا تو بارہ ربیع الاول سوموار کا دن ہوا۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جواب بعید ہے کیونکہ اس طرح چار مہینوں کا تسلسل کے ساتھ کامل ہونا لازم آتا ہے۔ (ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم، اور صفر کا تیس تیس دن کا ہونا) اور سلیمان تیمی جو قابل اعتماد لوگوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے قطعی سور پر کہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا آغاز صفر کی بائیس تاریخ ہفتہ کے دن ہوا اور آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا جب ربیع الاول شریف کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ اس بنیاد پر صفر انتیس دن کا ہوگا اور صفر کا آغاز ہفتہ کے دن سے ہونا اسی صورت میں ممکن ہوگا۔ جب ذوالحجہ اور محرم دونوں ناقص (یعنی انتیس انتیس دن کے) ہوں۔ پس اس سے تین مہینوں کا مسلسل ناقص ہونا لازم آئے گا۔

ابن حجر فرماتے ہیں اس سلسلے میں ابو مخنف کا قول معتمد علیہ ہے کہ ربیع الاول شریف کی دو تاریخ کو آپ کا وصال ہوا اور دوسرے لوگوں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے "ثانی شہر ربیع الاول" (دو ربیع الاول) کو "ثانی عشر" (بارہ) کہہ دیا اور یہ وہم اسی طرح منتقل ہوتا رہا اور کسی نے غور نہ کیا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ سوموار کو ہوا بلکہ قریب ہے کہ اس پر اجماع ہو لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گیارہ رمضان کا ذکر ہے۔ اسے امام بزار نے ذکر کیا لیکن قابل اعتماد بات وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے واللہ اعلم! [فتح الباری جلد ۸ ص ۹۸] (یعنی آپ کا وصال ربیع الاول شریف میں ہوا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے متعلق حدیث آخری مقصد (آخری بیان) میں آئے گی۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسلمانوں کا لشکر جو مقام جرف میں تھا وہ سب مسلمان مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اس جھنڈے کے ساتھ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و وصال کی تاریخوں میں اختلاف ہے تاہم امت مسلمہ میں بارہ ربیع الاول ہی معروف ہے۔... ۱۲ ہزاروی۔)

اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے مقرر کیا تھا' داخل ہوئے حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچ کر اسے دروازے کے پاس گاڑ دیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو انہوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف لے جائیں تاکہ وہ روانہ ہوں' چنانچہ وہ لشکر کی پہلے والی جگہ پر تشریف لے گئے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ربیع الآخر ۱۱ھ کی ابتدائی تاریخوں میں اہل اُبنیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور ان پر حملہ کیا پس جو سامنے آیا اسے قتل کیا اور جو قابو آیا اسے قیدی بنایا اور ان کے گھروں اور درختوں کو جلا دیا۔ اس حملہ میں آپ کے والد (حضرت زید) کا قاتل بھی مارا گیا۔

پھر مدینہ طیبہ کی طرف واپس ہوئے اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین اور اہل مدینہ کے ہمراہ خوشی خوشی ان سے ملنے باہر نکلے۔ واللہ اعلم! (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۱۱۲۲' السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام رایا اور ہمیں ساٹھ کے قریب ہیں اور غزوات تائیس کے قریب ہیں۔

الحمد للہ! آج ۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ' مطابق ۱۱ جنوری ۲۰۰۰ء بروز منگل شام چار بج کر چوالیس منٹ پر المواہب اللدنیہ جلد اول کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر امت مسلمہ کے لئے نافع اور راقم مترجم کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین ثم آمین) بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور

مشمولات مقصد ثانی

پہلی فصل

آپ ﷺ کے اسماء شریفہ جو آپ کی صفات کمالیہ مبارکہ پر دلالت کرتے ہیں

اسم کی تعریف

اسماء، اسم کی جمع ہے اور یہ (اسم) ایک ایسا کلمہ ہے جسے اہل عرب نے مسمّٰی (کسی ذات یا چیز) کے مقابلے میں وضع کیا ہے کہ جب وہ اسم بولا جاتا ہے تو اس سے وہ مسمّٰی سمجھا جاتا ہے۔ پس اس بنیاد پر چار چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اسم (۲) مسمّٰی (زبر کے ساتھ) (۳) مسمی (زیر کے ساتھ) اور (۴) تسمیہ۔

اسم: وہ لفظ ہے جو کسی ذات کے لیے اس طرح وضع کیا گیا کہ وہ اس کی پہچان کراتا ہے یا اسے اس کے غیر سے خاص (ممتاز) کر دیتا ہے۔ جیسے لفظ "زید"۔

مسمّٰی: وہ ذات ہے کہ اسم کے ذریعے اس کو ممتاز کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے زید کی شخصیت۔

مسمی: وہ شخص یا ذات جو اس لفظ کو وضع کرنے والا ہے۔ (یعنی نام رکھنے والا)

تسمیہ: اور تسمیہ کا مطلب اس لفظ کو اس ذات کے ساتھ خاص کر دینا ہے۔

اور وضع کا معنی یہ ہے کہ کسی لفظ کو کسی معنی (ذات) کے ساتھ اس طرح خاص کیا جائے کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے یا اس کا احساس ہو تو وہ معنی سمجھ میں آ جائے۔

اسم اور مسمّٰی

اس سلسلے میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا اسم، عین مسمّٰی ہوتا ہے یا اس کا غیر ہوتا ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے جس میں گزشتہ دور میں بھی اور اس دور میں بھی لوگوں نے گفتگو کی ہے۔

ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ اسم، عین مسمّٰی ہے اور اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

گرامی سے استدلال کیا ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى -(الاعلیٰ: ۱) اپنے بلند و بالا رب کے نام کی تسبیح بیان کریں۔

اور تسبیح صرف ربِ کائنات جل و علا کے لیے ہے۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا اسم (نام) بھی وہی ہے (اسم اور ذات الگ الگ نہیں ہیں)۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ سبح کا معنی "اذکر" سمجھا گیا ہے۔ گویا کہا گیا کہ اپنے (اعلیٰ) رب کا نام ذکر کرو جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ اور اپنے رب کا نام صبح و شام ذکر کرو۔
(الدھر: ۲۵)

اور بعض اوقات اذکر، سبح کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ یعنی پہلی بات کے برعکس بھی مراد ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ۔ (آل عمران: ۴۱) اور اپنے رب کا ذکر کرو۔ (اس کی تسبیح بیان کرو۔)

اور اہل عرب کی لغت میں اشراب (ایک لفظ کا معنی دوسرے کی جگہ استعمال کرنا) جاری ہے۔ ایک فعل کا معنی دوسرے فعل کے لیے لیتے ہیں۔

اگر اسم کو ہی مسمیٰ قرار دیں تو اس کی مسمیٰ کی طرف اضافت کیسے صحیح ہوگی؟ اور اس طرح ایک چیز کی اپنی ذات کی طرف اضافت لازم آئے گی۔

اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں اسم، تسمیہ کے معنی میں ہے اور تسمیہ، اسم کا غیر ہوتا ہے۔ کیونکہ اسم کا تلفظ تسمیہ ہے اور اسم وہ چیز ہے جو مسمیٰ کو لازم ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

جو لوگ اسم کو عین مسمیٰ قرار دیتے ہیں انہوں نے اس ارشاد خداوندی سے بھی استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى -(مریم: ۷) ایک غلام (کی خوشخبری دیتے ہیں) جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

پھر فرمایا:

يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ (مریم: ۱۲) اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں۔

تو اسم کے ساتھ پکارا گیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہی (اسم) مسمیٰ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہوگا ایک غلام جس کا نام یحییٰ ہے۔ اگر اسم، عین مسمیٰ ہوتا تو جو آدمی لفظ "آگ" بولتا ہے اس کی زبان جل جانی چاہیے اور جو شخص لفظ "شہد" بولے اس کو اس کی مٹھاس محسوس ہونی چاہیے (حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوص اسمائے مبارکہ

ناموں کی کثرت مسمّیٰ (جس کے نام ہیں) کے شرف پر دلالت کرتی ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب' نیز انبیاء کرام کی زبانوں (کے واسطے) سے بہت سے نام عطا فرمائے ہیں۔

(اسی طرح آپ کی صفات بھی کثیر ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ آپ کے اسماء اور صفات برابر ہیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ مشہور نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نام آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے رکھا تھا کیونکہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے بیٹے (پوتے) کا کیا نام رکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا آپ نے یہ نام کیسے رکھا جبکہ یہ نام آپ کے آباء و اجداد اور قوم میں سے کسی کا نہیں ہے؟

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا تحقیق مجھے امید ہے کہ زمین پر بسنے والے تمام لوگ اس بچے کی تعریف کریں گے اور یہ ایک خواب کی بنیاد پر فرمایا جو عبدالمطلب نے دیکھا تھا۔ جس طرح علی القیروانی نے اپنی کتاب "البستان" میں یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ چاندی کی ایک زنجیر آپ کی پیٹھ سے نکلی ہے۔ اس کا ایک کنارہ آسمان کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ زمین کی طرف ہے۔ ایک کنارہ مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی جانب ہے' پھر وہ لوٹ کر ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے' جس کے ہر پتے پر نور ہے اور مشرق و مغرب والے اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے یہ خواب بیان کیا تو ان کو اس کی تعبیر یوں بتائی گئی کہ آپ کی پشت سے ایک بچہ (آپ کا پوتا) پیدا ہوگا' جس کی پیروی تمام مشرق و مغرب والے کریں گے۔ نیز آسمان و زمین والے ان کی تعریف کریں گے' اسی لیے انہوں نے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیان فرمایا کہ ان سے کہا گیا آپ کے بطن مبارک میں اس امت کا سردار ہے۔ جب ان کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلب نے آپ کی طرف سے عقیقہ کیا اور آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ آپ سے پوچھا گیا اے ابوالحارث آپ نے اس بچے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا اور اپنے آباء و اجداد کے نام پر نام نہیں رکھا اس کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اس کی تعریف کرے اور زمین میں لوگ اس بچے کی تعریف کریں۔

حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۱)

بے شک میرے کئی نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا اور میں جمع کرنے والا ہوں کہ میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں (سب نبیوں کے) بعد میں آنے والا ہوں۔

"علی قدمی" ایک روایت میں یاء کی تخفیف کے ساتھ قدمی ہے (یعنی میرا قدم) اور تشدید کے ساتھ تثنیہ کے طور پر بھی ہے یعنی قَدَمَیّ (میرے دونوں قدم) امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

دونوں روایتوں کا مفہوم یہ ہے کہ میرے نشان، زمانے اور رسالت پر تمام لوگ جمع ہوں گے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۱ (حاشیہ)

حضرت نافع بن جبیر رحمہ اللہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر اور تاریخ اوسط میں اور امام حاکم نے مستدرک میں روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔ ابو نعیم نے الدلائل میں نیز ابن سعد نے بھی (طبقات ابن سعد میں) ذکر کیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس گئے تو عبدالملک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء گرامی جن کو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ شمار کیا کرتے تھے، آپ بیان کر سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ چھ نام ہیں۔ پس انہوں نے وہ پانچ نام بھی ذکر کیے جو حضرت محمد بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیے اور "الخاتم" کا اضافہ بھی کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں احمد، محمد، حاشر، مقفّی اور نبی الرحمۃ کا ذکر ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶) (مقفّی کا معنی تمام رسولوں کے بعد آنے والے)۔

ابو نعیم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ چھ نام ہیں۔ "محمد، احمد، خاتم، حاشر، عاقب، ماح"۔

حاشر کا معنی یہ ہے کہ آپ قیامت کے ساتھ ساتھ (قریب) مبعوث ہوئے جو تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اور عاقب جو تمام انبیاء کرام کے بعد تشریف لائے (آپ کے بعد کوئی نبی نہیں) اور ماح (ماحی) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے آپ کی اتباع کرنے والوں کے گناہ مٹا دیئے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۱۷)

بعض حضرات نے ذکر فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں عدد نہیں ہے، بلکہ یہ راوی کی روایت بالمعنی ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حدیث شریف میں واضح طور پر مذکور ہے کہ:

ان لی خمسۃ اسماء۔ بے شک میرے پانچ اسماء ہیں۔

میرے خیال میں آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ پانچ نام میرے ساتھ خاص ہیں۔ مجھ سے پہلے کوئی بھی ان کے ساتھ موسوم نہیں ہوا یا یہ کہ پہلی امتوں میں میرے یہ پانچ نام مشہور ہیں۔
یہ مطلب نہیں کہ آپ کے صرف یہی پانچ نام ہیں۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴) اس سلسلے میں کیے جانے والے اعتراض کا یہی جواب ہے۔
اعتراض یہ ہے کہ علم معانی کا ضابطہ ہے کہ جار مجرور کو مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے (لہٰذا اسماء گرامی صرف یہی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے)، لیکن زیادہ اسماء گرامی سے متعلق روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں حصر مطلق نہیں ہے، پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے حصر مقید پر محمول کیا جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم
نقاش (حافظ ابوبکر بن محمد بن حسن بغدادی مقری مفسر جلیل القدر مصنف نقاش متوفی ۳۵۱ھ مراد ہیں۔) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا قرآن مجید میں میرے سات نام ہیں۔
محمد، احمد، یٰسین، طٰہٰ، المزمل، المدثر اور عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۲)

اسمائے مبارکہ کی تعداد

قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد القاب اور اسمائے مبارکہ آئے ہیں۔ (کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۳) ایک جماعت نے ان اسمائے مبارکہ کی تعداد بیان کی اور مخصوص تعداد تک پہنچے ہیں۔ ان میں سے بعض ننانوے اسمائے گرامی تک پہنچے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے (ننانوے) ناموں کے مطابق ہیں جو حدیث شریف میں وارد ہیں۔
قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تیس نام اپنے ناموں پر رکھے ہیں۔
(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۶)
ابن دحیہ نے اپنی کتاب "المستوفی" میں فرمایا کہ جب گزشتہ کتب اور قرآن و حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کی تحقیق کی جائے تو وہ تین سو تک پہنچتے ہیں۔ (فتح الباری میں فرمایا کہ ان میں سے اکثر حضور علیہ السلام کی صفات ہیں) (فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۶)
(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میں نے قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب احکام القرآن میں دیکھا کہ بعض صوفیاء کرام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔
ان ناموں سے آپ کے اوصاف مراد ہیں۔ آپ کے یہ تمام نام بطور تعریف و وصف واقع ہوئے ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وصف آپ کا اسم مبارک ہے۔ پھر ان میں سے بعض اسماء آپ کے ساتھ خاص ہیں یا آپ کے لیے ان کا زیادہ استعمال ہے اور بعض اسمائے گرامی میں آپ کا اشتراک ہے یہ سب کچھ مشاہدہ کے ساتھ واضح ہے پوشیدہ نہیں ہے۔

پس جب آپ کے تمام اوصاف میں سے ہر وصف کو ہم نے ایک اسم قرار دیا تو آپ کے اوصاف، مذکورہ تعداد تک پہنچتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں اور جو کچھ میں نے اپنے شیخ (الامام حافظ سخاوی رحمہ اللہ) کے کلام میں دیکھا جو انہوں نے "القول البدیع" میں، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں اور ابن العربی نے القبس (القبس علی موطا مالک بن انس) میں ذکر کیا، نیز ان کی "الاحکام" میں اور ابن سید الناس وغیرہ نے ذکر کیا وہ چار سو سے زیادہ ہیں۔ میں نے ان کو حروف تہجی کے طریقے پر مرتب کیا ہے جو اس طرح ہیں:

اسمائے مبارکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(الف) الابر باللہ، الابطحی، اتقی الناس، الاجود، اجود الناس، الاحد، الاحسن واحسن الناس، احمد، اُحید (بضم اولہ وکسر المھملۃ ثم یاء تحتانیۃ) الاخذ بالحجزات، اُخذ الصدقات، الآخر، الاخشی للہ، اذن خیر، ارجح الناس عقلاً ارحم الناس بالعباد، الازھر: وھو النیر المشرق الوجہ، اشجع الناس، الاصدق فی الملہ، اطیب الناس ریحا، الاعز، الاعلیٰ، الاعلم باللہ، اکثر الناس تبعا، الاکرم، اکرم الناس، اکرم ولد آدم، المص، امام الخیر، امام الرسل، امام المتقین، امام النبیین، الامام، الآمر والناھی، الامن، امنۃ اصحابہ، الامین، الامی، انعم اللہ، الاول، اول شافع، اول المسلمین، اول المومنین، اول من تنشق عنہ الارض۔

اللہ تعالیٰ کے لیے بہت زیادہ نیکوکار، وادی بطحا والے، سب لوگوں سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ سخی، سب لوگوں سے بڑھ کر سخی، یکتا، سب سے زیادہ حسین، تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین، سب سے زیادہ تعریف والے، یکتا (اور ھمزہ پر فتح کے ساتھ "احید" لوگوں کو جہنم سے دور کرنے والے) لوگوں کو ان کی کمروں سے پکڑ کر جہنم سے دور کھینچنے والے، صدقات وصول کرنے والے، سب سے آخری نبی، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے، بھلائی سننے والے کان، لوگوں میں سے سب سے زیادہ ترجیح والی عقل کے مالک، بندگان خدا پر تمام لوگوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے، روشن چہرے والے، تمام لوگوں سے بڑھ کر بہادر، اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سب سے زیادہ سچے، لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوشبو والے، سب سے زیادہ عزت والے سب سے بلند، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ متبعین والے، سب سے زیادہ معزز، لوگوں میں سے سب سے بڑھ کر عزت والے، اولاد آدم (علیہ السلام) میں سے سب سے زیادہ معزز، المص (اس کا مطلب اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) بھلائی کے پیشوا، رسولوں کے امام، متقی لوگوں کے پیشوا، نبیوں کے مقتدا، (نیکی کا) حکم دینے والے (برائی سے) روکنے والے، امن والے، اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امن کا باعث، امانت دار، کسی سے نہ پڑھے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، سب سے پہلے، سب سے پہلے شفاعت کرنے والے، سب سے پہلے مسلمان، سب سے پہلے مومن، سب سے پہلے جن کی قبر شریف کھلے گی۔

(ب) البر، البارقليط، الباطن، البرهان، بشر، بشرى عيسى، البشير، البصير، البليغ، بالغ البيان، البينه۔

نیکوکار، فارقلیط[1] پوشیدہ، دلیل، انسان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی خوشخبری، خوشخبری دینے والے، دیکھنے والے، بلاغت والے، فصاحت و بلاغت پر مبنی بیان والے، روشن دلیل۔

(ت) التالى، التذكره، التقى، التنزيل، التهامى۔

سب سے پیچھے آنے والے (رسول)، یادگار (خداوندی)، متقی، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے، وادی تہامہ والے۔

(ث) ثانى اثنين۔

(غار ثور میں) دو میں سے دوسرے۔

(ج) الجبار، الجد، الجواد، جامع۔

طاقت والے، قدر و منزلت والے، سخاوت کرنے والے، جمع کرنے والے (دین پر لوگوں کو اکٹھا کرنے والے)

(ح) حاتم، حزب الله، الحاشر، الحافظ، الحاكم بما اراه الله، الحامد، حامل لواء الحمد، الحائد لامته عن النار، الحبيب، حبيب الرحمن، حبيب الله، الحجازى، الحجة البالغة، حجة الله على الخلائق، حرز الاميين، الحرمى، الحريص على الايمان، الحسيب، الحفيظ، الحق، الحكيم، الحليم، حماد، حمطايا اوقال حمياطا، حمعسق، حفى، الحمد، الحنيف، الحى۔

سب نبیوں سے حسین (یا قاضی) اللہ تعالیٰ کی جماعت، جمع کرنے والے، حفاظت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت (اور ارادے) کے مطابق فیصلہ کرنے والے، (اللہ تعالیٰ کی) تعریف کرنے والے، حمد کا جھنڈا اٹھانے والے، اپنی امت کو جہنم سے دور کرنے والے، محبوب، رحمٰن کے محبوب، اللہ تعالیٰ کے محبوب، حجاز مقدس سے تعلق رکھنے والے، پہنچنے والی دلیل، مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی دلیل، ان پڑھ لوگوں کی پناہ گاہ، حرم شریف والے، ایمان کی حرص رکھنے والے، اچھے نسب والے (کریم) حفاظت والے، حق، حکمت والے، بردبار، بہت تعریف کرنے والے، حرم کے حامی (حمطایا ہو یا حمیاطا) حمعسق (یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے) لطیف، سراپا تعریف، ہر باطل سے جدا، زندہ۔

(خ) الخبير، خاتم النبيين، خاتم المرسلين، الخاتم، الخازن لمال الله، الخاشع، الخاضع، الخالص، خطيب الانبياء، خطيب الامم، خطيب الوافدين على الله، الخليل، خليل الرحمن، خليل الله، الخليفة، خير الانبياء، خير البرية، خير خلق الله، خير العالمين طرا، خير الناس، خير هذه الامة، خيرة الله۔

---

[1] (حضور علیہ السلام کے لیے انجیل یوحنا میں "المنحمنا" کا نام آیا ہے جس کا معنی سریانی زبان میں "محمد" "تعریف کیا گیا اور رومی زبان میں "برقلیطس" ہے۔ جس کا معنی محمد یا مددگار ہے۔ (ضیاء النبی جلد اول ص ۵۰۳)

خبر رکھنے والے، آخری نبی، سب سے آخری رسول، مہر نبوت، اللہ تعالیٰ کے خزانوں والے، خشوع والے، خضوع والے، خالص، تمام انبیاء کرام کے خطیب، تمام امتوں کے خطیب، اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے والوں کے خطیب، دوست، رحمٰن کے دوست، اللہ کے دوست، اللہ کے نائب، انبیاء میں سے بہتر، مخلوق میں سے بہترین، اللہ کی مخلوق میں سے بہتر، تمام عالمین میں سے بہتر، لوگوں میں سے بہتر، اس امت کے بہترین انسان، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے۔

(د) دارالحکمۃ، الداعی الی اللہ، دعوۃ ابراھیم، دعوۃ النبیین، دلیل الخیرات۔

حکمت کا گھر، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، نبیوں کی دعا، نیکیوں کی طرف راہنمائی کرنے والے۔

(ذ) الذاکر، الذکر، ذکراللہ، ذو الحوض المورود، ذوالخلق العظیم، ذوالصراط المستقیم، ذوالقوۃ، ذومکانۃ، ذوعزۃ، ذوفضل، ذوالمعجزات، ذوالمقام المحمود، ذوالوسیلۃ۔

(اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والے، سراپا ذکر، اللہ کی یاد، اس حوض والے جس پر لوگ اتریں گے، بڑے اخلاق والے، صراط مستقیم والے، قوت والے، مرتبہ والے، عزت والے، فضیلت والے، معجزات والے، مقام محمود والے، وسیلہ والے۔

(ر) الراضع، الراضی، الراغب، الرافع، راکب البراق، راکب البعیر، راکب الجمل، راکب الناقۃ، راکب النجیب، الرحمۃ، رحمۃ الامۃ، رحمۃ للعالمین، رحمۃ مھداۃ، الرحیم، الرسول، رسول الراحۃ، رسول الرحمۃ، رسول اللہ، رسول الملاحم، الرشید، الرفیع الذکر، رافع الرتب، رفیع الدرجات، الرقیب، روح الحق، روح القدس، الرؤوف، رکن المتواضعین۔

بے مثل رضاعت والے (رضائے خداوندی پر) راضی، (عبادات کی) رغبت رکھنے والے، (اذن الٰہی سے) بلندی عطا کرنے والے، (بلندی کی طرف جانے والے) براق کے سوار، اونٹ کے سوار، اونٹنی کے سوار، عمدہ اونٹنی کے سوار، (سراپا) رحمت، امت کے لیے رحمت، تمام جہانوں کے لیے رحمت، کسی معاوضہ کے بغیر رحمت (فرمانے والے) رحمت جو عطا کی گئی (مہربان) رسول، راحت والے رسول، رحمت والے رسول، اللہ تعالیٰ کے رسول، جہاد والے رسول، رشد و ہدایت والے، بلند ذکر والے، بلند مرتبوں والے، بلند درجات والے، نگہبان، حق کی روح، پاکیزہ روح، مہربان، تواضع کرنے والوں کے رکن (سہارا اور مددگار)

(ز) الزاھد، زعیم الانبیاء، الزکی، الزمزمی، زین من وافی القیامۃ۔

دنیا سے بے رغبت، انبیاء کرام کے کفیل، پاکیزہ، زمزم والے، قیامت کے دن آنے والوں کی زینت۔

(س) السابق، السابق بالخیرات، سابق العرب، الساجد، سبیل اللہ، السراج

المنیر، السراط المستقیم، السعید، سعداللہ، سعدالخلائق، السمیع، السلام، السید، سید ولد آدم، سید المرسلین، سیدالناس، سیدالکونین، سیدالثقلین، سیف اللہ المسلول۔

سبقت کرنے والے، نیکیوں میں سبقت کرنے والے، عربوں میں سبقت کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی راہ، روشن چراغ، سیدھا راستہ، خوش بخت، اللہ تعالیٰ کے خوش بخت (بندے)، مخلوق کی سعادت، سننے والے، سلامتی، سردار، اولاد آدم کے سردار، تمام رسولوں کے سردار، لوگوں کے سردار، دونوں جہانوں کے سردار، دونوں مخلوقوں (انسانوں اور جنوں) کے سردار، اللہ تعالیٰ کی بے نیام تلوار۔

(ش) الشارع، الشافع، الشاکر، الشاھد، الشکور، الشکار، الشمس، الشھید۔

شریعت والے، شفاعت کرنے والے، شکر گزار، گواہ، بہت شکر گزار، بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے، سورج، گواہ۔

(ص) الصابر، الصاحب، صاحب الایات، صاحب المعجزات، صاحب البراھین، صاحب البیان، صاحب التاج، صاحب الجھاد، صاحب الحجۃ، صاحب الحطیم، صاحب الحوض المورود، صاحب الخاتم، صاحب الخیر، صاحب الدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ، صاحب الرداء، صاحب الازواج الطاھرات، صاحب السجود للرب المحمود، صاحب السرایا، صاحب السلطان، صاحب السیف، صاحب الشرع، صاحب الشفاعۃ الکبریٰ، صاحب العطایا، صاحب العلامات الباھرات، صاحب العلو والدرجات، صاحب الفضیلۃ، صاحب الفرج، صاحب القضیب، صاحب القضیب الاصغر، صاحب قول لا الہ الا اللہ، صاحب القدم، صاحب الکوثر، صاحب اللواء، صاحب المحشر، صاحب المدینہ، صاحب المغفر، صاحب المغنم، صاحب المعراج، صاحب المظھر المشھود، صاحب المقام المحمود، صاحب المنبر، صاحب المئزر، صاحب النعلین، صاحب الھراوۃ، صاحب الوسیلہ، الصادع بما امر، الصادق، الصبور، الصدق، صراط اللہ، صراط الذین انعمت علیھم، الصراط المستقیم، الصفوح، الصفوح عن الزلات، الصفوۃ، الصفی، الصالح۔

صبر کرنے والے، ساتھی: آیات والے، معجزات والے، دلائل والے، بیان والے، تاج والے، جہاد والے، دلیل والے، حطیم والے (خانہ کعبہ کا وہ حصہ جو چھت کے بغیر ہے حطیم کہلاتا ہے) اس حوض والے جس پر لوگ اتریں گے، مہر نبوت والے، بھلائی والے، بلند رفیع درجہ والے، چادر والے، پاک بیویوں والے، تعریف والے رب کو سجدہ کرنے والے، لشکروں والے، بادشاہی (یا دلیل) والے، تلوار والے، صاحب شریعت، شفاعت کبریٰ

والے، عطیات والے، ظاہر علامات والے، بلندی اور درجات والے، فضیلت والے، کشادگی والے، شاخ والے، چھوٹی شاخ والے، لا الہ الا اللہ والے، قدم والے، حوض کوثر والے، جھنڈے والے، قیامت والے، مدینہ طیبہ والے، خود والے (لوہے کی ٹوپی والے) غنیمت والے، معراج والے، ظاہری منظر والے، مقام محمود والے، منبر والے، ازار والے، نعلین مبارک والے، عصا مبارک والے، وسیلہ والے، حکم خداوندی کا اعلان کرنے والے، سچ بولنے والے، بہت صبر کرنے والے، سراپا صداقت، اللہ تعالیٰ کا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر اے اللہ تو نے انعام کیا، سیدھا راستہ، درگزر کرنے والے، لغزشیں معاف کرنے والے، خالص النسب، منتخب (بندے) مقرب، صالح۔

(ض) الضارب بالحسام المثلوم، الضحاك، الضحوك۔

شگاف والی تلوار کے ساتھ مارنے والے، بہت زیادہ مسکرانے والے، بہت زیادہ خوش مزاج۔

(ط) طاب طاب، الطاهر، الطيب، طٰسٓمٓ، طٰسٓ، طٰهٰ، الطيب۔

پاکیزہ پاکیزہ، پاک، معالج، طسم، طس، طٰہٰ، پاکیزہ۔

(ظ) الظاهر، الظفور، من الظفر وهو الفوز۔

ظاہر اور غالب، بہت کامیاب (ظفور، ظفر سے بنا ہے کامیابی)

(ع) العابد، العادل، العظيم، العافي، العاقب، العالم، علم الايمان، علم اليقين، العالم بالحق، العامل، عبدالله، العبد، العدل، العربي، العروة الوثقى، العزيز، العفو، العطوف، العليم، العلى، العلامة، عين العز، عبدالكريم، عبدالجبار، عبدالحميد، عبدالمجيد، عبدالوهاب، عبدالقهار، عبدالرحيم، عبدالخالق، عبدالقادر، عبدالمهيمن، عبدالقدوس، عبدالغياث، عبدالرزاق، عبدالسلام، عبدالمومن، عبدالغفار۔

عبادت گزار، انصاف کرنے والے، عظمت والے، معاف کرنے والے، سب سے پیچھے آنے والے، علم والے، ایمان کی علامت، یقین کی علامت، حق کا علم رکھنے والے، عمل کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے بندے، بندگی کرنے والے، سراپا عدل، عربی، مضبوط رسی، غالب، بہت معاف کرنے والے، بہت مہربان، جاننے والے، بہت بلند، (حق کی) علامت، عزت والی آنکھ، کریم کے بندے، جبار کے بندے، تعریف والے (اللہ) کے بندے، بزرگی والے کے بندے، بہت عطا کرنے والے بندے، غضب و قہر والے کے بندے، رحمت والے کے بندے، پیدا کرنے والے کے بندے، قدرت والے کے بندے، محافظ ذات کے بندے، نہایت پاک ذات کے بندے، مددگار کے بندے، بہت بڑے رازق کے بندے، سلامتی والے کے بندے، امن دینے والے کے بندے، بہت زیادہ بخشنے والے کے بندے۔

(غ) الغالب، الغفور، الغنى بالله، الغوث، الغيث، الغياث۔

غالب، بخشنے والے، مالدار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مالداری حاصل کرنے والے، مددگار، مدد کرنے والے، بہت

بڑے سخی۔

(ف) الفاتح، الفارقلیط، الفارق، فاروق، الفتاح، الفجر، الفرط، الفصیح، فضل الله، فواتح النور۔

(شفاعت کا دروازہ) کھولنے والے، فارقلیط (باء کے ساتھ بارقلیط بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا) (حق و باطل میں) فرق کرنے والے، بہت زیادہ فرق کرنے والے، بہت زیادہ کھولنے والے، صبح صادق (کی طرح روشن) آگے جانے والے، فصاحت والے، اللہ تعالیٰ کا فضل، بہت زیادہ علم کو ظاہر کرنے والے۔

(ق) القاسم، القاضی، القانت، قائد الخیر، قائد الغر المحجلین، القائل، القائم، القتال، القتول، قثم، القثوم، قدم صدق، القرشی، القریب، القمر، القیم ومعناه الجامع الکامل، وصوابہ بالمثلثة بدل الیاء، القوی۔

(اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) تقسیم کرنے والے، فیصلہ کرنے والے، باادب، بھلائی کے راہنما، چمکتے چہرے والوں کے قائد، کہنے والے، (عبادت کے لیے) کھڑے ہونے والے، بہت زیادہ جہاد کرنے والے، بھلائی کے جامع، سچائی کا قدم، قریشی، قریب، چاند، جامع اور کامل، صحیح یہ ہے کہ یہ القیم کی بجائے القثم (یاء کے بجائے ثاء کے ساتھ ہے یعنی مضبوط)

(ک) کافۃ الناس، الکفیل، الکامل فی جمیع اموره، الکریم، کٓھٰیٰعٓصٓ۔

لوگوں کے کافی، ذمہ دار، اپنے تمام امور میں کامل، کرم والے، کھیعص۔

(ل) اللسان، زبانِ (حق ترجمان)

(م) الماجد، ماذماذ، المومل، الماحی، المامون، المانح، الماء المعین، المبارک، المبتھل، المبراء، المبشر، مبشر الیائسین، المبعوث بالحق، المبعوث، المبلغ، المبیح، المبین، المتین، المتبتل، المتبسم، المتربص، المتضرع، المتقی، المتلو علیہ، المتھجد، المتوسط، المتوکل، المتثبت، مجاب، مجیب، المجتبی، المجیر، المحرض، المحرم، المحفوظ، المحلل، محمد، المحمود، المخبر، المختار، المخصوص بالشرف، المخصوص بالعز، المخصوص بالمجد، المخلص، المدثر، المدنی، مدینة العلم، المذکر، المذکور، المرتضی، المرتل، المرسل، المرتجی، المرحوم، المرتفع الدرجات، المرء، وھو الرجل الکامل المروءة، المزکی، المزمل، المسبح، المستغفر، المستغنی، المستقیم، المسری بہ، المسعود، المسلّم، المسلم، المشاور، المشفع، المشفوع، المشفح، المشھود، المشیر، المصباح، المصارع، المصافح، مصحح الحسنات، المصدوق، المصطفی، المصلح، المصلی

علیه، المطاع، المطهر، المظهر، المطلع، المطيع، المظفر، المعزز، المعطى المعصوم، المعقب، المعلِم، معلِّم امته، المعلَّم، المعلن، المغلى، المفضال، المفضل، المفتاح، مفتاح الجنة، المقتصد، المقتضى: يعنى قفا النبيين، المقدس، المقرى، المقسط، المقسم، المقصوص عليه، المقفى، وقيل بزيادة تاء بعد القاف كما تقدم، مقيل العثرات، مقيم السنة بعد الفترة، المكرم، المكتفى، المكين، المكى، الملاحمى، ملقى القرآن، الممنوح، المنادى، المنتظر، المنجى، المنذر، المنزل عليه، المنحمنا، المنصف، المنصور، المنيب، المنير، المهاجر، المهتدى، المهدى، المهداة، المهيمن، المؤتى جوامع الكلم، الموحى اليه، الموصل، الموقر، المولى، المؤمن المؤيد، الميتر۔

حسن اخلاق کے پیکر، پاک، بھلائی کی امید گاہ، (کفر کو) مٹانے والے، محفوظ، عطا کرنے والے، جاری پانی (کی طرح سخی) برکت والے، عاجزی کرنے والے، ہر عیب سے پاک، خوشخبری دینے والے، ناامیدوں کو خوشخبری دینے والے، حق کے ساتھ بھیجے گئے (رسول) بھیجے گئے، تبلیغ رسالت کرنے والے (پہلی امتوں پر جو کچھ حرام تھا اسے) حلال کرنے والے، بیان کرنے والے، مضبوط، صرف اللہ سے لو لگانے والے، تبسم فرمانے والے، منتظر، عاجزی والے، پرہیزگار، جن پر قرآن مجید پڑھا گیا، تہجد ادا کرنے والے، وسیلہ (شفاعت کے ذریعے) توکل کرنے والے، ثابت قدم، مقبول الدعا، (حکم خداوندی) قبول کرنے والے، منتخب، پناہ دینے والے، (جہاد کی) ترغیب دینے والے) حرام کرنے کے مختار، حفاظت کیے گئے، حلال کرنے والے، باربار تعریف کیے گئے، تعریف کیے گئے، (غیب کی) خبر دینے والے، صاحب اختیار، شرف کے ساتھ مخصوص، عزت کے ساتھ خاص کیے گئے، بزرگی کے ساتھ خاص کیے گئے، عبادت میں سچے، کمبل اوڑھنے والے، مدینہ طیبہ والے، علم کا شہر، یاد دلانے والے، پہلی کتابوں میں جن کا ذکر ہے پسندیدہ، ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے والے، بھیجے گئے، امید گاہ، رحم کیے گئے، بلند درجات والے، کامل انسانیت والے مرد، پاک کرنے والے، چادر اوڑھنے والے، تسبیح بیان کرنے والے، بخشش طلب کرنے والے، (مخلوق سے) بے نیاز، سیدھی راہ والے، معراج والے، سعادت مند، توکل کرنے والے، محفوظ، مشورہ کرنے والے، جن کی شفاعت قبول ہوتی ہے، ملائے ہوئے، قابل تعریف، جن کی شہادت دی گئی، خیر خواہ (اچھی بات کی طرف) اشارہ کرنے والے چراغ، پچھاڑنے والے، مصافحہ کرنے والے، نیکیوں کی درستگی کا باعث، جن کی تصدیق کی گئی، چنے ہوئے، اصلاح کرنے والے، جن پر درود شریف پڑھا جاتا ہے، قابل اطاعت، پاک کرنے والے، ظاہر کرنے والے، غیب کو جاننے والے اور اس پر مطلع، اللہ کا حکم ماننے والے، کامیاب، معزز، عطا کرنے والے، گناہوں سے پاک، آخری نبی، سکھانے والے، امت کے معلم، اللہ کی طرف سے سکھلائے ہوئے، اعلان کرنے والے، دوسروں پر بلندی والے، جود و کرم والے، فضیلت دیئے گئے، کنجی، جنت کی چابی، اعتدال والے،

سب سے آخر میں آنے والے نبی، پاکیزہ، قرآن مجید کی قرأت کرنے والے، عدل کرنے والے، قسم اٹھانے والے، جن پر پہلے واقعات پڑھے گئے، پیچھے آنے والے، تاء کے اضافہ کے ساتھ المقتفی بھی ہوتا ہے جیسا کہ گزر گیا، لغزشیں معاف کرنے والے، زمانہ فترت کے بعد سنت قائم کرنے والے، معزز، کفایت کرنے والے، ٹھکانے والے، مکہ مکرمہ والے، غزوات والے، مبلغ قرآن، عطا کیے گئے، پکارنے والے، مدد خداوندی کے انتظار والے، نجات دہندہ، ڈر سنانے والے، جن پر وحی نازل ہوئی، تعریف کیے گئے، انصاف والے، مدد کیے گئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے، (مومنوں کے دلوں کو) روشن کرنے والے، ہجرت کرنے والے، ہدایت یافتہ، ہدایت دینے والے، باعث ہدایت، حفاظت کرنے والے، جن کو جامع کلمات کی خصوصیت عطا ہوئی، جن پر وحی ہوئی (اللہ تعالیٰ تک) پہنچانے والے، معزز و معظم (اور عزت بخشنے والے) سردار، مدد کیے گئے، آسانی کرنے والے۔

(ن) النابذ، الناجز، الناس لقوله تعالی: (ام یحسدون الناس) (نساء: ۵۴) المفسر به علیه السلام، الناسخ، الناشر، الناصح، الناصر، الناطق بالحق، الناهی، نبی الاحمر، نبی الاسود، نبی التوبة، نبی الحرمین، نبی الراحة، نبی الرحمة، النبی الصالح، نبی الله، نبی المرحمة، نبی الملحمة، نبی الملاحم، النبی، النجم، النجم الثاقب، نجی الله، النذیر، النسیب، نصیح، ناصح، النعمة، نعمة الله، النقیب، النقی، النور، نور الامم ای الهادی الذی اوصلها نور الله الذی لایطفاء۔

(معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کی طرف معاہدہ) پھینکنے والے، وعدہ پورا کرنے والے، الناس (ارشاد خداوندی ہے کیا وہ لوگوں (الناس) یعنی حضور علیہ والسلام سے حسد کرتے ہیں، (پہلے ادیان کو) منسوخ کرنے والے، اسلام کو پھیلانے والے، خیر خواہ، حسن و جمال والے، سچ بولنے والے (برے کاموں سے) روکنے والے، انسانوں کے نبی، جنوں کے نبی (یا عرب و عجم کے نبی) اللہ کی طرف رجوع کرنے والے نبی، حرم مکہ و حرم مدینہ کے نبی، سکون والے نبی، رحمت والے نبی، صالح نبی، اللہ کے نبی، رحمت والے نبی، جہاد والے نبی، غزوات والے نبی، غیب کی خبر دینے والے، روشن ستارہ، چمکنے والا ستارہ، اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے والے، برے انجام سے ڈرانے والے، عمدہ نسب والے، خیر خواہ، بھلائی چاہنے والے، نعمت، اللہ تعالیٰ کی نعمت، محافظ، خالص، نور، امتوں کا نور جو ان کا ہادی ہے جس نے ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچایا اللہ کا وہ نور جو کبھی نہیں بجھے گا۔

(ھ) الهادی، هدی، هدیة الله، الهاشمی۔

ہدایت دینے والے، سراپا ہدایت، اللہ تعالیٰ کا تحفہ، بنو ہاشم سے تعلق رکھنے والے۔

(و) الوجیه، الواسط، الواسع، الواصل، الواضع، الواعد، الواعظ، الورع، الوسیلة، الوفی، الوافی، ولی الفضل، الولی۔

مرتبے والے، ارفع نسب والے، بہت زیادہ سخی، شرف و عزت کو پہنچنے والے، امت سے بوجھ اتارنے والے، وعدہ فرمانے والے، وعظ فرمانے والے، شبہ والے امور سے بھی بچنے والے (پرہیزگار) وسیلہ، کامل و اکمل،

وعدہ پورا کرنے والے، فضل و کرم والے، مددگار۔

(ی) الیثربی، یثرب مدینہ طیبہ والے، سردار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے جیسا کہ متعدد صحیح احادیث میں آیا ہے۔ آپ کی کنیت ابو ابراہیم بھی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا:

السلام علیک یا ابا ابرھیم۔ اے ابو ابراہیم! آپ پر سلام ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۲۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۶۴)

آپ کی کنیت ابوالارامل (فقراء کے باپ) بھی ہے۔ جیسا کہ ابن دحیہ نے ذکر کیا اور ابوالمومنین بھی آپ کی کنیت ہے، جیسا کہ دوسروں نے ذکر کیا ہے۔

اسم گرامی "محمد" اور "احمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح

یہ بات سمجھ لیں کہ ان تمام اسمائے مبارکہ کی تشریح کا احاطہ ہمارے بس میں نہیں ہے کیونکہ اس طرح کلام طویل ہو جائے گا اور ہماری غرض یعنی اختصار کو چھوڑنا پڑے گا۔ پس ہم اس سلسلے میں وہ کچھ ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ ہم پر کھول دے گا اور وہ اس کے علاوہ پر دلالت ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔

تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی میں جو لفظ حمد ہے اور وہ آپ کا نام ہے جو آپ کی ذات کی خبر دیتا ہے اور باقی تمام صفاتی نام اس کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ معنی میں ایک ہے لیکن اشتقاق کے اعتبار سے دو صیغے ہیں۔

(ا) وہ اسم گرامی جو افعل کے وزن پر ہے ایک ایسی انتہاء کی خبر دیتا ہے، جس کے بعد کوئی انتہا نہیں اور وہ آپ کا اسم گرامی "احمد" ہے۔

(۲) دوسرا نام جو "مُفَعَّل" کے صیغے پر ہے، وہ کسی چیز کے دوگنا اور اس قدر کثیر ہونے کا پتہ دیتا ہے، جس کی گنتی شمار سے باہر ہو اور وہ آپ کا اسم گرامی "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "محمد" صفت سے منقول ہے۔ پس محمد لغت میں اسے کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے اور مُفَعَّل کا صیغہ جیسے مُضَرَّب اور مُمَدَّح صرف اس کے لیے بولا جاتا ہے جس کے لیے فعل کا تکرار بار بار ہو۔

اور "احمد" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اسم گرامی ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی

زبان پر بولا گیا۔ یہ بھی صفت سے منقول ہے، جس میں تفضیل کا معنی ہے۔ پس احمد کا معنی اپنے رب کی تعریف کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی شان ہے۔ کیونکہ مقام محمود میں آپ پر وہ تعریفات منکشف کی جائیں گی جو آپ سے پہلے کسی پر منکشف نہیں کی گئیں۔ پس آپ ان کے ذریعے اپنے رب کی تعریف کریں گے یہی وجہ ہے کہ آپ کے لیے لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) مقرر کیا جائے گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۶)

امام سہیلی فرماتے ہیں: جہاں تک آپ کے اسم گرامی "محمد" کا تعلق ہے تو وہ بھی صفت سے منقول ہے اور یہ محمود کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس محمد وہ ذات ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ جیسے مکرم وہ شخص ہے کہ جس کی بار بار عزت کی جائے۔ اسی طرح ممدح وہ ذات ہے جس کی بار بار مدح کی جائے اور اس قسم کی دوسری مثالیں ہیں۔ تو اسم محمد بھی اپنے مسمّیٰ کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ اسم گرامی اس وقت رکھا جب آپ کا یہ نام نہیں رکھا گیا تھا تو یہ آپ کی علامات نبوت میں سے ایک نشانی ہے کہ آپ کا اسم گرامی آپ پر صادق آتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس علم و حکمت کی وجہ سے قابل تعریف (محمود) ہیں جس کی طرف آپ نے ہدایت دی اور لوگوں کو نفع پہنچایا اور آخرت میں شفاعت کی وجہ سے آپ محمود ہوں گے تو لفظ کے تقاضا کے مطابق آپ کی ذات میں حمد کے معنی کا تکرار پایا گیا۔

پھر آپ اس وقت تک محمد نہیں ہو سکتے جب تک احمد نہ ہوتے۔ آپ نے اپنے رب کی تعریف کی تو اس نے آپ کو نبوت اور شرف سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ اسم احمد، اسم محمد سے مقدم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (الصف: ۶) (میں ایک ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں) جن کا اسم گرامی احمد ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ کا ذکر کیا جب ان کے رب نے ان سے فرمایا کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے بھی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کر دے۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

تو آپ کے اسم گرامی محمد کے ذکر سے پہلے اسم گرامی احمد کے ساتھ آپ کا ذکر ہوا کیونکہ آپ نے اپنے رب کی حمد تمام لوگوں کی حمد خداوندی کرنے سے پہلے کی تو جب آپ پیدا ہوئے اور مبعوث ہوئے تو آپ عملاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی طرح شفاعت کا معاملہ ہے کہ آپ ایسے محامد کے ساتھ اپنے رب کی حمد کریں گے، جو اللہ تعالیٰ آپ پر کھول دے گا تو آپ اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہوں گے، پھر شفاعت کریں گے تو اس شفاعت پر آپ کی تعریف کی جائے گی۔

تو دیکھیں کہ ذکر اور وجود میں یہ نام کس طرح دوسرے نام سے پہلے مرتب ہوا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دو ناموں کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ پس اس سے آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حکمت

ظاہر ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۶)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہونے سے پہلے احمد تھے۔ جس طرح وجود میں واقع ہوا کیونکہ اسم گرامی "احمد" پہلی کتابوں میں آیا ہے اور آپ کا اسم گرامی "محمد" قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس لیے کہ پہلے آپ نے اپنے رب کی تعریف کی اور پھر لوگوں نے آپ کی تعریف کی۔

(کتاب الشفاء بحوالہ فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴)

یہ بات امام سہیلی کے قول کے موافق ہے۔ فتح الباری میں بھی اسے ذکر کرکے اس کی تائید کی گئی ہے اور یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ آپ کا اسم گرامی احمد پہلے ہو، جبکہ ابن قیم نے اس کے خلاف دعویٰ کیا ہے۔

ابن قیم نے آپ کے اسم گرامی "احمد" کے بارے میں کہا ہے کہ "کہا گیا ہے یہ مفعول کے معنی میں ہے اور اس کی عبارت یوں ہوگی "احمد الناس" جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق رکھنے والے اور سب سے مقدم ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے۔ پس معنوی اعتبار سے احمد اور محمد ایک ہیں۔ لیکن دونوں میں اتنا فرق ہے کہ محمد وہ ذات ہوتی ہے کہ بے شمار خصائل کی مالک ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف کی جاتی ہے اور احمد وہ ذات جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعریف کرے پس کثرت اور مقدار کے اعتبار سے محمد اور صفت و کیفیت کی بنیاد پر آپ احمد ہیں۔ لہٰذا آپ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔ یعنی انسان جو تعریف کرتا ہے، آپ اس سے افضل تعریف کا استحقاق رکھتے ہیں۔ پس دونوں نام مفعول واقع ہوئے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ یہ بات آپ کی تعریف میں زیادہ بلیغ اور معنی کے اعتبار سے زیادہ کامل ہے۔ اگر فاعل والا معنی مراد ہوتا تو آپ کا نام "حماد" رکھا جاتا یعنی زیادہ تعریف کرنے والا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف [illegible] ان کے مقابلے میں زیادہ کی۔ [illegible] آپ کا اسم [illegible] کہ آپ نے اپنے رب کی حمد کی ہے تو حماد نام زیادہ مناسب تھا۔ جس طرح آپ کی امت کا نام "حمادون" رکھا گیا۔

نیز آپ کے یہ دونوں نام آپ کے اچھے اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے رکھے گئے ہیں جن کی وجہ سے آپ محمد اور احمد بنے ہیں۔ (زاد المعاد جلد اول ص ۳۶)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب الشفاء میں ایک باب مقرر کیا باب **تشریفہ تعالی لہ علیہ الصلوۃ والسلام بما سماہ بہ من اسمائہ الحسنی** کہ (اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے نام رکھ کر آپ کو شرف عطا کیا) اس باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ احمد، تعریف کرنے والوں میں سے سب سے بڑے اور تعریف کیے ہوئے لوگوں میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر۔

(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۷)

اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خصائص

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی "محمد" میں کئی خصوصیات ہیں۔

پہلی خصوصیت

اس میں چار حروف ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اور آپ کے اسم گرامی "محمد" میں موافقت ہو کیونکہ اسم جلالت "اللہ" کے بھی چار حرف ہیں جس طرح اسم گرامی "محمد" کے چار حرف ہیں۔

دوسری خصوصیت

کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ عزت و شرف بھی عطا فرمایا کہ اس کی صورت کو اس لفظ کی کتابت کی شکل میں رکھا پس پہلا میم انسان کا سر، حاء اس کے پہلو، دوسرا میم اس کی ناف اور دال پاؤں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ جو شخص دوزخ میں جانے کا مستحق ہوگا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے) تو اس کی صورت بدل جائے گی تاکہ اس لفظ کی صورت کا اعزاز باقی رہے۔

یہ دونوں باتیں ابن مرزوق نے لکھی ہیں اور پہلی بات (چار حروف والی بات) ابن عماد نے کشف الاسرار میں لکھی ہے۔ (چار حروف والی بات تو معقول ہے لیکن دوسری بات مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی)

تیسری خصوصیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی کو اپنے نام "المحمود" سے مشتق فرمایا جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اغر علیه للنبوة خاتم من الله من نور یلوح ویشهد

وضم الا له اسم النبی الی اسمه اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

"آپ خوبصورت (اور روشن) ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورانی مہر نبوت ہے جو چمکتی اور شہادت دیتی ہے"۔

"اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام سے ملایا جب پانچ وقت مؤذن "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہتا ہے"۔

"اور آپ کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا کہ وہ اسے عظمت بخشے پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں"۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر میں حضرت علی بن زید رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب کہا کرتے تھے:

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ کا نام مشتق کیا کہ وہ اسے عظمت عطا کرے پس عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں"۔(فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے دو لاکھ سال پہلے آپ کا یہ نام رکھا۔(اس وقت سالوں کا حساب نہیں مقصد یہ ہے کہ اگر دنیا کی مدت سے حساب لگایا جائے تو اتنا بنے۔(زرقانی جلد ۳ ص ۱۵۶) جس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو ابو نعیم کے طریق سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات میں مروی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت کعب احبار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر انبیاء کرام اور مرسلین عظام کی تعداد کے مطابق عصا نازل فرمائے۔ پھر وہ اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹے! تو میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ پس اس (خلافت) کو تقویٰ کی عمارت اور مضبوط رسی کے ساتھ تھام لو اور جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کے ساتھ ہی اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے آپ کا اسم گرامی عرش کے پائے پر لکھا ہوا دیکھا جب کہ میں روح اور گارے کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کا چکر لگایا تو آسمانوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھی جہاں میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا نہ دیکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں ٹھہرایا تو میں نے جنت میں جو محل اور بالا خانہ دیکھا اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے جنتی حوروں کے سینوں پر، جنت کے گنجان درختوں کے پتوں پر، طوبیٰ درخت کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، (جنتی) پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ لہٰذا اے شیث! (علیہ السلام) تم ان کا ذکر کثرت سے کرنا۔ کیونکہ فرشتے تمام ساعتوں میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔

(ابن عساکر بحوالہ الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۱۷)

بدا مجده من قبل نشاة آدم فاسماءه فی العرش من قبل تكتب

"آپ کی بزرگی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ظاہر ہوگئی، پس آپ کے اسماء گرامی عرش میں پہلے سے ہی لکھے گئے"۔

ہم نے حسن بن عرفہ رحمہ اللہ کی جزء (حسن بن عرفہ بن یزید عبدی ابو علی بغدادی ہی نہایت سچے ہیں، ایک سو سال سے زائد عمر پائی اور ۲۵۷ھ میں انتقال فرمایا، جزء سے مراد ان کی کتاب ہے) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے گزرا میں نے وہاں پایا (مجھے معلوم ہوا) کہ وہاں میرا نام محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے جانشین ہیں۔(الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۵۲)

چند دیگر شواہد

ایک قدیم پتھر پر لکھا ہوا پایا گیا:

نے اس کے پھل کو توڑا تو اس سے ایک سبز رنگ کا پتہ نکلا جو لپیٹا ہوا تھا اور اس پر سرخ رنگ سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ ہندوستان والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور جب بارش رک جاتی تو وہ اس کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے۔ یہ بات قاضی ابو البقاء بن ضیاء نے اپنی منسک (کتاب) میں نقل کی ہے۔

امام یافعی رحمہ اللہ[1] کی کتاب روض الریاحین میں بعض حضرات سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے ہندوستان کے شہروں میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کی طرح تھا اور اس پر چھلکا تھا۔ جب اسے توڑا گیا تو اس سے ایک سبز رنگ کا تازہ پتہ نکلا جس پر سرخ رنگ کے ساتھ کلمہ طیبہ نہایت واضح خط میں لکھا ہوا تھا اور وہ لوگ اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں میں نے یہ بات ابو یعقوب الصیاد رحمہ اللہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ میں ابلہ نہر کے کنارے شکار کر رہا تھا تو میں نے ایک مچھلی شکار کی جس کے دائیں پہلو پر "لا الہ الا اللہ" اور بائیں پہلو پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس کا احترام کرتے ہوئے اس کو دریا میں ڈال دیا۔

بعض بزرگوں نے حضرت ابن مرزوق سے نقل کیا وہ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ کے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مچھلی لائی گئی تو انہوں نے اس کے ایک کان کے نرم حصے پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔

ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹی سی بطخ دیکھی جو زرد رنگ کی تھی اور اس میں پیدائشی طور پر سفید لکیریں تھیں۔ ان لکیروں میں عربی زبان میں ایک پہلو میں "اللہ" اور دوسرے میں "عز احمد" (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہوئے) لکھا ہوا تھا۔ یہ ایسے واضح خط میں تھا کہ کتابت کا علم رکھنے والے کسی شخص کو اس میں شک نہیں ہوتا تھا۔

اور انہوں نے ۸۰۷ھ یا ۸۰۹ھ میں انگور کا ایک دانہ دیکھا جس پر سیاہ رنگ سے واضح خط میں "محمد" لکھا ہوا تھا۔ ابن طغربک السیاف کی کتاب "النطق المفہوم" میں کسی بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک جزیرے میں بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بہت بڑے اور خوشبودار تھے اور ان پر پیدائشی طور پر سرخ اور سفید رنگ سے سبز رنگ پر واضح خط میں قدرت خداوندی سے تین سطروں میں یہ تحریر تھی پہلی سطر "لا الہ الا اللہ" دوسری سطر "محمد رسول اللہ" اور تیسری سطر میں "ان الدین عند اللہ الاسلام" (بے شک سچا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اسلام ہے)۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن اسعد عفیف الدین یمنی مکی یافعی رحمہ اللہ بہت بڑے امام تھے۔ عدن میں پیدا ہوئے اور علم میں مہارت حاصل کی، پھر مکہ مکرمہ میں ۷۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد تقی مصلح امین۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متقی، اصلاح کرنے والے اور امانت دار ہیں۔

یہ بات (حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے) شفاء شریف میں ذکر کی ہے۔ ایک دوسرے پتھر پر عبرانی زبان میں لکھا ہوا تھا:

باسمک اللھم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

یا اللہ (میں تیرے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں) تیرے رب کی طرف سے عربی واضح زبان میں حق آگیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اور موسیٰ بن عمران نے اسے لکھا۔ (امام زرقانی نے علیہ السلام لکھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ہی مراد ہیں) یہ بات ابن ظفر نے "البشر" میں حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت زہری سے نقل کی ہے۔

شفاء شریف کے مطابق خراسان کے ایک شہر میں ایک نومولود بچہ دیکھا گیا جس کے ایک پہلو پر "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

ہندوستان کے کسی علاقے میں گلاب کے سرخ پھول پر سفید رنگ سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

علامہ ابن مرزوق نے حضرت عبداللہ بن صوحان سے روایت کیا (وہ فرماتے ہیں) ہم پر تیز ہوا چلی اور ہم بحر ہند کی نہایت گہرائی میں تھے۔ پس ہم ایک جزیرے میں لنگر انداز ہوئے جہاں ہم نے ایک سرخ رنگ کا گلاب کا پھول دیکھا جس کی خوشبو بہت اچھی تھی اور اس میں سفید رنگ سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اور ایک سفید گلاب کا پھول دیکھا جس پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا:

براءۃ من الرحمن الرحیم الی جنات النعیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

رحمٰن و رحیم ذات کی طرف سے نعمتوں والے باغات کی طرف اجازت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

تاریخ ابن عدیم میں حضرت علی بن عبداللہ ہاشمی الرقی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی کسی بستی میں گلاب کا ایک بہت بڑا سیاہ رنگ کا پھول دیکھا جس کی خوشبو بہت اچھی تھی اور اس پر سفید خط سے لکھا ہوا تھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق"۔

فرماتے ہیں مجھے اس کے بارے میں شک ہوا اور میں نے کہا کہ شاید یہ کام (ہاتھ سے) کیا گیا ہے تو میں ایک اور گلاب کی طرف گیا جو کھلا نہیں تھا تو اس میں بھی اسی طرح لکھا ہوا تھا اور اس شہر میں اس طرح کے بہت سے پھول تھے اور اس بستی والے پتھروں کی پوجا کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ہندوستان میں گیا تو میں ایک شہر جسے نمیلہ یا ثمیلہ کہا جاتا تھا کی طرف گیا۔ میں نے وہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس پر بادام جیسا پھل تھا اور اس پر چھلکا تھا۔ جب میں

دورِ جاہلیت میں اسم محمد ﷺ

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات نبوت میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام "محمد" نہیں رکھا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نام کی حفاظت تھی۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ اس سے پہلے کوئی بھی اس نام سے موسوم نہیں ہوا اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی کتب میں آپ کا یہ نام ذکر فرمایا اور انبیاء کرام علیہم السلام نے اس نام کے ساتھ خوشخبری دی۔ اگر آپ کے اس نام میں اشتراک ہوتا تو شبہ پیدا ہوتا۔ لیکن جب آپ کا زمانہ قریب ہوا اور اہل کتاب نے آپ کے قرب کی خبر دی تو کچھ لوگوں نے اس امید پر اپنی اولاد کا یہ نام رکھا کہ شاید ان کا بچہ ہی وہ نبی ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔ (جس کو رسول بناتا ہے۔)

ماکل من زار الحمی سمع الندا   من اھلہ اھلا بذاک الزائر

"ہر وہ شخص جو کسی محفوظ (اور خاص) مقام کی زیارت کرے اور وہاں کے رہنے والوں سے خوش آمدید سنے وہ خاص زیارت کرنے والا نہیں ہوتا"۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے چھ آدمیوں کا نام شمار کیا پھر فرمایا ان کا ساتواں نہیں ہے۔

حضرت ابو عبداللہ بن خالویہ[1] نے اپنی کتاب "دلیس" اور امام سہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں "محمد" نام سے صرف تین آدمی معروف تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد اول ص ۱۰۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حصر (یعنی صرف تین کا ہونا) مردود ہے اور تعجب ہے کہ سہیلی، حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے بعد والے طبقہ کے آدمی ہیں شاید وہ ان کے کلام پر مطلع نہ ہو سکے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے "جزء مفرد" میں ان لوگوں کے نام جمع کیے ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا تو وہ بیس کی تعداد بنتی ہے۔ ان میں سے بعض میں تکرار اور بعض میں وہم ہے۔ پس ان میں سے پندرہ افراد خالص ہیں۔ (تکرار اور وہم سے محفوظ ہیں)

(۱) ان سب میں سے مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ بن سواءۃ بن جشم بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی سعدی ہے۔

(۲) ان میں سے محمد بن احیحہ ابن جلاح اوسی ہے۔ احیحہ ہمزہ پر پیش اور حاء پر فتح ہے اور جلاح کی جیم پر پیش اور لام تشدید کے بغیر اور آخر میں حاء ہے۔

(۳) محمد بن اسامہ بن مالک بن حبیب بن عنبر۔

(۴) محمد بن البراء بن طریف بن عتوارہ بن عامر ابن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بکری عتواری۔ (البراء کی

---

[1] ابو عبداللہ بن خالویہ، حسین بن احمد بن خالویہ مشہور امام ہیں اور صاحب تصانیف ہیں، جبکہ ۳۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

بجائے البر بھی کہا گیا ہے)

(۵) محمد بن حارث بن حدیج بن حویص۔

(۶) محمد بن حماز بن مالک۔عمری

(۷) محمد بن حمران بن ابی حمران ربیعہ بن مالک جعفی جو شو۔عر مشہور ہے۔

(۸) محمد بن خزاعی بن علقمہ بن حرابہ سلمی (بنوذکوان سے تعلق ہے)

(۹) محمد بن خولی ہمدانی

(۱۰) محمد بن سفیان بن مجاشع (تمیمی)

(۱۱) محمد بن یحمد ازدی

(۱۲) محمد بن یزید بن عمرو بن ربیعہ

(۱۳) محمد بن اسیدی

(۱۴) محمد الفقیمی[۱]

ان میں سے صرف پہلے شخص نے اسلام کا دور پایا۔ اس کی خبر کے سیاق و سباق سے اس بات کا پتا چلتا ہے اور چوتھے (محمد بن براء) قطعی طور پر صحابی ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں محمد بن مسلمہ انصاری کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن ان کا ذکر صحیح نہیں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیس سال سے بھی زیادہ وقت گزرنے پر پیدا ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنے پہلے کلام میں محمد بن یحمد کا ذکر کیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ پس ان کے نزدیک چھ ہوئے ساتواں نہیں ہے۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۳)

بعض اسماء کی تشریح

محمود: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمود بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام "الحمید" ہے اور اس کا معنی بھی محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنی تعریف فرمائی اور بندوں نے بھی اس کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی محمود رکھا حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب تورات میں اسی طرح آیا ہے۔

ماحی: آپ کے اسم گرامی الماحی کی تشریح حدیث شریف میں کفر کو مٹانے کے ساتھ آئی ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کو مٹایا ہے اس طرح کسی دوسرے نے نہیں مٹایا۔ کیونکہ جب آپ مبعوث ہوئے تو تمام اہل زمین کفار تھے، بت پرست تھے، یہودی اور عیسائی تھے جو گمراہ تھے، صابئ اور دہری تھے جو اپنے رب اور قیامت کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔ ستارہ پرست اور آتش پرست بھی تھے، فلاسفہ تھے جو انبیاء کرام

[۱] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مصنف علیہ الرحمہ سے پندرھواں نام چھوٹ گیا اور وہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ یعنی محمد بن عمرو بن مغفل (زرقانی، جلد ۳ ص ۱۶۰)

علیہم السلام کی شریعتوں کو نہیں جانتے تھے اور نہ ان کو مانتے تھے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کفریات کو مٹایا حتیٰ کہ آپ کا دین وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک شب و روز کی گردش ہے اور آپ کا پیغام سورج کی کرنوں کی طرح اطراف عالم تک رسائی پاگیا۔ چونکہ سمندر ہی میل کچیل کو مٹانے والے ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے آپ کا اسم گرامی ماحی (مٹانے والا) ہوا۔

حاشر: آپ کے اسم گرامی حاشر کی وضاحت بھی حدیث شریف میں ہوئی ہے کہ آپ وہ ذات ہیں کہ لوگ آپ کے قدموں پر اٹھیں گے۔ یعنی آپ (قیامت کے دن) سب سے آگے ہوں گے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوں گے۔ کہا گیا کہ یہ آپ کے سب سے پہلے اٹھنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے آگے اور اردگرد لوگ ہوں گے یعنی قیامت کے دن آپ کے پاس جمع ہوں گے۔ اہل کتاب کے لیے آپ کا یہ وصف اس طرح ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو ان کے قلعوں اور شہروں سے اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے نکال باہر کیا۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس قدر چاہا دنیا میں شدت حشر کا مزہ چکھایا اور یہ عالم برزخ تک ان کے لیے باقی رہا۔

سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے زمین کھلے گی اور لوگ آپ کے قدموں کے نشان پر جمع ہوں گے اور اپنے محشر میں آپ کی طرف ہی مجبور ہوں گے اور کہا گیا ہے کہ پہلے اٹھنے کی وجہ سے ان کے لیے سبب بنیں گے۔

عاقب: آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں کیونکہ عاقب، آخری کو کہتے ہیں یعنی آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے اور کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی جہنم کے حوالے سے ہے جب آپ تشریف لائیں گے تو آپ کی شفاعت کی حرمت کی وجہ سے جہنم کی آگ بجھ جائے گی اور ٹھہر جائے گی۔

جس طرح حدیث شریف میں مروی ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کی ایک جماعت جہنم میں داخل ہوگی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھول جائیں گے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کو یاد دلائیں تو وہ آپ کا ذکر کریں گے جس سے آگ بجھ جائے گی اور ان سے دور ہو جائے گی۔

المقفی: اس اسم گرامی کا مفہوم بھی یہی ہے۔ یعنی جو رسل عظام آپ سے پہلے تشریف لائے آپ ان کے نشانات پر ان کے بعد تشریف لائے۔ یہ لفظ "القفو" سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے "**قفایقفوہ**" جب کوئی کسی کے بعد ہو اسی سے "**قافیۃ الراس**" سر کا پچھلا حصہ اور "**قافیۃ البیت**" (گھر کا پچھلا حصہ) ہے۔ سو مقفی وہ رسول ہیں جو اپنے سے پہلے رسولوں کے بعد تشریف لائے پس وہ ان کے خاتم اور آخری ہیں۔

الاول: آپ کا اسم گرامی "الاول" اس اعتبار سے ہے کہ آپ تخلیق کے اعتبار سے تمام نبیوں سے پہلے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس جس طرح آغاز کے اعتبار سے آپ اول ہیں، لوٹنے کے حوالے سے بھی آپ اول ہیں کہ سب سے پہلے آپ کے لیے زمین کھلے گی۔ آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے اور جن کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ آپ ہی ہیں۔ جس طرح عالم ارواح

میں ابتداء میں آپ ہی جواب دینے والے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ لیا اور انھیں ان کے نفسوں پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو آپ نے ہی سب سے پہلے لفظ "بلی" (ہاں کیوں نہیں) کے ساتھ جواب دیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً سب سے اول ہیں۔

(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۲۰۰)

الآخر: آپ کا اسم گرامی آخر اس لیے ہے کہ آپ بعثت میں سب نبیوں کے بعد ہیں۔ جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔[1]

الظاہر: آپ کا اسم گرامی "الظاہر" اس وجہ سے ہے کہ آپ کا ظہور تمام ظاہر چیزوں پر غالب ہوا اور آپ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا پس آپ بھی ظہور کی تمام صورت میں ظاہر ہیں۔

الباطن: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو وحی ہوتی ہے، جس کے ذریعے آپ باطنی (پوشیدہ) امور پر مطلع ہوتے ہیں۔

الفاتح الخاتم: معراج شریف سے متعلق حدیث میں، حضرت ربیع بن انس کے طریق سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وجعلتک فاتحا وخاتما۔ اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور حدیث اسراء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مروی ہے:

وجعلنی فاتحا وخاتما۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۰)

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا بند دروازہ کھولا، آپ کے ذریعے نابینا آنکھوں کو بینا کیا، بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے دلوں کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔ کفر کے شہروں کو فتح فرمایا اور آپ ہی کے واسطے سے جنت کے دروازے کھولے۔ علم نافع اور عمل صالح کے راستے بھی آپ کے ذریعے کشادہ ہوئے۔ دنیا و آخرت، دل، سماعتیں بصارتیں اور بصیرتیں سب کچھ آپ کے ذریعے کھولا گیا۔ اس سے بعض اوقات انبیاء کرام میں تقدیم اور ان کے لیے اختتام مراد ہوتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث۔ میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے اور بعثت میں ان سب سے آخر میں ہوں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹۔ الفاظ میں کچھ اختلاف ہے)

---

[1] حدیث شریف میں ہے "کنت اول الانبیاء خلقا وآخرھم بعثا" (میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں)۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹)

الرء وف الرحیم: قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (توبہ: ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک (عظیم) رسول تشریف لائے کہ ان پر وہ بات گراں گزرتی ہے، جو تمہیں مشقت میں ڈالے، وہ تمہارے (ایمان کے لیے) بہت حرص رکھنے والے ہیں، مومنوں پر مہربان رحم فرمانے والے ہیں۔

لفظ رؤف "فعول" کے وزن پر رافۃ سے بنا ہے۔ اس میں رحمت کے مقابلے میں زیادہ رقت پائی جاتی ہے۔ ابو عبیدہ (لغوی) کہتے ہیں "الرحیم" کا وزن فعیل ہے اور رحمت سے بنا ہے۔ کہا گیا ہے اطاعت کرنے والوں پر رؤف اور گناہگاروں پر رحیم ہیں۔

الحق المبین: آپ کے اسم گرامی "الحق المبین" سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ (الزخرف: ۲۹)

حتیٰ کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین تشریف لائے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ۔ (الحجر: ۸۹)

اور آپ فرمادیجئے کہ میں واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (یونس: ۱۰۸)

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ۔ (الانعام: ۵)

بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا، جب وہ ان کے پاس آیا۔

کہا گیا کہ اس (حق) سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ قرآن مجید مراد ہے اور یہاں اس کا معنی باطل کی ضد ہے اور آپ کی سچائی اور آپ کا دین ثابت حق ہے اور مبین سے مراد آپ کے دین اور رسالت کا واضح ہونا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دے کر مبعوث فرمایا، آپ اس کو واضح کرنے والے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔ (النحل: ۴۴)

تاکہ آپ لوگوں کو وہ چیز بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی۔

المؤمن: آپ کے اسم گرامی مومن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ (التوبہ: ٦١)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیجئے تمہاری بھلائی کے لیے کان ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور مومنوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا امنۃ لاصحابی۔

میں اپنے صحابہ کرام کے لیے امن کا باعث ہوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۹)

تو بایں معنیٰ آپ مومن ہیں۔

المھیمن: ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ۔ (المائدہ: ۴۸)

اور ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی، جو ان کتب کی تصدیق کرتی ہے، جو اس سے پہلے ہیں اور اس پر محافظ ہیں۔

ابن جوزی نے زاد المسیر میں کہا ہے کہ ابن نجیح نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے "مھیمنا علیہ" کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے محافظ ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس قول کی بنیاد پر کلام میں محذوف عبارت ہوگی، گویا یہ ارشاد فرمایا: وجعلناک یا محمد مھیمنا علیہ اور اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اس پر محافظ بنایا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں آپ کو مھیمن کے طور پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

حتی احتوی بیتک المھیمن من   خندف علیاء تحتھا النطق

"حتیٰ کہ آپ کا محفوظ گھر خندف (الیاس بن مضر کی بیوی جو شرف میں مشہور تھیں) کے نسب سے ہے اور سب گھرانے آپ کے گھرانے سے پست ہیں"۔

ایک روایت میں ثم اغتدی بیتک المھیمن (پھر صبح کے وقت تیرے گھر میں مھیمن آیا) کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یاایھا المھیمن مراد لیا یہ بات القتبی (عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری) اور امام ابوالقاسم القشیری نے کہی ہے۔

العزیز: اس اسم گرامی کا معنیٰ بہت بڑی قدر والا یا وہ ذات جس کی کوئی مثل نہ ہو یا دوسروں کو اعزاز بخشنے والے (یا ان کی تکالیف سے پریشان ہونے والے)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے آپکے اس اسم گرامی پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ۔ (المنافقون: ۸)

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی عزت ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "العزیز" کے نام سے موسوم ہونا جائز ہے۔ اسی طرح آپ کو "معز" بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ آپ کو عزت حاصل ہے۔

اعتراض: کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ لفظ مومنوں کو بھی شامل ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ان کا بھی عطف کے ساتھ ذکر ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ وصف خاص نہ ہوگا جبکہ غرض آپ کا اختصاص ہے۔ (شفاء شریف کے محشی) یمنی نے فرمایا کہ مجھے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ پر تعجب ہے' ان سے یہ بات کیسے پوشیدہ رہ گئی۔

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزت کے جس رتبے کے ساتھ اختصاص ہے' وہ مقام کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عالم، علیم، علم اور معلم امت: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسماء گرامی پر قرآن پاک کی یہ آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (النساء: ۱۱۳)

اور ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

نوٹ: آپ کو جن امور کا علم اور معرفت پہلے حاصل نہ تھی' ان کی طرف راہنمائی فرمائی اور آپ کو نئے پیدا ہونے والے امور، دل کی پوشیدہ باتوں' غیبی باتوں' دین اور شریعت کے احکام کا علم دیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۶۷)

اور ارشاد فرمایا:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (البقرۃ: ۱۵۱) (کتاب الشفاء جلد اول ص ۳۰۰)

اور وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں' جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

الخبیر: خبیر کا معنی اشیاء کی حقیقت پر مطلع ہونا اور ان کی حقیقت کو جاننا ہے۔ آپ کو مخبر بھی کہا جاتا ہے۔ خبیر سے متعلق قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ (فرقان: ۵۹)

وہ بڑی مہربانی والا ہے تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔

قاضی بکر بن علاء[1] رحمہ اللہ نے فرمایا اور یہ بات الشفاء میں مذکور ہے کہ سوال کرنے کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کو دیا گیا اور جن سے سوال کیا گیا اور وہ خبر رکھنے والے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ سائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مسئول اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں مذکورہ وجوہ سے خبیر ہیں۔

---

[1] بکر بن محمد بن علاء قشیری کی کنیت ابوالفضل تھی اور آپ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ علماء حدیث میں سے تھے اور صاحب تصانیف تھے۔ ۳۴۴ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ علم اور عظیم معرفت سے انتہائی درجہ کا علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن باتوں کے بتانے کی اجازت دی آپ نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا لہٰذا آپ مخبر ہیں۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹)

العظیم: آپ کے اس اسم گرامی سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم: ۴) اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

تورات کے پہلے سفر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ عنقریب آپ کی نسل میں ایک عظیم شخصیت عظیم امت کے لیے پیدا ہوگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ہیں اور عظیم خلق والے ہیں۔
(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۸)

الشاکر والشکور: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو اس وصف سے موصوف فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۶، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۷)

یعنی کیا میں تہجد چھوڑ دوں اس طرح تو میں شکر گزار بندہ نہیں بن سکوں گا۔ معنی یہ ہے کہ مغفرت تہجد کے شکر ہونے کا سبب ہے تو میں اس کو کیسے چھوڑ دوں۔ اس بنیاد پر "فاء" سببیت کے لیے ہوگی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ "شکورا" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا ہوں اور اس کی قدر کو جانتا ہوں۔ اس پر تعریف کرنے والا اور اس میں اضافے کے لیے نفس کو مشقت میں ڈالنے والا ہوں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔
(کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۰)

الشکار: شاکر کے مقابلے میں اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ سنن ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے:

رب اجعلنی لک شکارا۔ اے میرے رب! مجھے اپنا بہت زیادہ شکر گزار بنا دے۔
(سنن ابن ماجہ ص ۲۷۴)

الکریم: آپ کا اسم گرامی کریم، اکرم اور "اکرم ولد آدم" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس اسم گرامی کو اپنے اس ارشاد گرامی میں ذکر فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ۔ (الحاقہ: ۴۰) بے شک وہ رسول کریم کا قول ہے۔

اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بات فرمائی تو اس کے بعد فرمایا کہ یہ کسی شاعر یا نجومی کا قول نہیں۔ اور قریش یہ الفاظ (شاعر وغیرہ)

حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس لیے "رسول کریم" سے اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مراد ہونا متعین ہوگیا۔ جیسا کہ آگے قرآن پاک کی آیات کے مقصد میں بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا اکرم ولد آدم۔ (الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۱۹)

میں تمام اولاد آدم سے زیادہ عزت والا ہوں (تمام انبیاء سے زیادہ معزز ہوں)۔

الولی: آپ کے اسم گرامی "الولی" اور "المولیٰ" کے حوالے سے حدیث شریف میں ہے۔ آپ نے خود فرمایا:

انا ولی کل مؤمن۔

میں ہر مومن کا دوست (اور مددگار) ہوں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۰۲)

الامین: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور بعد بھی اس لقب کے ساتھ مشہور تھے اور آپ اس نام کے تمام جہان والوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ اپنی وحی اور دین کے اعتبار سے امین ہیں اور آپ آسمان و زمین والوں کے امین ہیں۔

الصادق: آپ کا اسم گرامی الصادق اور المصدوق بھی ہے۔ حدیث شریف میں آپ کے ان دونوں ناموں کا ذکر ہے[1] اور ان کا معنی ظاہر ہے۔ اسی طرح آپ کا اسم گرامی "صدق" بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم نے جھٹلایا تو آپ غمگین ہوگئے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں۔

الطیب اور ماذ ماذ: آپ کا اسم گرامی الطیب اور ماذ ماذ بھی ہے۔ اس میں میم، پھر الف اس کے بعد ذال تنوین والی پھر میم، اس کے بعد الف اور پھر ذال ہے۔ (ماذ ماذ)

اسی طرح میں نے بعض علماء کے حوالے سے دیکھا ہے اور حجازی[2] نے شفاء شریف پر اپنے حاشیہ میں امام سہیلی سے نقل کرتے ہوئے میم کے ضمہ، ہمزہ کے اشمام اور واو اور الف ممدودہ کے درمیان ضمہ کے ساتھ نقل کیا اور کہا کہ میں نے ایک ایسے شخص سے نقل کیا جو علمائے بنی اسرائیل میں سے تھا اور مسلمان ہوگیا۔ اور کہا کہ اس کا معنی طیب (پاک) ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب پاک لوگوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

آپ کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک حاصل کیا جاتا تھا تاکہ اسے بطور خوشبو استعمال کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ خوشبو ہیں جسے اس نے عالم وجود میں پھیلایا تو اس سے تمام کائنات معطر ہوئی۔ دلوں کو اس سے بلندی ملی اور انہوں نے آپ سے غذا حاصل کی تو وہ طیب

---

[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور آپ صادق و مصدوق ہیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۹)

[2] حجازی سے مراد احمد بن محمد بن علی حجازی انصاری ہیں جو ادیب، شاعر اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۸۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہوگئے اور روحوں نے اسے سانسوں میں بسایا تو انہیں ترقی حاصل ہوئی۔

الطاھر، المطھر، المقدس: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔(الفتح: ۲) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔(کنز الایمان)

یا آپ کی ذات مبارک کے ذریعے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور آپ کی اتباع کر کے آدمی پاکیزہ ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُزَكِّيْهِمْ۔(البقرہ: ۱۲۹) اور آپ ان کو پاک کرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ۔(المائدہ: ۱۶) اور وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں۔

یا مقدس بمعنی مطہر ہے۔ آپ برے اخلاق اور اوصاف بد سے پاک ہیں۔

العفو اور الصفوح: ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید، تورات اور انجیل میں اس وصف سے موصوف ذکر فرمایا جس طرح صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح۔(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱) آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ۔(الاعراف: ۱۹۹) آپ معاف کرنے کا طریقہ اختیار فرمائیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔(المائدہ: ۱۳) پس آپ ان کو معاف کریں اور درگزر سے کام لیں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۳۰۲)

العطوف: آپ کے اسم گرامی العطوف کا معنی بہت زیادہ شفقت فرمانے والے ہے۔ چونکہ آپ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق اور مہربان تھے اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا۔

النور: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔(المائدہ: ۱۵) بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے قرآن مجید

مراد ہے۔[1] پس آپ اللہ تعالیٰ کے ایسے نور ہیں جس کو بجھایا نہیں جا سکتا۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۸)

السراج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو سراج کے نام سے ذکر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ (الاحزاب: ۴۶)　اور (ہم نے آپ کو) روشن چراغ (بنا کر بھیجا)۔

کیونکہ آپ کا دین اور نبوت نہایت واضح ہے اور آپ جو کچھ لائے اس سے آپ نے مومنوں اور عارفین کے دلوں کو روشن کر دیا۔ پس آپ اپنی ذات میں روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والے ہیں۔

لہٰذا آپ روشن کرنے میں کامل چراغ ہیں اور آپ کو سورج کی طرح تیز بھڑکنے والا چراغ قرار نہیں دیا کیونکہ منیر وہ ہوتا ہے جو جلانے کے بغیر روشن کرتا ہے بخلاف وہاج (بھڑکانے والا) کے (کہ وہ جلاتا ہے)۔

الہادی: اس کا معنی راہنمائی کرنے والا اور (دین کی طرف) بلانے والا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (الشوریٰ: ۵۲)　اور بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔ (الاحزاب: ۴۶) کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۲)　اور آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے ہیں۔

البرھان: ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (النساء: ۱۷۴)　اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (دلیل یا معجزہ) آ گئی۔

کہا گیا ہے کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے معجزات مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ قرآن مجید مراد ہے۔

النقیب: ایک روایت میں ہے کہ جب بنو نجار قبیلے کے نقیب ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت دکھ ہوا اور اس کے بعد آپ نے ان پر کوئی نقیب (نگران اور ذمہ دار) مقرر نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: میں تمہارا نقیب ہوں تو یہ بات ان لوگوں کے لیے فخر کا باعث تھی۔ نقیب وہ شخص ہوتا ہے جو کسی قوم کا نگران اور ذمہ دار ہو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱۱)

الجبار: حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں آپ کا یہ نام مذکور ہے' انہوں نے مزمور نمبر ۴۴ میں فرمایا: اے جبار! اپنی تلوار لٹکائیں بے شک آپ کی ناموس اور شریعت آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے ملی ہوئی ہے کیونکہ آپ وہ جبار ہیں جنہوں نے تلوار کے ذریعے مخلوق کو حق پر مجبور کیا اور ان کو زبردستی کفر سے پھیرا۔[2]

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی بات (یعنی حضور علیہ السلام کا مراد ہونا) زیادہ صحیح ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷۱)

[2] اسلام' تلوار سے نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور اخلاق عالیہ سے پھیلا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب اور دبدبہ عطا فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ سے تکبر کے جبر کو دور رکھا جو آپ کے لائق نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ۔ (ق: ۴۵) اور آپ ان پر جبار نہیں ہیں۔

یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس سے بندے کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ اسے دوسروں کو اپنے پیچھے لانے کا درجہ حاصل ہو جائے۔ وہ اتباع کے درجہ سے اوپر چلا جائے اور مخلوق اس کی ہیبت کے باعث اس کی سیرت و کردار میں اقتداء پر مجبور ہو اور وہ مخلوق کو فائدہ دے، خود اس سے فائدہ حاصل نہ کرے اور حقیقت میں اس صفت سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حصہ ملا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان موسی حیا ما وسعہ الا اتباعی۔ (الاسرار المرفوعہ ص ۱۹۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

الشاھد اور الشھید: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دونوں ناموں سے موسوم فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا۔ (الاحزاب: ۴۵) بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

یعنی آپ کو ان کی طرف جس چیز کے ساتھ بھیجا گیا اس کی تصدیق و تکذیب نیز ان کی نجات و گمراہی پر آپ گواہ ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر شہید (گواہ) ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن امتیں انبیاء کرام کی تبلیغ کا انکار کریں گی تو اللہ تعالیٰ ان سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے۔ مقصد صرف منکرین پر حجت قائم کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے۔ وہ امتیں کہیں گی کہ تم نے کیسے معلوم کیا؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ناطق میں اپنے سچے نبی کی زبان پر اس کی خبر دی جس سے ہمیں معلوم ہوا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر آپ سے آپ کی امت کا حال پوچھا جائے گا تو آپ ان کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے۔

تو یہ شہادت اگرچہ ان کے لیے ہوگی لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگرانی کرنے والے کی طرح ہیں تو لفظ علی کے ساتھ متعدی کرتے ہوئے صلہ کو مقدم کیا گیا۔ (یعنی "علیکم" فرمایا) تاکہ یہ اس بات پر دلالت ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان پر گواہ ہیں۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۷۸)

الناشر: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ناشر اس لیے رکھا گیا کہ آپ نے اسلام پھیلایا اور احکام شریعت کو ظاہر کیا۔

المزمل: اس کی اصل المتزمل ہے۔ تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے موسوم کیا گیا۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ پہلی وحی کے موقعہ پر آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے خوفزدہ ہوئے

اور آپ نے کپڑا اوڑھ لیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ سدی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اے سونے والے! وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام کرنے کا کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے "المتزمل بالقرآن" یعنی قرآن پاک آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور حضرت عکرمہ اسے نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔

کہا گیا کہ یہ اسم، لفظ "الزمل" سے بنا ہے جس کا معنی اٹھانا ہے۔ اسی سے "الزاملہ" کا لفظ ہے، آپ نبوت کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اس اعتبار سے تزمل کا لفظ بطور مجاز استعمال ہوا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: المزمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف ناموں میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کی حالت سے مشتق ہے کہ آپ نے حالتِ خطاب میں یہ لباس اختیار کر رکھا تھا اور عربی لوگ جب مخاطب سے کوئی نرمی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اسے عتاب نہیں کرتے تو ایسے نام سے پکارتے ہیں جو اس کی حالت سے مشتق ہو۔ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مٹی پر آرام فرما ہوئے اور مٹی آپ کے پہلو سے لگ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابو تراب! اٹھو" یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ ان سے لطف و کرم کا سلوک فرما رہے تھے۔ پس "یایھا المزمل" میں آپ کو مانوس کرنا اور لطف و کرم کا اظہار ہے۔

اور جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی جس کی لمبائی چودہ ہاتھ تھی۔ اس کا آدھا حصہ مجھ پر تھا اور میں سوئی ہوئی تھی اور آدھا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ تو یہ روایت واضح جھوٹ ہے۔ کیونکہ یایھا المزمل (سورۂ مزمل) کا نزول مکہ مکرمہ میں اس وقت ہوا جب آپ کی بعثت کا آغاز تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

المدثر: اس کی اصل "المتدثر" ہے اور تاء کا دال میں ادغام کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غار حرا میں تھا کہ مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں اور بائیں طرف دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے اپنے اوپر کی طرف دیکھا تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان تخت پر تھا یعنی وہ فرشتہ جس نے آپ کو آواز دی تھی، (آپ فرماتے ہیں:) میں گھبرا کر (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف لوٹا اور کہا مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ اب حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور انہوں نے کہا یایھا المدثر (اے کمبل اوڑھنے والے)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲، صحیح مسلم جلد اول ص ۹۰)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے نبوت کا بوجھ اٹھانے والے آپ نے اس کام کی ذمہ داری اٹھائی ہے پس اٹھیے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کو شروع شروع میں المزمل اور المدثر کہہ کر پکارا گیا۔ پس جب نبوت کا آغاز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت سے پکارا۔ (یایھا النبی اور یایھا الرسول)

طٰہٰ: نقاش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا قرآن پاک میں میرے سات نام

مذکور) ہیں۔ پس آپ نے ان میں طٰہٰ کا بھی ذکر کیا اور کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور کہا گیا کہ اس کا معنی "اے مرد" ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اے انسان اور یہ بھی کہا گیا کہ اے طاہر، اے ہادی! یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ واسطی[1] سے یہ بات مروی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اے امت کی شفاعت کی طمع رکھنے والے اور اے مخلوق کو ملت کی طرف ہدایت دینے والے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ طاء کے نو اور ہاء کے پانچ عدد ہیں اور یہ چودہ ہیں۔ گویا یوں کہا گیا اے چودھویں کے چاند! اور یہ نہایت عمدہ تاویل ہے لیکن اعتماد اسی بات پر ہے کہ یہ دونوں حروف کے نام ہیں۔

یٰسٓ: ابو محمد مکی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے رب کے ہاں میرے دس نام ہیں جن میں سے ایک یٰسین ہے اور کہا گیا ہے کہ بنو طئی کی لغت میں اس کا معنی "اے انسان" ہے۔ کہا گیا کہ حبشی زبان میں اور ایک قول کے مطابق سریانی زبان میں یہ معنی ہے۔ امام بیضاوی اور ابن خطیب وغیرہ کے مطابق اس کی اصل یا انیسین ہے۔ اس کے ساتھ ندا کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو مختصر کر کے یاسین بنا دیا گیا۔ لیکن اس بات پر یہ اعتراض کیا گیا کہ عربوں سے اس کی تصغیر انیسین معلوم نہیں ہے۔ بلکہ ان سے ان کی تصغیر انیسیان منقول ہے۔

ان سے اس کی تصغیر کے سلسلے میں جو "انیسیان" کا لفظ منقول ہے یعنی یاء اور اس کے بعد الف ہے اور تصغیر، تحقیر کے لیے آتی ہے تو نبوت کے حق میں یہ بات ممتنع ہے۔ کیونکہ علماء کرام نے واضح طور پر بیان کیا کہ عظمت والے ناموں میں شرعی طور پر تصغیر کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

مزید تفصیل چھٹے مقصد کی پانچویں نوع کی چوتھی فصل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ[2] سے منقول ہے کہ اس کا معنی یا محمد! ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی یا رجل (اے مرد) ہے۔ حضرت ابو بکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ "یاسید البشر" (اے انسانوں کے سردار) کے معنی میں ہے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے "یاسید" کہا گیا تو اس اعتبار سے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

الفجر: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ[3] فرماتے ہیں قرآن مجید کی اس آیت میں جس فجر کا ذکر ہے، اس سے

---

[1] واسطی، ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی ہیں، امام عارف ہیں۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے پیروکاروں میں سے ہیں۔ تصوف میں ان کا اچھا کلام ہے، ۳۲۰ھ کے بعد مقام مرو میں انتقال فرمایا۔

[2] حضرت ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ثقہ عالم اور مدنی ہیں۔ حدیث کی چھ کتب (صحاح ستہ) کے راویوں میں سے ہیں۔ ۸۰ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا اور آپ اپنی والدہ کی نسبت سے مشہور ہیں یعنی حنفیہ آپ کی والدہ ہیں۔

[3] احمد بن محمد بن سہل بن عطاء بغدادی۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ زاہد تھے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے۔ ۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ سے ایمان پھوٹ کر نکلا۔ آیت کریمہ یہ ہے:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ (الفجر: ۱-۲) فجر اور دس راتوں کی قسم۔

یہ عجیب تاویل ہے کسی اور سے معلوم نہ ہو سکی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس فجر سے صبح مراد ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔ (التکویر: ۱۸) اور صبح کی قسم جب وہ سانس لے۔

القوی: ارشاد خداوندی ہے:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ۔ (التکویر: ۲۰) جو قوت والا ہے، مالک عرش کے حضور عزت والا۔

کہا گیا کہ اس (ذی قوت) سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس سلسلے میں مزید گفتگو چھٹے مقصد میں ہوگی۔

اور حضرت ابن عطاء نے ارشاد خداوندی:

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ (ق: ۱) ق اور قرآن مجید کی قسم ہے۔

کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی قوت کی قسم کھائی جب آپ نے خطاب اور مشاہدہ کو برداشت کیا اور اس نے آپ کے دل پر اثر نہ کیا کیونکہ اس دل کا درجہ بلند ہے لیکن اس تاویل میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

النجم: حضرت جعفر بن محمد بن حسین رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ۔ (النجم: ۱) اور چمکتے ستارے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم جب اترے۔

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جب آپ معراج کی رات آسمان سے اترے تو اس سلسلے میں اذا ھوی فرمایا۔ اور حضرت سلمی[1] ارشاد خداوندی:

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ۔ (الطارق: ۱-۳) آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے خوب چمکتا تارا۔

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہاں نجم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو النجم اس لیے کہا گیا کہ آپ سے ہدایت کے طریقوں میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے جس طرح نجم (ستارے) کے ذریعے راستوں کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

الشمس: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفع کے حصول آپ کے مرتبہ کی بلندی، آپ کی شریعت

---

[1] ابو عبدالرحمن محمد بن ازدی جو اپنے دادا سلیم نیشاپوری کی نسبت سے سلمی کہلاتے ہیں۔ حافظ محدث، صوفی اور صاحب تصانیف ہیں، صاحب کرامات ہیں۔ ۴۱۲ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷۸)

کے ظہور اور آپ کی قدر و منزلت کی عظمت و جلال کی وجہ سے آپ کو "الشمس" کہا گیا۔ اس لیے کہ آپ کے کمال کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ آپ کو دیکھنے والا آپ کے جلال کی وجہ سے آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔
جس طرح سورج عام سیاروں سے بلند مرتبہ ہے کہ وہ چھٹے آسمان میں ہے اور دوسرے ستاروں کے مقابلے میں اس سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور سورج کا جسم اتنا بڑا ہے کہ آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، نیز جب تمام ستارے اس کی روشنی سے اکتساب فیض کرتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو الشمس کہنا بھی مناسب ہے، کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کے نور سے روشنی حاصل کی۔[1]
النبی اور الرسول: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو قرآن مجید میں ان دونوں ناموں سے پکارا۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان ناموں سے نہیں پکارا گیا۔
پھر لفظ نبوءۃ ھمزہ کے ساتھ النباء سے ماخوذ ہے۔ یعنی خبر اور تسہیل کے طور پر ھمزہ کے بغیر نبوت بھی پڑھتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیب پر اطلاع دی اور آپ کو بتایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ پس خبر دیئے ہوئے نبی ہیں یا آپ ان باتوں کی خبر دیتے ہیں، جن کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور جن باتوں پر آپ کو مطلع فرمایا ان کی بھی خبر دیتے ہیں۔
اگر ھمزہ کے بغیر ہو تو نبوۃ سے مشتق ہے اور وہ زمین کا بلند حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا درجہ بہت بلند و بالا ہے۔
حضرت شیخ زرکشی رحمہ اللہ نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں فرمایا کہ حضرت نافع[2] رضی اللہ عنہ پورے قرآن میں النبیء ھمزہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس (ھمزہ) کا چھوڑنا بہتر ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت بھی یہی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا نبیء اللہ یعنی ھمزہ کے ساتھ کہا تو آپ نے اس سے فرمایا میں نبیء اللہ نہیں ہوں بلکہ میں نبی اللہ ہوں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۳۱) پس آپ نے ھمزہ کا انکار فرمایا کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں سے نہ تھا۔
(مشہور امام ابو نصر اسماعیل بن حماد) جوہری اور الصاغانی[3] فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے انکار فرمایا کہ اعرابی کی اس سے یہ مراد تھی کہ اے وہ شخص جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف نکلا۔ کہا جاتا ہے نبات من ارض الی ارض جب تو ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے۔

---

[1] حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

و کلهم من رسول الله ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الديم

"آپ کے دریا و باراں کے سبھی سائل ہوئے۔۔۔ ایک چلو ہو عطا یا ایک ہی قطرہ ملے"۔

[2] حضرت نافع بن عبد الرحمن قاری مدنی ہیں، نہایت سچے اور قراءت میں مضبوط ہیں۔ ۱۶۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

[3] حسن بن محمد صاغانی مشہور علامہ ہیں۔ ۵۷۷ھ میں پیدائش ہوئی اور ۶۵۰ھ میں وصال ہوا۔

قراء کی ایک جماعت نے اس حدیث میں کلام کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے المستدرک میں حضرت ابوالاسود کے واسطے سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور فرمایا یہ شیخین (حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ) کی شرط پر صحیح ہے۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اس میں حسین جعفی ہے۔ ان میں سے بعض نے اسی طرح کہا یہ راوی شیخین کی شرط کے مطابق نہیں۔

حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کرتے ہوئے کہا ہم سے محمد بن سعد نے بیان کیا۔ انہوں نے حمزہ زیات سے اور انہوں نے حمران بن اعین سے روایت کیا کہ ایک شخص نے کہا (آخر تک مندرجہ بالا حدیث ذکر کی) اور یہ حدیث منقطع ہے۔ (جس حدیث میں کوئی راوی چھوٹ جائے وہ حدیث منقطع ہوتی ہے۔)

رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت کے ساتھ مخلوق کی طرف بھیجا (اور) وہ لوگوں کو اس (شریعت) کی طرف بلاتا ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اور رسول کا مفہوم ایک ہے یا ان کا الگ الگ معنی ہے؟

بعض لوگوں نے پہلے موقف اختیار کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ ۔ (الحج: ۵۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا۔ (مگر سب پر یہ واقعہ گزرا کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات پکی کر دیتا ہے، اللہ علم و حکمت والا ہے)

تو دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ارسال ثابت فرمایا۔ اس بنیاد پر ہر نبی رسول اور ہر رسول، نبی ہوتا ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں نے دوسرا موقف اختیار کیا اور وہ یہ کہ نبوت میں دونوں (نبی اور رسول) جمع ہوتے ہیں اور نبوت غیب پر اطلاع ہے اور نبوت کے خواص سے خبردار کرنا یا اس معرفت کے ذریعے بلندی کا حصول ہے۔ لیکن ارسال کے اضافے میں دونوں جدا جدا ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل بھی یہی (مندرجہ بالا) آیت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں دونوں کے لیے الگ الگ نام بیان ہوئے۔ اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو کلام بلیغ میں ان کا تکرار اچھا نہ ہوتا اور معنی یوں ہوتا اور ہم نے کسی امت کی طرف کسی نبی کو نہیں بھیجا یا کوئی نبی کسی امت کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

کچھ دوسرے لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لے کر آتا ہے اور جو نئی شریعت نہ لائے وہ نبی ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا۔ اگرچہ اسے تبلیغ اور ڈر سنانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔

ہاں ہم اس سلسلے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام وہ کرتا ہے جس کو تحقیق نہ ہو حضرت جبریل علیہ السلام رسول ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے رسالت (پیغام) کی وجہ سے رسول ہیں لیکن نبی نہیں ہیں تو اس سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اور نبی میں فرق کرنے کے لیے بشری رسول کی قید لگائی جائے۔

پھر نبوت اور رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور نہ ذاتی وصف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب کے لیے خاص کیا کرامیہ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔[1]

قرافی کہتے ہیں جیسا کہ ان سے ابن مرزوق نے نقل کیا کہ بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت محض وحی کا نام ہے لیکن یہ بات باطل ہے کیونکہ وحی تو ان لوگوں کو بھی ہوتی ہے جو نبی نہیں ہیں جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کو وحی ہوئی لیکن صحیح قول کے مطابق وہ نبی نہیں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا۔ (مریم: ۱۷)　پس ہم نے ان (حضرت مریم علیہا السلام) کی طرف اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا۔

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ۔ (آل عمران: ۴۵)　بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو ایک شخص کی طرف اس کے راستے میں بھیجا اور وہ اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کے لیے نکلا تھا۔ فرشتے نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے کیونکہ تو اپنے بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے۔۔۔ لیکن یہ نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ محققین کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض کے لیے انسانی حکم کے تحت القاء ہوتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (العلق: ۱)　آپ اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔

تو یہ مکلف بنانا ہے جو اس وقت آپ کی شخصیت سے خاص ہے تو یہ نبوت ہے رسالت نہیں ہے (کیونکہ تبلیغ کا حکم نہیں ہوا تھا) جب یہ آیت نازل ہوئی۔

قُمْ فَاَنْذِرْ۔ (المدثر: ۲)　اٹھئے اور ڈرائیے۔

تو یہ رسالت تھی کیونکہ یہ تکلیف آپ کے غیر سے بھی متعلق ہے۔ پس نبی کو صرف اس کے اپنے عمل کے لیے مکلف بنایا جاتا ہے اور رسول کا بھی یہی حال ہے لیکن وہ دوسروں کو تبلیغ کا بھی مکلف ہوتا ہے پس رسول مطلق طور پر نبی کے مقابلے میں مطلقاً اخص ہے۔

کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی رسول ہیں؟

تو حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے حکم میں ہیں اور

---

[1] کرامیہ ایک فرقہ ہے جو ابو عبداللہ بن کرام کی طرف منسوب ہے۔ ان کا مذہب زیادہ تر مشرق اور خراسان کے مضافات میں پایا جاتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص ۲۹۲)

کسی چیز کا حکم اصل چیز کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ (مطلقہ عورت کی) عدت احکام نکاح پر دلالت کرتی ہے' اس مسئلہ پر مزید گفتگو آگے آئے گی۔

بعض اسماء مبارکہ کی شرح کا تتمہ

المذکر: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی "المذکر" کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے:

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ۔ (الغاشیہ: ۲۱) پس آپ یاد دلائیں بے شک آپ یاد دلانے والے ہیں۔

البشیر' المبشر' النذیر' المنذر: ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ (الاحزاب: ۴۵) بے شک ہم نے آپ کو شاہد' خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔

جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو ثواب کی خوشخبری دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ بخشش کی خوشخبری دیتے ہیں اور گناہ گاروں کو عذاب سے یا گمراہی کی باتوں سے ڈرانے والے ہیں۔

المبلغ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (المائدہ: ۶۷) اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ اتارا گیا اسے پہنچا دیجیے۔

الحنیف: ارشاد خداوندی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔ (الروم: ۳۰) پس آپ دین کے لیے یک سو ہو کر متوجہ ہو جائیں۔

بعض حضرات نے یہی بات کہی ہے۔

نبی التوبۃ: آپ کو نبی التوبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ تمام لوگوں نے آپ کی ہدایت سے صراط مستقیم کی طرف رجوع کیا' جبکہ وہ مختلف راستوں پر چل رہے تھے۔

رسول الرحمہ' نبی الرحمۃ' اور نبی المرحمۃ: ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (انبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ: ۱۲۸) اور (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں پر مہربان' رحم فرمانے والے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی امت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔ امام

بیہقی رحمہ اللہ نے مرفوعاً روایت کیا۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
انما انا رحمة مهداة۔ بے شک میں رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۵۷)

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مخلوق پر رحم فرمایا وہ مومن ہوں یا کافر، اور یہ اسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص ناموں میں سے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حضرت آدم علیہ السلام کو حصہ یوں ملا کہ فرشتوں نے آپ کی تعظیم کرتے ہوئے ان کو سجدہ کیا کیونکہ اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے آپ کی رحمت اس طرح ہوئی کہ وہ کشتی سے صحیح سالم باہر نکلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے (نمرودی) آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بنا کر آپ کی رحمت سے ان کو بہرہ ور فرمایا، کیونکہ اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت آغاز و اختتام میں بھی ہے اور یہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائے شفاعت کو باقی رکھا تو جب آپ کی نبوت دائمی رحمت ہے جو مسلسل حاصل رہتی ہے تو آپ کے لیے رحمت سے اسم رحمت مشتق ہوا۔

نبی الملحمة والملاحم: ملاحم، لڑائیوں کو کہتے ہیں تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو جہاد اور تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔ جس قدر جہاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت نے کیا ہے اس قدر جہاد کسی دوسرے نبی اور ان کی امت نے نہیں کیا۔

اور وہ لڑائیاں جو آپ کی امت اور کفار کے درمیان ہو چکی ہیں اور اس کے بعد ہوں گی ان کی مثل اس سے پہلے معروف نہیں۔ آپ کی امت دنیا کے کونے کونے میں ہر زمانے میں جہاد کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے۔[1]

صاحب القضیب: قضیب کا معنی تلوار ہے، جس طرح انجیل میں اس کی وضاحت ہوئی کہ ان کے پاس لوہے کی شاخ ہوگی جس کے ساتھ وہ جہاد کریں گے، اسی طرح آپ کی امت بھی جہاد کرے گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ لمبی اور پتلی شاخ بھی مراد ہو جسے آپ ہاتھ میں رکھتے تھے۔

صاحب الھراوۃ: لغت میں ھراوہ عصا کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے دست مبارک میں عصا رکھتے تھے۔ آپ کے آگے چلنے والوں کے پاس بھی لاٹھی ہوتی تھی اور وہ زمین میں گاڑ دی جاتی اور آپ (اسے سترہ بنا کر) اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جس کا حدیث حوض میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا میں اپنے عصا کے ذریعے یمن والوں کی خاطر دوسرے لوگوں کو حوض سے دور کر دوں

---

[1] دجال کا معنی بہت مکر و فریب کرنے والا۔ یہ آخری زمانے میں آئے گا اور مسلمانوں کے لیے آزمائش کا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کے فتنہ سے محفوظ فرمائے۔ (۱۲ ہزاروی)

گا۔ (صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۲۵۱ (مع حاشیہ) کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۵)
یعنی اس لیے دور کردوں گا کہ اہل یمن آگے بڑھیں، پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے نگران اور ان کو ان کے گھاٹ کی طرف چلانے والے ہیں تو آپ عصا والے تھے، جس کے ذریعے عبادت گزار لوگوں کو چلاتے تھے اور صاحب تلوار تھے کہ اس کے ذریعے ان لوگوں سے بدلہ لیتے تھے، جن کی زندگی صرف ان کے شر کو زیادہ کرتی تھی۔

ضحاک: حاء نقطہ کے بغیر ہے۔ وہ ذات جو اپنی بہادری کی وجہ سے دشمن کے خون کو بہائے۔

صاحب التاج: اس سے آپ کی دستارِ مبارک مراد ہے اور اس وقت عمامہ صرف اہلِ عرب باندھتے تھے اور دستاریں ان لوگوں کے تاج تھے۔

صاحب المغفر: میم کے نیچے زیر ہے۔ غین ساکن ہے اور فاء پر زبر ہے۔ زرہ سے سر کے مطابق بنائی گئی ٹوپی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں پہنتے تھے۔

قدم صدق: حضرت قتادہ، حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم کے مطابق ارشاد خداوندی

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (یونس: ۲)
اور ایمان والوں کو خوشخبری دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو ان سب لوگوں کی سفارش کریں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش ہے۔ پس آپ ان کے رب کے پاس سچے شفیع ہیں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سبقت کرنے والی رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ودیعت فرمائی۔

نعمة الله: ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (النحل: ۱۸)
اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انعام فرمانا مراد ہے اور ارشاد فرمایا:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا۔ (النحل: ۸۳)
وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔

یعنی وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ پھر آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ حضرت مجاہد اور امام سدی سے مروی ہے اور زجاج نے بھی یہی کہا ہے۔ (ابو اسحٰق ابراہیم بن السدی مشہور امام ہیں۔ ۳۱۱ھ میں وفات پائی)۔

الصراط المستقیم: حضرت ابوالعالیہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہما نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس (صراط مستقیم) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام میں سے برگزیدہ افراد مراد ہیں۔ ماوردی نے صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے یہ بات نقل کی ہے۔

العروۃ الوثقی: ابو عبدالرحمٰن سلمی، بعض اکابر سے ارشاد خداوندی:

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی۔ پس تحقیق اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا۔

(البقرۃ: ۲۵۶)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

رکن المتواضعین: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کرنے والوں کا ستون ہیں اور جس قدر تواضع آپ سے ظاہر ہوئی کسی دوسرے سے ظاہر نہیں ہوئی۔ آپ اپنی قمیص مبارک پر پیوند لگاتے، نعلین مبارک گانٹھتے اور گھر کی صفائی تک کرتے تھے۔

کتاب شعیاء کے ترجمہ کے سلسلے میں ایسی بات آئی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں بشارت پر دلالت کرتی ہے۔

(اس میں کہا گیا کہ) آپ خواہش کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور صالحین کو رسوا نہیں کریں گے۔ جو کمزور، کانے (بانس) کی طرح ہیں بلکہ سچے لوگوں کو قوت دیں گے۔ آپ تواضع کرنے والوں کا رکن (سہارا) ہوں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کے وہ نور ہیں جسے بجھایا نہیں جا سکتا۔

قثم اور قثوم: قاف اور ثاء کے ساتھ ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس سے بھلائیوں کی جامع ذات مراد لی ہے۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۳)

ابن جوزی نے کہا کہ یہ قثم سے مشتق ہے اور اس کا معنی عطا کرنا ہے۔ جب کوئی کسی کو عطا کرتا ہے تو کہا جاتا ہے "قثم لہ من العطاء یقثم" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔

البارقلیط اور الفارقلیط: یہ باء کے ساتھ ہے اور اس کی جگہ فاء بھی آتی ہے۔ راء اور قاف پر زبر ہے لیکن راء ساکن اور قاف پر زبر کے ساتھ بھی جبکہ قاف کے سکون اور راء کے نیچے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ یہ لفظ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں منع صرف کے دو سبب عجمہ اور علمیت پائے جاتے ہیں اور یہ اسم مبارک یوحنا کی انجیل میں آیا ہے۔ اس کا معنی حق کی روح ہے۔

(احمد بن یحییٰ بغدادی) ثعلب رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے۔

ابن اثیر کے نہایہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں مذکور ہے کہ پہلی کتب میں آپ کا اسم گرامی

"فارق لیطا" ہے، آپ حق وباطل میں فرق کرتے ہیں۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۵)

حدیث شریف میں ہے:

محمد فرق بین الناس۔ — حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

یعنی آپ کی وجہ سے مومنوں اور کافروں میں تفریق ہو جاتی ہے کہ مومن آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور کافر آپ کو جھٹلاتے ہیں۔

حمطایا: (حاء نقطہ کے بغیر ہے جس پر زبر ہے اور میم ساکن ہے) ہروی کہتے ہیں اس کا مطلب ہے حرم شریف کی حفاظت کرنے والے، ابن اثیر نے کہا حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ کتب میں آپ کے اسماء گرامی محمد، احمد، حمیاطا ہیں (یعنی حاء، پھر میم ساکن پھر یاء اس کے الف پھر طاء اور اس کے بعد الف ہے۔)

ابو عمرو کہتے ہیں میں نے یہودیوں میں سے اسلام لانے والے ایک شخص سے اس سلسلے میں پوچھا تو اس نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ حرم شریف کو حرام کام سے بچاتے ہیں اور حلال کام کو آسان کرتے ہیں۔

احید: ہمزہ پر پیش، حاء کے نیچے زیر، یاء ساکن اور اس کے بعد دال ہے۔ میں نے شفاء شریف کے بعض قابل اعتماد نسخوں میں اسی طرح پایا ہے اور مشہور یہ ہے کہ ہمزہ پر زبر ہے، حاء ساکن ہے اور یاء پر بھی زبر ہے (اَحْيَد) ایک نسخے میں ہمزہ پر زبر، حاء کے نیچے زیر اور یاء ساکن ہے۔ (احید)

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسمی فی القرآن محمد و فی الانجیل احمد وفی التوراۃ احید وانما سمیت احید لانی احید عن امتی نار جھنم — قرآن مجید میں میرا نام محمد، انجیل میں احمد اور تورات میں احید ہے اور میرا نام احید اس لیے ہے کہ میں اپنی امت سے جہنم کو دور رکھوں گا۔

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد اول ص ۳۳۸، تاریخ دمشق الکبیر جلد اول ص ۲۷۶)

المنحمنا: میم پر پیش، نون ساکن، حاء پر زبر، دوسری میم کے نیچے زیر اور دوسرا نون مشدد ہے اور اس پر زبر ہے اور الف مقصورہ ہے (ممدودہ نہیں) (المنحمنا ہو گیا) بعض حضرات نے دونوں میموں پر زبر پڑھی ہے۔ سریانی زبان میں اس کا معنی محمد۔ ہے (تعریف کیا ہوا)

المشفح: میم پر پیش، اس کے بعد شین اور پھر فاء (ان دونوں پر زبر ہے) اس کے بعد حاء ہے فاء کی جگہ قاف بھی آیا ہے۔

کتاب شعیاء (یا کتاب شفاء) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ نہ دیکھنے والی آنکھوں اور بہرے کانوں کو کھول دیں گے اور دلوں کو زندہ کریں گے۔ آپ کو جو کچھ عطا ہو گا وہ کسی

دوسرے کو عطا نہیں ہوگا۔ آپ مشفّع ہیں جو نئے سرے سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔ ان کی سریانی زبان میں یہ حمد کے معنیٰ میں ہے۔

مقیم السنۃ: کتاب الشفاء میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی:

اللھم ابعث لنا محمد یقیم السنۃ بعد الفترۃ۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۲)

یااللہ! ہمارے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج تاکہ آپ زمانہ فترت (جس میں کوئی نبی نہ آئے) کے بعد سنت کو قائم کریں۔

المبارک: کائنات کا آغاز اور اس کی نشوونما آپ کی برکت سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے مدد یافتہ ہے۔ آپ کی برکت کے کمال سے ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل آیا۔ آپ کی برکت سے تھوڑا سا کھانا زیادہ ہوگیا حتیٰ کہ بہت زیادہ لشکر نے سیر ہو کر کھایا۔ اس کے علاوہ آپ نے جس چیز کو ہاتھ لگایا یا جس کا آپ سے کوئی تعلق ہوا اس میں برکت آگئی۔ ان شاء اللہ معجزات کے بیان میں یہ تمام باتیں آئیں گی۔

المکین: آپ مکین ہیں یعنی آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے ملایا۔ (اور آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا) پس آپ کے علاوہ کسی کے نام سے اذان نہیں دی جاتی اور آپ کے علاوہ کسی کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے ملا ہوا نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پہلوں کے لیے عرش کے پائے پر آپ کا نام لکھ کر آپ کا اعلان کیا اور پچھلوں کے لیے ایمان کے میناروں پر آپ کے لیے اذان دی جاتی ہے۔

الامی: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے سب سے خاص ناموں میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲)

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل لیکن ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں۔

تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھا وہ آپ کو پڑھایا اور جو کچھ اس کی علمی قلموں نے اس کی مقدس تختیوں پر لکھا وہ بھی سکھایا۔ پس اس طرح مخلوق کی لکھی ہوئی باتوں کو پڑھنے سے آپ کو بے نیاز کردیا۔

المکی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا آغاز سرزمین مکہ مکرمہ میں ہوا جو اللہ تعالیٰ کا حرم پاک ہے۔ پس یہ سرزمین برکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت اور ابتدائے نبوت کے اعتبار سے مکی ہیں اور لوٹنے کے اعتبار سے بھی مکی ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ آپ جس طرف بھی متوجہ ہوئے آپ کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف ہوتا۔ پس آپ مکی ہیں کہ آپ وجود اور قصد کے اعتبار سے وہاں سے نہیں ہٹے اور آدمی وہاں ہوتا ہے جہاں کا قصد کرتا ہے۔ وہاں نہیں جہاں اس کا جسم ہوتا ہے حتیٰ کہ آپ کی شریعت کے مطابق میت کا رخ بھی کعبہ شریف کی طرف ہوتا ہے اور جو آدمی کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے تو وہ اسی کے لیے

ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی لیے اشارے سے نماز پڑھنا صحیح ہے۔

المدنی: چونکہ مدینہ طیبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت اور جائے اقامت ہے جہاں سے آپ نے کوچ نہیں فرمایا اور آپ کی قبر انور کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے اعضاء مقدسہ سے ملی ہوئی ہے اس لیے آپ کا اسم گرامی مدنی ہے۔

عبدالکریم: حضرت حسین بن محمد دامغانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شوق العروس وانس النفوس" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا: اہل جنت کے نزدیک آپ کا اسم گرامی عبدالکریم ہے اور اہل جہنم کے ہاں عبدالجبار۔ اہل عرش کے نزدیک عبدالحمید، تمام فرشتوں کے نزدیک عبدالمجید، انبیاء کرام کے نزدیک عبدالوہاب، شیاطین کے نزدیک عبدالقہار، جنوں کے نزدیک عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، خشکی میں عبدالقادر، سمندروں میں عبدالمہیمن، مچھلیوں کے نزدیک عبدالقدوس، حشرات الارض کے نزدیک عبدالغیاث، جنگلی جانوروں کے ہاں عبدالرزاق، درندوں کے نزدیک عبدالسلام، جانوروں کے ہاں عبدالمومن، پرندوں میں عبدالغفار، تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ تعالیٰ کے ہاں طہٰ، یٰسین اور مومنوں کے ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ کیونکہ آپ اہل جنت میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔[1]

عبداللہ: اللہ تعالیٰ نے اشرف مقامات پر آپ کا یہ نام ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرۃ: ۲۳)

اور اگر تمہیں اس (کتاب) میں شک ہو جو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر نازل کی ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

اور فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (الفرقان: ۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ تمام جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ (الکہف: ۱)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے اپنے خاص بندے پر کتاب نازل کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل کرنے اور اس کی مثل لانے کا چیلنج کرتے ہوئے آپ کا ذکر عبودیت کے ساتھ کیا۔

---

[1] بلکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے قاسم ہیں کیونکہ آپ نے جہاں یہ فرمایا انما انا قاسم وہاں قید نہیں لگائی کہ کون کون سی نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں۔ ۱۲ہزاروی۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ۔ (الجن: ۱۹) اور بے شک شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو "عبداللہ" کہا جب آپ اس کی طرف بلاتے تھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ (الاسراء: ۱) وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو راتوں رات سیر کرائی۔

اور ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ۔ (النجم: ۱۰) پس اس نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی۔

اگر آپ کے لیے اس سے زیادہ شرف والا نام ہوتا تو ان رفیع الشان حالات میں اللہ تعالیٰ اسی نام سے آپ کا ذکر کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف رفعت عطا فرمایا اور بلند سے بلند ترین مقام تک ترقی عطا فرمائی تو آپ کو اسم عبودیت سے مشرف فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے لیے غلام کی طرح بیٹھتے تھے۔ نیز آپ اپنے تمام امور لباس، کھانے، سونے اور رہائش وغیرہ کے سلسلہ میں بڑائی کے اظہار سے دور رہتے تاکہ بندگی کا اظہار ہو اور آپ کے باطن میں اپنے رب کے لیے جو عبودیت ہے اس کو سچ کر دکھائیں اور یہ مفہوم ثابت ہو:

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ۔ (الزمر: ۳۳) اور وہ جو سچ لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ آپ بادشاہ نبی ہوں یا عبد نبی ہوں تو آپ نے عبد نبی ہونے کو اختیار کیا پس آپ نے اس بات کو اختیار کیا جو نہایت مکمل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ولکن قولوا عبداللہ ورسولہ۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۰) میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو (وہ بات نہ کہو جو میرے لائق نہیں) جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا بلکہ تم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

پس آپ نے اس بات کو ثابت کیا (یا اس پر قائم رہے) جو (پہلے سے) آپ کے لیے ثابت تھی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس بات کو تسلیم کیا جو اس کے لیے ہے۔ اس کے غیر کے لیے نہیں۔ اور بندے کے لیے لفظ عبد (بندہ) ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عبداللہ، طیب اور طاہر کے علاوہ ہیں۔ یہ بات امام دار قطنی وغیرہ نے فرمائی ہے۔ پس کل تعداد نو ہوئی جن میں سے پانچ صاحبزادے (اور چار صاحبزادیاں) ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ طیب اور مطیب جڑواں ہیں اور طاہر و مطہر جڑواں ہیں۔ الصفوۃ کے مصنف (ابن جوزی) نے یہ بات ذکر کی ہے، اس طرح کل گیارہ بنتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے کی پیدائش بعثت سے پہلے ہوئی جسے عبد مناف کہا جاتا ہے۔ اس طرح کل بارہ ہوئے اور اس صاحبزادے کے علاوہ باقی تمام بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب اسلام سے پہلے پیدا ہوئے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۳۳) اور آپ کے تمام صاحبزادے دودھ پینے کی عمر میں اسلام سے پہلے انتقال کر گئے۔

ابن اسحٰق کے علاوہ حضرات کا قول گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے اسی لیے ان کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے صاحبزادوں کی تعداد آٹھ ہے جن میں سے دو پر اتفاق ہے، وہ حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما ہیں اور چھ کے بارے میں اختلاف ہے، وہ عبد مناف، عبداللہ، طیب، مطیب، طاہر اور مطہر ہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں جن پر اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ باقی تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے صاحبزادے ہیں جو نبوت (کے اعلان) سے پہلے پیدا ہوئے اور ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۳) آپ چلنے پھرنے کی عمر تک زندہ رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ دو سال زندہ رہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں صرف سات راتیں زندہ رہے لیکن غلابی (مفضل بن غسان جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اور ابن ابی الدنیا کے شیخ ہیں) نے کہا کہ اس قول میں ان سے خطا ہوئی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سترہ ماہ زندہ رہے۔ ابن فارس نے کہا کہ آپ سواری پر سوار ہونے کی عمر کو پہنچے اور بعثت نبوی سے پہلے انتقال کر گئے۔ مستدرک فریابی[1] میں جو کچھ مذکور ہے وہ دورِ اسلام میں آپ کی وفات پر دلالت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۳)

---

[1] یہ جعفر بن محمد فریابی ہیں، ان کی کنیت ابو بکر ہے، علامہ، حافظ، قابلِ اعتماد اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ دینور کے قاضی تھے اور الخطیب کے مطابق بہت بڑے عالم و عارف تھے۔ ۲۰۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۰۱ھ میں وفات پائی۔

دوسری فصل

نبی اکرم ﷺ کی اولاد کرام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام

وہ اولاد جن پر سب کا اتفاق ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جس پر سب کا اتفاق ہے، ان کی تعداد چھ ہے:
(دو صاحبزادے) حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم۔

آپ کی تمام صاحبزادیاں اسلام سے مشرف ہوئیں اور آپ کے ہمراہ ہجرت کی۔

ان کے علاوہ میں اختلاف

ان چھ صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے علاوہ آپ کی دوسری اولاد میں اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق کے نزدیک حضرت طاہر اور حضرت طیب بھی ہیں۔ اس طرح کل تعداد آٹھ بنتی ہے، چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔

حضرت زبیر بن بکار[1] فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم کے علاوہ حضرت عبداللہ بھی تھے جو چھوٹی عمر میں مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے تھے اور ان کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے، گویا ان کے تین نام ہیں۔

نسب کا علم رکھنے والے اکثر حضرات کا یہی موقف ہے۔ یہ بات ابو عمر نے کہی ہے اور امام دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زیادہ مضبوط یہی قول ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ اعلانِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳) اس طرح کل تعداد سات ہے جن میں سے تین صاحبزادے ہیں۔

---

[1] زبیر بن بکار بن عبداللہ مصعب بن ثابت ابن عبداللہ بن زبیر اسدی مدنی مدینہ شریف کے قاضی تھے، ثقہ حافظ تھے۔ ۲۵۶ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۳)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کوئی غیر صحیح قول اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ ہاں! اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت قاسم پہلے پیدا ہوئے یا حضرت زینب رضی اللہ عنہما۔

ابن اسحٰق کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تیسویں سال حضرت زینب کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے اسلام کی دولت پائی اور ہجرت کی، پھر ہجرت کے آٹھویں سال اپنے خاوند اور خالہ زاد ابوالعاص لقیط (اور ایک قول کے مطابق ابوالعاص مہشم) بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس کے ہاں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سے پہلے ہجرت کی اور ان کو ان کے شرک کی وجہ سے چھوڑ دیا لیکن دو سال بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پہلے نکاح کے ساتھ ہی ان کی طرف لوٹا دیا۔ ایک قول کے مطابق چھ سال بعد لوٹایا۔ ایک اور قول کے مطابق عدت پوری ہونے سے پہلے لوٹایا۔ ابن عقبہ نے اسی طرح ذکر کیا۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں آپ کو نئے نکاح کے ساتھ لوٹایا۔

حضرت زینب کے ہاں ایک بچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوا جو چھوٹی عمر میں انتقال کر گیا۔ یہ بچہ بلوغت کے قریب پہنچ چکا تھا[1] اور فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ حضرت زینب کے ہاں حضرت امامہ بھی پیدا ہوئیں جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں اپنے کاندھے پر اٹھایا تھا۔ آپ رکوع کرتے تو نیچے اتار دیتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو ان کو دوبارہ اٹھا لیتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتونِ جنت کے انتقال کے بعد ان سے (حضرت امامہ سے) نکاح کیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تینتیسویں سال پیدا ہوئیں۔ زبیر بن بکار وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ جرجانی جو ماہر نسب ہیں، نے اس بات کو صحیح قرار دیا لیکن صحیح بات جو اکثر کا قول ہے اور پہلے گزر چکا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت زینب سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

حضرت رقیہ، عتبہ بن ابولہب کے نکاح میں اور ان کی بہن حضرت اُمِ کلثوم اس کے بھائی عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ جب سورۃ "تبت یدا ابی لھب" نازل ہوئی تو ان دونوں سے ان کے باپ ابولہب نے کہا: میرے سر کا قرب تم دونوں کے سروں سے حرام ہے (یعنی ممنوع ہے کیونکہ دو محبت کرنے والے ایک تکیے پر سر رکھتے ہیں لہٰذا تم میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے) اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو جدا نہ کرو۔ (طلاق

[1] مطلب یہ ہے کہ بالغ نہیں ہوئے، لیکن بلوغت تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بنو غاضرہ میں دودھ پیا تھا۔

نہ دے دو) چنانچہ انہوں نے رخصتی سے پہلے طلاق دے دی۔

بعد ازاں مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور آپ نے ان کے ساتھ حبشہ کی طرف دو ہجرتیں کیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں۔ دولابی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان سے نکاح دورِ جاہلیت میں ہوا، جبکہ دوسرے لوگوں نے جو کچھ ذکر کیا وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رقیہ کے وصال کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: الحمدللہ! بچیوں کو دفن کرنا اچھے کاموں سے ہے۔[1] یہ روایت دولابی نے نقل کی ہے۔

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی معروف نہیں، آپ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ عتیبہ بن ابولہب کے نکاح میں تھیں اور رخصتی سے پہلے اس نے آپ کو طلاق دے دی۔

مروی ہے کہ جب عتیبہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے درمیان تفریق ہوئی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میں آپ کے دین کا انکار کرتا ہوں اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دیتا ہوں۔ آپ کو میں پسند نہیں اور مجھے آپ سے محبت نہیں، پھر اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کی قمیص پھاڑی۔ اس وقت وہ شام کی طرف تجارت کے لیے جا رہا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تم پر اپنے کتے کو مسلط کر دے۔ (مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۸)

ایک روایت میں ہے آپ نے یُوں دعا مانگی کہ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ ص ۱۶۳) ابو طالب وہاں موجود تھے، انہیں بہت دُکھ ہوا اور انہوں نے کہا: تمہیں میرے بھتیجے کی بددُعا سے کوئی نہیں بچا سکتا، چنانچہ عتیبہ قریش کے تاجروں کے ہمراہ گیا حتیٰ کہ وہ شام میں زرقاء مقام پر رات کے وقت اترے اور اس رات ان پر ایک شیر نے چکر لگایا۔ عتیبہ کہنے لگا: ہائے میری ماں کے لیے خرابی، اللہ کی قسم! یہ مجھے کھائے گا جس طرح (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے لیے بددُعا کی ہے۔ کیا ابو کبشہ کا بیٹا میرا قاتل ہوگا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور میں شام میں ہوں۔

چنانچہ شیر نے باقی سب کے درمیان میں سے صرف اسی پر حملہ کیا اور اس کو سر سے پکڑ کر اس کا سر توڑ دیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹)

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی حاصل کرنے کی خاطر یہ بات ارشاد فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ بچیوں کا معاملہ نازک ہوتا ہے اور ماں باپ کے لیے آزمائشی مرحلہ ہوتا ہے تو ان کا دُنیا سے رُخصت ہونا بھی گویا ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۹، الکامل فی ضعفاء الرجال جلد ۵ ص ۱۸۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ شیر آکر ان لوگوں کے منہ سونگھنے لگا پھر اپنی دُم کو دہرا کیا اور اس پر کودتے ہوئے ایک ہی ضرب سے اسے چیر پھاڑ دیا۔ عتیبہ نے کہا: اس نے مجھے قتل کر دیا اور وہ مر گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شیر ان سب کو پھلانگتے ہوئے آیا، حتیٰ کہ اس نے عتیبہ کا سر پکڑ کر توڑ دیا۔ یہ بات دولابی نے ذکر کی ہے۔
(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹)

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا میں تمہیں ایسی شخصیت کے بارے میں نہ بتاؤں، جو حضرت عثمان سے بہتر ہیں اور حضرت عثمان کو ایسی شخصیت کے بارے میں بتاؤں، جو تم سے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے نبی! بتائیے۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی صاحبزادی میرے نکاح میں دو اور میں اپنی صاحبزادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ خجندی نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ۳ھ میں ہوا۔ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میرے ہاں ایک سو صاحبزادیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب آپ کے نکاح میں دیتا۔ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں حضرت اُم کلثوم کا نکاح آپ سے کروں۔ یہ بات فضائلی نے روایت کی ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۴۴)

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ۹ھ میں ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر میں (تدفین کے لیے) حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اُترے۔

صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات (اپنی بیوی یا لونڈی کا) قرب حاصل نہ کیا ہو؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کی قبر میں اُترو۔ چنانچہ وہ اُترے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۹)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی اس قسم کی روایت ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ان کی تدفین کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے بلکہ آپ (اس وقت) بدر میں تھے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت اسماء بن عمیس اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا ان کے غسل کے وقت موجود تھیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول روایت کیا کہ ان کو تین یا پانچ یا سات یا اس سے زیادہ بار غسل دینا اگر تم ضرورت سمجھو۔ (یہ بھی فرمایا کہ) پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا اور آخر میں کافور لگانا۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا۔ (وہ فرماتی ہیں) جب ہم

فارغ ہوئے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے اپنی چادر مبارک ہماری طرف ڈالی اور فرمایا: اس کو ان کے جسم کے ساتھ ملاؤ۔[1] وہ فرماتی ہیں: ہم نے ان کی تین مینڈھیاں کر کے پیٹھ کی طرف ڈال دیں۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۶۷)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمۃ الزہراء البتول رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے اکتالیسویں سال پیدا ہوئیں۔ یہ بات ابو عمر نے کہی ہے لیکن یہ حضرت ابن اسحٰق کی روایت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ماسوائے حضرت ابراہیم کے (اعلان) نبوت سے پہلے پیدا ہوئی۔

ابن جوزی کا قول ہے کہ حضرت خاتون جنت نبوت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں۔

مرفوعاً مروی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا رکھا گیا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو جہنم سے دُور رکھے گا۔ یہ بات حافظ دمشقی (ابن عساکر) نے نقل کی ہے۔

غسانی اور خطیب نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان سے محبت کرنے والوں کو جہنم سے دُور رکھا ہے۔

حضرت خاتونِ جنت کو بتول کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ فضیلت، دین اور خاندان کے اعتبار سے اپنے زمانے کی خواتین سے الگ تھلگ تھیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ دنیا سے کنارہ کش ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ یہ ابن اثیر کا قول ہے۔ (بتل کا معنی الگ ہونا ہے) آپ کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے دوسرے سال اور ایک روایت کے مطابق غزوۂ احد کے بعد ہوا اور اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کو ساڑھے چار ماہ گزر چکے تھے اور ساڑھے سات ماہ بعد رخصتی ہوئی۔

ایک قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال صفر کے مہینے میں منگنی ہوئی اور بائیسویں مہینے کے آغاز میں ذوالحجہ کے مہینے میں رخصتی ہوئی۔

آپ کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خاتونِ جنت کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ تھی۔[2] اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔ مزید گفتگو مقصد اوّل میں مغازی اور سیر کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

---

[1] مسلمانوں میں رواج ہے کہ میت کی کفنی پر کلمہ شہادت یا آیت الکرسی وغیرہ لکھتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے میت کو فائدہ پہنچے جس طرح حضور علیہ السلام نے برکت کے لیے اپنی چادر عطا فرمائی... ۱۲ ہزاروی۔

[2] یہ ابو عمر کے قول کے مطابق ہے کہ نبوت کے پہلے سال حضرت خاتون جنت کی ولادت ہوئی۔ اگر نبوت سے پانچ سال پہلے آپ کی ولادت کے قول کو مانا جائے تو نکاح کے وقت ساڑھے سترہ سال عمر ہو گی۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے سب سے افضل ہیں اور حضرت خاتونِ جنّت سے آپ کو سب گھر والوں سے زیادہ محبت تھی۔ آپ ان کے مُنہ مبارک کے اندر چُومتے اور ان کی زبان کو چُوستے تھے، جب آپ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں ان سے رُخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں، جس نے ان کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۳۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۰)

اور آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۹۱)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل قرار دیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۹۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد منگل کی رات فوت ہوئیں۔ اس وقت رمضان المبارک کی تین راتیں گزر چکی تھیں اور اس وقت آپ کی عمر انتیس سال تھی۔[1] یہ بات المدینی نے کہی ہے (اور یہ حتمی فیصلہ نہیں ہے)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے آٹھ ماہ بعد ان کا انتقال ہوا اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں لیکن میرے خیال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ محدثین نے کہا ہے اور یہ پہلے (بیان کیے گئے ولادت سے متعلق) قول کے مطابق نہیں ہے۔ (یعنی اعلان نبوت سے پہلے ولادت ہوئی۔)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا[2] سے فرمایا: مجھے وہ طریقہ ناپسند ہے جو عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ عورت پر ایک کپڑا ڈالا جاتا ہے جو اس کے جسم کو واضح کرتا ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے رسول اللہ کی بیٹی! کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھاؤں جو میں نے حبشہ کی زمین میں دیکھی ہے، چنانچہ انہوں نے تر شاخیں منگوائیں، ان کو ٹیڑھا کر کے (چھپر کھٹ بنائی اور پھر) اس پر کپڑا ڈالا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ کتنی اچھی ہے، اس سے مرد و عورت میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجھے غسل دینا (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کے انتظامات میں مدد دیں) اور کوئی دوسرا میرے پاس داخل نہ ہو۔

ابو عمرو نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

---

[1] اگر نبوت سے پانچ سال قبل ولادت ہو تو وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً انتیس سال ہو جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا نام حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے اور وہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کرتی تھیں۔

حضرت ام رافع سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت علیل ہوئیں تو انہوں نے غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور گھر کے درمیان لیٹ گئیں۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے رُخسار کے نیچے رکھا پھر قبلہ رُخ ہو گئیں اور فرمایا: اس وقت میری رُوح قبض ہو رہی ہے، پس کوئی بھی میرا چہرہ نہ کھولے اور نہ مجھے غسل دے، پھر اسی جگہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو حضرت خاتونِ جنت کی وہ بات بتائی گئی، جو انہوں نے فرمائی تھی تو انہوں نے ان کو اٹھایا اور اسی غسل کے ساتھ دفن کیا جو پہلے وہ کر چکی تھیں، نہ تو ان کا چہرہ ننگا کیا گیا اور نہ ہی کسی نے ان کو غسل دیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ بات مناقب میں نقل کی، اسی طرح دولابی نے بھی ذکر کیا اور یہ دولابی کے الفاظ ہیں جو اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ لیکن یہ روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جن کی لاش کو اس طریقے پر ڈھانپا گیا جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں گزرا ہے۔ پھر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

آپ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت حسن، حسین، محسن، اُمِ کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت محسن بچپن میں فوت ہوئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی ہے آپ کی نسل شریف آپ کے دونواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے واسطے سے چلی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منسوب لوگ حسنی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے منسوب لوگ حسینی کہلاتے ہیں۔

حضرت اسحٰق بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد کو حسینی اسحاقی کہا جاتا ہے۔

یہ اسحاق حضرت سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خاوند ہیں اور حضرت سیدہ نفیسہ سے ان کے صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت اُمِ کلثوم ہیں جن کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتونِ جنت کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو ان سے حضرت زید اور حضرت رقیہ کی ولادت ہوئی جن کی نسل آگے نہیں چلی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عون بن جعفر سے ہوا اور ان کے وصال کے بعد وہ ان کے بھائی محمد بن جعفر کے نکاح میں آئیں۔ پھر جب وہ فوت ہوئے تو حضرت ام کلثوم نے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا اور وہ ان کے ہاں فوت ہو گئیں، ان تینوں کے ہاں حضرت ام کلثوم کی اولاد نہیں ہوئی

البتہ حضرت محمد بن جعفر کے ہاں ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی' اس طرح حضرت ام کلثوم کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت ام کلثوم کے وصال کے بعد ان کی بہن حضرت زینب بنت فاطمہ سے نکاح کیا تو ان سے ان کی اولاد ہوئی جن میں حضرت علی اور حضرت ام کلثوم ہیں۔ ام کلثوم (حضرت عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی) کا ان کے چچازاد قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا تو ان کے ہاں کئی بچے پیدا ہوئے جن میں حضرت حمزہ بن عبداللہ بن زبیر کی زوجہ فاطمہ بھی ہیں اور ان سے آگے اولاد ہوئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر کی نسل حضرت علی اور ان کی بہن ام کلثوم سے چلی اور ان دونوں کی والدہ حضرت خاتونِ جنت کی صاحبزادی حضرت زینب ہیں۔ ان سے منسوب لوگوں کو جعفری کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کو شرف حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سے منسوب جعفری لوگوں کے لیے بھی شرف ہے لیکن ان میں فرق ہے۔ ان کی وہ اولاد جو حضرت زینب بنت زہراء رضی اللہ عنہا سے ہے وہ دوسروں سے زیادہ شرف والے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے شرف کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے منسوب ہیں کیونکہ ان کو زیادہ شرف حاصل ہے۔ اسی طرح عباسیوں کو بنوہاشم ہونے کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "نزھۃ الاسباب فی معرفۃ الالقاب" میں فرمایا کہ ہر عباسی اس لقب سے ملقب ہے یعنی بغداد میں عباسی شریف اور مصر میں علوی کہلاتا ہے۔ ابن الرفعہ کے شیوخ میں ایک شخص ہے جسے شریف عباسی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بچپن میں ہی مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے تھے۔ عاصی بن وائل نے کہا کہ ان کی اولاد (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد) ختم ہو گئی' پس وہ ابتر ہیں۔ (یعنی منقطع النسل ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کوثر میں) یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ (الکوثر: ۳) بے شک آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۳۳)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) نبوت سے پہلے پیدا ہوئے یا نبوت کے بعد؟ اور کیا طیب وطاہر ان ہی کو کہا جاتا ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں آپ (حضرت عبداللہ) کے لقب ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہ کا ذکر عنقریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں کے بیان میں دوسری فصل میں امہات المومنین کے ذکر میں ہوگا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ آپ مقام عالیہ میں پیدا ہوئے۔ زبیر بن بکار نے یہ بات ذکر کی ہے۔ ابو رافع کی بیوی سلمٰی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں، ان کی دایہ تھیں۔ ابو رافع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی (ولادت کی) خوشخبری دی تو آپ نے ان کو ایک غلام بطور ہبہ عطا کیا اور ساتویں دن ان کی طرف سے دو بکرے عقیقہ کے طور پر ذبح کیے۔ ان کے سر کے بال ابو ہند نے مونڈے اور اسی دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام رکھا نیز ان کے بالوں کے برابر چاندی مساکین پر صدقہ کی اور ان کے بالوں کو زمین میں دفن کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۵)

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام میں نے ابراہیم رکھا ہے، پھر آپ نے ان کو ام سیف کے حوالے کیا جو مدینہ طیبہ کے ایک لوہار ابو سیف کی بیوی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۳۹۳، صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۴)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات تک اس خاتون کے پاس رہے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان کا نام ساتویں دن سے پہلے رکھا گیا تھا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، پھر ساتویں دن اس کا ذکر فرمایا۔۔۔

امام ترمذی نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے (عمرو بن شعیب کے) دادا یعنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ولادت کے ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۱۸۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ساتویں دن سے تاخیر نہ کی جائے۔ (یہ مطلب نہیں کہ ساتویں دن سے پہلے نام رکھنا جائز نہیں اور) یہ مطلب (بھی) نہیں کہ اسی دن نام رکھا جائے بلکہ پیدائش کے دن سے ساتویں دن تک (کسی بھی دن) نام رکھنا جائز ہے۔

زبیر بن بکار فرماتے ہیں کہ انصار حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے کسی خاتون کی تلاش میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فارغ کرنا چاہتے تھے، پس آپ نے اسے ام بردہ بنت منذر بن زید انصاری زوجہ براء بن اوس کے حوالے کیا۔ انہوں نے بنو مازن بن نجار میں اپنے بیٹے کے ساتھ آپ کو دودھ پلایا اور پھر ان کی ماں کے حوالے کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجوروں کے باغ کا ایک حصہ عطا فرمایا۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص۱۳۶، ۱۴۴)(مختلف الفاظ کے ساتھ)

اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ام سیف کے حوالے کیا تھا اور وہ وفات تک ان کے پاس رہے۔ تو ہو سکتا ہے پہلے حضرت ام بردہ کو دیا ہو پھر ام سیف کے سپرد کیا ہو اور آپ وفات تک ان کے پاس رہے، لیکن یہ بات بھی مروی ہے کہ ان کا انتقال ام بردہ کے پاس ہوا، پس ترجیح کے لیے ہمیں صحیح حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اہل و عیال پر زیادہ رحم کرنے والا نہیں دیکھا۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کے عوالی (بالائی علاقہ) میں دودھ پلانے کے لیے چھوڑ رکھا تھا، آپ وہاں تشریف لے جاتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوتے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پرورش ایک لوہار کے گھر ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھا کر چومتے، پھر واپس تشریف لاتے۔۔۔ یہ حدیث ابو حاتم نے روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مقام نخل میں تشریف لائے تو آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رُوح پرواز کر رہی تھی۔ آپ نے ان کو اپنی گود میں اٹھایا، پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا: اے ابراہیم! ہم تمہاری وجہ سے غمگین ہیں آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے جس پر (ہمارا) رب ناراض ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۲۹۳) اس سیاق میں اس حدیث کو ابو عمرو بن سماک نے نقل کیا ہے اور صحیح (بخاری و مسلم) میں اس کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت وہ ستر دن کے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں مذکور ہے منگل کا دن تھا اور ربیع الاول شریف کے دس دن گزر چکے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر سولہ مہینے اور آٹھ دن تھی۔ ایک قول کے مطابق ایک سال دس مہینے اور چھ دن کی عمر تھی۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی چارپائی پر اٹھایا گیا اور جنت البقیع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا: ہم ان کو (حضرت) عثمان بن مظعون (رضی اللہ عنہ) کے پاس دفن کریں گے جو ہم سے پہلے چلے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۴۴)

ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دفن کیا لیکن ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

ہو سکتا ہے آپ نے خود نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو لیکن صحابہ کرام کو نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہو یا باجماعت نماز نہ پڑھی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کو حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور ہو سکتا ہے دونوں نے مل کر غسل دیا ہو۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر میں حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما اترے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر موجود رہے۔ قبر پر پانی چھڑکا گیا اور علامت رکھی گئی۔

حضرت زبیر فرماتے ہیں: یہ پہلی قبر تھی جس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۴۳)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن سورج گرہن ہوا تو لوگوں نے کہا: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الشمس والقمر ایتان من ایات اللہ لاینکسفان لموت احد۔

بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی وفات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۳، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۵)

کہا گیا ہے کہ عام طور پر سورج گرہن اٹھائیس یا انتیس تاریخ کو ہوتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر دس تاریخ کو ہوا، اس سے لوگوں نے کہا کہ ان کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ہے۔" یہ بات ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اگر وہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو نبی ہوتے لیکن وہ زندہ نہ رہے کیونکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں --- یہ حدیث ابو عمر نے نقل کی ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول توقیفی ہے، جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے خاص ہے، ورنہ یہ بات ضروری نہیں کہ نبی کا بیٹا نبی ہی ہو، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی نہیں تھا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرمایا ہے کہ بعض متقدمین سے جو یہ بات مروی ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو نبی ہوتے تو یہ بات باطل ہے، غیبی باتوں پر جرأت کرنا، اندازے سے باتیں کرنا اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۴۷۷)

ہمارے شیخ نے المقاصد الحسنہ میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا یہ کیا بات ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی کے طور پر پیدا نہیں ہوا اور اگر ہر نبی کی اولاد نبی ہوتی تو ہر ایک نبی ہوتا کیونکہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔[1]

ابن عبدالبر نے "تمہید" میں اسی کی مثل کہا ہے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو لوگ غرق ہو گئے، جو بچ گئے ان کی نسل نہیں چلی، صرف حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے نسل چلی اسی لیے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں...

۱۲ ہزاروی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ ابن عبدالبر نے کہا ہے وہ بات اس مذکورہ حدیث سے لازم نہیں آتی جیسا کہ مخفی نہیں[1] اور گویا وہ امام نووی کے اسلاف میں سے ہیں۔ انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کے بعد یہ بھی کہا کہ یہ عجیب بات ہے، حالانکہ یہ تین صحابہ کرام سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا: گویا کہ ان کے لیے تاویل کی وجہ ظاہر نہ ہوئی پس انہوں نے اس کے انکار میں کہا جو کچھ کہا۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ کا واقع ہونا ضروری نہیں اور کسی صحابی کے بارے میں یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ محض گمان سے ایسی بات کہیں۔

ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس روایت کے تین طرق ہیں: (المقاصد الحسنہ ص ۳۴۴)

ایک وہ ہے جسے ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ جنت میں ان کو دودھ پلانے والی ہے اگر یہ زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے، اگر وہ زندہ رہتے تو ان کے قبطی ماموں آزاد ہو جاتے اور کوئی قبطی غلام نہ بنایا جاتا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۸)

اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے، جو ضعیف ہے اور اسی کے طریق سے اسے ابن مندہ نے المعرفہ میں نقل کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

دوسری روایت وہ ہے جو اسماعیل سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے جھولے کو بھر دیا (یعنی خاصے صحت مند تھے) اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۳۴۴)

تیسری روایت وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن بشر کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ اسماعیل ابن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ بچپن میں انتقال کر گئے تھے اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۴)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت وکیع سے اور انہوں نے اسمٰعیل سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو آپ کے صاحبزادے انتقال نہ فرماتے۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۵۳)

---

[1] کیونکہ یہ قضیہ شرطیہ ہے، جس کا وقوع ضروری نہیں۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۵۔

تیسری فصل

رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ لونڈیاں

مومنوں کی مائیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب: ۶)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں اور آپ کی ازواج ان (مومنوں) کی مائیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، مومنوں کی مائیں ہیں۔ چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو چھوڑ کر انتقال فرما گئے ہوں یا کسی زوجہ مطہرہ کا اس حال میں انتقال ہوا ہو کہ وہ آپ کی زوجیت میں ہوں اور یہ بات (کہ مومنوں کی مائیں ہونا) اس اعتبار سے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کا احترام واجب ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز ہو۔

اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ ان (ازواج مطہرات) کی بیٹیاں مومنوں کی بہنیں ہیں۔ اسی طرح ان کے باپ دادا اور مائیں مومنوں کے نانا اور نانیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے بھائی اور بہنیں مسلمانوں کے ماموں اور خالائیں ہیں۔

امام بغوی[1] فرماتے ہیں کہ وہ مومن مردوں کی مائیں ہیں، مومنہ عورتوں کی نہیں۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ کے الفاظ جیسا کہ بیضاوی میں مذکور ہے، اس طرح ہیں کہ ام المومنین نے فرمایا: ہم مومن عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔[2] (تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۷۵)

---

[1] محمد بن حسین بن مسعود الحافظ الفقیہ امام محی السنہ صاحب تصانیف کثیرہ اور علماء ربانیین میں سے تھے۔ عبادت گزار اور تھوڑے رزق پر قناعت کرنے والے۔ شوال ۵۱۶ھ میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پائی۔

[2] مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں کی مائیں اس اعتبار سے ہیں کہ وہ امہات المومنین سے نکاح نہیں کر سکتے، یہ ان کا احترام ہے اور چونکہ عورتوں کے لیے یہ (نکاح) نہیں، لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ مسلمان عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔

ہمارے اصحاب اور دیگر اہل اصول کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ مردوں کے خطاب میں عورتیں داخل نہیں ہیں۔

انہوں نے (امام بغوی نے) فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں اور عورتوں سب کے باپ ہیں اور آپ کو حرمت وعزت کے اعتبار سے ابوالمومنین (مومنوں کے باپ) کہنا جائز ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور ان کا ثواب اور عذاب دوگنا ہے اور ان سے پردے کے پیچھے سے سوال کرنا جائز ہے (اس کے علاوہ نہیں)۔

امہات المومنین میں سے سب سے افضل حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں میں سے کون افضل ہے اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔

ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب میں اختلاف ہے۔ اسی طرح وہ ازواج مطہرات جو آپ کے وصال سے پہلے انتقال کر گئیں، جو آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں، آپ نے ان میں سے کن کا قرب حاصل کیا اور کن کن کے قریب تشریف نہیں لے گئے اور وہ خواتین جن سے منگنی ہوئی لیکن آپ نے ان سے نکاح نہیں فرمایا۔ نیز کن کن خواتین نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ان سب باتوں میں اختلاف ہے۔

اور اس بات پر اتفاق ہے کہ آپکی ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے، جن میں سے چھ کا تعلق قریش سے ہے۔

(۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

(۲) حضرت عائشہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی۔

(۳) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح ابن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔

(۴) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

(۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ابن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی۔

(۶) حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن جسل بن عامر بن لوی۔

اور چار ازواج مطہرات عربی تھیں (قریش نہیں تھیں)۔

(۱) زینب بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

(۲) حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ۔

(۳) حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ام المساکین۔

(۴) حضرت جویریہ بنت حارث الخزاعیہ المصطلقیہ۔

ایک زوجہ مطہرہ (حضرت صفیہ بن حیی) جو بنو نضیر قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ بنی اسرائیل سے تھیں، عربی نہیں تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (ظاہری) حیات طیبہ میں دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ اور ام المساکین (حضرت زینب بنت خزیمہ) رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا، اور آپ نے نو ازواج مطہرات کو چھوڑ کر انتقال فرمایا۔

حافظ ابوالحسن بن فضل مقدسی نے اس نظم میں ان کے اسماء مبارکہ ذکر کئے ہیں ۔

توفی رسول الله عن تسع نسوة
الیھن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشة میمونة وصفیة
وحفصة تتلوهن هند و زینب
جویریة مع رملة ثم سودة
ثلاث وست ذکرهن مهذب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو ازواج مطہرات کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے جن کی طرف عزتوں کی نسبت کی جاتی ہے۔ پس حضرت عائشہ، میمونہ، صفیہ، حفصہ ان کے بعد حضرت ہند (ام سلمہ) زینب، جویریہ، رملہ (ام حبیبہ) پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہن یہ تین اور چھ ہیں جن کا ذکر مہذب ہے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان کے وصال تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔ اب ازواج مطہرات کا ترتیب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن اصم تھیں۔ آپ کو دور جاہلیت میں طاہرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آپ ابوہالہ نباش بن ابی زرارہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ جس سے آپ کے دو بیٹے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے۔

پھر عتیق بن عائذ (یا عابد) مخزومی نے آپ سے نکاح کیا تو ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ بعض مورخین کے نزدیک عتیق سے نکاح ابوہالہ سے پہلے ہوا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ ص ۲۸۳)

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس سال تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکیس سال تھی اور کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اکثر کا یہی موقف ہے اور ایک قول تیس سال کا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تو آپ نے اپنے چچاؤں سے یہ بات ذکر کی، چنانچہ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو منگنی کا پیغام دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور ان کو بیس جوان اونٹنیاں بطور حق مہر عطا فرمائیں۔

ابن اسحاق نے ایک دوسرے طریق سے یہ اضافہ کیا ہے کہ ابوطالب اور قبیلہ مضر کے سردار حاضر ہوئے۔ پس ابوطالب نے خطبہ پڑھا، یہ خطبہ مقصد اول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بیان میں گزر چکا ہے، دولابی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بارہ اوقیہ (اوقیہ ڈیڑھ اونس ہوتا ہے) سونا بطور حق مہر عطا فرمایا تھا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لائیں۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ ص ۲۸۴)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرت خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لائی ہیں۔ جس میں کھانا ہے یا سالن یا مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہیں اور ان کو جنتی گھر کی خوشخبری دیں جو اندر سے خالی گول موتیوں سے بنا ہوا ہے اور اس میں کوئی شور اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۹)

ابن اسحاق نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات سنتے جو آپ کو ناپسند ہوتی یعنی آپ کے پیغام کو رد کیا جاتا یا آپ کو جھٹلایا جاتا، آپ اس پر غمگین ہوتے تو اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے آپ سے اس غم کو دور کر دیتا جب آپ ان کی طرف لوٹتے تو وہ آپ کا حوصلہ بڑھاتیں، اور آپ کا بوجھ ہلکا کرتیں۔ ان کی تصدیق کرتیں اور یوں آپ پر لوگوں کے معاملے کو آسان کر دیتیں حتیٰ کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:
حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن میں انسانوں کا سردار ہوں گا سوائے اولاد میں سے ایک نبی کے جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ ان کو مجھ پر دو باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان کی بیوی نے ان کی مدد کی اور وہ ان کی مددگار ہوں گی، جبکہ یہ میری بیوی میرے خلاف مددگار ہوئیں۔[1] دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، شیطان کے خلاف ان کی مدد کرے گا تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ جب کہ میرے شیطان نے کفر کیا۔ یہ روایت دولابی نے نقل کی ہے جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] جب جنت میں درخت کا پھل کھانا ان کے لیے عمدہ کر کے پیش کیا۔

[2] انسان کے ساتھ ایک موکل ساتھی ہوتا ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا میرا موکل مسلمان ہوگیا جب کہ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت کا شیطان تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۳)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۱۶)

شیخ ولی الدین عراقی نے فرمایا کہ صحیح مختار کے قول کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام امہات المومنین سے افضل ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ[1] نے شرح بہجۃ الحاوی میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما افضل ہیں اور ان دونوں میں سکوت افضل ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے، ابن عماد نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان (حضرت خدیجہ) سے بہتر (بیویاں) عطا فرمائی ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر عطا نہیں فرمائی ہیں۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کیا۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے مجھے اس وقت مال دیا جب لوگوں نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۸)

ابن داؤد (امام ابوبکر ابن امام مجتہد حافظ داؤد بن علی ظاہری) سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کی طرف سے سلام پہنچایا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے رب کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سلام پہنچایا، پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ پوچھا گیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا؟ انہوں نے فرمایا، بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں" (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۲) میں اس میں کسی ایک کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حصے کے برابر قرار نہیں دیتا۔

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول شاہد ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ (کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۰۹-۱۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر اس طرح بھی استدلال کیا گیا کہ وہ آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک درجہ میں ہوں گی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گی۔

---

[1] زکریا بن احمد انصاری علامہ، محدث، فقیہ، صوفی اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں اور معروف شخصیت ہیں۔ ایک سو سال کے قریب عمر پانے کے بعد ۹۲۰ھ کے چند سال بعد انتقال فرمایا۔

اس سلسلے میں حضرت امام سبکی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم جس بات کو اختیار کرتے ہیں اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہا) اپنی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، پھران کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں، اس کے بعد انہوں نے ان دلائل سے استدلال کیا ہے، جن کا کچھ حصہ گزر چکا ہے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۰۵)

اور طبرانی نے جو کچھ کہا ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے حضرت مریم بنت عمران سب سے بہتر ہیں پھر حضرت خدیجہ بنت خویلد، پھر فاطمہ بنت محمد، پھر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہیں۔ ابن عماد نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ماں ہونے کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر فضیلت دی گئی ہے، سیادت کی وجہ سے نہیں۔

امام سبکی نے اس بات کو اختیار کیا کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت مریم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، نیز اس وجہ سے بھی کہ ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔

ابو امامہ بن نقاش نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اور ان کی ترجیح اس وجہ سے ہے کہ وہ سب سے پہلے اسلام لائیں اور انہوں نے اپنے مال اور جان سے دین کی مدد کی اور یہ سب کچھ رضائے الٰہی کی خاطر کیا۔ اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، نہ ہی حضرت عائشہ صدیقہ اور نہ ہی کوئی دوسری ام المومنین رضی اللہ عنہن۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس لحاظ سے ترجیح حاصل ہے کہ آپ نے اسلام کے آخری دور کو پایا اور امت تک دین کو پہنچایا اور ان کو تبلیغ کی۔ نیز آپ کے پاس وہ احادیث تھیں جن میں حضرت خدیجہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی ان کا شریک نہیں۔ اس وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا۔ بعض نے چار سال کا قول کیا، پانچ سال کا قول بھی کیا گیا ہے۔ آپ کو مقام حجون (جنت المعلیٰ کے پاس) دفن کیا گیا اور اس وقت آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ ان دنوں نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ پچیس سال رہیں، بعض نے چوبیس سال کا قول کیا ہے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ آپ اپنے چچا زاد سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں جو سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان دونوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے خاوند انتقال

کر گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۲) یہ بھی کہا گیا کہ ان کا وصال حبشہ میں ہوا (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ حضرت قتادہ اور ابو عبیدہ کا قول ہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (سے نکاح) کے بعد ان سے نکاح کیا۔

ان دونوں قولوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے قرب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا اور تزویج کا لفظ دونوں باتوں (نکاح اور رخصتی) پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ ذہن عقد کی طرف جاتا ہے، رخصتی کی طرف نہیں، جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ایسا نہ کریں اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک لیا۔[1]

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا انتقال شوال ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۷) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں صحیح سند سے جو سعید بن ابی ہلال رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، روایت کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ امام ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس بات پر جزم کیا کہ ان کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ہوا، ابن سید الناس نے فرمایا کہ یہی بات مشہور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان[2] بنت عامر ابن عویمر بن عبد شمس تھیں اور ان کا تعلق بنو مالک بن کنانہ سے تھا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منگنی کا پیغام دیا (کیونکہ آپ کو اس سے پہلے پیغام کا علم نہیں تھا، یا اس کی ممانعت نہ تھی) اور مہر بھی عطا فرمایا جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے۔ یہ مہر چار سو درہم تھا۔ آپ سے نکاح نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہجرت سے تین سال پہلے ہوا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور آپ کی رخصتی مدینہ طیبہ میں شوال سنہ ۲ھ

---

[1] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ مسلم شریف میں ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی تو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کر دی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۵، صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۳)
صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے ایسا کیا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۳)

میں ہوئی۔ اس وقت ہجرت کے اٹھارہویں مہینے کا آغاز تھا اور آپ کی عمر نو سال تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۸) یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سات مہینے بعد رخصتی ہوئی۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو میری عمر چھ سال تھی، پھر ہم مدینہ طیبہ آئے تو بنو حارث بن خزرج میں اترے۔ مجھے تیز بخار ہو گیا جس سے میرے بال ٹوٹنے لگے۔ میری ماں ام رومان میرے پاس آئیں اور میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ ایک کھلونا پنگھوڑے میں تھی۔ انہوں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس آئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا حتیٰ کہ مجھے دروازے پر کھڑا کر دیا، میرا سانس پھولا ہوا تھا جب میں پرسکون ہوئی انہوں نے کچھ پانی لے کر میرے چہرے اور سر پر ڈالا، پھر گھر کے اندر لے آئیں تو گھر میں انصار کی کچھ خواتین تھیں۔ انہوں نے کہا خیر و برکت پر ہو۔

میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تو انہوں نے مجھے تیار کیا۔ مجھے کوئی خوف نہ تھا مگر چاشت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میری والدہ نے مجھے آپ کے حوالے کر دیا اور اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۶، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۱)

اسے ابو حاتم نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت ابو عمر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی شوال میں کیا اور شب زفاف بھی شوال میں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کے خاندان اور دوسرے تعلق دار لوگوں کی خواتین اپنے خاوندوں کے پاس شوال کے مہینے میں جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی اور وہ جب بھی کسی چیز کی خواہش کرتیں، آپ اس کو پورا فرماتے۔ اور ایک سفر میں جب آپ نے ان کو نہ پایا تو فرمایا: ہائے میری دلہن!۔ یہ روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

میں نے تین راتیں تمہیں خواب میں دیکھا ایک فرشتہ تجھے ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لایا اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، پس اس نے تمہارے چہرے سے پردہ ہٹایا تو میں نے کہا اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۱، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۵)

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت ایک سبز ریشمی کپڑے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۸)

لہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حوروں میں سے کسی عورت کو دیکھنا چاہے، وہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔

اور انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے آپ کا نکاح کیا اور ان کے پاس حضرت عائشہ کی تصویر تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو سال رہیں اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۰)

آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ فقہ کی بہت بڑی عالمہ اور فصاحت کی دولت سے مالا مال تھیں۔ نیز آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ آپ عرب کی تاریخ اور اشعار کی بھی عالمہ تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کی بہت بڑی جماعت نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دو راتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ ایک ان کی اپنی اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ عنہا والی رات کیونکہ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو گئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

باقی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک رات تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۷ھ میں ہوا۔ واقدی نے کہا ہے کہ ۵۸ھ کے ماہ رمضان المبارک کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔

اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو رات کے وقت جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی، اس وقت حضرت معاویہ بن ابوسفیان کی حکومت تھی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مروان کے نائب تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ایک حمل ضائع ہوا۔ لیکن یہ بات ثابت نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ کنیت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے اور وہ آپ کے بھانجے تھے۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ عبداللہ ہے اور تم ام عبداللہ ہو۔ آپ فرماتی ہیں، پس ہمیشہ میری یہی کنیت رہی اور میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ روایت ابوحاتم نے نقل کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۶)

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی والدہ زینب بنت مظعون تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں اور ان کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ حضرت خنیس غزوہ بدر کے بعد انتقال کر گئے تھے۔
(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۱)

جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے ان کا ذکر کیا لیکن ان میں سے ایک نے بھی ان سے نکاح کرنا قبول نہ کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت عمر فاروق نے سنہ ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حفصہ کا نکاح کر دیا۔ آپ نے ان کو ایک طلاق دی اور پھر رجوع کر لیا کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کریں۔ یہ زیادہ روزے رکھنے والی اور عبادت کے لیے قیام کرنے والی ہیں اور یہ جنت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۴)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شعبان ۴۵ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) یہ بھی کہا گیا کہ ۴۱ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) اور کہا گیا ہے کہ آپ کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ہند ہے۔ رملہ بھی کہا گیا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ان کی والدہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھیں۔ یہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح میں آنے سے پہلے وہ ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے خاوند رضی اللہ عنہما سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں، وہاں ان کے ہاں زینب پیدا ہوئیں اور اس کے بعد ان سے سلمہ، عمر اور درہ کی پیدائش ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۷)

کہا گیا کہ آپ پہلی مسافر خاتون ہیں جو مدینہ طیبہ میں بطور مہاجرہ داخل ہوئیں اور کہا گیا کہ وہ کوئی دوسری خاتون تھیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ۴ھ میں فوت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ ۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ کہے:

اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا۔

یا اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۸۹)

(فرماتی ہیں) جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا ابو سلمہ سے اچھا مسلمان کون ہوگا؟

پھر میں نے یہ کلمات (مذکورہ بالا) کہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن کی جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کو بھیج کر نکاح کا پیغام دیا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۰)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا تو بھی انکار کر دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا تو آپ نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ مجھ میں تین عادتیں ہیں۔ میں سخت غیرت مند عورت ہوں، میں بال بچے دار عورت ہوں اور یہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرا نکاح کر دے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اتنا سخت غصہ آیا، جو اپنے پیغام نکاح کے رد ہونے پر بھی نہیں آیا تھا۔

چنانچہ نبی اکرم علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ تم نے اپنی غیرت کے بارے میں ذکر کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ اسے دور کر دے گا اور جو کچھ تم نے بچوں کے بارے میں کہا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہے، جو کچھ تم نے اپنے سرپرستوں کے بارے میں ذکر کیا ہے تو تمہارا کوئی ولی (سرپرست) مجھے ناپسند نہیں کرے گا چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو تو اُنہوں نے آپ کا نکاح کر دیا۔

"السمط الثمین" کے مصنف (محب طبری) نے کہا کہ اس انداز میں یہ حدیث ہدبہ بن خالد نے روایت کی ہے اور صاحب "الصفوہ" نے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا اور صحیح بخاری میں یہ معنوی طور پر مروی ہے۔[1]

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیٹا (ماں کا) نکاح کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک (شافعی مسلک والوں کے نزدیک) اُنہوں نے عصبہ ہونے کی وجہ سے نکاح کر دیا کیونکہ وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی کا بیٹا تھا۔ اس لیے کہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ ہیں اور ام سلمہ ہند بنت سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ ہیں اور اس (بھتیجے) کے علاوہ ان کا کوئی عصبہ موجود نہ تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسین خواتین میں سے تھیں۔ جس سال حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ اس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ابھی شوال کی کچھ راتیں باقی تھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۶) کہا گیا ہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر چوراسی سال تھی۔

---

[1] حنفی فقہ کے مطابق ولی اقرب موجود نہ ہو تو ولی ابعد (دور کا ولی) نکاح کرا سکتا ہے۔ نیز بالغہ عورت خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ احناف کے نزدیک اس کے لیے ولی کا ہونا شرط نہیں۔ لیکن کفو میں نکاح کرنا ہوگا۔ ورنہ ولی اعتراض کر سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی رملہ تھا۔ آپ ابوسفیان بن صخر بن حرب کی صاحبزادی تھیں۔ کہا گیا ہے کہ آپ کا نام ہند تھا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ آپ کی والدہ صفیہ بنت ابوالعاصی (بن امیہ) تھیں۔ (اور یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور اس نے آپ کے ساتھ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ پھر وہ نصرانی ہو کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے کب اور کہاں نکاح ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں کہا گیا کہ حبشہ کی سرزمین میں سنہ ۶ ہجری میں آپ کا نکاح ہوا۔ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا پیغام دے۔ پس نجاشی (بادشاہ) نے ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور اپنی طرف سے چار سو دینار حق مہر ادا کر کے ان کو حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹)

ایک روایت میں ہے کہ نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ اس لونڈی نے کہا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دوں، چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خالد بن سعید بن عاص کو بلا کر اپنا وکیل بنایا اور اس خوشی میں ابرہہ کی لونڈی کو چاندی کے دو کنگن اور کچھ انگوٹھیاں دیں۔

جب شام کا وقت ہوا تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمانوں کو جو وہاں موجود تھے، حکم دیا کہ حاضر ہوں، وہ لوگ جمع ہوئے، تب نجاشی نے یوں خطبہ دیا:

الحمد للہ الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ، ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بادشاہ ہے، پاک، سلامتی، امن دینے والا، حفاظت کرنے والا، عزت والا اور عظمت والا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس نے آپ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! میں نے اس بات کو قبول کیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی

اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو چار سو دینار سونا بطور مہر دیا، پھر وہ دینار حاضرین کے سامنے رکھ دیئے۔

اس کے بعد (اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یوں خطبہ پڑھا:

الحمد للہ احمدہ واستعینہ واستغفرہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمد عبدہ ورسولہ، ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکین۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد مانگتا ہوں اور اس سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے آپ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

"حمد و صلوۃ کے بعد! میں نے اس بات کو قبول کیا جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے اور میں نے ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ آپ کا نکاح کیا، اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں برکت عطا فرمائے، پھر وہ دینار خالد بن سعید کو دے دیئے گئے اور انہوں نے ان کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر لوگوں سے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی بادشاہ نے کہا، بیٹھو! کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کھانا کھایا جائے، چنانچہ اس نے کھانا منگوایا تو سب نے کھانا کھایا اور پھر چلے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۷)

یہ روایت صاحب صفوۃ نے نقل کی جیسا کہ طبری نے کہا ہے اور یہ واقعہ ہجرت کے ساتویں سال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹)

ابو عمر نے کہا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت اُم حبیبہ کا نکاح کس نے کیا۔ ایک روایت میں سعید بن عاص کا ذکر ہے، دوسری روایت میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی زاد تھیں۔

امام بیہقی نے ذکر کیا کہ ان کا نکاح خالد بن سعید بن عاصی نے کیا اور وہ ان کے والد کے چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے۔

اگر مذکورہ تاریخ کو صحیح قرار دیا جائے تو یہ بات صحیح قرار نہیں پاتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح کیا ہو کیونکہ آپ سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے حبشہ سے واپس تشریف لائے تھے۔

حضرت اُم حبیبہ کے والد ابوسفیان ان کے نکاح کے وقت بحالت شرک مکہ مکرمہ میں تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی لڑائی چل رہی تھی۔

یہ بھی کہا گیا کہ ان کا نکاح حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوا، لیکن پہلی بات مشہور ہے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۴۴ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۰) ایک قول کے مطابق ۴۲ھ میں ہوا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی بیٹی تھیں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا اور وہ ان کے ہاں ایک عرصہ تک رہیں، پھر انہوں نے ان کو طلاق دے دی جیسا کہ خصائص کے ذکر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب ان کی عدت ختم ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے فرمایا جا کر ان کے سامنے میرا ذکر کرو۔ وہ فرماتے ہیں: میں ان کے پاس گیا اور میں نے اپنی پیٹھ دروازے کی طرف کرتے ہوئے کہا: اے زینب! مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے وہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ (آپ کو حبالہ عقد میں لانا چاہتے ہیں) انہوں نے کہا: میں کوئی نئی بات اس وقت تک نہیں کروں گی، جب تک اپنے رب عزوجل سے اجازت نہ لے لوں۔ چنانچہ وہ اپنے مصلی کی طرف تشریف لے گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷)

پس جب (حضرت) زید کی غرض ان سے پوری ہوگئی تو ہم نے انکو (حضرت زینب کو) آپکے نکاح میں دے دیا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مانگے بغیر ان کے ہاں تشریف لائے۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۴)

منافقین نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی بیویوں سے نکاح کو حرام قرار دیا اور خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ (الاحزاب: ۴۰)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے والدین نے کئے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ـــــ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۳ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۵۳)

آپ کا نام برہ تھا تو حضور علیہ السلام نے آپ کا نام زینب رکھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو صحابہ کرام کو دعوت دی وہ کھانا کھانے کے بعد بیٹھ کر باتیں کرنے لگے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھنے کی تیاری کرنے لگے تو وہ نہ اُٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کھڑے ہوگئے اور جس نے کھڑا ہونا

تھا وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور تین افراد بیٹھے رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہونے کے لیے تشریف لائے تو وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے، میں بھی اندر جانے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۱)

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ۔

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو، جب تک اجازت نہ ہو، (مثلاً) کھانے کے لیے بلائے جاؤ۔

(الاحزاب: ۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے پانچویں سال نکاح کیا۔ ایک قول تیسرے سال کے بارے میں بھی ہے اور آپ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شان میں فرمایا کہ دین میں ان سے بہتر کوئی عورت نہ تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والی، سب سے سچی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، بہت زیادہ صدقہ دینے والی اور ایسے کاموں میں اپنے آپ کو زیادہ مصروف رکھتی تھیں جو صدقہ کرنے اور قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہوں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۵)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۲۰ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ ۲۱ھ ہجری میں آپ نے وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور (ازواج مطہرات میں سے) آپ پہلی خاتون ہیں جن کی میت کو ڈھانپا گیا۔ (ازواج مطہرات سے قطع نظر حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی نعش کو سب سے پہلے ڈھانپا گیا)

حضرت زینب (اُم المساکین) رضی اللہ عنہا

حضرت زینب (اُم المساکین) رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن حارث ہلالیہ تھیں۔ دور جاہلیت میں آپ کو ام المساکین کہا جاتا تھا، کیونکہ آپ لوگوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

ابن شہاب کے قول کے مطابق آپ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۳ھ میں آپ سے نکاح کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے ہاں دو یا تین مہینے رہیں اور پھر آپ کی حیات طیبہ میں ہی انتقال کر گئیں۔ ایک قول کے مطابق آپ حضور علیہ السلام کے ہاں آٹھ مہینے رہیں۔ یہ بات فضائلی نے ذکر کی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت زینب طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں، پھر اُن کے بھائی عبیداللہ بن حارث کے نکاح میں آئیں اور وہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الثانی ۴ھ میں ہوا اور آپ کو جنت البقیع میں (راستے پر) دفن کیا گیا۔ یہ بات طبری نے کہی ہے اور فضائلی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور یہ قول اس روایت کے مطابق ہے جس میں کہا گیا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آٹھ مہینے رہیں۔

اور جو کچھ ابو عمر نے کہا وہ صحیح نہیں کیونکہ آپ کا عقد سنہ ۳ھ میں ہوا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے کی مدت دو یا تین مہینے ہو تو ربیع الثانی میں آپ کی وفات صحیح قرار نہیں پاتی۔

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن حمیر تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے بعد سنہ ۷ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ سے نکاح کیا۔ جب کہ آپ عمرہ کرنے آئے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور دوسری ماں شریک بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر (رضی اللہ عنہما) کے نکاح میں جب کہ سلمیٰ بنت عمیس حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نکاح کا اختیار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کیا اور آپ اس وقت حالت احرام میں تھے جب مکہ مکرمہ سے واپسی ہوئی تو مقام سرف میں ان کے پاس تشریف لے گئے اور اس وقت آپ نے احرام کھول دیا تھا۔ یہ بات ابو عمر نے ذکر کی ہے۔

صحیح حدیث میں مسلم کے راویوں سے مروی ہے وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو اس وقت آپ حالت احرام میں نہیں تھے۔

برقانی نے اس کے بعد یہ اضافہ کیا کہ شب زفاف اس حالت میں ہوئی کہ آپ احرام کو کھول چکے تھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی مقام سرف میں ہوا۔

یہ جملہ کہ بوقت نکاح آپ محرم تھے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حرم شریف میں داخل تھے اور عقد نکاح عمرہ کرنے کے بعد ہوا۔ پھر آپ مقام سرف کی طرف تشریف لے گئے اور وہیں آپ ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے۔

مقام سرف، بقول طبری مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ معجزات کے بیان میں خصائص کے ذکر میں مزید تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ایک قول کے مطابق یہ عبداللہ بن ابی رہم تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں ایک قول یہ ہے کہ وہ فروہ بن

عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔

ابن اسحاق نے کہا کہ کہا جاتا ہے انہوں نے خود اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح ان تک پہنچا اور وہ اپنے اونٹ پر تھیں تو انہوں نے کہا اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرنے والی آپ نہیں کوئی دوسری خاتون ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مقام سرف میں اسی جگہ ہوا جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب زفاف میں ان کے پاس تشریف لے گئے تھے (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۳۹) اور یہ سنہ ۵۱ھ کا ذکر ہے۔ سنہ ۵۶ھ اور سنہ ۶۰ھ کا قول بھی کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر میں اترے۔[1] (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۴۰)

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہا مسافع ابن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں۔ غزوہ مریسیع میں جسے غزوہ بنو مصطلق کہتے ہیں اور وہ سنہ ۵ھ یا سنہ ۶ھ میں ہوا۔ حضرت جویریہ بطور باندی حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ انہوں نے مکاتبت کرلی (کوئی غلام یا لونڈی جب مال دے کر مالک سے جان چھڑائے تو اس کو مکاتبت اور اس غلام اور لونڈی کو مکاتب اور مکاتبہ کہتے ہیں)۔

پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جویریہ بنت حارث ہوں اور میرا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آئی ہوں اور میں نے مکاتبت کرلی ہے۔ میں آپ سے اپنی مکاتبت (کتابت کی رقم میں مدد) کا سوال کرنے کی خاطر آئی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے اچھی بات چاہتی ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری کتابت کا بدل ادا کر کے تم سے نکاح کرلوں؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

---

[1] مقام سرف کو آج کل نواریہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۹۳ھ میں راقم کو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ پہاڑی کے دامن میں ایک چار دیواری کے اندر قبر شریف ہے۔ باہر سے تالہ لگا ہوتا ہے۔ حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند علامہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ کی معیت میں علامہ قاری خادم حسین سعیدی کی دعوت پر وہاں حاضری ہوئی۔ مغرب کی نماز بھی وہاں ادا کی اور حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ خدایا ایں کرم بار دگر کن۔ ۱۲ ہزاروی

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ہے تو ان کے قبضے میں جو قیدی تھے، انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور آزاد کردیا۔ وہ کہنے لگے: یہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی خاتون کو اس کی قوم کے لیے زیادہ بابرکت نہیں دیکھا۔ ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد ہوئے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۶، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۲)

ابن ہشام کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خرید کر آزاد کیا، پھر ان سے نکاح کیا اور چار سو درہم حق مہر کے طور پر عطا فرمائے۔

ابن شہاب سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کو مریسیع (غزوہ مریسیع) والے دن قیدی بنایا۔ پس (ان کو پردہ میں داخل کرکے اپنے حرم میں داخل کیا اور) ان کے لیے باری مقرر فرمائی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ان کا نام برہ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام تبدیل کرکے ان کا نام جویریہ رکھا۔

اس قسم کی بات حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی گزر چکی ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا وصال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ ۵۶ھ میں وصال ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۲۰)

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعیہ ابن ثعلبہ بن عبید کا بنی اسرائیل سے تعلق تھا اور آپ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔

ان کی ماں کا نام ضرہ تھا۔ (ضاد پر زبر اور راء پر شد ہے) جو سموءل کی بیٹی تھیں (سموءل کے سین اور میم پر زبر، واو ساکن اور ہمزہ پر زبر ہے اور آخر میں لام ہے) حضرت صفیہ کنانہ بن ابوالحقیق (حاء پر پیش اور پہلے قاف پر زبر ہے یعنی الحقیق) کے نکاح میں تھیں۔ محرم ۷ھ میں کنانہ کا غزوۂ خیبر میں انتقال ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب خیبر فتح ہوا اور قیدیوں کو جمع کیا گیا تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے قیدیوں میں سے ایک لونڈی عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور ایک لونڈی لے لو، وہ حضرت صفیہ بنت حیی کو لے آئے۔ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے صفیہ بنت حیی حضرت دحیہ کو دے دی ہیں، حالانکہ وہ قریظہ اور نضیر

(قبیلوں) کی سردار ہیں۔ وہ آپ کے لیے مناسب ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت دحیہ کو حضرت صفیہ سمیت بلاؤ۔ وہ ان کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا ان کے علاوہ کوئی لونڈی لے لو۔ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت ثابت نے پوچھا اے ابو حمزہ! ان کا مہر کیا تھا؟ فرمایا ان کا نفس، چنانچہ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حتی کہ راستے میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کر کے اسی رات آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور دولہا صبح کی، آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ لے آئے۔ راوی فرماتے ہیں آپ نے چمڑے کا ایک بچھونا بچھایا تو کوئی شخص پنیر لا رہا تھا کوئی کھجور اور کوئی گھی۔ چنانچہ (حیس) حلوہ تیار کیا گیا اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۹)

ایک روایت میں ہے صحابہ کرام نے کہا معلوم نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہے یا ان کو ام ولد (لونڈی) بنایا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے اگر آپ نے ان کو پردے میں رکھا تو وہ آپ کی زوجہ ہوں گی اور اگر پردہ نہ کروایا تو وہ ام ولد ہوں گی۔[1] چنانچہ جب آپ سوار ہونے لگے تو ان پر پردہ ڈال دیا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰)

ایک روایت میں ہے راوی فرماتے ہیں پس ہم چلے حتی کہ جب ہم نے مدینہ طیبہ کی دیواروں کو دیکھا تو ہم ان کی طرف تیزی سے چلے اور اپنی سواریوں کو تیز کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سواری کو تیز کیا۔ فرماتے ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پھسلی تو آپ بھی گر گئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی گر گئیں۔ لوگوں میں سے کسی نے بھی ان کی طرف نہ دیکھا حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان کو پردے میں کیا۔

راوی فرماتے ہیں ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی لونڈیاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے باہر نکلیں اور ان کے گرنے پر ہنسنے لگیں۔[2] (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے دن حضرت صفیہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور آپ نے ان کے باپ اور بھائی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ انہیں مقتولوں کے درمیان سے لے کر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اختیار دیا تھا کہ یا تو آپ ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے گھر والوں میں سے باقی بچنے والے لوگوں میں چلی جائیں یا اسلام قبول کریں تو آپ ان کو اپنے لیے اختیار فرمائیں تو انہوں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ یہ حدیث "الصفوہ" میں ہے۔

---

[1] جس لونڈی سے مالک کی اولاد پیدا ہو اس لونڈی کو ام ولد کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] اس ہنسنے کا مقصد تمسخر اڑانا نہیں تھا بلکہ انسانی فطرت کے مطابق ان کو ہنسی آئی۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت تمام (امام حافظ محمد بن عبد اللہ بن جعفر مروزی دمشقی متوفی ۴۱۴ھ) نے (اپنی کتاب) فوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمہیں مجھ سے رغبت ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں زمانہ شرک میں اس بات کی تمنا کرتی تھی تو جب اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر قادر کیا ہے تو کیسے پسند نہیں کروں گی۔

حضرت ابو حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں سبز رنگ دیکھا تو پوچھا یہ سبز رنگ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میرا سر ابن الحقیق کی گود میں تھا اور میں سوئی ہوئی تھی تو میں نے دیکھا کہ چاند میری گود میں اترا ہے۔ میں نے ابو الحقیق کو یہ بات بتائی تو اس نے مجھے ایک تھپڑ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہبا میں آپ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک ۵۰ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۲۸)

اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ازواج مطہرات کے قریب تشریف لے گئے (حقوق زوجیت ادا کیے) اور اس سلسلے میں سیرت نگاروں اور آثار و روایات کا علم رکھنے والوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

وہ ازواج مطہرات جن کے پاس آپ تشریف نہیں لے گئے

(کتب سیرت میں) مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر خواتین سے بھی نکاح فرمایا اور وہ کل بارہ خواتین ہیں۔

(۱) وہ خاتون جس نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کیا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں؟ کہا گیا ہے کہ وہ ام شریک قرشیہ عامریہ ہیں اور ان کا نام غزیہ (غین پر پیش زاء پر زبر اور یاء پر شد ہے غُزَیَّہ) بنت جابر بن عوف ہے۔ ان کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے۔ کہا گیا کہ وہ دودان بن عوف کی بیٹی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرب عطا فرمایا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ ام شریک غزیہ انصاریہ ہیں اور ان کا تعلق بنو نجار قبیلے سے ہے۔ "الصفوہ" میں ہے کہ یہ ام شریک غزیہ بنت جابر دوسیہ ہیں۔

(ابن جوزی نے) کہا کہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ انہوں نے ہی اپنے آپ کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول نہ کیا۔ اس خاتون نے شادی نہ کی حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

ابن قتیبہ نے "المعارف" میں ابو الیقظان سے روایت کیا کہ اپنے آپ کو پیش کرنے والی خاتون خولہ بنت حکیم سلمی ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا کسی عورت کو اس بات سے حیا نہیں آتی کہ وہ اپنے آپ کو کسی مرد پر پیش کرے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ (الاحزاب: ۵۱) پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کے رب کو دیکھتی ہوں کہ وہ آپ کی خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۶، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۷۳)

یہ خولہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ ہو سکتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ واقعہ ہوا ہو۔

(۲) خولہ بنت ہذیل بن ہبیرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور آپ کے ان کے قریب جانے سے پہلے ہی وہ انتقال کر گئیں۔

(۳) عمرہ بنت یزید بن جون کلابیہ اور کہا گیا کہ عمرہ بنت یزید بن عبید بن اوس بن کلاب کلابیہ ہیں۔ ابو عمر نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور جب ان کو آپ کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے آپ سے پناہ مانگی۔ آپ نے فرمایا تم نے پناہ طلب کی پس آپ نے طلاق دے دی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو تین کپڑے دے دو۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ واقعہ بنو سلیم کی ایک خاتون سے متعلق ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں یہ واقعہ اسماء بنت نعمان بن جون سے پیش آیا۔ ابن قتیبہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور عنقریب یہ بات مذکور ہوگی۔ ان عمرہ (خاتون) کے بارے میں فرمایا کہ ان کے باپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا وصف بیان کیا پھر کہا کہ مزید یہ بات ہے کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی بھلائی نہیں، پس آپ نے اسے طلاق دے دی۔

(۴) اسماء بنت نعمان بن جون ابن حارث کندیہ ہیں اور یہی جونیہ ہیں۔ ابو عمر نے کہا کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا لیکن تفریق کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تو اس خاتون نے کہا: آپ خود آئیں اور آپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور بعض نے کہا کہ اس نے کہا: میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تجھے مجھ سے پناہ دے دی۔۔۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے اس خاتون کو یہ بات سکھائی تھی

کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھیں اور ان کو خطرہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے معاملے میں ان پر غالب نہ ہو جائیں۔ پس انہوں نے ان سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جب تم آپ کے قریب جاؤ تو کہو کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگی اور اسے طلاق دے دی، پھر ان کو ان کے گھر والوں کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے آپ کو شقیہ (بدبخت) کہا کرتی تھیں۔[1]

جرجانی کہتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات نے ان سے کہا: اگر تم حضور علیہ السلام کے ہاں کوئی مرتبہ چاہتی ہو تو آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا۔ اس خاتون نے یہ بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رُخِ انور پھیر لیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ پناہ مانگنے والی کوئی دوسری خاتون تھی۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ دونوں نے پناہ مانگی ہو۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اسماء کے جسم پر سفید داغ تھے تو آپ نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ ان کے نام کے بارے میں کہا گیا کہ امیمہ تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کا نام امامہ تھا۔

(۵) ملیکہ بنت کعب اللیثیہ ہیں، بعض نے کہا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے پناہ مانگی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قرب سے مشرف فرمایا تھا اور آپ کے ہاں ہی ان کا انتقال ہوا لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے اور بعض حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے نکاح کا بالکل انکار کیا ہے۔

(۶) فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان کلابی ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نکاح کیا اور جب آیت تخییر نازل ہوئی[2] تو آپ نے ان کو اختیار دیا چنانچہ انہوں نے دنیا کو اختیار کیا، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جدا کر دیا۔ اس کے بعد وہ مینگنیاں اٹھاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ بدبخت ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا کو اختیار کیا۔۔۔ ابن اسحٰق نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن ابو عمرو نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ابن شہاب نے بواسطہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ

---

[1] اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور یہ خاتون بہت خوبصورت تھیں اس لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھنے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا یا بعض لونڈیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور اپنی سیدات امہات المومنین کے لیے ایسا کیا ہو لہٰذا امہات المومنین کی طرف نسبت کی گئی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۶۳)

[2] آیت تخییر یہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (الاحزاب: ۲۸)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواج سے کہہ دیں کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں (اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو ان سے آغاز کیا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اور باقی ازواج مطہرات نے بھی ان کی پیروی کی۔

حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت تخییر (کے نزول) کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو ازواجِ مطہرات تھیں اور یہ وہی ہیں جو آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک سے ۸ھ میں نکاح فرمایا اور کہا گیا ہے کہ ان کے باپ نے کہا کہ ان کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی حاجت نہیں۔

(۷) عالیہ بنت ظبیان بن عمرو بن عوف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ آپ کے پاس رہیں، پھر ان کو طلاق دے دی۔ ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ ابو سعد نے کہا کہ جب ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

(۸) یہ قتیلہ ہیں (قاف پر پیش تاء پر زیر اور یاء ساکن ہے) جو قیس کی بیٹی اور اشعث بن قیس کندی کی بہن ہیں۔ ان کے بھائی نے ۱۰ھ میں ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا پھر وہ حضر موت کی طرف چلے گئے اور اپنی بہن کو بھی ساتھ لے گئے اور ان کی واپسی سے پہلے ہی ۱۱ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو ماہ پہلے ان سے نکاح کیا۔۔۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان (قتیلہ) کو اختیار دیا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے آپ کو پردے میں رکھیں، اور وہ امہات المومنین میں سے ہو جائیں گی، اور اگر جدائی چاہیں تو جس سے چاہیں نکاح کر لیں چنانچہ انہوں نے نکاح کرنا پسند کیا اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل سے حضر موت میں ہی نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے اس کے گھر میں جلا دوں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ وہ امہات المومنین میں نہیں (کہ اس سے نکاح حرام ہو)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور نہ ان کو پردے میں رکھا۔

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی وصیت نہیں فرمائی تھی بلکہ وہ خاتون اپنے بھائی کے مرتد ہونے پر مرتد ہو گئی اور اس بات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں استدلال کیا کہ وہ مرتد ہونے کی وجہ سے امہات المومنین میں سے نہیں ہے۔

(۹) یہ سنا بنت اسماء بن صلت سلمیہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور شبِ زفاف سے پہلے آپ انتقال فرما گئے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے پاس جانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی۔

(۱۰) اس خاتون کا نام شرف (شین پر زبر ہے اور راء ساکن ہے) بنت خلیفہ کلبیہ ہے جو دحیہ بن خلیفہ کلبی کی بہن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور شبِ زفاف سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۱) یہ لیلیٰ بنت الحطیم ہیں۔ (خطیم میں خاء پر زبر اور طاء کے نیچے زیر ہے) یہ قیس کی بہن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ بہت غیرت مند تھیں۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقالہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے اقالہ فرمایا[1] تو ان کو بھیڑیئے نے کھالیا اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

(۱۲) قبیلہ غفار کی ایک خاتون تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو ان کو کپڑے اُتارنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے پہلو میں سفیدی دیکھی تو فرمایا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور آپ نے اسے جو کچھ دیا تھا واپس نہیں لیا۔ اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا ازواج وہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی ان سے علیحدگی اختیار کرلی، بعض سے دخول سے پہلے اور بعض سے دخول کے بعد۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو ان تمام ازواج کی تعداد جن سے آپ کا عقد نکاح ہوا تیئیس ہے۔ بعض سے قُرب ہوا اور بعض سے نہیں۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں جن ازواج کا قُرب کے بعد انتقال ہوا وہ حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

اور قُرب سے پہلے دو کا انتقال ہوا، ایک حضرت دحیہ کی بہن اور دوسری ہذیل کی بیٹی --- اس پر اتفاق ہے۔ ملیکہ اور سنا کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ان دونوں کا انتقال ہوا یا آپ نے ان کو طلاق دی لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ان دونوں کے قریب تشریف نہیں لے گئے۔

اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قرب کے بعد بنت ضحاک، بنت ظبیان کو اور قرب سے پہلے عمرہ، اسماء اور غفاریہ کو الگ کردیا۔ ام شریک کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا قُرب ہوا یا نہیں؟ لیکن جُدا کرنے پر اتفاق ہے اور جس خاتون نے جُدائی کا مطالبہ کیا اس کا حال مجہول ہے اس کے ساتھ قرب میں بھی اختلاف ہے۔

اور جن ازواج مطہرات کو جُدا کیا وہ بالاتفاق سات ہیں، دو میں اختلاف ہے۔ آپ کی زندگی میں چار ازواج کا انتقال ہوا، اس بات پر بھی اتفاق ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو دس ازواج موجود تھیں، ان میں سے ایک کو قُرب نہیں عطا کیا تھا۔

جن خواتین سے منگنی ہوئی

مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خواتین کو منگنی کا پیغام دیا---

(۱) ان میں سے پہلی خاتون بنو مرہ بن عوف بن سعد کی ایک خاتون ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو منگنی کا پیغام بھیجا تو اس نے کہا کہ وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہے (سفید داغ والی ہے) حالانکہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ جب واپس گھر آیا تو واقعی وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بیٹا شبیب بن

[1] جب کوئی شخص کوئی چیز خریدنے کے بعد واپس کرنا چاہے تو اسے اقالہ کہتے ہیں۔ یعنی پہلی بات کو واپس کرنا مقصد یہ ہے کہ اس خاتون نے حضور علیہ السلام سے علیحدگی کا مطالبہ کیا... ۱۲ ہزاروی۔

برصاء بن حارث بن عوف تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے جیسا کہ طبری نے کہا ہے۔ ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ جمرہ بنت حارث بن عوف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح دیا تو اس کے باپ نے کہا اس میں کچھ خرابی ہے حالانکہ اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ جب اس کا باپ اس کے پاس آیا تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ابن اثیر نے کہا کہ یہ شبیب بن برصاء شاعر کی ماں ہے۔

(۲) یہ قرشیہ خاتون ہیں جنہیں سودہ کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ صاحبِ اولاد تھیں۔ انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میرے بچے آپ کے سرہانے روئیں گے اور چیخیں گے تو آپ نے ان کے لیے دُعا کی اور چھوڑ دیا۔

(۳) یہ صفیہ بنت بشامہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیدیوں میں پایا تو آپ نے اسے اپنی ذاتِ کریم اور خاوند کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا۔

(۴) اس خاتون کا نام مذکور نہیں کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا: میں اپنے باپ سے مشورہ کروں گی۔ اس نے باپ سے ملاقات کی تو اس نے اسے اجازت دے دی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئیں تو آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے علاوہ کا لحاف لپیٹ لیا ہے (کسی اور سے نکاح کر لیا ہے)۔

(۵) اُم ہانی فاختہ بنت ابی طالب جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، آپ نے ان کو پیغام دیا تو انہوں نے کہا: میں اولاد والی ہوں اور عُذر پیش کر دیا۔ پس آپ نے ان کا عُذر قبول فرمایا۔

(۶) یہ ضباعہ بنت عامر بن قرط ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سلمہ بن ہشام کو پیغام نکاح دیا تو اس نے کہا: میں ماں سے پوچھ لوں، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ بڑی عمر کی خاتون ہیں۔ جب ان کا بیٹا واپس آیا اور انہوں نے اجازت دے دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور ان سے نکاح نہیں کیا۔

(۷) امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ میری رضاعی بھتیجی ہیں۔

(۸) عزہ بنت ابی سفیان کو ان کی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا: ان سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ (اور دو بہنوں کو ایک ہی وقت میں جمع نہیں کیا جا سکتا)

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الجندعیہ سے نکاح کیا۔ یہ جندع قبیلہ کی خاتون تھیں اور جندب بن ضمرہ کی بیٹی تھیں، لیکن آپ ان کے قریب تشریف نہیں لے گئے۔ بعض راویوں نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

یہ وہ خواتین ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا یا نکاح کا پیغام دیا یا ان سے قرب ہوا یا نہیں ہوا یا وہ خواتین ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

لونڈیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔

(۱) حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا کو مصر اور اسکندریہ کے حاکم مقوقس قبطی نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا اور ان کے ساتھ ان کی بہن سیرین اور ایک خواجہ سرا کو بھی بھیجا[1] جسے مابور کہا جاتا تھا۔ ایک ہزار مثقال سونا اور مصر کے باریک ہیں قبطی کپڑے اور شہباء خچر جسے دلدل کہا جاتا تھا اور مقام بِن کا شہد بھی بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو پسند فرمایا اور مقام بِن کے شہد کے لیے برکت کی دُعا کی۔ بِن مصر کی ایک بستی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے شہد کے لیے برکت کی دُعا فرمائی، آج کل اسے (بِن کی بجائے) بَنّ پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ کی بہن سیرین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا اور یہ عبدالرحمٰن بن حسان کی ماں ہیں اور حضرت ماریہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ۱۶ھ میں ہوا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۲) ریحانہ بنت شمعون جن کا تعلق بنو قریظہ سے تھا اور کہا گیا ہے کہ بنو نضیر سے تعلق تھا پہلی بات زیادہ ظاہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے جب آپ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے حضرت ریحانہ کا انتقال ہوا اور ان کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کی حیثیت میں انہیں اپنے قرب سے شادکام فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔ ابن الاثیر نے اس کے علاوہ ذکر نہیں کیا۔

(۳) ایک اور لونڈی تھی جو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے آپ کو پیش کی تھی۔

(۴) چوتھی لونڈی آپ کو بعض قیدیوں میں حاصل ہوئی تھی۔

---

[1] یہ سب کچھ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضرت ماریہ پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے قبول کیا اور ان کی بہن بھی مسلمان ہو گئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۲)

چوتھی فصل

رسولِ اکرم ﷺ کے چچا، پھوپھیاں، رضاعی بہن بھائی اور دادیاں نانیاں

آپ ﷺ کے چچا

"ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" کے مصنف (حافظ محب الطبری) نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے، جو حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور ان کے تیرہویں بیٹے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(۱) حارث
(۲) ابوطالب (ان کا نام عبد مناف ہے)
(۳) زبیر (ان کی کنیت ابوالحارث ہے)
(۴) حضرت حمزہ
(۵) ابولہب (اس کا نام عبدالعزیٰ تھا)
(۶) غیداق
(۷) مقوم
(۸) ضرار
(۹) حضرت عباس
(۱۰) قثم
(۱۱) عبدالکعبہ
(۱۲) جحل (جیم پہلے اور حاء بعد میں ہے اور جحل کا معنی بڑی مشک ہے)۔

امام دار قطنی نے کہا کہ حاء پہلے ہے (یعنی حجل ہے) اور اس کا معنی بیڑی اور پازیب ہے۔ حجل کو مغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نے مقوم کا ذکر نہیں کیا اور کہا کہ آپ کے چچا گیارہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ عبدالکعبہ ہی مقوم ہیں۔ دس کا قول بھی کیا گیا یعنی غیداق اور حجل کو چھوڑا گیا۔ بعض نے قثم کو بھی چھوڑ دیا اور کل تعداد نو بتائی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں عمارہ اور یعلیٰ کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ تھی۔ آپ کو "اسد اللہ" اور "اسد الرسول" (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر) کہا جاتا تھا۔(المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۹۲)

معجم بغوی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ساتویں آسمان میں لکھا ہوا ہے کہ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے شیر ہیں۔(کنز العمال جلد اول ص ۶۷۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بعثت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا۔ ایک قول کے مطابق چھٹے سال جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں داخل ہوئے (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے تین دن پہلے آپ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

آپ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور وہاں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا۔ جس نے آپ کو چیلنج کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ شیبہ بن ربیعہ جو آپ کے مقابل آیا تھا اسے قتل کیا۔ پہلا قول موسیٰ بن عقبہ نے نقل کیا جب کہ دوسرا قول ابن اسحٰق سے منقول ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے جو سب سے پہلا جھنڈا مقرر فرمایا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھا اور سب سے پہلا دستہ بھی آپ کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میرے سب سے بہترین چچا (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہ روایت حافظ دمشقی نے نقل کی ہے۔

ابن السری نے مرفوعاً نقل کیا (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل کیا) کہ قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہداء کے سردار ہوں گے۔(المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۹۲)

سلفی (احمد بن محمد اصبہانی سلفی علامہ، حافظ، حدیث اور قوانینِ روایت کے ماہر تھے، ۵۷۶ھ میں انتقال ہوا) نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ درج ذیل آیت میں نفسِ مطمئنہ سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مراد ہیں۔

يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔(الفجر: ۲۷) اے مطمئن نفس!

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ارشادِ خداوندی:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔(الاحزاب: ۲۳) پس ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیا۔

اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ کیسے نجات پائے گا حتیٰ کہ وہ شراب میں دُھت ہو کر مر گیا۔ اسے دار قطنی نے شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرط پر روایت کیا ہے۔

ابن ہشام نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ وحشی کو مسلسل شراب نوشی کی حد لگتی رہی حتیٰ کہ دیوان سے اس کا نام نکال دیا گیا (دشمن سے لڑنے والے فوجیوں کے رجسٹر کو دیوان کہا جاتا ہے)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو نہیں چھوڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حالتِ شہادت میں دیکھا تو آپ رو پڑے اور جب آپ کے جسم کو مثلہ کیا ہوا (جسم کو بگاڑا ہوا) دیکھا تو آپ ہچکیاں لے کر رونے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے آپ کے اعضاء کاٹے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہوئے تو آپ نے کوئی ایسا منظر نہ دیکھا جو آپ کے دل کو اس سے زیادہ پریشان کرنے والا ہو۔ یہ بات ابو عمرؒ مخلص (محمد بن عبدالرحمٰن بن عباس ابو الطاہر الذہبی البغدادی) اور صاحبِ صفوۃ نے ذکر کی ہے۔

ابن ہشام کے نزدیک اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کی مثل کسی کو کبھی یہ اذیت نہیں پہنچے گی اور میں اس سے زیادہ غضب والی جگہ کھڑا نہیں ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۰)

ابن شاذان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتے دیکھا ہے اس قدر زیادہ روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کو قبلہ رُخ رکھا پھر ان کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانسوں کے ساتھ رونے لگے حتیٰ کہ قریب تھا آپ بے ہوش ہو جائیں۔ آپ فرما رہے تھے: اے حمزہ! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! اللہ تعالیٰ کے شیر، اس کے رسول کے شیر، اے حمزہ! اے نیک کام کرنے والے! اے حمزہ! اے تکالیف کو دُور کرنے والے، اے حمزہ! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے والے![1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھتے تو اس پر چار تکبیریں کہتے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر تکبیرات کہیں۔ اسے امام بغوی نے اپنی معجم میں ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا بلکہ ان کو ان کے خُونوں سمیت دفن کیا گیا اور ان پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔
(صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۷۹، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۹۱)

پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے معاملے کو تخصیص پر محمول کیا جائے گا اور ان کے علاوہ جن پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی، ان کا معاملہ یوں ہو گا کہ وہ لڑائی کی حالت میں زخمی ہوئے اور لڑائی کے اختتام تک ان کی موت واقع

---

[1] یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا آنکھوں کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا اور آپ نے خود فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے غم پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اس کے ذریعے عذاب دیتا ہے، آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۷۴) یعنی زبان سے غلط کلمات نکالنا اور سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا وغیرہ منع ہے۔

نہیں ہوئی۔ شہادت کے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر انسٹھ سال تھی۔ آپ کو اور آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی اور آپ کی والدہ کا نام نتلہ (یا بعض کے مطابق نشلہ) تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ نتیلہ بنت جناب بن کلب بن نمر بن قاسط تھیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ پہلی عرب خاتون ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی اور دیگر مختلف قسم کے غلاف ڈالے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں گم ہو گئے تھے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر وہ مل گئے تو وہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھائیں گی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خوبصورت گورے رنگ کے تھے اور آپ کے بال دو مینڈھیوں کی شکل میں تھے اور آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ کہا گیا ہے آپ کا قد لمبا تھا اور آپ ہاتھی والے واقعہ سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی عمر دو یا تین سال زیادہ تھی۔ آپ قریش کے سردار تھے اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی آپ کے سپرد تھی۔

جب عقبہ (وادی) میں انصار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو آپ بھی وہاں موجود تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام معاملات میں آپ پر اعتماد کرتے تھے۔

جب غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں بھی کس دی گئیں تو اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ بے خوابی میں مبتلا رہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟ فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) کے رونے اور کراہنے کی وجہ سے۔ چنانچہ ایک شخص اٹھا اور اس نے آپ کی رسی ڈھیلی کر دی اور تمام قیدیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ یہ بات ابو عمرو اور صاحبِ صفوہ نے نقل کی ہے۔
(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۳)

کہا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے اور بدر کے دن آپ مشرکین کے ساتھ نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حضرت عباس کے مقابلے میں آئے وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ آپ مجبوراً آئے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۱) چنانچہ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کو قید کر لیا اور آپ فدیہ دے کر واپس مکہ مکرمہ آگئے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اسلام قبول کیا[1] پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فدیہ دینے کا حکم دیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھے باقی زندگی فقیرانہ زندگی میں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ سونا جو آپ نے آتے وقت (اپنی زوجہ) حضرت ام الفضل کو دیا وہ کہاں ہے؟ انہوں نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا: مجھے میرے رب نے بتایا تو یہ سن کر انہوں نے اسلام قبول کیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیب کی خبر نبی ہی دے سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کو غیب پر مطلع کرتا ہے... ۱۲ ہزاروی)
(زرقانی جلد ۳ ص ۲۸)

تشریف لے گئے اور آپ پر ہجرت کا سلسلہ مکمل ہوگیا۔ ابو عمرو نے کہا کہ آپؐ نے فتح خیبر سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، لیکن مسلمانوں کی فتح پر خوش ہوتے تھے۔ فتح مکّہ کے موقع پر آپ نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور آپ مشرکین کی خبریں لکھ لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے اور مسلمانانِ مکّہ کو آپ کے ذریعے مدد حاصل ہوتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے ان کو لکھا کہ آپ کا مکّہ مکرمہ میں ٹھہرنا آپ کے لیے بہتر ہے۔

ابو مصعب اسمٰعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ہم سے ابو حازم سلمہ بن دینار نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ نے ان کو لکھا کہ اے میرے چچا! آپ جہاں ہیں وہیں رہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو مکمل کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کا اختتام ہوا۔ یہ روایت ابو یعلیٰ اور ہیثم بن کلیب نے اپنی اپنی مسندوں میں اور امام طبرانی نے الکبیر میں نقل کی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۵۴)

ابو مصعب متروک الحدیث ہیں لیکن حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اس حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور آپ حاجیوں کو پانی پلانے پر مامور رہے اور آپ نے ہجرت نہ فرمائی۔ یہ حدیث ابن حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کی ہے۔

السہمی (الہیثمی بھی لکھا ہے) نے "الفضائل" میں ذکر کیا کہ جب حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی تو آپ نے انہیں گلے لگایا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آپ نے ان کی تعریف کے بارے میں فرمایا کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شفیق ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۶) اسے فضائلی نے روایت کیا اور معجم بغوی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) میرے چچا اور میرے والد کے سگے بھائی ہیں، (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۹) جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

جامع ترمذی میں اس کی مثل ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷)

سہمی[1] نے فضائل میں ذکر کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ نے ان کو دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، پھر اپنی دائیں جانب بٹھایا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں، جو چاہے اپنے چچا کے ساتھ ان کے مقابلے میں فخر کرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اچھی بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں یہ بات کیوں نہ کہوں آپ میرے چچا، میرے والد کے سگے بھائی، میرے آباء واجداد میں سے باقی رہنے والے، میرے وارث اور میرے

باقی رہنے والے اہل میں سے بہتر ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کل آپ اور آپ کے صاحبزادے گھر سے باہر نہ جائیں، حتی کہ میں تم لوگوں کے پاس آؤں، مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے ان کو ایک چادر میں لیا پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے والد کے سگے بھائی ہیں اور یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں، ان کو (جہنم کی) آگ سے اس طرح پردے میں کردے جس طرح میں نے ان کو اس چادر میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں: دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواریں بھی آمین کہنے لگیں۔ انہوں نے کہا: آمین، آمین، آمین۔ (الاتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۷ ص ۱۹۳) یہ روایت ابن غیلان نے نقل کی، ابوالقاسم حمزہ اور سہمی نے بھی اسے ذکر کیا اور ابن السری نے بھی اسے روایت کیا اور اس میں یہ ہے کہ گھر میں کوئی ڈھیلا اور دروازہ ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک چادر میں لیا، پھر فرمایا اے اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بخش دے۔ ایسی بخشش جو ظاہری و باطنی ہو اور کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے۔ یا اللہ! ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔۔۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷)

ابن عبدالباقی (محمد بن احمد امام، حافظ، ادب میں علامہ، متوفی ۴۸۷ھ) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ نے یوں دعا مانگی: یا اللہ! (حضرت) عباس، (حضرت) عباس کی اولاد (رضی اللہ عنہم) اور ان سے محبت کرنے والوں کو بخش دے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۴۵۶)

تاریخ دمشق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: یا اللہ! (حضرت) عباس اور (حضرت) عباس کی اولاد کی مدد فرما۔ آپ نے تین بار یہ دعا مانگی پھر فرمایا: اے چچا! کیا آپ نہیں جانتے کہ (امام) مہدی (رحمہ اللہ) آپ کی اولاد سے ہوں گے۔
(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۶)

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام بغوی نے اپنی معجم میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس امت کے بڑے عالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور چچا ہیں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۳۳) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اسے لفظ خیر نقطے والی خاء اور یاء کے ساتھ پڑھیں تو تاویل کا تکلف کرنا ہوگا (مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اور آپ کی شفقت اور مزید کرم کی وجہ سے آپ اس وقت کے بہترین انسان ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۳)

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی "الافراد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے

ؒ حمزہ بن یوسف بن ابراہیم سہمی امام حافظ، صاحب تصنیف تھے۔ ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: جو شخص (حضرت) عباس بن عبدالمطلب اور ان کے گھر والوں سے محبت نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہے۔
(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۲)

اس حدیث کی سند میں عمر بن راشد حارثی راوی ہے، جو بہت زیادہ ضعیف ہے لیکن اس روایت کی شہادت محمد بن حسین اشنانی اور ابوبکر بن عبدالباقی کی روایات سے ملتی ہے۔ جو انہوں نے اسے اپنی "امالی"[1] میں نقل کیا اور ان دونوں کے طریق روایت میں منذری ہیں جو منصور کے طریق سے، وہ مسلم بن صبیح بن الضحیٰ سے، وہ حضرت مسروق سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے اس چچا سے اللہ تعالیٰ کے لیے اور میری قرابت کی بنیاد پر محبت نہ کرے وہ مومن نہیں، اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بلند کیا۔ (الضعفاء الکبیر جلد ۳ ص ۱۴۹)

امام ترمذی کی ایک روایت جسے انہوں نے حسن قرار دیا ہے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر محبت نہ کرے۔ پھر فرمایا: اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے۔

امام بغوی نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے خیر کثیر ہو، حتیٰ کہ آپ راضی ہو جائیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۳)

سہمی نے "الفضائل" میں روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد میں سے کسی کو بھی عذاب نہیں دے گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۰۲)

امام طبرانی کی "المعجم الکبیر" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: "یا اللہ! (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) ان کے بیٹوں اور ان کے بیٹوں کو بخش دے۔" (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۲۰۵) اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن حاتم مرادی مصری ہے جو متروک الحدیث ہے۔

تاریخ دمشق میں نہایت کمزور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ہے آپ نے فرمایا: اے اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد نیز ان کی اولاد سے محبت کرنے والوں اور ان کی جماعت کو بخش دے۔
(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۹)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی "المناقب" میں ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک رات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، آپ نے فرمایا: دیکھو

[1] حدیث کی کتب میں سے ایک قسم کو امالی کہتے ہیں۔

آسمان میں کوئی ستارہ نظر آتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا: ثریا ستارہ۔ فرمایا: سنو! آپ کی اولاد میں سے ان ستاروں (ثریا ستاروں) کی تعداد کے برابر لوگ اس امت پر حکومت کریں گے۔
(مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۰۹)

سہمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کیا میں آپ کو خوشخبری نہ دوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کی اولاد میں سے اصفیاء (اولیاء کرام) اور آپ کی اولاد میں سے خلفاء ہوں گے۔ (کنزالعمال جلد ۱۱ ص ۷۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: تم لوگوں میں نبوت اور مملکت ہے۔
(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو خلفاء کے باپ، قریش میں سے سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ خوبصورت ہیں، ان کی اولاد سے سفاح، منصور اور مہدی (خلفاء) ہوں گے۔ (کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۳۷)

ابن حبان اور الملاء عمر موصلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! یہ عباس ہیں جو آ رہے ہیں اور ان پر سفید کپڑے ہیں، ان کے بعد ان کی اولاد سیاہ کپڑے پہنے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: ان (یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کی اولاد سے بادشاہ ہوں گے جو میری امت کے امراء ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا۔

حافظ ابوالحسن دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: عمرو بن دینار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے، اس کے مقابلے میں یہ حدیث غریب ہے۔ اسے اصفہانی نے ذکر کیا۔ (کنزالعمال جلد ۱۱ ص ۷۰۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے مدینہ طیبہ میں جمعہ کے دن بارہ یا چودہ رجب المرجب کو ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ رمضان المبارک ۳۲ھ یا ۳۳ھ کو ہوئی، اس وقت آپ کی عمر اٹھاسی سال اور ایک قول کے مطابق ستاسی سال تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے بتیس سال اسلام میں گزارے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۳۱) آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے اور آپ کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

مروی ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا ان کو لے کر نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔

یہ روایت ابن حبان اور دوسروں نے بھی نقل کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۳۱) آپ کی اولاد سے زمین بھر گئی، حتیٰ کہ کہا گیا کہ مامون کے زمانے میں وہ چھ لاکھ کو پہنچ گئے تھے، لیکن یہ بات عقل سے بعید ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے چچا تھے، آپ کے چچاؤں میں سے صرف حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا اور سب سے بڑے چچا کا نام حارث تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی بیٹیاں تھیں۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ عاتکہ، امیمہ، بیضاء (اور وہ ام حکیم ہیں) برہ، صفیہ اور اروی۔ ان میں سے صرف حضرت صفیہ حضرت زبیر (رضی اللہ عنہما) کی والدہ بالاتفاق ایمان لائی تھیں۔

اروی اور عاتکہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابو جعفر عقیلی نے ان کے اسلام لانے کا قول کیا اور ان کو صحابیات میں شمار کیا۔ امام دار قطنی نے عاتکہ کو مسلمان بہن بھائیوں میں شمار کیا اور اروی کا ذکر نہیں کیا لیکن ابن اسحٰق نے ذکر کیا کہ ہے کہ بہنوں میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے پر اتفاق ہے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے آپ غزوۂ خندق کے موقع پر موجود تھیں اور آپ نے ایک یہودی کو قتل کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے (مالِ غنیمت سے) حصہ مقرر فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، مقوم اور حجل کی سگی بہن تھیں اور دورِ جاہلیت میں آپ حارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں۔ حارث کی وفات پر آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد کے نکاح میں آئیں اور آپ کے ہاں حضرت زبیر، سائب اور عبدا لکعبہ پیدا ہوئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۰ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب

عاتکہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ ان کی ماں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں اور عاتکہ، نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابوطالب، زبیر اور عبدالکعبہ کی سگی بہن تھیں۔ بدر کے واقعہ میں انہی کا خواب مشہور ہے۔[1]

اروی بنت عبدالمطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اروی کے اسلام لانے میں بھی اختلاف ہے۔ ان کی ماں صفیہ بنت جندب تھیں۔ اروی کے سگے بھائی حارث بن عبدالمطلب تھے اور یہ عمیر بن وہب بن عبدالدار بن قصی کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ان کے ہاں طلیب پیدا ہوئے، پھر یہ کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کے نکاح میں آئیں۔ طلیب نے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام ہی ان کی والدہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔ واقدی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اُمِ حکیم بنت عبدالمطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُمِ حکیم البیضاء آپ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔

برہ بنت عبدالمطلب

برہ کی والدہ بھی فاطمہ ہی تھیں، یہ ابورہم بن عبدالعزیٰ عامری کے نکاح میں تھیں، پھر عبدالاسد بن ہلال مخزومی کے نکاح میں آئیں اور ان سے ابوسلمہ بن عبدالاسد کی ولادت ہوئی، جو اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے (ان کے وصال پر حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں)۔

امیمہ بنت عبدالمطلب

ان کی ماں بھی فاطمہ تھیں اور یہ (امیمہ) جحش بن رئاب کے نکاح میں تھیں۔ ان سے عبداللہ، عبیداللہ، ابواحمد، زینب، اُمِ حبیبہ اور حمنہ پیدا ہوئے اور یہ سب جحش بن رئاب کی اولاد ہے۔

---

[1] یہ خواب اس طرح ہے کہ جبل ابوقبیس پر ایک سوار ظاہر ہوا، جس نے بلند آواز سے کہا: اے قوم! دھوکہ باز! اپنی قتل گاہوں کی طرف جاؤ۔ پھر اس نے ایک چٹان لے کر لڑھکا دی تو مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اوّل ص ۶۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیاں

- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔
- حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو تھیں جن کا تعلق بنو نجار سے تھا (حضرت عبدالمطلب کے والد) ہاشم سے پہلے یہ احیحہ بن جلاح کے نکاح میں تھیں اور اس سے عمرو بن احیحہ پیدا ہوا، جو حضرت عبدالمطلب کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔
- حضرت ہاشم کی ماں عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج (یا فاتج) بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔
- عبد مناف کی ماں عاتکہ بنت فالج (یا فاتج) بن ملیک بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔
- قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد تھیں، جو ازد والشراۃ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔
- کلاب کی ماں نعم بنت سریر بن ثعلبہ بن مالک بن کنانہ تھیں۔
- مرہ کی ماں وحشیہ بنت شیبان بن محارب تھیں، جن کا تعلق قبیلہ فہم سے تھا۔
- کعب کی ماں سلمیٰ بنت محارب تھیں اور وہ بھی قبیلہ فہم سے تعلق رکھتی تھیں۔
- لؤی کی ماں وحشیہ بنت مدلج بن مرہ بن عبد مناف تھیں اور ان کا تعلق کنانہ سے تھا۔
- غالب کی ماں سلمیٰ بنت سعد تھیں جو ہذیل قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔
- فہر کی ماں جندلہ بنت حارث جرہم قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔
- مالک کی ماں ہند بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن غیلان تھیں۔
- نضر کی ماں برہ بنت مرہ تھیں جو تمیم بن مرہ کی بہن تھیں۔

ابن قتیبہ نے "کتاب المعارف" میں ذکر کیا جیسا کہ ان سے طبری نے نقل کیا اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دادی قرشیہ، مخزومیہ تھیں، دوسری نجاریہ، تیسری اور چوتھی سلیمیہ تھیں اور کہا گیا ہے کہ موخر الذکر خزاعیہ تھیں، پانچویں ازدیہ، چھٹی کنانیہ، ساتویں فہمیہ، آٹھویں بھی فہمیہ یا فہریہ تھیں، نویں کنانیہ، دسویں ہذلیہ، گیارہویں جرہمیہ، بارہویں قیسیہ اور تیرہویں مریہ تھیں (یہ سب قبیلوں کی طرف نسبت ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نانیاں

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ تھیں، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادی (وہب بن عبد مناف کی والدہ) عاتکہ بنت اوقص بن مرہ بن ھلال بن فالج (یا فاتج) بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں حضرت عاتکہ کے والد ابو کبشہ کی کنیت سے مشہور تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان

کی نسبت سے ہی ابن ابی کبشہ کہا جاتا تھا۔ وہ کبشہ کی طرف اس لیے منسوب تھے کہ وہ "الشعریٰ" کی پوجا کرتے تھے اور اہلِ عرب میں سے کوئی دوسرا اس کی پوجا نہیں کرتا تھا۔[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس وہ دین لائے، جو اہلِ عرب کے دین کے خلاف تھا تو انہوں نے کہا یہ ابن ابی کبشہ ہیں اور وہ اس نام سے آپ کی مذمت کا قصد نہیں کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماموں وہب کی نسبت سے یوں کہا جاتا تھا کیونکہ ان کو ابو کبشہ کہہ کر پکارا جاتا تھا؛ یہ بھی کہا گیا کہ یہ لقب آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ (حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر) کے لیے بولا جاتا تھا؛ پس آپ ان کی طرف منسوب ہوئے۔

- (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نانی) برہ کی ماں ام حبیب تھیں، یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے۔ اور ابو سعد نے کہا کہ برہ کی ماں ام سفیان بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب تھیں۔
- اُم حبیب کی ماں برہ بنت عوف بن عبید بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب تھیں۔
- برہ بنت عوف کی ماں قلابہ بنت حارث بن صعصعہ بن عائذ بن لحیان بن ہذیل تھیں۔
- قلابہ کی ماں ہند بنت یربوع تھیں جن کا قبیلہ ثقیف سے تعلق تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ ان کی ماں بنت مالک بن عثمان تھیں اور ان کا تعلق بنو لحیان سے تھا۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی، دوسری اور تیسری نانی کا تعلق قریش سے ہے جبکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادی سلمیہ تھیں۔ (بنو سلیم سے تعلق تھا) چوتھی نانی لحیانیہ ہذلیہ تھیں (بنو لحیان اور بنو ہذیل سے تعلق تھا) پانچویں ثقفیہ (ثقیف سے نسبت) تھیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے تمام قبائل سے نسبی تعلق تھا۔

آپ کے رضاعی بہن بھائی

حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما بن عبدالاسد کو ثویبہ نے جو ابولہب کی لونڈی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ان دونوں کو) دودھ پلایا تھا؛ اس وقت ثویبہ کا بیٹا مسروح بھی دودھ پیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۰۸)

ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ نیز حضرت حلیمہ کے صاحبزادے عبداللہ اور صاحبزادیاں آسیہ اور جدامہ (جدامہ، شیما مشہور تھیں) بھی آپ کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔

ایک روایت (جو ابن سعد نے نقل کی ہے) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لشکر نے ہوازن قبیلہ پر حملہ کیا تو حضرت شیماء کو بھی قیدیوں میں پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن

---

[1] سخت گرمی میں طلوع ہونے والے ایک ستارے کو الشعریٰ کہا جاتا ہے۔

ہوں۔ جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں تو انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی بہن ہوں تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کے لیے چادر بچھائی اور ان کو بٹھایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا' اگر تم پسند کرو تو میرے پاس رہو' تمہارا احترام کیا جائے گا اور اگر واپس اپنی قوم کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں وہاں بھیج دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا مجھے میری قوم کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کو تین غلام اور ایک لونڈی اور کئی اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں۔۔۔ یہ بات ابو عمر اور ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ بنت ابو ذویب تھیں جن کا قبیلہ ہوازن سے تعلق تھا۔ انہوں نے آپ کو دودھ پلایا حتیٰ کہ آپ کی مدت رضاعت مکمل ہو گئی۔

غزوۂ حنین کے دن وہ آپ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپ کھڑے ہوئے اور ان کے لیے چادر بچھائی' جس پر وہ بیٹھ گئیں۔

اسی طرح ثویبہ جو ابولہب کی لونڈی تھیں' آپ کی رضاعی ماں تھیں۔ ثویبہ کے ایمان لانے میں اختلاف ہے۔ جس طرح حضرت حلیمہ اور ان کے خاوند کے ایمان لانے میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ثویبہ آپ کے پاس آتی تھیں تو حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی عزت کرتیں۔ ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (جب ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی تھی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ثویبہ کے لیے کپڑے اور دیگر سامان بھیجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ فتح خیبر کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بات ابو عمر نے ذکر کی ہے۔

اُم ایمن برکہ بنت ثعلبہ بن حصن بن مالک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ برکہ بنت ثعلبہ کی کنیت (اُم ایمن) نام پر غالب آ گئی اور یہ کنیت ان کے بیٹے ایمن حبشی کی نسبت سے ہے۔ اُم ایمن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں۔ عبید کے بعد حضرت زید نے ان سے نکاح کیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور وراثت ملی تھیں۔

ایک قول کے مطابق آپ کی والدہ کی لونڈی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میری ماں کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی حضرت شیماء نے بھی اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے ہمراہ آپ کی پرورش فرمائی تھی۔

پانچویں فصل

نبی اکرم ﷺ کے خدام، پہرے دار، آزاد کردہ غلام، خازن، انگوٹھی، نعلین مبارک اور مسواک بردار، دربان اور جلاد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

ان میں سے ایک حضرت انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کنیت ابو حمزہ ہے۔ انہوں نے نو یا دس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور آپ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی:

اللهم اکثر ماله وولده وادخله الجنة۔[1] یا اللہ! ان کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما اور ان کو جنت میں داخل فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آپ کا وصال ۹۳ھ اور ایک قول کے مطابق ۹۲ھ اور کہا گیا کہ ۹۱ ہجری میں ہوا اور آپ کی عمر ایک سو سال سے تجاوز کر گئی تھی۔

ان (خدام) میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بھی ہیں،[2] جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ان کا وصال ۶۳ھ میں ہوا۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ ص ۹۳۹ میں وادخله الجنة کی جگہ وبارک له فیما اعطیته ہے۔

[2] حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر رات گزارتا اور آپ کو وضو کے لیے پانی پیش کرتا اور آپ سمع الله لمن حمده کہتے تو میں سنتا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۷) حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا ربیعہ مانگو تو انہوں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ایمن ابن اُم ایمن رضی اللہ عنہ بھی آپ کے خدام میں شامل ہیں، جو طہارت کے لیے پانی اٹھانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ غزوۂ حنین میں انہوں نے شہادت پائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل ابن حبیب الہذلی رضی اللہ عنہ بھی خدام میں شامل ہیں۔ آپ سابقین اولین میں شامل ہیں۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ، مسواک، نعلین اور وضو کا پانی آپ کے پاس ہوتا تھا۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوتے تو وہ آپ کو نعلین پہناتے اور جب آپ تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ کے نعلین مبارک اپنے بازوؤں میں لے لیتے، حتیٰ کہ آپ کھڑے ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق کوفہ میں ہوا اور یہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ کا واقعہ ہے۔

آپ کے خدام میں حضرت عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو الجہنی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر مامور تھے۔ سفر میں اس کی لگام تھاما کرتے۔

ان سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں ان پہاڑی راستوں میں سے ایک راستے پر خچر کی لگام تھامے جا رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عقبہ! سوار ہو جاؤ۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہونا آپ کی عظمت کے خلاف سمجھا۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں آپ کی حکم عدولی گناہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں میں تھوڑی دیر کے لیے سوار ہوا پھر اتر گیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میں نے خچر کو پکڑ کر چلایا۔ آپ نے فرمایا اے عقبہ کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جن کو لوگ پڑھیں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا "**قل اعوذ برب الفلق**" اور "**قل اعوذ برب الناس**" یہ حدیث امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۱۳، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۴)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا اے عقبہ! کیا میں تمہیں تین بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں (سکھائیے) فرماتے ہیں پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "**قل ھو اللہ احد**"، "**قل اعوذ برب الفلق**" اور "**قل اعوذ برب الناس**" سکھائی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قرآن مجید اور فرائض کے عالم تھے۔ فصیح و بلیغ اور شاعر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۴۴ھ میں مصر کے والی مقرر ہوئے پھر ان کی جگہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۸ھ میں ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں اسلع بن شریک بھی شامل ہیں جو آپ کی سواری پر مامور تھے۔ طبرانی میں حضرت ربیع بن بدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، انہوں

نے اپنے والد سے اور انہوں نے ایک شخص سے روایت کیا جس کا نام اسلع تھا وہ (اسلع رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا اور آپ کے لیے سواری تیار کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا اے اسلع! سواری تیار کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جنبی ہوگیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ تیمم کی آیت لے کر اترے۔ آپ نے فرمایا اے اسلع! اٹھو اور تیمم کرو۔ فرماتے ہیں میں اٹھا (تیمم کیا) پھر آپ کے لیے سواری تیار کی۔ آپ وہاں سے چلے حتی کہ ایک پانی پر سے گزرے تو مجھ سے فرمایا اے اسلع اسے (پانی کو) اپنے جسم پر لگاؤ (غسل کرو) حضرت اسلع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تیمم کا طریقہ سکھاتے ہوئے بتایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں سمیت ہے۔[1] (المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۹۸)

آپ کے خدام میں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام سعید ہے لیکن یہ ثابت نہیں۔ ان سے حضرت امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے حضرت ابوذر جندب بن جنادہ غفاری رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جو ابتدائی دور میں اسلام لائے اور ربذہ (مقام) میں ۳۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اس کے بعد اسی دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ یہ بات ابن اثیر نے "معرفۃ الصحابہ" میں کہی ہے اور امام ابن حجر کی التقریب میں ۳۲ھ کا ذکر ہے۔
(التقریب للحافظ ابن حجر جلد ۲ ص ۳۹۵)

ان خدام میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت مہاجر بھی شامل ہیں۔

ان خدام میں سے ایک حنین ہیں جو عبداللہ کے والد اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے، پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا۔

ان خدام میں سے ایک نعیم بن ربیعہ اسلمی ہیں۔

ان خدام میں ابوالحمراء بھی شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم تھے۔ ان کا نام ہلال بن حارث یا ابن ظفر ہے۔ وہ حمص میں تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں حضرت ابوالسمح بھی ہیں اور ان کا نام ایاد تھا۔

آپ کی خدمت گار خواتین

حضرت برکہ ام ایمن حبشیہ تھیں جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں۔ حضرت عثمان غنی

[1] تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کر کے پاک مٹی پر دونوں ہاتھوں کو مارا جائے، پھر ان سے زائد مٹی کو جھاڑتے ہوئے منہ کا مسح کیا جائے اور پھر دوسری بار دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارتے ہوئے دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے ... ۱۲ ہزاروی۔

رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت خولہ تھیں جو حضرت حفص کی دادی ہیں۔

اُم رافع سلمٰی تھیں جو حضرت ابو رافع کی بیوی ہیں۔

میمونہ بنت سعد بھی آپ کی خادمہ تھیں۔

اُم عیاش جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔

دیگر اُمور کے لیے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر قلم کرنے کے لیے حضرت علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت بن ابی الا قلح اور ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہم مقرر تھے۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے لیے پولیس والے کی طرح تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے خازن تھے۔

حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی آپ کی مہر لگانے پر مامور تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کی مسواک اور نعلین مبارک پر مامور تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ابو رافع جن کا نام اسلم ہے (کچھ دوسرے نام بھی بتائے گئے ہیں) اور وہ قبطی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے لیے مقرر تھے۔ بالاخانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رباح اسود نے اجازت دی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان

ان میں حضرت سعد بن معاذ بن نعمان بن امرئ القیس شامل ہیں جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ دو عقبوں کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ بدر، احد اور خندق میں شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر آپ کو ایک تیر لگا۔ اس کے بعد ایک مہینے تک زندہ رہے پھر زخم کھل گیا تو آپ کا انتقال ہو گیا۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر جب آپ اپنے عریش (خیمہ نما چھپر) میں آرام فرما رہے تھے تو انہوں نے آپ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

ان میں حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جنہوں نے غزوۂ احد میں نگہبانی کی ذمہ داری سنبھالی۔

ان حضرات میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو خندق کے دن آپ کی نگہبانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں، جو شروع شروع میں اسلام لائے اور اللہ

تعالیٰ کے راستے میں ان کو سخت اذیت دی گئی۔ آخر میں آپ شام میں سکونت پذیر ہوئے اور ان کی کوئی اولاد نہیں، ان کی وفات کا ذکر بعد میں ہوگا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وادی قریٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نگران رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بدر کے دن عریش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تلوار میان سے باہر نکال کر کھڑے رہے تاکہ کوئی مشرک آپ تک پہنچ نہ سکے۔ یہ بات ابن سمان نے "الموافقہ" میں ذکر کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آپ کے پاس کھڑے رہے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ پس جب آیت کریمہ:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

(المائدہ: ٦٧)

نازل ہوئی تو یہ کام ترک کر دیا گیا۔

آپ کے آزاد کردہ غلام

حضرت اسامہ اور ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما دونوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی۔ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے اپنی لونڈی ام ایمن (جن کا نام برکہ ہے) سے ان کا نکاح کیا جن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں قیدی بنائے گئے تھے۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کو خریدا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے ان کو بطور ہبہ مانگ لیا۔

محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ ان کے باپ اور چچا دونوں مکہ مکرمہ میں آئے اور ان کو پالیا۔ انہوں نے فدیہ دینا چاہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ آپ انہیں ان دونوں کے حوالے کریں یا وہ آپ کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کبھی بھی کسی کو آپ کے مقابلے میں اختیار نہیں کروں گا۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۲)

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ یا وادی قریٰ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی اور آپ کے وصال کے بعد شام کی طرف تشریف لے گئے اور ۵۴ھ میں مقام حمص میں وفات پائی۔

حضرت ابو کبشہ اوس رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو سلیم بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور غزوۂ بدر

میں شریک ہوئے۔

شقران جن کا نام صالح ہے آپ حبشی ہیں ان کو فارسی بھی کہا گیا ہے۔ بدر میں شریک ہوئے تو مملوک تھے، پھر آزاد کیے گئے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمائی اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔

آپ کے خادم رباح اسود جو کبھی کبھار آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اجازت مانگتے جب آپ تنہا ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے پاس بالا خانے میں حاضر ہونے کی اجازت آپ کے ذریعے ملی۔

آپ کے ایک خادم یسار ہیں جو جانور چراتے تھے اور ان کو قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگوں نے شہید کر دیا تھا۔

حضرت زید جن کو ابو یسار کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید نہیں ہیں۔ یہ بات ابن اثیر نے ذکر کی ہے۔

مدعم سیاہ فام غلام تھے جو رفاعہ بن زید الضبیبی کے غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیے۔

ابو رافع جن کا نام اسلم القبطی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ پیش کیے۔ جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری دی تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ پہلے ان کا وصال ہوا۔

ایک خادم حضرت رفاعہ بن زید جذامی تھے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے غلام تھے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ طہمان بھی کہا گیا، کیسان، مہران اور اس کے علاوہ اور کئی نام بتائے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سفینہ رکھا کیونکہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ان پر بہت زیادہ سامان رکھ دیا تھا۔[1]

مابور القبطی ان غلاموں میں سے تھے جو مقوقس (بادشاہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ کے طور پر دیئے تھے۔

ایک خادم واقد یا ابو واقد نامی تھے۔

انجشہ حادی کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی خوانوں میں آئے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور آپ کو سلمان الخیر کہا جاتا ہے۔ آپ

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ نے انہی سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سفر میں تھے جب کوئی تھک جاتا تو اپنے کپڑے، ڈھال اور تلوار مجھ پر رکھ دیتا حتی کہ میں نے بہت سا سامان اٹھایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھاؤ تم سفینہ (کشتی) ہو۔ فرماتے ہیں آج اگر میں ایک یا دو یا تین یا چار یا پانچ بلکہ چھ یا سات اونٹوں کا بوجھ اٹھاؤں تو مجھ پر وزنی نہیں ہوگا۔ (مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۲۲)

اصفہان سے تعلق رکھتے تھے اور کہا گیا ہے آپ کا تعلق رام ہرمز سے تھا۔ آپ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ ۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ تین سو سال کی عمر کو پہنچے۔

شمعون بن زید ابو ریحانہ بھی آپ کے خدام میں شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ انصار کے حلیف تھے۔ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کہا جاتا ہے۔ فتح دمشق میں شریک ہوئے اور مصر آئے اور بیت المقدس میں سکونت اختیار کی۔

ابو بکرہ نفیع بن حارث بن کلدہ، مصر کے بہت بڑے قاضی بکار بن قتیبہ حنفی کے دادا تھے۔ آپ مصر میں مدفون ہیں۔

خواتین میں سے حضرت ام ایمن حبشیہ، سلمیٰ ام رافع جو ابو رافع کی زوجہ تھیں، حضرت ماریہ، ریحانہ اور ماریہ کی بہن قیسر کے علاوہ کئی خادمائیں تھیں۔

ابن جوزی نے کہا آپ کے غلام تینتالیس اور لونڈیاں گیارہ تھیں۔

چھٹی فصل

آپ ﷺ کے امراء، پیغام رساں، کاتبین، شرائع اور احکام سے متعلق اہلِ اسلام کی طرف خطوط، نیز بادشاہوں اور دوسرے لوگوں سے آپ کی خط وکتابت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین

آپ کے کاتبین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ بعض محدثین نے اپنی نہایت عمدہ تالیف میں ان حضرات کی کچھ خبریں اور سیرتوں سے متعلق چند باتیں ذکر کی ہیں۔ آغاز خلفاء راشدین سے کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کے خاص لوگ تھے۔

سب سے پہلے اور سب سے مقدم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ دورِ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ اور اسلام میں عبداللہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وجہ سے آپ کو صدیق کہا گیا۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی۔ حُسن وجمال کی وجہ سے آپ کا لقب عتیق تھا یا اس لیے آپ کو عتیق کہا گیا کہ آپ کے نسب میں کوئی عیب نہیں لگایا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جہنم سے آزادی کی وجہ سے آپ کو عتیق کہا گیا۔

تقریباً اڑھائی سال آپ مسندِ خلافت پر فائز رہے اور آپ کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے برابر (تریسٹھ سال) تھی آپ کا وصال زہر کی وجہ سے ہوا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور اپنے

---

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حارث بن کلدہ رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک حلوہ کھایا۔ یہ حلوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت حارث طبیب تھے، انہوں نے کہا ہاتھ اٹھا لیجئے اللہ کی قسم اس میں ایک سال تک کے لیے موثر زہر ہے۔ وہ دونوں بیمار رہے حتیٰ کہ سال گزرنے پر دونوں ایک ہی دن فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۹۸) فتح الباری میں ہے کہ ایک یہودی عورت نے حلوہ میں یا کسی اور چیز میں زہر دیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷)

بیٹے کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران انتقال فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر نے شروع شروع میں دارِ ارقم میں اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) بن نفیل بن عبد العزیٰ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا، پس آپ دس سال چھ ماہ اور چار راتیں اس خلافت پر قائم رہے اور ابو لؤلؤ فیروز نے، جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، آپ کو شہید کیا۔

حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کی خلافت گیارہ سال گیارہ مہینے اور تیرہ دن رہی۔ پھر محاصرہ کے دوران آپ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس روایت کو طبری نے اپنی کتاب "الریاض" میں آپ کے فضائل میں ذکر کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ سے میرا سہارا لیا ہوا تھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف قرآن مجید کی وحی فرما رہے تھے تو آپ انہیں فرماتے تھے اے عثیم! لکھو (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیار سے اے عثیم فرمایا)۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ، حضرت جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے بیٹھتے تھے اور آپ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدارانہ امور لکھنے پر مامور تھے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۵۲۳) (یعنی جن باتوں کو آپ لوگوں سے مخفی رکھنا چاہتے تھے)۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بن ابو طالب بھی آپ کے کاتبین میں سے ہیں۔ آپ چار سال نو ماہ اور آٹھ دن خلافت کے منصب پر فائز رہے اور عبد الرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھنے کی خصوصیت حاصل ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ التیمی رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ کرام میں شامل ہیں جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی۔ آپ ۳۶ھ میں یوم الجمل میں شہید ہوئے۔[1] اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

حضرت زبیر بن عوام بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کے قریبی ساتھی تھے۔ آپ بھی ان دس صحابہ کرام میں شامل ہیں، جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی تھی۔ آپ جمل والے دن ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔ عمرو بن جرموز نے وادی سباع میں آپ کو دھوکے سے قتل کیا۔ اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے۔

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ ہوا تو بصرہ کے قریب ایک جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس واقعہ میں اونٹ پر موجود تھیں جو حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے خریدا تھا۔ جمل اونٹ کو کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یہ جنگِ جمل کہلاتی ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۱۸)

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں اور آپ خالد اور ابان کے بھائی ہیں۔
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
حضرت عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) کے آزاد کردہ غلام تھے۔
حضرت عبداللہ بن ارقم قرشی زہری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں وغیرہ کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ آپ کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی لکھا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو بیت المال کا خازن مقرر کیا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں بیت المال کا نگران مقرر فرمایا، حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس منصب سے فارغ کر دیا اور پھر وہ فارغ ہی رہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے ان کے مقابلے میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ خلافت عثمانی میں ان کا انتقال ہوا۔
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انصار میں سے سبقت کرنے والے ہیں۔ آپ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتے تھے، آپ ان چھ افراد میں سے ایک ہیں، جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا[1] اور آپ ان فقہاء کرام میں سے ایک فقیہ ہیں، جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ایک قول میں ۲۰ھ کا مذکور ہے اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ آپ نے عمان کے دو بادشاہوں "جیفر" اور "عبد" کی طرف خط لکھا اور وہ دونوں جلندی کے بیٹے تھے۔ تفصیل عنقریب انشاء اللہ آئے گی۔
حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں۔ آپ یمامہ میں شہید ہوئے۔ قطن بن حارثہ علیمی کی طرف آپ نے ہی خط لکھا تھا۔
حضرت حنظلہ بن ربیع اُسیدی رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں۔ (غزوۂ احد میں) شہادت کے بعد آپ کو فرشتوں نے غسل دیا۔[2]
ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی بھی آپ کے کاتبین میں شامل ہیں۔
ان کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔
ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک امیر (گورنر) رہے اور حضرت امام حسن

---

[1] باقی پانچ صحابہ کرام، جنہوں نے قرآن مجید حفظ کیا، کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوزید، حضرت معاذ، حضرت ابودرداء اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۱۲)
[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ بن ابوعامر ہیں۔
(زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵)

بن علی رضی اللہ عنہما کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد بیس سال تک خلیفہ اور امیرالمومنین رہے۔

مسند امام احمد میں حضرت عرباض رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے دعا فرمائی: یااللہ! (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو حساب و کتاب سکھا اور ان کو عذاب سے بچا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷) آپ کتابت وحی کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور رجب ۵۹ھ کے آخری عشرہ میں آپ کا وصال ہوا۔ ایک قول میں ۶۰ھ کا ذکر ہے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی (۸۰) سال تھی۔ ابن عبدالبر نے بیاسی (۸۲) سال ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم

ان کے بھائی یزید بن ابوسفیان بن حرب تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کا امیر مقرر کیا، حتیٰ کہ وہ ۱۹ھ میں اسی جگہ طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے، حتیٰ کہ ترقی کرتے ہوئے خلافت تک پہنچ گئے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابہ کرام کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ بھی فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی غنیمت سے ان کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیا جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے تولا تھا۔

حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری نجاری رضی اللہ عنہ وحی لکھنے کے حوالے سے مشہور ہیں، ۴۸ھ یا ۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا، ایک قول یہ ہے کہ ۵۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ آپ فقہاء صحابہ کرام میں سے ایک ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ خلافت عثمانی میں قرآن پاک کو آپ نے ہی مصحف میں منتقل کیا۔

شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں شامل ہیں۔ حسنہ ان کی ماں ہیں اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے کاتب ہیں۔

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ۔

حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی جو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) مشہور ہیں، آپ بھی کاتبین میں شامل ہیں۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان آپ نے اسلام قبول کیا اور ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عمرو بن عاص بن وائل سہمی رضی اللہ عنہ، آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا۔ آپ حدیبیہ والے سال مسلمان ہوئے اور دو مرتبہ مصر کے امیر مقرر ہوئے اور آپ ہی نے مصر کو فتح کیا تھا۔ مصر ہی میں ۴۰ھ کے چند سال بعد فوت ہوئے اور کہا گیا کہ ۵۰ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ آپ بصرہ اور پھر کوفہ کے امیر مقرر ہوئے اور صحیح قول کے مطابق ۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری سابقین میں سے ایک ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور موتہ میں شہادت پائی۔

حضرت معیقیب ابن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ کئی معرکوں میں شریک ہوئے اور حضرت عثمان غنی یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔

حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ثقیف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لکھا جیسا کہ وفود کے ذکر میں عنقریب آئے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی سابقین میں سے ہیں۔ صحیح مسلم میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب سکھا دیا تھا۔ آپ کے والد بھی صحابی تھے جو اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں ۳۶ھ میں ہوا۔

حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ عامری رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور ایک سو بیس سال زندگی گزارنے کے بعد ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین ان مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ بھی ہیں، جن کا ذکر گزشتہ کتاب میں ہو چکا ہے۔

حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی یہ زیادہ ذمہ داری تھی اور وہ اس کام کے لیے دوسرے حضرات کے مقابلے میں زیادہ مختص تھے جیسا کہ حافظ الشرف الدمیاطی وغیرہ نے کہا ہے اور میں نے بھی اس سے آگاہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا کرتے تھے اور مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے انہوں نے ہی لکھا ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کے لیے سب سے پہلے قریش میں سے عبداللہ بن ابی سرح نے لکھا پھر وہ مرتد ہو گئے اور دوبارہ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔

جن لوگوں نے آپ کے لیے زیادہ لکھا ان میں خلفائے اربعہ (خلفائے راشدین) اور سعید بن عاصی بن امیہ کے دو بیٹے ابان اور خالد رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ شریفہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف شریعت کے احکام پر مشتمل خطوط تحریر فرمائے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مکتوب گرامی

ان خطوط میں سے ایک خط صدقات کے بارے میں ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو اسے تحریر کیا۔ اس

کے الفاظ جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں ہیں اس طرح ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

یہ صدقہ کے سلسلے میں فریضہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر لازم کیا اور یہ وہ بات ہے، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ پس جس مسلمان سے یہ (صدقہ) اس کے حساب سے طلب کیا جائے، وہ ادا کرے اور جس سے زیادہ طلب کیا جائے وہ نہ دے۔

چوبیس یا اس سے کم اونٹوں میں بکریاں ہیں۔ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔

جب پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک (اونٹوں) میں ایک بنت مخاض اونٹنی ہے۔[1]

جب چھتیس ہو جائیں تو پینتالیس تک میں ایک بنت لبون ہے۔

جب چھیالیس ہو جائیں تو ساٹھ تک ایک حقہ ہے جو اس قابل ہو کہ وہ نر اونٹ سے حاملہ ہو سکے۔

جب اکسٹھ کو پہنچ جائیں تو پچھتر تک ان میں ایک جذعہ ہے۔

جب پچھتر تک پہنچ جائیں تو نوے تک دو بنت لبون ہیں۔

جب اکیانوے ہو جائیں تو ایک سو بیس تک دو حقے ہیں۔ ایسی دو اونٹنیاں جو حاملہ ہو سکتی ہوں جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہے۔

اور جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر ان کا مالک چاہے (تو کچھ صدقہ دے دے) جب پانچ اونٹ ہوں گے تو ان میں ایک بکری ہوگی۔

اور جس شخص کے پاس اونٹوں کی تعداد اتنی ہو کہ ان میں جذعہ لازم ہوتا ہے اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو اس سے حقہ قبول کیا جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں ملائی جائیں اگر اسے میسر ہوں یا بیس درہم دے۔

اور جس پر صدقہ میں حقہ لازم ہو اور اس کے پاس حقہ نہ ہو بلکہ جذعہ ہو تو اس سے جذعہ قبول کر کے صدقہ لینے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کا صدقہ حقہ کی صورت میں لازم ہو اور اس کے پاس صرف بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون قبول کی جائے اور وہ اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم بھی دے۔

اور جس کا صدقہ بنت لبون کو پہنچے اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ قبول کیا جائے اور صدقہ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کا صدقہ بنت لبون کو پہنچے اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ اس کے

[1] اونٹنی کی وہ بچی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو گئی ہو بنت مخاض ہے اگر نر ہو تو ابن مخاض، دو سال کی بنت لبون، تین سال کی اونٹنی کو حقہ اور جذعہ چار سال کی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

[2] مطلب یہ کہ جو جانور زکوٰۃ میں دینا لازم ہے اگر وہ نہ ہو بلکہ ہلکا یا کم عمر جانور ہو تو اس جانور کے ساتھ اتنی رقم بھی دی جائے، جو فرض جانور کی قیمت کو پورا کر دے اور اگر زیادہ عمر کا یا بڑھیا جانور ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا باقی رقم واپس دے، نیز یہ فقہی مسائل ہیں، انہیں فقہی کتب میں دیکھیں، یہاں حضور علیہ السلام کے مکتوب گرامی کے طور پر پڑھیں... ۱۲ ہزاروی۔

پاس بنت مخاض ہو تو اس سے بنت مخاض کو قبول کیا جائے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے اور اگر اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو بلکہ ابن لبون ہو تو وہ قبول کر لیا جائے اور اس کے ساتھ اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ بکریاں اگر چرنے والی ہوں اور چالیس ہو جائیں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔ ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو دو سو تک دو بکریاں ہیں۔ دو سو سے تین سو تک تین بکریاں اور جب تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سو میں ایک بکری ہوگی۔ اور اگر چراہ گاہ میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہے البتہ ان کا مالک چاہے۔ (تو کچھ دے دے)

متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی صدقہ کے خوف سے جمع کو متفرق کیا جائے۔

اور جو بکریاں دو شریکوں کے درمیان ہوں تو وہ برابری کے طور پر ایک دوسرے سے رجوع کریں۔ صدقہ میں وہ بکری نہ لی جائے جس کے دانت گر چکے ہوں (بوڑھی) عیب والا جانور نہ لیا جائے اور مالک کی مرضی کے بغیر بکرا (نر) نہ لیا جائے۔

الرقہ یعنی درہم (روپیہ وغیرہ) میں چالیسواں حصہ ہے، اگر ایک سو ننانوے درہم ہوں (یعنی نصاب مکمل نہ ہو اور وہ دو سو درہم ہیں) تو ان میں زکوۃ نہیں مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۶ سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۲۵، سنن نسائی جلد اول ص ۳۳۵)

رقہ درہم کو کہتے ہیں جو چاندی سے بنایا گیا اور اس میں ہاء اس واو کے عوض ہے، جو حذف ہوگئی یعنی اصل میں "الورق" ہے (شروع سے واو کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں تاء لگادی)

ابن الاثیر نے الجامع میں یہی بات کہی ہے اور فتح الباری میں ہے کہ راء کے کسرہ (زیر) اور قاف کی تخفیف سے (شد کے بغیر) ہے اور اس سے خالص چاندی مراد ہوتی ہے، اس سے درہم بنائیں یا نہ۔

(فتح الباری جلد ۳ ص ۲۵۴)

جو مکتوب گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا

ان مکتوبات میں سے ایک خط وہ ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور وہ زکوۃ کے نصابوں وغیرہ سے متعلق تھا جیسا کہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور وہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے بارے میں ایک خط لکھا لیکن عاملین کو نہیں بھیجا بلکہ تلوار کے ساتھ (میان میں) رکھا حتی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، حتی کہ آپ کا وصال ہوگیا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتی کہ آپ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس مکتوب گرامی کے مندرجات یوں ہیں:

پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔ دس اونٹوں میں دو بکریاں، پندرہ میں تین اور بیس میں چار بکریاں ہیں۔

پچیس اونٹوں میں بنت مخاض ہے (ایک سالہ اونٹنی ہے) اور یہ پینتیس تک ہے۔ اگر ان سے ایک اونٹ بھی زائد ہو جائے تو اس میں ایک بنت لبون ہے (دو سالہ اونٹنی ہے) یہ پینتالیس تک ہے، جب ایک بھی بڑھ جائے تو ساٹھ تک ایک حقہ ہے۔ (تین سالہ اونٹنی ہے) ساٹھ سے ایک بھی زائد ہو جائے تو پچھتر تک ایک جذعہ (چار سالہ اونٹنی) ہے۔ پچھتر سے ایک بھی زائد ہو تو نوے تک دو بنت لبون پھر اس سے زائد ایک سو بیس تک اونٹوں میں دو حقے ہیں۔ اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور چالیس میں ایک بنت لبون ہے۔

اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہے اور یہ ایک سو بیس تک ہے۔ جب ان سے ایک بکری بھی زائد ہو جائے تو دو سو تک دو بکریاں ہوں گی، پھر تین سو تک تین بکریاں ہوں گی۔ اگر بکریوں کی تعداد اس سے بڑھ جائے تو ہر ایک سو بکریوں میں ایک بکری ہوگی، پھر جب تک ایک سو نہ ہو جائیں مزید کچھ بھی نہ ہوگا صدقہ کے خوف سے جمع کو متفرق اور متفرق کو جمع نہ کیا جائے، وہ بکریاں جو دو آدمیوں میں مشترک ہوں تو وہ ایک دوسرے سے برابری کی بنیاد پر رجوع کریں اور صدقہ میں بوڑھی اور عیب والی نہ لی جائے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو وہ بکریوں کو تین قسموں میں تقسیم کرے: ایک تہائی میں عمدہ بکریاں شامل ہوں، دوسری تہائی میں درمیانی قسم کی اور تیسری قسم میں ادنیٰ قسم کی بکریاں ہوں اور وہ درمیانی قسم کی بکریوں میں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ یونس اور کئی دوسرے راویوں نے امام زہری سے اور انہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اسے حضور علیہ السلام سے مرفوعاً نقل نہیں کیا۔

(جامع ترمذی جلد اول ص ۷۸، سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۲۶)

ابن اثیر نے النہایہ میں فرمایا کہ خلیط سے مراد مخالط یعنی شریک ہے جس کا مال دوسرے شریک کے مال میں مل جل گیا ہو اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ان میں سے ایک کے پاس چالیس گائے ہوں اور دوسرے کے پاس تیس اور ان کا مال باہم مل گیا ہو تو زکوٰۃ لینے والا چالیس گایوں میں سے ایک مسنہ اور تیس میں سے ایک تبیع[1] لے پس جس پر مسنہ لازم ہوا تھا وہ اپنے شریک سے مسنہ کے سات حصوں میں سے تین وصول کرے (یعنی ۳/۷ وصول کرے) اور جس پر تبیع لازم ہو وہ اپنے شریک سے تبیع کے سات میں سے چار حصے وصول کرے (۴/۷ وصول کرے) کیونکہ دو جانور غیر مستقسم واجب ہوئے اور مال ایک کی ملک تھا۔ ابن اثیر کا قول ختم ہوا۔

فتح الباری میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلیط سے شریک مراد ہے۔ اعتراض کیا گیا کہ شریک کو اپنے مال کا معین طور پر پتا نہیں ہوتا حالانکہ کہا گیا کہ وہ دونوں برابری کی بنیاد پر ایک دوسرے سے رجوع کریں اور خلیط کے لیے ضروری نہیں کہ وہ شریک ہو، اس پر قرآن پاک کی یہ آیت دلیل ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] تبیع ایک سال کا اور مسن دو سال کا بچھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح ۴۰ گایوں والا کم اور ۳۰ گایوں والا زیادہ نہیں دے گا۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ۔ (ص: ۲۴)
اکثر ایک دوسرے کے شریک (ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں)۔

اور اس سے پہلے یوں بیان فرمایا:

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ (ص: ۲۳)
بے شک میرے اس بھائی کی ننانوے بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک بکری ہے۔

بعض علماء نے احناف کی طرف سے یوں جواب دیا کہ شاید ان کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو یا انہوں نے خیال کیا کہ اصل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے:

لیس فیما دون خمس ذود صدقة۔
پانچ سے کم اونٹوں میں صدقہ نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۹)

اور خلیط کا حکم اس ضابطے کا غیر ہے، پس انہوں نے یہ قول نہیں کیا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر اس کی ملکیت میں اسی قدر واجب ہوگا جس قدر مال کے باہم نہ ملنے سے واجب ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک دونوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں نہ ہوں۔

حضرت امام شافعی، امام احمد اور اصحابِ حدیث رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جب ان کے جانور نصاب کو پہنچ جائیں تو دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں اور ان حضرات کے نزدیک اختلاط یہ ہے کہ چراگاہ، رات گزارنے، حوض اور نر جانور کے حوالے سے وہ اکٹھے ہوں اور شرکت ان سے اخص ہے۔

اہلِ یمن کی طرف مکتوب گرامی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی میں سے ایک خط اہلِ یمن کی طرف ہے اور یہ عظیم مکتوب ہے جس میں زکوٰۃ، دیتوں اور دیگر احکام فقہ کا ذکر ہے۔ نیز کبیرہ گناہ، طلاق، آزاد کرنا، ایک کپڑے میں نماز پڑھنا، احتباء[1] اور قرآن پاک کو چھونے سے متعلق احکام بھی ہیں۔ اس مکتوبِ گرامی میں دیتوں کی جو مقدار ذکر کی گئی ہے تمام فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے، اس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کو یونس (راوی) نے حضرت زہری رحمہ اللہ سے مرسل روایت کیا۔ ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے متصلاً بواسطہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم روایت کیا، وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کو ایک خط لکھا اور اس خط کا مضمون یہ ہے:

جو شخص کسی مومن کو ظلماً قتل کرے اور اس پر گواہ ہوں تو قصاص ہوگا، مگر یہ کہ مقتول کے وارث (خون بہا

---

[1] ٹانگیں کھڑی کرکے اور چادر کو پیٹھ سے لا کر گھٹنوں سے باندھنا احتباء کہلاتا ہے.... ۱۲ ہزاروی۔

لینے یا معاف کرنے پر) راضی ہو جائیں۔

اس مکتوبِ گرامی میں یہ بھی ہے کہ (مقتولہ) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قتل کیا جائے۔

اور یہ بھی ہے کہ ایک جان کی دیت ایک سو اونٹ ہیں اور جن کے پاس سونا ہو ان پر ایک ہزار دینار واجب ہوں گے۔

اگر ناک مکمل طور پر کاٹ دی جائے تو ایک سو اونٹ بطور دیت لازم ہوں گے۔ دانتوں میں دیت ہے، ہونٹوں میں دیت ہے، خصیتین میں دیت ہے، آلۂ تناسل میں دیت ہے، پیٹھ میں دیت ہے، آنکھوں میں دیت ہے (مکمل دیت ہے)۔

ایک پاؤں میں نصف دیت ہے، دماغ تک پہنچنے والے زخم میں دیت کا تہائی حصہ ہے۔ پیٹ تک پہنچنے والے زخم میں بھی تہائی دیت ہے۔ جس زخم سے ہڈی ظاہر ہو جائے اس میں پندرہ اونٹ ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں اور ایک دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۵۱)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے ایک آنکھ میں پچاس اور ایک ہاتھ کی دیت بھی پچاس اونٹ ہیں، اسی طرح ایک پاؤں کی دیت بھی پانچ اونٹ ہیں اور ہڈی کو ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

ایک مکتوبِ گرامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو زہیر کو بھی لکھا تھا۔

بادشاہوں وغیرہ سے خط و کتابت

ہرقل کی طرف خط

روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو روم کے بادشاہ کو خط لکھا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ لوگ اسی خط کو پڑھتے ہیں جس پر مہر ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطریں تھیں ایک سطر میں "محمد" دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری میں "اللہ" نقش تھا۔ اس کے ساتھ آپ نے خط پر مہر ثبت فرمائی۔

رومی حکمران مہر کے بغیر خط کو اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ انہیں اپنے راز کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا اور اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ ان پر پیش کردہ امور پر کسی دوسرے کا مطلع ہونا مناسب نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بادشاہ اور قاضیوں کے خطوط پر مہر کا لگانا جاری طریقہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے جاری ہوا۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر، جس کو ہرقل کہا جاتا تھا اور وہ ان دنوں روم کا بادشاہ تھا، کی طرف خط لکھا اور اسے مکمل کرنے کے بعد فرمایا: میرا یہ خط ہرقل بادشاہ کے پاس کون لے کر جائے گا اور اس کے لیے

جنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگرچہ وہ وہاں نہ پہنچ پائے؟ فرمایا: اگر وہ نہ پہنچ سکے۔[1] پس حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے وہ مبارک خط لیا اور اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں ہرقل تھا۔

اس مکتوبِ گرامی کے الفاظ اس طرح ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ۔ وفی روایۃ البخاری: عبداللہ ورسولہ۔ الی ھرقل عظیم الروم۔ وفی روایۃ غیر البخاری: الی قیصر صاحب الروم: سلام علی من اتبع الھدی، اما بعد، فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام، اسلم تسلم، یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فان علیک اثم الاریسین، ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون رواہ البخاری۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۴)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے اللہ کے بندے اور رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے روم کی عظیم شخصیت ہرقل کی طرف۔ صحیح بخاری کے علاوہ ایک روایت میں (عظیم الروم کی جگہ) قیصر صاحب الروم آیا ہے۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو۔ اس کے بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرو بچ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم منہ پھیرو گے تو تم پر تمہارے پیروکاروں کا گناہ بھی ہوگا۔۔۔ اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو رب مانیں۔ اگر تم پھر جاؤ تو کہو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوبِ گرامی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہرقل کی طرف ۶ھ کے آخر میں حدیبیہ سے واپسی پر بھیجا جیسا کہ واقدی نے کہا ہے اور تاریخ خلیفہ[2] میں ہے کہ آپ نے یہ خط ۵ھ میں ارسال فرمایا، لیکن پہلی بات زیادہ مضبوط ہے، بلکہ یہ (دوسری بات) غلط ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان نے واضح طور پر بتایا کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کی مدت میں ہوا جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے اس مدت میں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان اور کفارِ قریش کے لیے صلح کی مدت مقرر فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴) یعنی صلح حدیبیہ کے عرصہ کے دوران اور صلح حدیبیہ بالاتفاق ۶ھ میں ہوئی۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر موت آجائے یا اس قسم کی کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے اور وہ وہاں پہنچ نہ سکے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۳۵)

[2] خلیفہ بن خیاط بن خلیفہ العصفری البصری حافظ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں، نہایت سچے اور صحیح روایت کرنے والے تھے۔ راویوں کے طبقات پر انہوں نے کتاب لکھی اور ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں لکھا کہ "ہرقل بادشاہ روم کی طرف" کیونکہ وہ اسلام کے حکم کے مطابق معزول تھا اور اس کی تالیف قلب کی خاطر اس کے احترام کو نہیں چھوڑا۔

آپ کا ارشاد گرامی کہ تمہیں دو مرتبہ (دوگنا) اجر ملے گا (صحیح بخاری جلد اول ص۵) تو اس کی وجہ اپنے نبی پر اور پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔ اور یہ ارشاد گرامی کہ تمہارے پیروکاروں کا گناہ بھی تم پر ہوگا (صحیح بخاری جلد اول ص۵) یعنی تم اپنے گناہ کے ساتھ ان پیروکاروں (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ بھی اپنے سر لو گے کیونکہ انہوں نے کفر پر باقی رہنے کے سلسلے میں تمہاری پیروی کی۔

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (جو اوپر خط میں گزر چکی ہے) اس کے نزول سے پہلے لکھی پس جب وہ نازل ہوئی تو اس کے الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے موافق تھے کیونکہ یہ آیت وفد نجران کے واقعہ میں نازل ہوئی اور ان کا واقعہ وفود کے سال ۹ھ میں ہوا اور ابوسفیان کا یہ واقعہ اس سے پہلے ۶ھ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض حضرات نے اس کا نزول دو مرتبہ جائز قرار دیا اور یہ بات بعید از فہم ہے۔ واللہ اعلم۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی پڑھا گیا تو قیصر کا بھتیجا سخت غضب ناک ہو گیا اور اس نے کہا یہ خط مجھے دکھاؤ۔ قیصر نے کہا تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ آغاز کیا اور تمہیں صاحب روم لکھا (بادشاہ نہیں لکھا) اس کے چچا (قیصر) نے کہا تمہاری رائے کمزور ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے خط کو پھینک دوں، جس کے پاس ناموسِ اکبر (بڑا فرشتہ) آتا ہے یا اس مفہوم کی کوئی بات کہی یا اس نے کہا کہ میں اس خط کو پھینک دوں حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ اگر وہ اللہ کا رسول ہے تو اس کو اپنی ذات سے ابتدا کرنے کا حق ہے اور اس نے سچ کہا کہ میں صاحبِ روم ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا بھی مالک ہے اور اس کا بھی۔

اس کے بادشاہ قیصر نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ٹھہرانے اور عزت و احترام بجالانے کا حکم دیا، حتیٰ کہ پھر وہ معاملہ ہوا جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[1]

کسریٰ کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ ابرویز (پرویز) بن ہرمز بن انوشروان کی طرف خط لکھا جو ایران کا بادشاہ تھا۔

---

[1] وہ یوں مذکور ہے کہ قیصر حمص کی طرف لوٹا اور درباریوں کو جمع کیا اور کہا: اے روم والو! کیا تم ہمیشہ کے لیے ہدایت اور فلاح چاہتے ہو اور یہ کہ تمہاری حکومت ہمیشہ تمہارے پاس رہے اور اگر ایسا چاہتے ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرو۔ وہ دروازوں کی طرف اس طرح بھاگنے لگے جس طرح وحشی گدھے بھاگتے ہیں، لیکن دروازے بند تھے۔ اس نے کہا: ان کو میرے پاس لاؤ، پھر ان سے کہا کہ میں تمہیں آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے تم سے وہی بات دیکھی جو مجھے پسند تھی، چنانچہ انہوں نے اسے سجدہ کیا اور اس پر راضی ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۳۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس، سلام علی من اتبع الھدی، وآمن باللہ ورسولہ، وشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ ادعوک بدعایۃ اللہ، فانی رسول اللہ الی الناس کلھم، لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین، اسلم تسلم، فان تولیت فعلیک اثم المجوس۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۱۷)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ کی طرف جو فارس (ایران) کی عظیم شخصیت ہے۔ اس پر سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف رسول ہوں تاکہ وہ لوگ جو زندہ ہیں ان کو ڈرایا جائے اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے۔ اسلام قبول کرو سلامتی میں رہو گے، اگر تم منہ پھیر لو گے تو (تمام) آتش پرستوں کا گناہ تم پر ہو گا۔

جب اس کے سامنے خط پڑھا گیا تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو خط دے کر کسریٰ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے حاکم کو دیں۔ پس بحرین کے حاکم نے اسے کسریٰ کی طرف روانہ کر دیا، جب اس نے دیکھا تو پھاڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا فرمائی کہ وہ مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خط حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا لیکن جو کچھ صحیح بخاری میں ہے وہ صحیح ہے۔

ابو عبید کی کتاب "الاموال" میں عمیر بن اسحٰق کی مرسل روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ کسریٰ نے یہ مکتوب گرامی پڑھ کر پھاڑ دیا لیکن قیصر نے پڑھنے کے بعد اسے لپیٹا اور عزت و احترام کے ساتھ اٹھایا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ (کسریٰ) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور وہ (قیصر اور اس کی اولاد وغیرہ) باقی رہیں گے (کسریٰ کا دورِ حکومت ختم ہو جائے گا اور قیصر کی حکومت باقی رہے گی)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۳)

ایک روایت میں ہے جب کسریٰ کا جواب آیا تو آپ نے فرمایا: اس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جب ہرقل (قیصر) کا جواب آیا تو فرمایا: اس کی حکومت باقی رہے گی۔

شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سیف الدین قلج منصوری سے نقل کرتے

ہوئے لکھا (سیف الدین قلاوونیہ کے امراء میں سے ایک امیر تھے) کہ مغرب کے بادشاہ کے پاس منصور قلاوون کے بادشاہ کی طرف سے ایک تحفہ آیا تو مغرب کے بادشاہ نے وہ تحفہ فرنگ کے بادشاہ کی طرف کسی سفارش کے سلسلے میں بھیجا۔ اس نے قبول کیا اور اس کا اعزاز و احترام کیا اور کہا کہ عنقریب میں تمہیں ایک قیمتی تحفہ دوں گا۔ اس نے ایک صندوق نکالا جو سونے سے مزین تھا۔ اس نے اس میں سے سونے کا قلمدان نکالا پھر اس سے ایک خط نکالا جس کے زیادہ حروف مٹ چکے تھے اور اس کو ریشمی کپڑے میں لپیٹا گیا تھا۔ اس نے کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہے جو میرے دادا قیصر کی طرف آیا تھا۔ جب تک یہ خط ہمارے پاس رہے گا اس وقت تک حکومت ہمارے پاس رہے گی، پس ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں، نیز اس کو عیسائیوں سے چھپاتے ہیں تاکہ بادشاہت ہمیشہ ہمارے پاس رہے۔

نجاشی بادشاہ کی طرف مکتوب گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کی طرف اس مضمون کا خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله الى النجاشي ملك الحبشة، اما بعد: فاني احمد اليك الله الذي لا اله الا هو، الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن، واشهد ان عيسى ابن مريم روح الله وكلمته القاها الى مريم البتول الطيبة الحصينة، فحملت بعيسى فخلقه من روحه، ونفخه كما خلق آدم بيده، واني ادعوك الى الله وحده لا شريك له، والموالاة على طاعته، وان تتبعني وتؤمن بالذي جاء ني، فاني رسول الله، واني ادعوك وجنودك الى الله تعالى، وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتي، وقد بعثت اليكم ابن عمي جعفرا ومعه نفر من المسلمين، والسلام على

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف۔ اس کے بعد: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ، پاک، سلامتی والا، امن دینے والا (اور) حفاظت کرنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا۔ حضرت مریم پاکباز، پاک دامن خاتون تھیں، انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حمل ٹھہرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رُوح سے پیدا کیا اور پھونک ماری جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی اطاعت پر باہم دوستی ہوتی ہے۔ تم میری پیروی کرو اور میں جو دین لایا ہوں اس پر ایمان لاؤ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پیغام پہنچا دیا اور تمہاری

من اتبع الھدی۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۸۱)

خیر خواہی کی، پس میری خیر خواہی کو قبول کرو۔ میں نے اپنے چچازاد بھائی (حضرت) جعفر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا ہے اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو۔

آپ نے یہ خط حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ جب انہوں نے خط پڑھ کر سنایا تو نجاشی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے وہ نبی امی ہیں کہ اہلِ کتاب ان کے منتظر تھے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہیں جو انہوں نے دراز گوش کے سوار کے بارے میں دی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں جو اونٹ سوار کے بارے میں دی تھی اور ان کو دیکھنا خبر سے زیادہ یقینی نہیں ہے[1] لیکن حبشہ میں میرے معاون تھوڑے ہیں، تم میرا انتظار کرو حتی کہ مددگار زیادہ ہو جائیں اور دل نرم ہو جائیں، پھر نجاشی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمہ، سلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکات اللہ الذی لا الہ الا ھو (الذی ھدانی للاسلام) امابعد: فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ، فما ذکرت من امر عیسی، فورب السماء والارض ان عیسی لا یزید علی ما ذکرت ثفروقا، انہ کما ذکرت، وقد عرفنا ما بعثت بہ الینا، فاشھد انک رسول اللہ صادقا مصدقا، وقد بایعتک، وبایعت ابن عمک واسلمت علی یدیہ للہ رب العالمین، وقد بعثت الیک ابنی، وان شئت اتیتک بنفسی فعلت یارسول اللہ، فانی اشھد ان ما تقول حق، والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۷۱)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اصحمہ نجاشی کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یارسول اللہ! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اس اللہ کی برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ جس نے اسلام کی طرف میری راہنمائی کی) اس کے بعد: یارسول اللہ! مجھے آپ کا مکتوبِ گرامی ملا۔ آپ نے جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے پس آسمان و زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر کھجور کے دھاگے سے بھی زیادہ نہیں۔ ان کا وہی مقام ہے جو آپ نے ذکر کیا، ہم نے اس چیز کو جان لیا جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا، پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور آپ کی سچائی مسلم ہے۔ میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی کی بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا جو کہ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ میں آپ کی طرف اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں، اگر آپ چاہیں کہ میں خود حاضر ہوں تو میں ایسا کروں گا۔

[1] مجھے ان کو دیکھے بغیر بھی بہت زیادہ یقین حاصل ہے۔

یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے، آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات ہوں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے اور جن کو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجا تھا اپنے بیٹے کو بھی بھیجا۔ جب وہ دریا کے درمیان پہنچے تو ڈوب گئے[1]۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور یہ ستر افراد تھے جن پر اُونی کپڑے تھے۔ ان میں سے باسٹھ کا تعلق حبشہ سے تھا اور آٹھ شام سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر آخر تک سورۂ یٰسین پڑھی، چنانچہ وہ قرآن پاک (کی تلاوت) سنتے ہی رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ انہوں نے کہا: یہ اس کلام کے کس قدر مشابہ ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُترا ہے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (المائدہ: ۸۲)

اور ضرور مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔

کیونکہ یہ لوگ عبادت خانوں والے تھے (یعنی عیسائی قوم کے عبادت گزار لوگ تھے)

یہ (شاہ حبشہ) وہی اصحمہ ہیں جن کی طرف مسلمانوں نے نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب المرجب میں ہجرت کی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوبِ گرامی لکھ کر ۶ھ میں حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ بھیجا اور اسلام کی دعوت دی، پس وہ ایمان لے آئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ نجاشی بادشاہ (اصحمہ) کی وفات رجب ۹ھ میں ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ان کی وفات کی خبر دی اور نماز جنازہ پڑھی۔

وہ نجاشی جو اس پہلے نجاشی (اصحمہ) کے بعد برسر اقتدار آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف خط لکھ کر اسے اسلام کی دعوت دی وہ کافر تھا۔ نہ اس کا اسلام لانا معروف ہے اور نہ ہی اس کے نام کا علم ہے۔ بعض لوگوں نے دونوں کے درمیان تمیز نہیں کی اور خلط ملط کر دیا۔

صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور تمام جابر حکمرانوں کو خطوط لکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور یہ وہ نجاشی نہیں جس پر آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۹)

---

[1] یعنی اس کا بیٹا اور اس کے ہمراہی ڈوب گئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۵)

مقوقس کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کی طرف خط لکھا۔ اس کا نام جریج ابن میناتھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد عبداللہ ورسولہ، الی المقوقس عظیم القبط، سلام علی من اتبع الھدی، امابعد: فانی ادعوک بدعایة الاسلام، اسلم تسلم، یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فعلیک اثم القبط، یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ (زادالمعاد ج ۳ ص ۸۲)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں مقوقس کی طرف جو قبطیوں کا سربراہ ہے۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی راہ پر چلتا ہے۔ ابتدائیہ کلمات کے بعد: میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو سلامتی حاصل کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا کرے گا اور اگر منہ پھیرو گے تو تم پر قبطیوں (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم میں سے بعض دوسرے بعض کو رب مانیں گے، پس اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

یہ خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو دے کر مصر کی طرف بھیجا تو انہوں نے اس (مقوقس) کو اسکندریہ میں پایا تو آپ وہاں گئے اور اس کو دریا کے کنارے ایک مجلس میں دیکھا، چنانچہ آپ کشتی پر سوار ہوئے اور اس کی مجلس کے بالمقابل جا کر خط مبارک کے ساتھ اشارہ کیا۔

مقوقس نے دیکھا تو آپ کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت حاطب کو اس کے پاس لایا گیا اور آپ اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس نے مکتوبِ گرامی دیکھا، اس کی مہر توڑ کر پڑھا اور حضرت حاطب سے کہا: اگر وہ نبی ہیں تو ان کو کس چیز نے روکا کہ وہ میرے خلاف بددعا کر کے مجھ پر مسلط ہو جائیں؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس بات نے منع کیا تھا کہ وہ اپنے مخالفین کے خلاف بددعا کر کے ان پر مسلط ہو جاتے۔ دو تین مرتبہ ان سے سوال کا جواب طلب کیا پھر خاموش ہو گئے۔ حضرت حاطب نے اس سے فرمایا: تم سے پہلے ایک شخص تھا جو گمان کرتا تھا کہ وہ ربِ اعلیٰ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اسے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ اس کے ذریعے انتقام لیا، پھر اس سے انتقام لیا، پس تم دوسروں سے عبرت حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت حاصل کریں۔ اس نے کہا: ہمارا ایک دین ہے، ہم اسے

صرف اس دین کے لیے چھوڑ سکتے ہیں جو اس سے بہتر ہو۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہیں دین اسلام کی طرف بلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوسرے ادیان کی جگہ بھی اس کے ساتھ کفایت عطا فرماتا ہے۔ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا تو قریش نے ان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر سب سے زیادہ سختی کی، یہودیوں نے سب سے زیادہ دشمنی کی اور عیسائی ان کے زیادہ قریب ہوئے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینا اسی طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بلانا اسی طرح ہے جس طرح تم تورات والوں کو انجیل کی طرف بلاتے تھے۔ جس نبی نے جس قوم کو پایا وہ اسی نبی کی امت ہے، پس ان پر لازم ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کریں اور تم نے اس نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پایا، پس ہم تمہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دین سے منع نہیں کرتے لیکن تمہیں اس دین کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں (دین میں) غور کیا تو میں نے اسے اس طرح پایا کہ جس چیز کی رغبت نہ ہو اس کا حکم نہیں دیتے اور جو چیز مرغوب ہو اس سے روکتے نہیں اور میں نے ان کو گمراہ جادوگر نہیں پایا اور نہ جھوٹا نجومی پایا اور میں نے ان کے ساتھ علاماتِ نبوت کو پایا کہ وہ غیب کی خبریں دیتے ہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو غیب کی خبروں پر مطلع کرتا ہے)

چنانچہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی لے لیا اور اسے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ دیا جو اس کی لونڈی کے پاس تھی پھر اپنے عربی کاتب کو بلا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، لمحمد بن عبداللہ من المقوقس عظیم القبط، اما بعد: فقد قرات کتابک وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعو الیه، وقد علمت ان نبیا قد بقی، وکنت اظن ان یخرج بالشام، وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم، وبکسوة واهدیت الیک بغلة لترکبها والسلام۔ (زادالمعاد ۳/ ۸۲)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ قبطیوں کے سربراہ مقوقس کی طرف سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ان کلمات کے بعد: میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی پڑھا اور آپ نے اس میں جو کچھ لکھا ہے اور جس بات کی دعوت دی ہے اس کو سمجھ گیا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک نبی کی آمد باقی ہے اور میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام سے ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے پیغام رساں کی عزت کی اور آپ کی طرف دو ایسی لونڈیاں بھیجی ہیں جن کا قبطیوں کے ہاں بہت بڑا مقام ہے، لباس بھی بھیجا اور ایک خچر جس پر آپ سوار ہوں اور آپ پر سلامتی ہو۔۔۔

نہ تو ان الفاظ سے کچھ زیادہ کہا اور نہ ہی اس نے اسلام قبول کیا۔

منذر کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کی طرف بھی مکتوبِ گرامی ارسال کیا۔

واقدی نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: میں نے یہ مکتوبِ گرامی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتب میں ان کے وصال کے بعد پایا تو میں نے اسے نقل کیا۔ اس کے الفاظ یوں تھے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی کی طرف بھیجا اور ایک خط لکھ کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ منذر نے (جواباً) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا۔ اما بعد: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی بحرین والوں کے سامنے پڑھا تو ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اس میں داخل ہوگئے جب کہ ان میں سے کچھ نے ناپسند کیا اور میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی رہتے ہیں' ان کے بارے میں مجھے اپنا نقطۂ نظر لکھیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف یوں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم' من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی' سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو' واشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ' اما بعد: فانی اذکرک اللہ عزوجل' فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ' وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی' ومن نصح لھم فقد نصح لی' وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا' وانی قد شفعتک فی قومک' فاترک للمسلمین ما اسلموا علیہ' وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم' وانک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک' ومن اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ۔ (زاد المعاد ۳/ ۸۳)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ تم پر سلام ہو' میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس شہادت کے بعد: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں' جو شخص نصیحت پکڑتا ہے تو اپنے لیے ہی نصیحت حاصل کرتا ہے' پس جس نے میرے نمائندوں کی اطاعت کی اور ان کے معاملے کی پیروی کی بے شک اس نے میری بات مانی اور جس نے ان کی خیر خواہی کی اس نے میری خیر خواہی کی اور میرے نمائندوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش کو منظور کیا' پس مسلمانوں کو اس بات پر چھوڑ دو جس پر وہ مسلمان ہوئے اور نافرمانی کرنے والوں کو میں نے معاف کیا' پس ان سے قبول کرو اور جب تم اصلاح کی راہ اختیار کرو گے تو ہم تمہیں تمہارے منصب سے معزول نہیں کریں گے اور جو

شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ لازم ہوگا۔

عمان کے دو حکمرانوں کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے دو بادشاہوں کی طرف مکتوبِ گرامی لکھا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ اس کا مضمون یوں تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبدالله ورسوله الى جيفر۔ بفتح الجيم وسكون التحتية بعدها فاء۔ وعبد ابني الجلندى: السلام على من اتبع الهدى، امابعد: ادعو كما بدعاية الاسلام، اسلما تسلما، فاني رسول الله الى الناس كافة، لانذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين، وانكما ان اقررتما بالاسلام وليتكما، وان ابيتما ان تقرا بالاسلام فان ملككما زائل عنكما، وخيلي تحل بساحتكما، وتظهر نبوتي على ملككما۔ (زادالمعاد ۳/ ۸۳)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جیفر (جیم پر زبر اور یاء ساکن اس کے بعد فاء ہے) اور عبد کی طرف جو جلندی کے بیٹے ہیں۔ (یعنی دونوں) ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو۔ اس کے بعد: میں تم دونوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو سلامتی پاؤ گے، بے شک میں تمام لوگوں کی طرف رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں تاکہ ان لوگوں کو ڈراؤں جو (اسلام کے ساتھ) زندہ رہنا چاہتے ہیں اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کرو تو میں تمہیں حکومت پر برقرار رکھوں گا اور اگر اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کرو تو تمہاری حکومت تم سے چلی جائے گی اور میرا لشکر تمہاری سرزمین پر اُترے گا اور تمہارے ملک میں میری نبوت ظاہر ہو جائے گی۔

یہ خط حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھا اور آخر میں مہر ثبت کر دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں (مدینہ طیبہ سے) نکلا حتیٰ کہ عمان پہنچ گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے عبد کے پاس جانے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ دونوں بھائیوں میں سے زیادہ بُردبار اور نرم اخلاق کا مالک تھا۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہوں جو تمہارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔ اس نے کہا: میرا بھائی عمر اور بادشاہی کے اعتبار سے مجھ پر مقدم ہے، میں تمہیں اس تک پہنچاتا ہوں تاکہ تو اپنا (لایا ہوا) خط اس کے سامنے پڑھے۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ تم کس بات کی دعوت دے رہے ہو؟ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا جس کی پُوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور

گواہی دو کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے کہا: اے عمرو ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو تو تمہارے باپ نے کیسا راستہ اختیار کیا ہے؟ ہم اس کے پیچھے چلیں گے۔ میں نے کہا: میرا باپ فوت ہو گیا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا' میں تو اس بات کو پسند کرتا تھا کہ وہ اسلام لاتا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ میں بھی اسی کی رائے کے مطابق چلتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری راہنمائی فرمائی۔ عبد نے کہا: تم نے کب اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی؟ میں نے کہا: تھوڑا عرصہ پہلے۔ اس نے کہا: تم نے کس جگہ اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا: نجاشی بادشاہ کے ہاں۔ اس نے کہا: نجاشی کی قوم نے اس کی حکومت کے حوالے سے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ میں نے کہا: انہوں نے اسے اس پر برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی ہے۔ اس نے کہا: کیا مذہبی راہنماؤں اور تارک دنیا قسم کے لوگوں نے بھی ان کی اتباع کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں کی ہے۔ اس نے کہا: اے عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو' جھوٹے شخص سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہوتا۔ میں نے کہا: میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ہمارے دین میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے بتائیے وہ نبی کن باتوں کا حکم دیتے اور کن باتوں سے روکتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیتے اور اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے اور ظلم و زیادتی نیز زنا' شراب نوشی' پتھروں اور بتوں اور صلیب کی پُوجا سے روکتے ہیں۔ اس نے کہا: جن امور کی طرف وہ بلاتے ہیں وہ کیا ہی اچھی باتیں ہیں' اگر میرا بھائی میرے پیچھے چلے تو ہم سوار ہو کر جائیں' حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں' لیکن میرا بھائی اپنی حکومت کو چھوڑنے کے سلسلے میں بہت بخیل ہے اور وہ اسے گناہ سمجھتا ہے۔ میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کر لے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس کی قوم پر بطور حکمران برقرار رکھیں گے' پس وہ اپنے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے فقراء پر خرچ کرے۔ اس نے کہا: یہ بہت اچھا وصف ہے اور صدقہ کیا ہے؟

(فرماتے ہیں) میں نے اسے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالوں میں جو صدقات لازم کیے ہیں' وہ صدقہ ہے' حتیٰ کہ جب میں اونٹوں کے ذکر تک پہنچا تو اس نے کہا: اے عمرو! کیا ہمارے چرنے والے جانوروں سے زکوٰۃ لی جائے گی جو درختوں سے خوراک حاصل کرتے اور پانی پر جاتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو نہیں دیکھتا جن کے گھر دُور اور تعداد زیادہ ہے اس بات کو مانیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کئی دن تک اس کے ہاں ٹھہرا رہا اور وہ میری ہر بات اپنے بھائی تک پہنچاتا' پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا تو میں اس کے پاس گیا تو اس کے معاونین نے میرے دونوں بازوؤں کو پکڑا۔ اس نے کہا: ان کو چھوڑ دو' چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں بیٹھنے لگا تو انہوں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔

اس نے کہا: اپنی حاجت بیان کرو۔ میں نے مہرزدہ مکتوبِ گرامی اسے دیا تو اس نے مہر توڑ کر پڑھا' حتیٰ کہ آخر تک پہنچا' پھر اپنے بھائی کو دیا تو اس نے بھی اسی کی طرح پڑھا' البتہ میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس کے مقابلے میں نرم طبیعت ہے۔

اس نے کہا: کیا تم مجھے قریش کے بارے میں نہیں بتاؤ گے کہ انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا؟
میں نے کہا: انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی یا تو دین میں رغبت رکھتے ہوئے یا تلوار سے مغلوب ہو کر۔۔۔

اس نے پوچھا: اس نبی کے ساتھ کون ہیں؟ میں نے کہا: لوگوں نے اسلام میں رغبت کی اور اس دین کو دوسرے ادیان پر ترجیح دی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اپنی عقلوں کے ذریعے اس کو پہچانا، جب کہ وہ گمراہی میں تھے، میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں جانتا، جو اس علاقے میں اسلام قبول کیے بغیر رہا ہو اور اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرو گے تو لشکر تمہیں روند ڈالیں گے، پس اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہاری قوم پر تمہاری حکمرانی برقرار رکھیں گے اور سوار اور پیدل لشکر تم پر داخل نہیں ہوں گے۔
بادشاہ نے کہا: مجھے آج کے دن چھوڑ دو اور کل دوبارہ آنا۔
فرماتے ہیں: میں اس کے بھائی (عبد) کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے عمرو! مجھے امید ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرلے گا اگر اس نے اپنی بادشاہی پر بخل نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب دوسرا دن ہوا تو میں اس کے پاس آیا لیکن اس نے مجھے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میں اس کے بھائی کی طرف گیا اور اسے بتایا کہ میں اس (جیفر) تک نہیں پہنچ سکا۔ اس نے مجھے اس تک پہنچایا تو اس نے کہا: میں تمہاری دعوت پر غور و فکر کرتا رہا، پس اب میں تمام عرب کے مقابلے میں زیادہ کمزور ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے اگر میں ایک شخص کے حوالے کر دوں تو اس کا لشکر یہاں تک نہیں پہنچے گا اور اگر اس کا لشکر یہاں پہنچ جائے تو مجھے لڑنا پسند ہوگا، وہ اس شخص کے لڑنے کی طرح نہیں ہوگا جس سے میرا مقابلہ ہو۔
میں نے کہا کہ میں کل جا رہا ہوں۔ جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا تو اس کا بھائی اسے علیحدگی میں لے گیا اور صبح مجھے بلا بھیجا، پس وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور میرے اور صدقہ کے درمیان (یعنی ان کا جو حکم تھا اس میں) حائل نہ ہوئے اور جن لوگوں نے میری مخالفت کی ان کے خلاف میرے مددگار بن گئے۔

یمامہ کے حکمران کے نام مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے حکمران ہوذہ بن علی کی طرف خط لکھا اور یہ خط سلیط ابن عمرو عامری کے ہاتھ بھیجا۔ اس خط کا مضمون یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی ھوذۃ بن علی، سلام علی من اتبع الھدی، واعلم ان	اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کی

دینی سیظہر الی منتہی الکف والحافر، فاسلم تسلم، واجعل لک ماتحت یدک۔ (زاد المعاد لابن قیم ۳/ ۸۳)

پیروی کرتا ہے، جان لو کہ عنقریب میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹوں اور گھوڑوں کے قدم پہنچتے ہیں۔ پس تم اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے تمہارے ہی حوالے کر دوں گا۔

جب حضرت سلیط ابن عمرو عامری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر لگا ہوا خط لے کر آئے تو اس نے ان کو اتارا اور عطیہ دیا۔ اور اس کے سامنے خط پڑھا گیا، اس نے نرمی کے ساتھ رد کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا: آپ جس بات کی طرف اور جس مقصد کے لیے بلا رہے ہیں وہ کیا ہی اچھا ہے اور عرب میری شدت کی وجہ سے میری تعظیم کرتے اور مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ بعض کام میرے سپرد کر دیں میں آپ کی اتباع کروں گا۔ اس نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو انعام واکرام دیا اور مقام ہجر کے بنے ہوئے کپڑے پہنائے۔

حضرت سلیط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور خبر دی، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھا اور فرمایا: اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا مانگتا تو میں ایسا نہ کرتا، وہ ہلاک ہوا اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس سے چلا گیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بتایا کہ ہوذہ کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! یمامہ میں عنقریب ایک بہت جھوٹا شخص ظاہر ہو گا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور وہ میرے بعد قتل ہو گا پس اسی طرح ہوا۔[1]

ابن ابی شمر کی طرف گرامی نامہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف خط لکھا اور وہ دمشق میں تھا۔

اس خط کا مضمون اس طرح ہے:

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ جو ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تمہارے لیے تمہاری بادشاہی باقی رہے گی۔

یہ خط آپ نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کے واقعات پر مطلع فرمایا۔ نہ معلوم منکرین کو یہ روایات کیوں نظر نہیں آتیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے... ۱۲ ہزاروی۔

داریوں کی طرف مکتوبِ گرامی

"باعث النفوس" کے مصنف (شیخ الاسلام برہان الدین ابراہیم فزاری) نے فرمایا کہ ابو ہند داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم چھ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ چھ افراد) حضرت تمیم بن اوس داری اور ان کے بھائی نعیم (بن اوس داری)، یزید بن قیس، ابو عبداللہ بن عبداللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں (اور اس طرح ان کی کنیت ابو ہند اور ابو عبداللہ بھی ہوگی) اور ان کے بھائی طیب بن عبداللہ جن کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن رکھا تھا اور (چھٹے) فاکہ بن نعمان تھے (رضی اللہ عنہم) پس ہم سب نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں شام کے علاقے سے کچھ زمین عطا فرمائیں؟ آپ نے فرمایا: جہاں سے چاہو مانگو۔

حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر ایک طرف ہوگئے تاکہ باہم مشورہ کریں کہ کس جگہ کے بارے میں سوال کریں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ بیت المقدس اور اس کے ارد گرد کا علاقہ طلب کریں۔ اس پر حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو اس وقت ہے کیا وہ بیت المقدس نہیں ہے۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہے۔ اس پر ابو ہند نے فرمایا: اس طرح اس میں عرب کا ملک بھی ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ ہمیں یہ مکمل طور پر نہ دیا جائے۔ حضرت تمیم نے فرمایا: بیت جبرون اور اس کے گرد و نواح کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہند نے فرمایا: یہ بہت بڑا ہے، بہت بڑا ہے (یعنی بیت المقدس سے بڑا ہے) حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا کیا خیال ہے ہم کس جگہ کا سوال کریں؟ حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان بستیوں کا سوال کریں جن میں ہم قلعے بنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آثار بھی ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے درست فیصلہ کیا اور آپ کو توفیق حاصل ہوئی۔

فرماتے ہیں: پس ہم وہاں سے اٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے تمیم! تم کونسی بات پسند کرتے ہو، تم اپنے فیصلے کی خبر دیتے ہو یا ہم تمہیں بتائیں؟ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمیں بتائیں، اس طرح ہمارا ایمان بڑھ جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے تمیم! تم نے ایک ارادہ کیا اور ابو ہند کا ارادہ دوسرا تھا اور ابو ہند کی رائے بہتر ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک ٹکڑا طلب فرمایا اور ان دونوں کے لیے ایک تحریر رقم فرمائی[1] جس کا مضمون اس طرح ہے:

---

[1] غور کیجئے وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ یہ غیب کا علم نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا، یہی اہلِ سنّت وجماعت کا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ خارجیوں کو ہدایت دے کہ وہ حقائق کو تسلیم کریں۔...۱۲ ہزاروی۔

بسم الله الرحمن الرحيم، هذا كتاب ذكر فيه ما وهب رسول الله صلى الله عليه وسلم للداريين اذا اعطاه الله الارض، وهب لهم بيت عينون و حبرون والمرطوم وبيت ابراهيم ومن فيهم الى ابد الابد.

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ تحریر ہے جس میں اس چیز کا ذکر ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارین (داری کی جمع) کو عطا فرمائیں گے جب اللہ تعالیٰ آپ کو زمین عطا فرمائے گا۔ آپ نے ان کو بیت عینون، حبرون، مرطوم، بیت ابراہیم اور جو لوگ وہاں رہتے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عطا فرما دیے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب، حضرت خزیمہ بن قیس اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم اس پر گواہ ہوئے اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے اسے تحریر بھی فرمایا۔

حضرت ابوہند فرماتے ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ تحریر لے کر اندر تشریف لے گئے اور رقعہ مبارکہ کے ایک کنارے پر کوئی چیز لگائی جس کی پہچان نہیں ہوتی تھی اور اس رقعہ مبارکہ کے باہر دو گرہیں لگائیں اور پھر اسے لے کر باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ مکتوبِ گرامی لپیٹا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران: ٦٨)

بے شک لوگوں میں سے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔

پھر فرمایا: واپس جاؤ، حتیٰ کہ تم سنو کہ میں نے ہجرت کر لی ہے۔[1]

حضرت ابوہند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس ہم واپس چلے گئے، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہم حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ ہمیں ایک نئی تحریر عنایت فرمائیں، تو آپ نے ایک دوسرا خط لکھا جس کی تحریر میں یوں تحریر تھا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم: هذا ما انطى محمد رسول الله لتميم الداري واصحابه، انى انطيتكم بيت عينون وحبرون والمرطوم وبيت ابراهيم برمتهم وجميع ما فيهم نطية بت ونفذت وسلمت ذلك لهم ولا عقابهم ابد الابد، فمن آذاهم فيه

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کی طرف یہ عطیہ ہے۔ میں تمہیں بیت عینون، حبرون، مرطوم اور بیت ابراہیم اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ بطور عطیہ دیتا ہوں اور میں نے یہ ان کو اور ان کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سونپ دیا، پس جس نے ان کو اس میں اذیت پہنچائی

[1] مدینہ طیبہ کی طرف واپسی مراد ہے اور اسے مجازاً ہجرت کہا گیا کیونکہ وہ لوگ آپ کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۹)

آذاہ اللہ۔

اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

اس پر حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم گواہ قرار پائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا (ایک روایت میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ یہ بھی آیا کہ ان دونوں کے علاوہ کسی نے لکھا)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت حاصل ہوئی اور لشکر شام کی طرف گئے تو آپ نے ایک خط لکھا جس کا مضمون یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من ابی بکر الصدیق الی ابی عبیدۃ بن الجراح، سلام علیک، فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اما بعد: فامنع من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر من الفساد فی قری الداریین، وان کان اھلھا قد جلوا عنھا واراد الداریون یزرعونھا فلیزرعوھا (بلا خراج) واذا رجع الیھا اھلھا فھی لھم واحق بھم والسلام علیک۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) کی طرف۔ آپ پر سلام ہو! میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد و ثنا کے بعد: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے میں اسے داریوں کی بستیوں میں فساد کرنے سے روکتا ہوں۔ اگر وہاں کے رہنے والوں کو علاقہ بدر کر دیا گیا ہو اور داریوں نے وہاں کھیتی باڑی کا ارادہ کیا ہو تو وہ (خراج کے بغیر) کھیتی باڑی کر سکتے ہیں اور جب وہاں کے رہنے والے وہاں واپس آجائیں تو وہ زمین ان کی ہے اور وہی اس کے زیادہ حقدار ہیں، آپ پر سلام ہو۔

یہ خط کتاب "الاحصاء بفضائل المسجد الاقصیٰ" سے نقل کیا گیا۔

ابن رؤبہ کی طرف خط مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوحنہ بن رؤبہ کے لیے ایک خط لکھا جو ایلہ کا حکمران تھا۔ جب وہ آپ کے پاس تبوک میں آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرتے ہوئے جزیہ ادا کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذہ امنۃ من اللہ ومحمد النبی رسول اللہ لیوحنہ بن روبۃ واھل ایلۃ اساقفتھم وسائرھم فی البر والبحر،

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یوحنہ بن رؤبہ اور اہلِ ایلہ یعنی ان کے بشپ اور ان تمام لوگوں کے لیے جو خشکی یا سمندر میں

لهم ذمة الله وذمة النبی ومن کان معه من اهل الشام واهل الیمن واهل البحر، فمن احدث منهم حدثا فانه لا یحول ماله دون نفسه، وانه طیب لمن اخذه من الناس، وانه لا یحل ان یمنعوا ماء یردونه، ولا طریقا یریدونه من بر او بحر۔ هذا کتاب جهیم بن الصلت وشرحبیل ابن حسنه باذن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۲۸۹)

ہیں، امن کی تحریر ہے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے نیز اہلِ شام، اہلِ یمن اور اہلِ بحر میں سے جو اس کے ساتھ ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص نئی بات جاری کرے تو اس کا مال اس کی جان کی حفاظت نہیں کر سکے گا اور لوگوں میں سے جو اس مال کو لے گا وہ اس کے لیے حلال ہو گا اور وہ جس پانی پر جائیں وہاں سے ان کو روکنا اور خشکی یا سمندر کے جس راستے کا ارادہ کریں اس سے ان کو روکنا جائز نہ ہو گا۔ جہیم بن صلت اور شرحبیل بن حسنہ (رضی اللہ عنہما) نے یہ تحریر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے رقم کی ہے۔

اہلِ اذرح کی طرف مکتوبِ گرامی

جب تبوک میں جربا اور اذرح والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے جزیہ پیش کیا تو آپ نے ان کے لیے لکھا:

بسم الله الرحمن الرحیم۔ هذا کتاب من محمد النبی رسول الله لاهل اذرح (وجربا) انهم آمنون بامان الله وامان محمد۔ وان علیهم مائة دینار فی کل رجب وافیة طیبة، والله کفیل علیهم بالنصح والاحسان الی المسلمین، ومن لجا الیهم من المسلمین من المخافة۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۲۹۰)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اہلِ اذرح اور اہلِ جربا کی طرف ہے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امان کے ساتھ امن دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہر رجب کے مہینے میں ایک سو دینار پورا پورا اور خوش دلی سے دیں گے اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ ان کا کفیل ہے نیز جو مسلمان خوف کی وجہ سے ان کے ہاں پناہ لے (اس سے بھی حُسنِ سلوک سے پیش آئیں)

ابو ضمیرہ کی طرف مکتوبِ گرامی

حضرت حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (ضمیرہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُم ضمیرہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ بھوک نے ستایا ہے یا لباس سے عاری ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے بیٹے کے درمیان تفریق کردی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں اور بچے کے درمیان تفریق نہیں کی جاتی۔ پھر آپ نے اس شخص کو بلایا جس کے پاس ضمیرہ تھے تو اس سے جوان اونٹ کے بدلے ان کو خرید کر ان کی ماں کے حوالے کردیا۔

ابن ذویب کہتے ہیں پھر حسین بن عبداللہ نے ایک خط پڑھ کر سنایا جو ان کے پاس تھا' اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لابی ضمیرۃ واھل بیتہ' ان رسول اللہ اعتقھم وانھم اھل بیت من العرب' ان احبوا اقاموا عند رسول اللہ وان احبوا رجعوا الی قومھم فلا یعرض لھم الا بحق' ومن لقیھم من المسلمین فلیستوص بھم خیرا۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ابوضمیرہ اور ان کے گھر والوں کے نام ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو آزاد کردیا اور وہ اہلِ عرب میں سے ایک گھر والے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنی قوم کے پاس چلے جائیں' انہیں ناحق نہیں چھیڑا جائے گا اور جو بھی مسلمان ان سے ملے وہ ان سے اچھا سلوک کرے۔

یہ خط حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

اہلِ وج کی طرف مکتوبِ گرامی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ وج کی طرف مکتوبِ گرامی لکھا۔ اسی مقصد کی دسویں فصل میں بنو ثقیف کے وفد کے بیان میں ان لوگوں کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی ہے جو بنو حنیفہ کے وفد میں مسیلمہ کذاب کو لکھا گیا۔

اکیدر دومہ کی طرف نامہ مبارکہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر اور دومۃ الجندل والوں کی طرف اس وقت خط لکھا جب اکیدر سے مصالحت ہوئی۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لاکیدر ولاھل دومۃ' ان لنا الضاحیۃ من

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اکیدر اور اہلِ دومہ کے نام ہے۔ قلیل پانی میں

الضحل، والبور والمعامی واغفال الارض، والحلقة والسلاح والحافر والحصن، ولکم الضامنة من النخل، والعین من المعمور، لا تعدل سارحتکم، ولا تعد فاردتکم، ولا یحصر علیکم النبات، تقیمون الصلاة لوقتها وتؤتون الزکاة بحقها، علیکم بذلک حق الله والمیثاق، ولکم به الصدق والوفاء- شهد الله ومن حضر من المسلمین-

سے ظاہر خراجی زمین اور وہ زمین جس میں کوئی عمارت وغیرہ نہ ہو، زرہیں، اسلحہ، گھوڑے اور قلعہ ہمارے لیے ہوگا- قلعے کے درخت اور جاری پانی تمہارے لیے ہوگا- تمہارے چرواہے کو پھیرا نہیں جائے گا- ان جانوروں کا شمار نہیں ہوگا جن میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور تم جہاں چاہو جانوروں کو چرا سکتے ہو، تمہیں روکا نہیں جائے گا، وقت پر نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ حق کے مطابق ادا کرنا- اس اعتبار سے تم پر اللہ تعالیٰ کا حق اور وعدہ ہے اور تم پر سچائی اور ایفائے عہد لازم ہے- اللہ تعالیٰ اور حاضر مسلمان گواہ ہیں-

عقد بیع سے متعلق خط

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عداء بن خالد پر غلام بیچا تو یہ تحریر رقم فرمائی:

بسم الله الرحمن الرحیم، هذا ما اشتری العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول الله، اشتری عبدا اوامه- شک الراوی- لا داء ولا غائلة ولا خبثة، بیع المسلم للمسلم-

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے- یہ اس بات کی تحریر ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک غلام یا لونڈی خریدی- اس سلسلے میں راوی کو شک ہے- اس میں کوئی بیماری اور کسی قسم کی خرابی نہیں ہے اور غیر مسلم کی بیع نہیں، یہ مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے-

غائلہ کا معنی بھاگنا، چوری کرنا اور زنا کاری ہے-

الخبثہ کے بارے میں ابن ابی عروبہ نے کہا کہ اس سے مراد غیر مسلم سے سودا کرنا ہے-

حضرت عداء فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے اور حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات میں گواہ بنانا جائز ہے- ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ- (البقرہ: ۲۸۲) اور جب باہم سودا کرو تو گواہ بنالیا کرو-

اور یہ امر (کا صیغہ) اس جگہ وجوب کے لیے نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودا کیا اور گواہ نہیں بنائے- اس طرح کوئی چیز خریدی اور یہودی کے پاس زرہ رہن رکھی لیکن گواہ نہیں بنائے- اگر گواہ بنانا ضروری بات ہوتی تو جھگڑے کے خوف سے رہن کی صورت میں گواہ بنانا واجب ہوتا- واللہ اعلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امراء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو امراء مقرر کیا ان میں سے:

(۱) حضرت باذان بن ساسان ہیں جو بہرام کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے ان کو یمن کا امیر بنایا اور اسلام میں یمن کے یہ پہلے امیر اور عجمی بادشاہوں میں پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔

(۲) آپ نے صنعاء پر حضرت خالد بن سعید کو امیر مقرر کیا۔

(۳) حضرموت کا والی حضرت زیاد بن لبید انصاری کو مقرر کیا۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو زبید اور عدن کا والی بنایا۔

(۵) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جبل جند کا امیر بنایا۔

(۶) حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کی ولایت عطا کی۔

(۷) اور ان کے بیٹے یزید (بن ابوسفیان) کو تیماء کا والی مقرر کیا۔

(۸) حضرت عتّاب بن اَسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا اور ۸ھ میں حج کے لیے مسلمانوں کا امیر مقرر کیا۔

(۹) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔

(۱۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عمان اور اس کے مضافات کا والی مقرر کیا۔

(۱۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں امیر حج مقرر فرمایا اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا چنانچہ انہوں نے لوگوں کے سامنے سورۃ براءۃ پڑھی۔

اس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حج کے لیے جانے کے بعد نازل ہوا۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد بطور مددگار بھیجا اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر؟ انہوں نے عرض کیا: بلکہ مامور بن کر آیا ہوں۔

جبکہ رافضی (شیعہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تھا لیکن یہ ان کا بہتان اور افتراء ہے۔

اور صدقات (زکوٰۃ) کی وصولی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندگان

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندوں کا تعلق ہے تو آپ نے محرم ۷ھ میں چھ افراد کو ایک ہی

دان بھیجا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں واقدی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اسی قوم کی زبان میں گفتگو کی جس قوم کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلا نمائندہ بھیجا وہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے جن کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ نے اس کی طرف دو خط لکھے' ان میں سے ایک خط میں اسلام کی دعوت دینے اور اس پر نجاشی کے قرآن پڑھنے کا ذکر تھا' نجاشی نے مکتوبِ گرامی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور اپنے تخت سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا' پھر اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور کہا کہ اگر میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو حاضر ہوتا۔

اور دوسرے خط میں لکھا کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان (رضی اللہ عنہما) کا نکاح آپ سے کر دیں تو نجاشی بادشاہ نے ان کا نکاح حضور علیہ السلام سے کیا جیسا کہ ازواجِ مطہرات کے بیان میں ذکر کیا گیا۔

اور اس نے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ڈبیہ منگوا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خط اس میں رکھ دیئے اور کہا کہ حبشہ والے اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک یہ دونوں خط ان کے درمیان رہیں گے اور واقدی وغیرہ کے بقول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی حالانکہ وہ حبشہ میں تھا۔[2]

لیکن یہ بات نہیں کیونکہ جس نجاشی کی نمازِ جنازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وہ یہ نجاشی نہیں تھا جس کی طرف خط لکھا جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو روم کے بادشاہ قیصر کی طرف بھیجا اور یہ (ان) چھ افراد میں سے ہیں (جن کے بارے میں پہلے ذکر ہوا) قیصر روم کا نام ہرقل تھا' انہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا لیکن رومیوں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ اپنی بادشاہی (کے جانے) کے خوف سے رُک گیا۔

حضرت عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا اور آپ تیسرے نمائندے ہیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ دوسری قوموں میں تبلیغ کے لیے جانے والے علماء کرام کو ان کی زبان سیکھنی چاہیے تاکہ وہ ان کو تبلیغ کر سکیں۔... ۱۲ ہزاروی۔

[2] فقہ حنفی کے مطابق غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ نجاشی کی میت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واقعہ نجاشی' واقعہ معاویہ لیثی اور واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ عنہم اجمعین' ان میں اوّل' دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور علیہ السلام کے سامنے تھا۔ (تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۳۴۶ دیکھیں۔... ۱۲ ہزاروی)

[3] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہم ہے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ دونوں کی طرف خط لکھا گیا اور یہ خط حضرت اصحمہ نے لکھا) اس نجاشی کی طرف بھی جس کی نمازِ جنازہ آپ نے پڑھائی اور اس کی طرف بھی جو بعد میں امیر مقرر ہوا جس کا اسلام قبول کرنا اور نام نامعلوم ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۶)

چوتھے نمائندہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو مقوقس کی طرف تشریف لے گئے۔ اس نے ان کا احترام کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو لونڈیاں، پوشاک اور ایک خچر بھیجی لیکن اسلام قبول نہ کیا۔

پانچویں نمائندے حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ ہیں جو بلقاء کے بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف تشریف لے گئے۔

اور چھٹے نمائندے جن کو آپ نے بھیجا وہ حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں جو ہوذہ اور ثمامہ بن اثال حنفی کی طرف تشریف لے گئے تو ثمامہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں جلندی کے دو بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف عمان میں بھیجا تو وہ دونوں اسلام لائے اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی عبدی کی طرف بھیجا جو بحرین کا حکمران تھا اور یہ واقعہ جعرانہ سے واپسی سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ فتح مکہ سے پہلے بھیجا پس منذر بن ساوی نے اسلام قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو حارث بن (عبد) کلال حمیری کی طرف یمن میں بھیجا تو اس نے کہا: میں اپنے معاملے میں غور کروں گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو ربیع الاول ۱۰ھ میں اس وقت یمن کی طرف دعوتِ اسلام کی خاطر بھیجا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے چنانچہ وہاں رہنے والوں کی اکثریت نے کسی جنگ کے بغیر اسلام قبول کر لیا، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا اور آپ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں تو وہ دونوں اسلام لائے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی وہیں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی طرف خط دے کر بھیجا۔۔۔

فروہ بن عمرو الجذامی جو قیصر کی طرف سے (بعض عرب پر) عامل تھا اس کی طرف بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا پس وہ اسلام لایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے اسلام لانے کے بارے میں خط لکھا اور حضرت مسعود بن سعد کے ہمراہ آپ کے لیے تحفہ بھیجا اور وہ سفید رنگ کی (سیاہی مائل) خچر تھی جسے فضہ کہا جاتا تھا اور ایک گھوڑا جسے الظرب کہا جاتا تھا نیز ایک دراز گوش جسے یعفور کہتے تھے اور کپڑے نیز سندسی، سونا چڑھی ہوئی قبا بھی بھیجی۔ آپ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا اور مسعود بن وہب کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین محرم ۹ھ میں بھیجے۔

چنانچہ حضرت عیینہ بن حصن الفزاری رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی طرف بھیجا۔

اور حضرت بریدہ یعنی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اسلم اور غفار کی طرف بھیجا، حضرت عباد بن بشر کو قبیلہ سلیم اور مزینہ کی طرف بھیجا۔

اور حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فزارہ قبیلے کی طرف بھیجا۔

اور حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب کی طرف بھیجا۔

نیز حضرت بشر بن سفیان کعبی جن کو نحام عدوی کہا جاتا ہے، کو بنو کعب کی طرف بھیجا

اور حضرت عبداللہ بن اللبتیہ رضی اللہ عنہ کو ذبیان کی طرف بھیجا۔

اور سعد ہذیم قبیلے کے ایک فرد کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

ساتویں فصل

رسول اکرم ﷺ کے مؤذنین، خطباء، حدی خوان اور شعراء

مؤذنین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن چار تھے جن میں سے دو مدینہ طیبہ میں تھے۔

ایک حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی والدہ حمامہ تھیں۔[1] حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں آزاد کیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی اذان دی اور آپ کے بعد کسی خلیفہ کے لیے اذان نہیں دی البتہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کو فتح کیا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ تو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آئی (جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اذان کہا کرتے تھے)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس دن سے زیادہ کبھی (لوگوں کو) روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت بلال (حبشی) رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۷ھ یا ۱۸ھ یا ۲۰ھ میں (دمشق کے قریب) داریا مقام پر باب کیسان میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ اوپر تھی۔ ایک قول کے مطابق آپ کو حلب میں اور دوسرے قول کے مطابق دمشق میں دفن کیا گیا۔

دوسرے مؤذن حضرت عمرو بن ام مکتوم قرشی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نابینا تھے اور آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی۔

قباء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سعد بن عائذ یا ابن عبدالرحمٰن جو سعد قرظ مشہور ہیں نے اذان دی۔ ان (ابن عبدالرحمٰن) کو سعد قرظی بھی کہا جاتا ہے اور یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں۔ حضرت سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ حجاز مقدس پر حجاج بن یوسف کی حکومت تک بہ قید حیات رہے اور یہ ۷۴ھ کا واقعہ

---

[1] حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا صحابیہ تھیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عذاب دیا جاتا تھا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔

ہے۔[1] مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا نام اوس جمحی مکی اور ان کے والد کا نام معیر ہے۔

ان کا وصال مکہ مکرمہ میں ۵۹ھ میں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے بعد (۷۵ھ میں) ہوا۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اذان میں ترجیع کرتے اور اقامت کے الفاظ دو دو بار کہتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ترجیع نہیں کرتے تھے اور اقامت کے الفاظ ایک ایک بار کہتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت کو اختیار کیا اور اہلِ مکہ اذان کے سلسلے میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے طریقے پر اور اقامت کے سلسلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں جبکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، اہلِ عراق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اقامت پر عمل کرتے ہیں، امام احمد اور اہلِ مدینہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور اقامت پر عمل کرتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ نے دو جگہ ان کی مخالفت کی ہے۔ ایک تو اللہ اکبر کے الفاظ کو لوٹانا اور دوسرا لفظ اقامت دو بار پڑھنا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء جو اسلام کا دفاع کرتے اور مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت کعب بن مالک (انصاری سلمی) رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ۔ حضرت حسان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی تھی:

اللھم ایدہ بروح القدس۔ یا اللہ! رُوح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ذریعے ان کی مدد فرما۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۰، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۰)

---

[1] ابو عمر (ابن عبد البر) نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قباء سے مسجد نبوی میں لائے جہاں آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد اذان دی اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اذان دی۔ ایک قول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو مسجد نبوی میں لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۱)

[2] ترجیع کا معنی یہ ہے کہ کلماتِ شہادت کو ایک بار آہستہ پڑھنا اور دوسری بار بلند آواز سے پڑھنا۔ احناف کے نزدیک یہ تعلیم کے لیے تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابو محذورہ پر بولتے جاتے اور آپ بلند آواز سے کلمات کہتے اس لیے آہستہ کہنا اذان کا حصہ نہیں، احناف کے ہاں اقامت اور اذان دونوں کے کلمات تعداد میں برابر ہیں، البتہ اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

پس کہا جاتا ہے کہ ستر اشعار میں حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی مدد کی، اور ایک حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان جبریل مع حسان ما نافح عنی۔ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک وہ میرا دفاع کرتے رہتے ہیں۔

یعنی مشرکین اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اپنے اشعار کے ذریعے ان کو جواب دیتے ہیں۔[1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک سو بیس سال زندگی پائی ہے۔ ساٹھ سال دورِ جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں۔

اسی طرح ان کے باپ ثابت، دادا منذر اور پردادا حرام میں سے ہر ایک کی عمر بھی ایک سو بیس سال ہوئی۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۴ھ میں ہوا۔

جب بنو تمیم اور ان کا شاعر اقرع بن حابس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آواز دی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری طرف آئیں۔ ہم ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کا اظہار کریں اور اشعار کا تبادلہ کریں۔ ہمارا مدح کرنا زینت کا باعث اور ہماری مذمت عیب کا باعث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا جواب دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ کسی کی مدح کرے تو اسے زینت حاصل ہوتی ہے اور کسی کی مذمت کرے تو وہ عیب ناک ہو جاتا ہے۔

مجھے شاعر بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی مجھے فخر کرنے کے لیے بھیجا گیا لیکن تم آؤ۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے خطیب (عطارد بن حاجب) کو جواب دو، چنانچہ انہوں نے خطاب فرمایا تو ان لوگوں پر غالب آگئے۔ اب ان کے شاعر اقرع بن حابس نے اٹھ کر یہ اشعار پڑھے:

اتیناک کیما یعرف الناس فضلنا اذا خلفونا عند ذکر المکارم
وانا رءوس الناس فی کل معشر وان لیس فی ارض الحجاز کدارم

"ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ لوگ ہماری فضیلت کو جان لیں جب وہ ہمارے خوبیوں کے ذکر کے وقت ہمارے پیچھے آئیں اور یہ کہ ہم ہر جماعت میں لوگوں کے سردار ہیں اور حجاز کی سرزمین میں دارم (بنو تمیم کا ایک ذیلی قبیلہ) کی طرح کوئی نہیں۔۔۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کو جواب دیں۔

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے سنا آپ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے: بے شک رُوح القدس ہمیشہ آپ کی مدد کرتے رہیں گے جب تک آپ اللہ اور اس کے رسول کا دفاع کرتے رہیں گے۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۰)

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم یعود وبالا عند ذکر المکارم
هبلتم علینا تفخرون وانتم لنا خول ما بین قن و خادم

"اے بنو دارم! فخر نہ کرو، تمہارا فخر ذکر مکارم کے وقت وبال بن جائے گا"۔

"تم ہم پر بڑائی کا اظہار کرتے اور فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے لیے غلام ہو جو کبھی غلام اور کبھی خادم کی شکل میں ہوتے ہو"۔

تو سب سے پہلے ان کے شاعر (زبرقان بن بدر) نے اسلام قبول کیا۔ (حضرت اقرع بن حابس ان سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء میں سے کفار پر سب سے زیادہ سخت حضرت حسان اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہمدان کا وفد آپ کے پاس آیا۔ ان لوگوں پر یمنی چادروں سے کاٹے گئے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور عدن کی بنی ہوئی دستاریں تھیں۔ ملک بن نمط نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے۔

آپ کے خطیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی رضی اللہ عنہ تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔[1] آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار کے خطیب تھے اور جنگِ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی خواں

(اونٹوں کے ساتھ چلتے ہوئے جو کچھ اشعار کی صورت میں پڑھایا گایا جاتا ہے اسے "الحداء" (حدی) کہتے ہیں اور پڑھنے والا حدی خوان کہلاتا ہے) دورانِ سفر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حدی خوان ہوتے تھے۔ شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضاء سے واپس تشریف لاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے یوں پڑھ رہے تھے۔ (شمائل ترمذی (مع ترمذی) جلد ۲ ص ۱۷)

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہر اس چیز کو آپ سے دُور رکھیں گے جس کو اپنے آپ اور اپنی اولاد سے دُور رکھتے ہیں، پس ہمارے لیے کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا: جنت ہوگی۔ اس پر انہوں نے کہا: ہم راضی ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۶)

خلوا بنی الکفار عن سبیله　　الیوم نضر بکم علی تنزیله
ضربا یزیل الهام عن مقیله　　ویذهل الخلیل عن خلیله

"اے کفار کی اولاد! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے دُور ہو جاؤ، آج آپ کے (مکہ مکرمہ) اُترنے پر (یا قرآن پاک کے اُترنے پر) ہم تمہیں ایسی ضرب لگائیں گے جو کھوپڑیوں کو ان کی آرام گاہ سے جدا کر دے گی اور گہرا دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا۔"

اس سے پہلے عمرۂ قضا کے بیان میں مزید اشعار ذکر کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی جو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے چچا تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حدی خوانی کرتے تھے۔ آپ غزوۂ خیبر کے دن شہید ہوئے۔ اس غزوہ کے ذکر میں آپ کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت انجشہ جو سیاہ رنگ کے غلام تھے بہت اچھے حدی خوان تھے۔۔۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن مالک مردوں کے آگے اور حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ عورتوں کے آگے حدی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت انجشہ حدی خوانی کر رہے تھے تو حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے غلام! نازک آبگینوں (عورتوں) کے ساتھ نرمی اختیار کرنا یعنی عورتیں شیشوں کی طرح نازک ہوتی ہیں جلد ٹوٹ جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کو ان سے تشبیہ دی۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بے خوف نہ تھے کہ ان کا کلام ان عورتوں کے دلوں میں اُتر جائے تو آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔۔۔ ایک ضرب المثل ہے کہ گانا زنا کا منتر ہے اور کہا گیا کہ اس سے اونٹ مراد لیے کہ وہ حدی سن کر چلنے میں تیزی کریں گے اور سوار کو بے قراری اور مشقت میں ڈال دیں گے، پس اس سے منع فرمایا کیونکہ عورتیں تیز رفتاری کی صعوبت کو برداشت کرنے میں کمزور ہوتی ہیں۔

آٹھویں فصل

رسول اکرم ﷺ کا جنگی ساز و سامان

(اس میں آپ کی زرہیں، کمانیں، کمربند اور ڈھالیں شامل ہیں)

تلواریں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں---

(۱) **ماثور**...... سب سے پہلے یہی تلوار آپ کی ملک میں آئی اور اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اسے ہجرت کے موقع پر مدینہ طیبہ لے کر تشریف لائے۔

(۲) **العضب**...... جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلوار آپ کے پاس بھیجی۔

(۳) **ذوالفقار**...... اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس تلوار کی پشت پر کچھ دندانے (گڑھے سے) تھے (جن کو فقر کہا جاتا ہے فقر کی فاء پر زبر اور زیر دونوں آسکتے ہیں) اور آپ کو یہ تلوار بدر کے دن حاصل ہوئی یہ عاصی بن منبہ کی تلوار تھی (اور وہ بدر میں کفر پر قتل ہوا اور یہ تلوار بطور غنیمت حاصل ہوئی) یہ تلوار ہر لڑائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتی تھی۔ اس کا دستہ اور دستے کے اطراف، حلقہ (کونڈا) علاقہ (جس سے اسے لٹکاتے ہیں) وغیرہ سب چاندی کے تھے۔

(۴) **القلعی**...... یہ تلوار آپ کو مقام قلع سے حاصل ہوئی جو بادیہ (جنگل) میں قلعہ ہے۔ (اس بادیہ کو مرج کہا جاتا ہے اور یہ ہمدان کے راستے میں حلوان کے قریب ہے)

(۵) **البتار**...... یعنی کاٹنے والی۔

(۶) **الحتف**...... یعنی موت۔

(۷) **المخدم**...... یعنی کاٹنے والی تلوار۔

(۸) **الرسوب**...... یعنی خوب ضرب لگانے والی اور مضروب میں غائب ہونے والی۔ یہ **فعول** کے وزن پر ہے۔ رسب یرسب سے بنا یعنی جب کوئی چیز نیچے کی طرف جائے اور جب ثابت و قائم ہو جائے (تو اسے

رسوب کہتے ہیں) یہ دونوں تلواریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ طے کے بت الفلس سے ملی تھیں۔

(۹) القضیب...... اس کا معنی بھی کاٹنے والی ہے۔

زرہیں

آپ کی زرہیں سات تھیں:

(۱) ذات الفضول...... یہ زرہ لمبی تھی اس لیے اسے ذات الفضول کہا جاتا تھا (فضل زائد چیز کو کہتے ہیں) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ آپ کی طرف بھیجی تھی، جب آپ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ لوہے کی تھی اور آپ نے یہی زرہ ابوالشحم یہودی کے پاس رہن رکھی تھی، جب آپ نے اس سے تیس صاع (ایک سو بیس کلو) جو ایک سال کے ادھار پر لیے تھے۔[۱]

(۲) ذات الوشاح۔

(۳) ذات الحواشی۔

(۴) السعدیہ...... غین کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے (السغدیہ) یہ مکبر قینقاعی کی زرہ تھی اور کہا گیا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جو آپ نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہن رکھی تھی۔

(۵) فضہ...... یہ دونوں (السعدیہ اور فضہ) زرہیں آپ کو بنو قینقاع سے ملی تھیں۔

(۶) البتراء...... چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس کو البتراء کہا جاتا ہے۔

(۷) الخرنق...... خرگوش کے بچے کے نام پر یہ نام رکھا گیا۔

غزوۂ احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں تھیں، یعنی ذات الفضول اور فضہ اور غزوۂ حنین کے دن بھی آپ پر دو زرہیں تھیں: ایک ذات الفضول اور دوسری السعدیہ۔

کمانیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ کمانیں تھیں:

(۱) الزوراء۔

(۲) الروحاء۔

(۳) الصفراء۔

(۴) شوحط۔

(دوسری، تیسری اور چوتھی) تینوں کمانیں اس اسلحہ سے حاصل ہوئیں جو بنو قینقاع سے ملا تھا۔

---

[۱] اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے یہودی کے پاس رہن تھی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۹)

(۵) الکتوم...... یہ غزوۂ احد کے دن ٹوٹ گئی تھی تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا۔
(۶) السداد۔
اور آپ کے پاس ترکش تھا جسے کافور کہا جاتا تھا اور ایک کمربند تھا جو چمڑے کا تھا جس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔ اس کو باندھنے والا کنڈا اور دوسری طرف جو اس میں داخل ہوتی تھی دونوں چاندی کی تھیں۔

ڈھالیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ڈھالیں تھیں:
(۱) الزلوق...... جس سے ہتھیار پھسل جاتا تھا۔
(۲) الفتق۔
(۳) ایک ڈھال جس میں عقاب یا مینڈھے کی تصویر تھی، آپ کو بطور تحفہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس تصویر پر ہاتھ رکھا تو وہ غائب ہو گئی۔

نیزے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار نیزے تھے:
(۱) المثوی...... ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ جہاں لگتا تھا ٹھہر جاتا تھا۔ الشوی ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔
(۲) المثنی...... ٹیڑھا ہونے والا اور شاید اس کے نرم ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اس کے علاوہ دو اور نیزے بھی تھے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا نیزہ بھی تھا جس کا نام البیضاء تھا اور ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا جو الرمح (نیزے) سے چھوٹا اور العکاز کے برابر تھا جس کو العنزہ کہا جاتا تھا اور آپ اسے اپنے سامنے گاڑ کر (سترہ بنا کر) نماز پڑھتے تھے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی خود (ٹوپی) تھی، جسے سبوغ اور ذوالسبوغ کہا جاتا تھا اور ایک دوسری لوہے کی ٹوپی (خود) تھی جس کو موشح کہا جاتا تھا۔
اسی طرح آپ کے پاس ایک خیمہ تھا جسے "کن" کہا جاتا تھا۔ آپ کے پاس ایک ٹیڑھے سر والا عصا مبارک بھی تھا (جسے کھونڈی کہا جاتا ہے) یہ ایک ہاتھ (دو فٹ) کے برابر یا کچھ زائد تھا۔ آپ اس کے سہارے چلتے اور سوار ہوتے اور اونٹنی پر اپنے سامنے لٹکا دیتے تھے۔
ایک دوسرا عصا مبارک تھا جس پر آپ ٹیک لگاتے۔ اس کا نام عرجون تھا اور ایک لاٹھی شوحط درخت کی تھی جس کو ممشوق کہا جاتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک پیالہ تھا جسے ریان کہا جاتا تھا۔ ایک دوسرے پیالے کا نام مغیث تھا۔ ایک اور پیالہ تھا جسے تین جگہ چاندی کی زنجیر سے مضبوط کیا گیا تھا۔ ایک پیالہ لکڑی کا بنا ہوا تھا ایک اور پیالہ کانچ کا تھا۔[1]

ایک چھوٹا سا برتن پتھر کا بنا ہوا تھا (جس سے آپ وضو فرماتے تھے) اس کو مخضب کہا جاتا تھا۔ ایک ڈونگہ (نما برتن) تھا جس کو صادرہ کہا جاتا تھا۔ ایک ٹب تھا جو تانبے کا بنا ہوا تھا اور ایک پیتل کا برتن غسل کے لیے تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیل کی شیشی بھی ہوتی تھی اور چمڑے سے بنی ہوئی اسکندرانی تھیلی تھی جس میں شیشہ اور ہاتھی دانت کی کنگھی ہوتی تھی جو کچھوے کی پیٹھ کی ہڈی سے بنی ہوئی تھی۔

ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ روزانہ (رات کو) سوتے وقت تین، تین بار ہر آنکھ میں سرمہ لگاتے۔ آپ کی اس تھیلی میں قینچی اور مسواک بھی ہوتی تھی۔ یہ تھیلی آپ کو اسکندریہ کے حکمران مقوقس نے اس وقت بطور تحفہ پیش کی تھی، جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور وہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس کو غراء کہا جاتا تھا۔ اس کے چار کڑے تھے (اور اسے چار آدمی اٹھاتے تھے) آپ کے پاس ایک صاع (لکڑی کا پیمانہ جس میں چار کلو غلہ آتا ہے) اور مُدّ تھا (مُدّ، صاع کی چوتھائی کے برابر ہوتا ہے) ایک مخمل کی چادر تھی اور ایک چارپائی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی سے بنائے گئے تھے۔[2]

آپ کا ایک بچھونا تھا جو چمڑے سے بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔۔۔

ایک لوہے کی انگوٹھی تھی جس میں چاندی بھری گئی تھی اور ایک چاندی کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ آپ اس کو دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پھر بائیں ہاتھ میں پہننا شروع کر دی۔ اس پر "محمد رسول اللہ" نقش تھا۔

نجاشی بادشاہ نے آپ کی خدمت میں دو سادے موزے ہدیہ کے طور پر بھیجے تو آپ نے ان کو پہنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین جبے تھے جن کو آپ جنگ کے موقع پر پہنتے تھے۔ ایک سبز سندس کا جبہ تھا اور ایک طیالسی جبہ تھا۔ ایک عمامہ مبارکہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا اور ایک دوسرا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑی چادر تھی۔۔۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] یہ پیالہ آپ کے پاس نجاشی بادشاہ نے بھیجا تھا اور اس میں پانی نوش فرماتے تھے۔

[2] امام زرقانی نے ابن العماد اور الروض الانف کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ چارپائی آپ کو اسعد بن زرارہ نے بطور تحفہ پیش کی۔ آپ اس پر آرام فرماتے تھے، پھر وصال کے بعد آپ کو اس پر رکھا گیا پھر حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے جسم مبارک بھی اسی پر رکھے گئے۔ اس کے بعد صحابہ کرام تبرک کے طور پر اس چارپائی پر اپنے فوت شدہ لوگوں کو اٹھاتے تھے۔ بنو امیہ کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وراثت میں یہ چارپائی بیچ دی گئی اور عبداللہ بن اسحٰق نے اس کی تختیاں چار ہزار درہم میں خریدیں۔

نویں فصل

رسول اکرم ﷺ کے گھوڑے، دودھ والی اونٹنیاں اور دیگر جانور

السکب ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گھوڑا "السکب" تھا۔ کہا جاتا ہے "فرس سکب" بہت تیز دوڑنے والا، گویا وہ اپنی دوڑ کو انڈیلتا ہے۔ اس کی اصل ہے "سکب الماء یسکب" اس نے پانی انڈیلا اور وہ انڈیلتا ہے۔ آپ کی ملک میں آنے والا یہ پہلا گھوڑا تھا جسے آپ نے دس اوقیہ (چار سو درہم) میں خریدا تھا۔ اس گھوڑے کی پیشانی اور پاؤں سفید تھے (پنج کلیان تھا) مطیع و فرمانبردار تھا اور اس کے رنگ میں سیاہی اور سرخی کا امتزاج (کمیت) تھا۔۔۔ ابن اثیر نے سیاہ رنگ لکھا ہے۔

المرتجز...... دوسرا گھوڑا مُرتَجِزُ تھا اور مرتجز کا معنی رجز (شعر کی ایک قسم) پڑھنے والا، تو اس گھوڑے کی عمدہ ہنہناہٹ کی وجہ سے اس کو مرتجز کہا جاتا تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا اور اسی کے سلسلے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

الظرب...... ایک گھوڑے کا نام الظرب تھا۔ اس کی جمع الظراب ہے (الظرب چھوٹے پہاڑ کو کہتے ہیں)، چونکہ یہ گھوڑا بڑا اور موٹا تھا اس لیے اسے الظرب کہا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کی قوت اور کھروں کے سخت ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا۔ یہ گھوڑا آپ کو فروہ بن عمرو جذامی نے بطور تحفہ دیا تھا۔

اللحیف...... یہ گھوڑا ربیعہ بن براء نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے بھی موٹا اور بڑا ہونے کی وجہ سے لحیف کہا گیا۔ گویا وہ اپنی لمبی دُم کے ذریعے زمین کو ڈھانپ لیتا تھا۔ لحیف، فعیل کے وزن پر اسم فاعل کے

---

[1] سنن ابی داؤد و نسائی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواء بن حارث سے ایک گھوڑا خریدا تو اس نے (بعد میں اس سودے کا) انکار کر دیا۔ اس پر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ تو وہاں موجود نہ تھے پھر کس وجہ سے گواہی دی۔ انہوں نے عرض کیا: آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے میں نے اس کی تصدیق کی اور آپ تو ہمیشہ سچ فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: جس کے حق میں (حضرت) خزیمہ (رضی اللہ عنہ) شہادت دیں یا جس کے خلاف شہادت دیں ان کی گواہی کافی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے میں نے فلاں شخص کو لحاف سے ڈھانپا یعنی اس پر لحاف ڈال دیا۔ جیم کے ساتھ اللجیف اور خاء کے ساتھ اللخیف بھی مروی ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا لیکن یہ تحقیق نہیں فرمائی (کہ کس حرف کے ساتھ ہے) مشہور حاء کے ساتھ ہے (یعنی حاء نقطے کے بغیر) یہ بات النہایہ میں کہی گئی ہے۔

اللزاز...... شدت کے ساتھ چمٹ جانے کی وجہ سے اسے اللزاز کہا گیا یا اُس کے اعضاء کے جمع (قریب قریب) ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ کہا جاتا ہے "ولزبہ الشئی" یعنی وہ چیز اس کے ساتھ مل گئی گویا یہ گھوڑا اپنی تیزی کی وجہ سے مطلوب سے جاملتا تھا اور یہ گھوڑا مقوقس بادشاہ نے آپ کے لیے بطور تحفہ بھیجا۔

الورد...... ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ گھوڑا حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں سواری کے لیے دے دیا، پھر معلوم ہوا کہ ارزاں نرخ پر بیچا جارہا ہے (تو انہوں نے خریدنے کا ارادہ کیا لیکن) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نہ خریدنا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۴۹۰)

سبحہ...... کہتے ہیں "فرس سابح" اس وقت کہا جاتا ہے جب گھوڑا تیز دوڑنے کے لیے اپنے پاؤں کو آگے بڑھائے۔ ابن سیرین نے کہا: یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا جو آپ نے جہینہ قبیلہ کے ایک اعرابی سے دس اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔ ان سات گھوڑوں پر سب کا اتفاق ہے۔

حافظ دمیاطی کے بقول ابن بنین (عبدالغنی بن سلیمان رحمہ اللہ مشہور محدث متوفی ۶۱۷ھ) نے حضور علیہ السلام کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا البحر کے نام سے بھی ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: یہ گھوڑا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن سے آنے والے تاجروں سے خریدا تھا، اس پر سوار ہو کر آپ کئی بار دوسرے گھوڑوں سے آگے نکل گئے تو گھٹنوں کے بل ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: تم تو دریا ہو (بحر ہو) پس اس کا نام بحر ہو گیا۔ ابن اثیر نے کہا کہ وہ سُرخ و سیاہ رنگ کا (کمیت) گھوڑا تھا اور اس کی زین کھجور کی چھال سے ڈبل بنائی گئی تھی۔

السجل...... علی بن محمد بن حسین بن عبدوس کوفی نے اس کا ذکر کیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس قول سے ماخوذ ہو کہ "سجلت الماء فانسجل" میں نے اس پر پانی بہایا تو وہ بہہ گیا۔

ذواللمہ...... اس گھوڑے کا ذکر ابو جعفر محمد بن حبیب تاریخ دان نے کیا ہے۔

ذوالعقال...... عین پر پیش اور قاف کی تشدید کے ساتھ اور بعض نے شد کے بغیر کہا ہے۔

السرحان...... اس گھوڑے کا ذکر ابن خالویہ نے کیا ہے۔

ا؎ موطا اور صحیحین میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک گھوڑے پر کسی کو راہِ خداوندی میں سوار کیا، پس اس نے اسے ضائع کر دیا تو میں نے خریدنے کا ارادہ کیا اور میرا خیال تھا کہ وہ بیچ دے گا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے نہ خریدنا اگرچہ وہ تمہیں ایک درہم کے بدلے دے۔

الطرف...... ابن قتیبہ نے المعارف میں اس کا ذکر کیا اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ یہ وہی گھوڑا ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے خرید ا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شہادت دی تھی۔

المرتجل...... اس کا ذکر ابن خالویہ نے کیا ہے۔ جب گھوڑا تیز دوڑے اور دُور دُور قدم رکھے تو کہا جاتا ہے "ارتجل الفرس ارتجالا۔" (گھوڑا خوب تیز دوڑا) جب قدم دور دور رکھنے اور قریب قریب رکھنے تیز دوڑنے کے درمیان والی حالت ہو۔

المرواح...... مبالغہ کا صیغہ ہے جس طرح مطعام مبالغہ ہے۔ یہ ریح (ہوا) سے مشتق ہے یا رواح سے مشتق ہے اور اس کی وجہ تسمیہ گھوڑے کا تیز دوڑنا ہے۔ یہ گھوڑا مذحج قبیلے کی ایک جماعت نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ بات ابن سعد نے ذکر کی ہے۔

ملاوح...... اس گھوڑے کا تذکرہ بھی ابن خالویہ نے کیا ہے۔

المندوب...... بعض حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

النجیب...... ابن قتیبہ نے (المعارف میں) اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اسی گھوڑے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے خریدا تھا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شہادت دی تھی۔

الیعبوب اور الیعسوب...... قاسم بن ثابت نے "کتاب الدلائل" میں ان دونوں ناموں کا ذکر کیا اور اس گھوڑے کی زین کھجور کے چھال سے ڈبل بنائی گئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خچر بھی تھے جو حسب ذیل ہیں:

دلدل...... یہ شہباء (سیاہی مائل سفید) خچر تھی جو مقوقس بادشاہ نے تحفے کے طور پر بھیجی تھی۔

فضہ...... یہ خچر فروہ بن عمرو الجذامی نے پیش کی۔

ایک اور خچر تھی جو ابن العلماء یعنی ایلہ کے حکمران نے ہدیہ کے طور پر بھیجی۔ ایک دومۃ الجندل کی طرف سے پیش کی گئی اور ایک دوسری خچر نجاشی کی طرف سے تحفہ کے طور پر ارسال کی گئی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسریٰ بادشاہ نے ایک اور خچر بھی ارسال کی لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس نے آپ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا تھا۔

دراز گوش

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دراز گوش بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عفیر تھا جو مقوقس نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ایک یعفور تھا جو فروہ بن عمرو نے پیش کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی تھے۔

ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک دراز گوش پیش کیا تو آپ اس پر سوار ہوئے۔

اونٹنیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حاملہ اونٹنیاں بھی تھیں، جن کے ہاں بچے کی ولادت قریب ہو۔

القصواء..... یہ وہ اونٹنی ہے، جس پر آپ نے ہجرت فرمائی۔

العضباء اور الجدعاء ..... اونٹنیاں تھیں اور ان کے کان ناک وغیرہ کٹے ہوئے نہ تھے۔ اس کے باوجود ان کا یہ نام ہوا۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے کان کٹے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی اونٹنی کے نام ہیں۔

العضباء وہی اونٹنی ہے جس سے کوئی اونٹ آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنے اونٹ پر آیا تو وہ اس سے آگے نکل گیا۔ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان حقا على الله ان لا يرفع من الدنيا شيئا الا وضعه۔[2]	بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ جس چیز کو بلندی عطا کرتا ہے اسے پست کردے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۲)

غزوۂ بدر کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کا ایک اونٹ بطور غنیمت حاصل ہوا جس کے ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قربانی کے طور پر ذبح کیا تاکہ اس کے ذریعے مشرکین کو غصہ دلایا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینتالیس اونٹنیاں تھیں جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھیں۔ ان میں سے بعض کے نام اس طرح ہیں:

اطلال، اطراف، بردہ، برکہ، البغوم، الحناء، رمزہ، الریاء، السعدیہ، سقیا، السمراء، الشقراء، عجرہ، العریس، غوثہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے: غیشہ، قمر، مروہ، مہرہ، ورشہ، العسیرہ۔

---

[1] چونکہ یہ نام کان اور ناک کٹے ہوئے جانوروں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے مغالطہ دور کرنے کے لیے یہ بات فرمائی کہ ان کے یہ نام اس وجہ سے نہ تھے۔... ۱۲ ہزاروی۔

[2] (نوٹ) اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا پتا چلتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کس قدر گم تھے اور یہی محبت ایمان ہے۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر حضور علیہ السلام کی پاکیزہ ذات میں عیب تلاش کرتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہم)... ۱۲ ہزاروی۔

بکریاں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ چھ بکریاں دودھ کے لیے عطیہ کے طور پر تھیں جن کی حضرت اُمِ ایمن دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔

دسویں فصل

حضور علیہ السلام کی خدمت میں
حاضر ہونے والے صاحب عزت و شرف وفود

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وفد اس جماعت کو کہتے ہیں جس کو عظیم شخصیات سے ملاقات کی خاطر بھیجنے کے لیے چُنا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کو وافد کہا جاتا ہے۔

وفود کی ابتداء اس وقت ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ کے آخر میں جعرانہ سے واپس تشریف لائے اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: غزوۂ تبوک کے بعد وفود کی آمد شروع ہوئی اور ابن ہشام کے نزدیک ۹ھ کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں وفود کا ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ الدمیاطی نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں اور ابن سید الناس نیز مغلطائی اور حافظ زین الدین عراقی نے بھی ابن سعد کی اتباع کی ہے اور ان حضرات نے جن وفود کا ذکر کیا ہے مجموعی طور پر وہ ساٹھ سے زیادہ ہیں۔

ہوازن کا وفد

جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہوازن کا وفد حاضر خدمت ہوا اور حضرت موسیٰ بن عقبہ نے المغازی میں ذکر کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب شوال کے مہینے میں طائف سے جعرانہ کی طرف تشریف لائے اور وہاں ہوازن قبیلے کے قیدی تھے تو ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آپ کے پاس آیا۔ ان میں سے نو افراد ان کے معززین میں سے تھے، وہ اسلام لائے اور بیعت کی اور آپ سے اپنے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا: کہا یا رسول اللہ! جو لوگ آپ کے پاس ہیں ان میں (آپ کی رضاعی) مائیں، بہنیں، پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: عنقریب میں تمہارے لیے سوال کروں گا اور مال غنیمت کی تقسیم

ہو چکی ہے۔ تم دو باتوں میں سے کس بات کو پسند کرتے ہو؟ قیدی یا مال؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں حسب اور مال میں اختیار دیا ہے تو ہمیں حسب زیادہ پسند ہے، ہم بکریوں اور اونٹوں کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے۔ (ہمیں اپنے قیدی مطلوب ہیں)

آپ نے فرمایا: جو کچھ بنوہاشم کے پاس ہے وہ تمہارا ہے اور عنقریب میں تمہارے لیے مسلمانوں سے گفتگو کروں گا۔ تم بھی ان سے گفتگو کرو اور اپنے اسلام کا اظہار کرو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ان کے خطباء نے نہایت بلیغ گفتگو کی اور قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں مسلمانوں کو ترغیب دی پھر ان کے خطیب کے فارغ ہونے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کی سفارش فرمائی اور مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا: بنوہاشم کے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے واپس کر دیا ہے۔۔۔

ابن اسحٰق نے حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے (حضرت عمرو کے) دادا سے روایت کیا کہ ہوازن[1] کا وفد جعرانہ مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اہل و عیال اور قبیلے والے ہیں اور ہم جس آزمائش میں مبتلا ہیں وہ آپ پر مخفی نہیں ہے۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا اور ان کے خطیب حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! قیدیوں میں جو عورتیں قید ہیں وہ آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی پرورش کرنے والیاں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی اور آپ کی بہترین کفالت کی گئی۔ پھر یہ شعر پڑھا:

امنن علینا رسول اللہ فی کرم　　فانک المرء نرجوہ وندخر

"اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان فرمائیں اور کرم کیجئے۔ آپ ایسی شخصیت ہیں جن سے ہم امید رکھتے ہیں اور (اپنے مصائب میں) آپ کو سرمایہ (ثروت) جانتے ہیں۔"

اعلیٰ حضرت علی الرحمہ فرماتے ہیں، ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام۔

مشہور اشعار آگے آ رہے ہیں۔

امام طبرانی کی معجم صغیر میں ان کی ثلاثیات[2] سے ہے۔ حضرت زہیر بن صرد جشمی فرماتے ہیں: جب غزوۂ حنین کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیدی بنایا اور قیدیوں اور بکریوں کو تقسیم کر دیا تو میں حاضر ہوا اور یہ اشعار پڑھے:

---

[1] قبیلہ ہوازن حضرت حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ تھا اور حضور علیہ السلام نے ان کے ہاں دودھ پیا اور پرورش پائی تھی، اس لیے ان سے آپ کا رشتہ قائم ہوا۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] امام طبرانی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین افراد کا واسطہ ہے۔ ایسی روایات ثلاثیات کہلاتی ہیں۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

امنن علينا رسول الله فى كرم ... فانك المرء نرجوه وندخر
امنن على بيضة قد عاقها قدر ... فشتت شملها فى دهرها غير
ابقت لنا الدهر هتافا على حزن ... على قلوبهم الغماء والغمر
ان لم تداركهم نعماء تنشرها ... يا ارجح الناس حلما حين تختبر
امنن على نسوة قد كنت ترضعها ... اذ فوك تملؤه من محضها الدرر
اذ انت طفل صغير كنت ترضعها ... واذ يزينك ما تاتى وما تذر
لا تجعلنا كمن شالت نعامته ... واستبق منا فانا معشر زهر
انا لنشكر للنعماء اذ كفرت ... وعندنا بعد هذا اليوم مدخر
فالبس العفو من قد كنت ترضعه ... من امهاتك ان العفو مشتهر
يا خير من مرحت كمت الجياد به ... عند الهياج اذا ما استوقد الشرر
انا نؤمل عفوا منك تلبسه ... هادى البريه اذ تعفو وتنتصر
فاعفو عفا الله عما انت راهبه ... يوم القيامه اذ يهدى لك الظفر

"یارسول اللہ! کرم فرماتے ہوئے ہم پر احسان کیجئے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جن سے ہم امید کرتے اور (اپنے مصائب میں) آپ کو سرمایہ (ثروت) جانتے ہیں"۔

"اس قبیلے پر احسان کیجئے جسے تقدیر نے بے سروسامان کر دیا، اس کی جماعت اپنے زمانے میں بکھر گئی اور اس کی حالت بدل گئی"۔

"زمانے نے ہمارے لیے غم پر مبنی آواز چھوڑی ہے اور ان کے دلوں میں غم اور کینہ ہے"۔

"اگر آپ ان کے پُرسانِ حال نہ ہوں گے اور نعمت سے بہرہ ور نہیں فرمائیں گے تو وہ بکھر جائیں گے۔ اے وہ ذات کہ آزمائش کے وقت آپ بُردباری میں سب پر ترجیح رکھتے ہیں"۔

"ان خواتین پر احسان کیجئے جن کا دودھ آپ نے نوش فرمایا ہے۔ آپ کا دہن مبارک ان کے دودھ سے بھرا ہے"۔

"جب آپ چھوٹے بچے تھے تو ان کا دودھ پیتے تھے اور وہ چیزیں آپ کی زینت کا باعث بنتی تھیں جن کو آپ اختیار کرتے اور چھوڑتے"۔

"ہمیں اس شخص کی طرح نہ کر دیں جس کا شتر مرغ اُڑ چکا ہو (بے یار و مددگار ہو) ہمیں رہنے دیں، ہم ایک عمدہ قبیلہ ہیں"۔

"ہم ان نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں جن کی ناشکری کی جاتی ہے اور آج کے بعد ہمارے پاس ذخیرہ ہوگا"۔

"آپ ان لوگوں کو معافی کا لباس پہنائیں جن کی ماؤں کا دودھ آپ پیتے تھے۔ آپ کا عفو و درگزر

مشہور ہے"۔

"اے بہترین شخص! جس کے ساتھ گھمسان کی جنگ میں تیز رو سُرخ گھوڑے اِتراتے اور ناز کرتے ہیں۔ ہم آپ سے عفو و درگزر کے امیدوار ہیں اے مخلوق کے ہادی! جب آپ معاف کریں اور مدد فرمائیں، آپ معاف کیجئے آپ کو اللہ تعالیٰ اس سے معاف کرے جس سے آپ خوفزدہ ہیں، قیامت کے دن جب آپ کامیاب ہوں گے"۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس اور عبدالمطلب (بنوہاشم) کے پاس ہے وہ تمہارا ہے اور قریش نے کہا: جو کچھ ہمارے لیے ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور انصار نے کہا: جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

امام طبرانی اور حضرت زہیر کے درمیان کا راوی معلوم نہیں لیکن ان کی حدیث اس مذکورہ متابعت سے قوی ہو جاتی ہے، پس یہ حدیث حسن ہے۔ جس نے اس کو منقطع کہا اس کو وہم ہوا اور ابن اسحٰق نے جو اشعار نقل کیے ہیں امام طبرانی نے ان پر پانچ اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

واقدی نے ذکر کیا کہ ہوازن کا وفد چوبیس گھرانوں پر مشتمل تھا۔ ان میں ابوبرقان سعدی بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کی مائیں، خالائیں، آپ کی پرورش کرنے والیاں اور دودھ پلانے والیاں ہیں، پس ہم پر احسان کریں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا انتظار کیا، حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ تم نہیں آؤ گے اور میں نے قیدی تقسیم کر دیے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۹۵۰)

ثقیف کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو ثقیف کا وفد آپ کے پاس آیا اور ان کا معاملہ یہ تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ثقیف کے حق میں بددُعا فرمائیں۔ آپ نے یُوں دُعا فرمائی:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ یااللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (میرے پاس) لا۔

(کنزالعمال جلد ۱۲ ص ۶۳)

جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے آئے حتیٰ کہ آپ کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے پالیا، پس وہ اسلام لائے اور آپ سے اجازت طلب کی کہ اسلام کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں۔ جب انہوں نے اپنے بالاخانے سے جھانکا اور ان کو اسلام کی دعوت دی نیز ان کے لیے اپنے دین کو ظاہر کیا تو انہوں نے ہر طرف سے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے، ان کو ایک تیر لگا اور وہ شہید

ہو گئے۔

پھر بنو ثقیف ان کی شہادت کے بعد کئی ماہ تک خاموش رہے اور اس کے بعد انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ اردگرد کے عربوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے، چنانچہ انہوں نے بیعت کی، اسلام لائے اور اس بات پر متفق ہوئے کہ کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔

چنانچہ انہوں نے عبدیالیل بن عمرو ابن عمیر کو بھیجا اور اس کے ساتھ احلاف (حلیفوں) میں سے دو آدمی حکم بن عمرو بن وہب بن معتب بن مالک اور شرحبیل بن غیلان اور بنو مالک میں سے تین آدمی عثمان بن ابی العاص، اوس بن عوف اور نمیر ابن خرشہ کو بھیجا۔

جب یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مسجد کے کنارے پر ان کے لیے ایک خیمہ لگا دیا اور خالد بن سعید بن عاص، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان سفارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ایک تحریر کی درخواست کی۔ حضرت خالد بن سعید نے ہی وہ خط لکھا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے بت لات کو چھوڑ دیں اور تین سال تک اسے نہ گرائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ حضرت ابو سفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جا کر اسے گرائیں گے۔

انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی کیا کہ آپ ان سے نماز معاف کر دیں اور وہ اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے گرائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم خود اپنے بتوں کو توڑو، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکتوبِ گرامی تحریر کر دیا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور وہ ان میں سے سب سے چھوٹے تھے لیکن اسلام کی سمجھ حاصل کرنے اور قرآن مجید سیکھنے کی سب سے زیادہ حرص رکھتے تھے۔

وہ لوگ اپنے شہر کی طرف واپس ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت ابو سفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بھی ان کے بت کو توڑنے کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس بت کے اوپر چڑھ گئے اور کدال سے اس پر ضرب لگائی تو ثقیف کی عورتیں افسوس کرتے ہوئے اور روتی ہوئی باہر نکل آئیں اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑنے کے بعد اس کا مال اور زیورات وغیرہ لے لیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو تحریر عطا فرمائی، اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی المؤمنین: ان عضاہ وج وصیدہ حرام لا یعضد، من وجد یفعل شیئا من ذلک فانہ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مومنوں کے نام۔ بے شک وادی وج کے کانٹے دار درخت اور شکار حرام ہے (ان درختوں کو) نہ کاٹا جائے اور

یجلد، وتنزع ثیابه، فان تعدی ذلک فانه یوخذ فیبلغ النبی محمدا، وان هذا امر النبی محمد رسول الله، وکتب خالد بن سعید بامر الرسول محمد بن عبدالله، فلا یتعداه احد فیظلم نفسه فیما امر به محمد رسول الله۔

جو شخص اس طرح کرتے ہوئے پایا گیا تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کا لباس اُتار دیا جائے گا۔ اگر وہ حد سے بڑھے تو اس کو پکڑ کر نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ یہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور اللہ کے رسول حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے خالد بن سعید نے تحریر کیا، پس کوئی شخص اس سے تجاوز نہ کرے، اس طرح وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے بارے میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوگا۔۔۔

وج، طائف میں ایک وادی ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ حرم کا حصہ ہے اور اس کا شکار کرنا یا درخت کاٹنا حرام ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک پوری دنیا میں صرف حرم مکہ اور حرم مدینہ حرم ہے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حرم مدینہ کے سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔[1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ وج، حرم ہے اور اس کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہیں اور اس قول پر دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک وہ حدیث جو ابھی گزر چکی ہے اور دوسری حدیث حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان صید وج وعضاهه حرم محرم لله۔

بے شک وج (وادی) کا شکار اور درخت حرم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے حرام ہیں۔

(سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۸۵، مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۱۶۵)

لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا اپنے والد سے روایت کرنا محلِ نظر ہے، اگرچہ انہوں نے ان کو دیکھا ہے۔

معتمر بن سلیمان (التیمی) کے مغازی میں حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی سے مروی ہے، وہ اپنے چچا حضرت عمرو بن اوس سے، وہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر مقرر کیا اور میں ان لوگوں میں سے سب سے چھوٹا تھا جو ثقیف کے وفد کے طور پر آئے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سورۂ بقرہ پڑھا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے قرآن بھول جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور فرمایا: اے شیطان! عثمان

---

[1] حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مدینہ طیبہ کا شکار کرنا، وہاں کے درخت کاٹنا جائز قرار دیا اور آپ نے صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۱۰)

کے سینے سے نکل جا۔۔۔ (فرماتے ہیں) اس کے بعد میں جس چیز کو یاد کرنا چاہتا اسے کبھی نہیں بھولتا تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ شیطان خنزب کہلاتا ہے۔ جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دو۔۔۔ فرماتے ہیں میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۴)

بنوعامر کا وفد

بنوعامر کا وفد بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہوئے اور بنو ثقیف اسلام قبول کر کے بیعت کر چکے تو عرب کے وفود ہر طرف سے آنے لگے' پس وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ وہ ہر طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۴)

پس بنوعامر کا وفد بھی آپ کے پاس آیا۔ ان میں عامر بن طفیل' اربد بن قیس' خالد بن جعفر (صحیح اربد بن قیس بن جزء بن خالد بن جعفر ہے) اور حیان بن اسلم بن مالک بھی شامل تھے (ابن ہشام کے نزدیک جبار بن سلمی بن مالک بن جعفر تھے) یہ لوگ اپنی قوم کے سردار اور شیطان تھے۔

چنانچہ اللہ کا دشمن عامر بن طفیل' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتا تھا' چنانچہ اس نے اربد سے کہا کہ جب ہم اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں تو میں ان کے چہرے کو تمہاری طرف سے دوسری طرف متوجہ رکھوں گا۔ جب میں ایسا کروں تو تم تلوار سے ان کو قتل کر دینا' پس عامر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس زمین کو آپ پر گھوڑوں اور آدمیوں سے بھر دوں گا' پس جب وہ واپس ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: یااللہ! عامر بن طفیل کے خلاف میری مدد فرما!

جب وہ دونوں باہر نکلے تو عامر نے اربد سے کہا: تجھ پر افسوس ہے میں نے تمہیں جس بات کا تجھے حکم دیا تھا تو نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے جب بھی اس بات کا ارادہ کیا جو تم نے کہی تھی تو تو میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا تو کیا میں تمہیں قتل کر دیتا۔ اور جب وہ راستے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کی گردن پر طاعون کی بیماری پیدا کر دی سو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷ ۲۳' زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن طفیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں آپ کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتا ہوں۔ نرم زمین والے آپ کے لیے اور پتھریلے مکانوں والے میرے لیے ہوں یا میں آپ کے بعد آپ کا نائب ہوں گا ورنہ میں غطفان کے ہمراہ ایک ہزار سرخ گھوڑے اور ایک ہزار سرخ گھوڑیاں

لے کر مقابلہ کروں گا۔ پس وہ ایک عورت کے گھر میں طاعون کا شکار ہوا تو اس نے کہا: یہ جوان اونٹ کے طاعون کی طرح کا طاعون ہے جو بنوفلاں کی عورت کے گھر میں ہوا، میرا گھوڑا لاؤ۔ پس وہ سوار ہوا اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہی مر گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶، الفاظ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ)

عبدالقیس کا وفد

عبدالقیس کا وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں ان کی عزت و شرف کو بڑھایا اور یہ بہت بڑا قبیلہ تھا جو بحرین میں رہتے تھے اور عبدالقیس بن افصیٰ کی طرف منسوب تھے۔ افصیٰ، دعمیٰ کا بیٹا تھا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عبدالقیس کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: کس قوم سے ہو؟ انہوں نے کہا: ربیعہ سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس وفد کا آنا مبارک ہو، انہیں ذلت ہوگی نہ ندامت۔۔۔

انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان یہ مضر کفار کا قبیلہ (حائل) ہے اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں، پس آپ ہمیں ایک تفصیلی اور جامع حکم دیں جسے ہم اختیار کریں اور اپنے بعد والوں کو بھی بتائیں اور اس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھو، کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر ایمان کیا ہے؟ (پھر فرمایا) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ دو۔ اور میں تمہیں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: دباء، حنتم، نقیر اور مزفت سے روکتا ہوں[1] پس ان باتوں کو یاد رکھو اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ان کی دعوت دو۔[2] (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۳، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۴)

ابن قیم نے اس واقعہ کے ضمن میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ان قولی اور فعلی خصائل کے مجموعہ کا نام ہے، جس طرح اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تابعین اور ان کے متبعین نے عمل کیا۔ یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ نے مبسوط میں ذکر کی ہے اور اس پر کتاب و سُنت سے ایک سو کے قریب دلائل دیئے

---

[1] زمانہ جاہلیت میں کچھ برتن شراب بنانے کے لیے خاص تھے، ان میں شراب بنائی جاتی تھی۔ دباء کدو کو اندر سے کھرچ کر بناتے تھے، حنتم سبز گھڑا، نقیر بانس وغیرہ کے تنے کو کھرچ کر برتن بنایا جاتا تھا اور مزفت وہ برتن جس پر تارکول لگاتے تھے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۱۲)

[2] تمہارے وہ لوگ جو یہاں نہیں آئے، اسی طرح ان کے علاوہ جو لوگ تمہارے پاس آئیں ان کو بھی یہ باتیں بتاؤ۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۱۳)

ہیں۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خصائل میں حج کو شمار نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ ۹ھ میں آئے تھے اور حج ابھی تک فرض نہیں ہوا تھا بلکہ حج ۱۰ھ میں فرض ہوا۔ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے۔ جن کے نزدیک ابھی (۹ھ میں) حج فرض نہیں ہوا تھا؛ اگر حج فرض ہوا ہوتا تو اسے ایمان سے شمار فرماتے جس طرح روزے اور زکوٰۃ کو شمار کیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۶)

عبدالقیس کے دو وفد تھے: ایک فتح مکہ سے پہلے آیا اسی لیے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کفار حائل ہیں اور یہ پہلے کی بات ہے یعنی ۵ھ یا اس سے پہلے کی، اور ان کی بستی بحرین میں تھی۔ پہلے وفد میں تیرہ مرد شامل تھے اور کہا گیا کہ چودہ سوار تھے اور اسی موقع پر انہوں نے ایمان اور مشروبات کے بارے میں سوال کیا اور ان میں اشج (منذر بن عائذ) بھی تھے جو ان کے سردار تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آپ میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں: ایک بردباری اور دوسری اطمینان۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے بیان فرما رہے تھے کہ عنقریب تم پر اس جگہ سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوگا، وہ اہلِ مشرق میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی طرف کھڑے ہوئے تو تیرہ سواروں سے ملاقات کی اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کی بشارت دی۔ پھر ان کے ساتھ چلے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو سواریوں سے جلدی جلدی گرایا اور آپ کے ہاتھ مبارک چومنے لگے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۲۷)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے الادب المفرد میں نقل کیا ہے۔ ممکن ہے ان مذکورہ افراد میں سے ایک پیدل ہوں یا دوسرے کے پیچھے بیٹھے ہوں۔

اور دوسرا وفد اس سال آیا جو وفود کا سال کہلاتا ہے اور اس وقت وہ چالیس مرد تھے، جس طرح ابو خیرہ (یا ابو خیوۃ) صباحی کی حدیث میں ہے۔ ابن مندہ کے ہاں اسی طرح ہے۔

اس وفد کے متعدد ہونے کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا بات ہے میں تمہارے چہروں کے رنگ بدلے ہوئے دیکھتا ہوں؟ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے اس تبدیلی سے پہلے بھی ان کو دیکھا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۷) اور ان کا "یا رسول اللہ" کہنا اس بات

---

[1] اعمال، ایمان کے کمال کے لیے شرط ہیں ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہیں یعنی ایمان صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور اعمال کی وجہ سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایمانیات کو دل سے مانتا ہے لیکن عمل میں کوتاہی کرتا ہے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

کی دلیل ہے کہ گفتگو کے وقت وہ مسلمان تھے، اسی طرح ان کا "کفار مضر" اور "اللہ ورسولہ اعلم" کہنا بھی ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔

ان کے پہلے سے مسلمان ہونے پر صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا، جو بحرین کے علاقہ میں جواثی مقام پر ہے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷) اور یہ ان لوگوں کی بستی ہے۔ انہوں نے اپنے وفد کی واپسی کے بعد جمعہ قائم کیا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کی طرف تمام بستیوں سے سبقت کی۔ (فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۴) اور جو کچھ ابن قیم نے کہا کہ حدیث میں حج کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا تو یہ بات قابل اعتماد ہے۔ ان لوگوں کے پہلے سے اسلام قبول کرنے کی دلیل گزر چکی ہے لیکن ابن قیم کا واقدی کی اتباع میں یہ کہنا کہ وہ لوگ فتح مکہ سے پہلے ۹ھ میں آئے تھے[1] عمدہ بات نہیں ہے کیونکہ سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق حج ۶ھ میں فرض ہوا لیکن انہوں نے دوسروں کی طرح فرضیت حج کے سلسلے میں ۱۰ھ والے قول کو پسند کیا حتیٰ کہ ان کے مذہب پر کہ حج فوری طور پر کیا جائے، کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حج کی تاخیر کے سلسلے میں اس سے استدلال کیا کہ حج، ہجرت کے بعد فرض ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ اور ۹ھ میں حج کرنے پر قادر تھے لیکن آپ نے ۱۰ھ میں حج فرمایا۔

(فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۴) اس سلسلے میں عبادات کے ضمن میں مزید تفصیل آئے گی۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، حالانکہ پانچ باتیں مذکور ہیں۔

جواب: قاضی عبدالوہاب (فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۴ میں قاضی عیاض ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے) نے ابن بطال کی اتباع میں جواب دیا کہ چار باتیں خمس کی ادائیگی کے علاوہ ہیں۔

گویا آپ نے ان کو ایمان کے قواعد اور فرضِ عین امور سے آگاہ کرنے کا ارادہ فرمایا پھر ان کو بتایا کہ جب وہ جہاد کریں تو (مالِ غنیمت سے) کس قدر مال نکالنا ہوگا کیونکہ وہ مضر کے کفار سے لڑائی کی حالت میں تھے اور اس کو مستقل اعتبار سے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا سبب جہاد ہے اور اس وقت تک جہاد فرض عین نہیں ہوا تھا اسی لیے حج کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت تک حج بھی فرض نہیں ہوا تھا۔

اور ان کے غیر (ابن صلاح) نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی "کہ تم دو" یہ آپ کے قول "باربع" (چار) پر معطوف ہے یعنی میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور تم دو---

اس توجیہ پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ لفظ اربع (چار) اور لفظ اتیان (لانا) کے سیاق سے ہٹ کر لفظ ان اور فعل (تعطوا) لایا گیا اور ان کو مخاطب کیا گیا۔ (یعنی پہلے بطور مصدر لایا گیا شہادت دینا، نماز قائم کرنا وغیرہ اور پھر

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آئے، کیونکہ مکہ فتح سنہ ۸ھ میں ہوا (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷)۔ ۱۲ ہزاروی

خطاب کیا کہ تم دو)۔ (فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۳)

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک ہی شمار کیا کیونکہ اللہ کی کتاب میں دونوں کا اکٹھا ذکر ہے اچوتھی چیز خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) ادا کرنا ہے یا خمس کو شمار نہ کیا ہو کیونکہ وہ زکوٰۃ کے عموم میں داخل ہے اور دونوں کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں میں مقرر مال نکالنا ہوتا ہے۔

حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ پانچ امور یہاں ایمان کی تفسیر ہیں اور یہ مجموعہ ان چار میں سے ایک ہے جن کا وعدہ کیا گیا (یعنی حکم دیا گیا) اور باقی تین کو راوی نے اختصار کے طور پر یا بھول کر حذف کر دیا۔ (فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۴)

لیکن اس بات کا رد کیا گیا کہ صحیح بخاری میں یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں: "اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی" اور اسے ایک شمار کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہادت چار باتوں میں سے ایک ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جن چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے' ان میں سے پہلی بات نماز قائم کرنا ہے' کلمہ شہادت کا ذکر تبرک کے طور پر ہے۔

طیبی بھی اسی طرف مائل ہوئے ہیں' انہوں نے فرمایا: بلغاء کی عادت ہے کہ جب کوئی کلام کسی غرض کے تحت ہو تو وہ اسی کے سیاق میں ہوتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں کلمہ شہادت مقصود نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ مومن تھے اور کلمہ شہادت کا اقرار کرتے تھے لیکن جب ان کا خیال یہ تھا کہ ایمان صرف یہی ہے جس طرح کہ اسلام کے آغاز میں تھا تو آپ نے یہ بات فرمائی اور کلمہ شہادت کو ان چار باتوں میں شمار نہیں کیا۔

(فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۵)

بنو حنیفہ کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو حنیفہ کا وفد بھی حاضر ہوا جن میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ لوگ انصار کی ایک خاتون کے گھر میں ٹھہرے جو بنو نجار سے تعلق رکھتی تھی۔

وہ لوگ مسیلمہ کو ایک کپڑے سے ڈھانپ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ انہوں نے اس کو کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے آپ سے گفتگو کی اور سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے یہ شاخ مانگو جو میرے ہاتھ میں ہے تو میں تمہیں نہ دوں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۳۰)

ابن اسحٰق نے یہ حدیث دوسری طرح ذکر کی ہے' انہوں نے فرمایا: مجھ سے اہلِ یمامہ کے ایک شیخ نے جو بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا بیان کیا کہ بنو حنیفہ کا وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے مسیلمہ کو اپنی منزل میں چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس کی جگہ کا ذکر کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے

اپنے ایک ساتھی کو اپنے سامان اور سواریوں کے پاس حفاظت کے لیے چھوڑا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی وہی حکم دیا جو باقی لوگوں کو دیا[1] اور ان سے فرمایا کہ وہ تم میں سے بڑے مقام والا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کے مال کی حفاظت کر رہا تھا۔

پھر وہ واپس ہوئے اور یمامہ پہنچے تو وہ دشمنِ خدا مُرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اس معاملے (نبوت) میں ان کے ساتھ شریک ہوں، پھر وہ اشعار کہنے لگا اور قافیے ملانے لگا اور وہ ان سے جو کچھ کہتا قرآنِ پاک کے مشابہ کہتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۳۱) اس نے یُوں کہا:

لقد انعم اللہ علی الحبلی، اخرج منھا نسمۃ تسعی من بین صفاق وحشی۔

اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت پر انعام فرمایا کہ اس سے رُوح نکالی جو نچلے چمڑے اور آنتوں کے درمیان دوڑتی ہے۔

اور اس لعنتی نے سورۃ "انا اعطیناک الکوثر" کے وزن پر مسجع یوں بنایا:

انا اعطیناک الجواھر فصل لربک وھاجر ان مبغضک رجل فاجر۔

ہم نے آپ کو جوہر عطا کیے آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور ہجرت کریں بے شک آپ سے دشمنی کرنے والا نافرمان شخص ہے۔

ایک روایت میں یُوں ہے:

انا اعطیناک الجماھر فخذ لنفسک وبادر واحذر ان تحرص او تکاثر۔

بے شک ہم نے آپ کو خزانے عطا کیے پس آپ اپنے لیے اختیار کریں اور جلدی کریں اور حرص کرنے یا کثرت کی خواہش سے بچیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وبادر فی اللیالی الغوادر۔

ہم نے آپ کو بہت زیادہ عطا کیا پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور اندھیری راتوں میں جلدی کریں۔

اور اس ذلیل کو معلوم نہ ہو کہ وہ مطلوب سے محروم رہے گا اور عنقریب معجزات کے بیان میں مسیلمہ کذاب کے رکیک مسجع کا ذکر ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کہا گیا ہے کہ اس نے بوتل میں انڈہ ڈال کر دعویٰ کیا کہ یہ اس کا معجزہ ہے، پس وہ اس قسم کی بات سے ذلیل ہوا جو کہی گئی ہے کہ جب شراب سے بنائے گئے سرکہ میں نوشادر ڈالی جائے اور اس میں انڈہ ڈالا جائے جو اسی دن حاصل ہوا اور اسے ایک دن رات رکھا جائے تو وہ دھاگے کی طرح لمبا ہو جاتا ہے، پھر اسے شیشی میں ڈال کر اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے تو وہ جم جاتا ہے۔۔۔

---

[1] ان میں سے ہر ایک کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

اور جب اس لعین نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا جو بیمار تھا تو وہ صحیح ہوگیا اور کنوئیں میں لعاب مبارک ڈالا تو اس کا پانی زیادہ ہوگیا' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھ دُکھتی تھی تو اس میں لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہوگئی۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب لعنتی نے کنوئیں میں تھوکا تو اس کا پانی ختم ہوگیا' ایک بینا شخص کی آنکھ میں لعاب لگایا تو وہ اندھا ہوگیا' ایک دودھ دینے والی بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا تو اس کا دودھ ختم ہوگیا اور خشک ہوگیا۔ الشقراطیسی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کیا خوب کہا:

اعجزت بالوحی ارباب البلاغة فی عصر البیان فضلت اوجه الحیل
سالتهم سوره فی مثل حکمته فتلهم عنه حین العجز حین تلی
فرام رجس کذوب ان یعارضه بعی غی فلم یحسن ولم یطل'
مشبج برکیک الافک ملتبس ملجلج بزری الزور والخطل
یمج اول حرف سمع سامعه ویعتریه کلال العجز والملل
کانه منطق الورهاء شذ به لبس من الخبل اومس من الخبل
امرت البئر واغورت لمجته فیها واعمی بصیر العین بالتفل
وایبس الضرع منه شئوم راحته من بعد ارسال رسل منه منهمل

"آپ نے وحی کے ذریعے اربابِ بلاغت کو اپنے زمانے میں بیان سے عاجز کر دیا' پس ان کے تمام حیلے بیکار ہوگئے"۔

"آپ نے ان سے اس جیسی پر حکمت سورت کا مطالبہ کیا لیکن جب قرآن کی سورت پڑھی گئی تو وہ عاجز ہوگئے"۔

"تو ناپاک جھوٹے (مسیلمہ کذاب) نے گمراہی پر مبنی کلام کے ساتھ مقابلے کا ارادہ کیا لیکن وہ اسے بھی اچھی طرح پیش نہ کرسکا اور اس کا کلام حُسن سے خالی تھا"۔

"جس کے معانی فاسد' کلام بیہودہ' جھوٹ' حقیر اور مردود فاحش تھا"۔

"اس کا پہلا حرف ہی سننے والے کو تھکا دیتا تھا۔ گویا وہ بیوقوف عورت کا مخلوط کلام ہے اور اس میں فساد ملا ہوا ہے۔ کنوئیں کو حکم دیا تو اس کی کلی سے اس کا پانی نیچے چلا گیا اور تھوک لگانے سے دیکھنے والے کی بینائی چلی گئی۔ اس کے منحوس ہاتھ کی وجہ سے بکری کا تھن خشک ہوگیا حالانکہ پہلے دودھ اُترتا تھا"۔

مسیلمہ کذاب کے کلام کو جس کے ذریعے اس نے معارضہ کیا ورہاء عورت کے کلام سے تشبیہ دی اور یہ بے وقوف عورت تھی' جو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے ایسا کلام کرتی تھی' جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایسا مخلوط اور بیہودہ کلام کرتی تھی' جس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس کلام کا بعض' بعض کے مشابہ ہوتا اور یہ اس آدمی کے کلام کی طرح تھا جس کے دماغ میں فساد ہو یا وہ پاگل ہو۔

پھر اس لعین نے اپنی قوم سے نماز اٹھادی اور ان کے لیے شراب اور زنا حلال قرار دیا اور اس کے باوجود وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خط لکھا:

من مسيلمة رسول الله الى محمد رسول الله، اما بعد: فانى قد اشركت معك فى الامر، وان لنا نصف الامر، ولقريش نصف الامر۔

اللہ کے رسول (معاذ اللہ) مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کے بعد! میں آپ کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہوں اور ہمارے لیے نصف معاملہ ہے اور دوسرا نصف قریش کے لیے ہے۔

اس کا قاصد خط لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی طرف لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب، سلام على من اتبع الهدى، اما بعد: فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ اس کے بعد: بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور آخرت کا بہترین انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ مسیلمہ کذاب، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد یہ کام (خلافت) میرے سپرد کردیں تو میں ان کی اتباع کروں گا اور وہ مدینہ طیبہ میں اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی، حتیٰ کہ آپ مسیلمہ کے پاس کھڑے ہوئے، جو اپنے ساتھیوں میں موجود تھا اور آپ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے (لکڑی کا) یہ ٹکڑا بھی مانگو تو تمہیں نہیں دوں گا، تُو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہیں بڑھ سکتا، جو تیرے بارے میں ہے اور اگر تو پیٹھ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کردے گا اور میں تیرے بارے میں وہی بات گمان کرتا ہوں جس کے بارے میں مجھے وہ کچھ دکھایا گیا جو دکھایا گیا۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے، پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں پوچھا جس میں آپ نے فرمایا کہ تُو وہی ہے جس کے بارے میں مجھے دکھایا گیا جو میں نے دیکھا تو حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دوران کہ میں سو رہا تھا میں نے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو ان کے معاملے نے مجھے پریشان کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں ہی مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ ان کو پھونک دیں۔ میں نے پھونکا تو وہ اُڑ گئے تو میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹے آدمیوں سے کی جو میرے بعد ظاہر ہوں گے تو وہ دو جھوٹے یہ ہیں: ایک عنسی صاحب صنعاء اور دوسرا مسیلمہ (کذاب)۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۸، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴)

سوال: ابن اسحٰق کی خبر اس حدیث صحیح کے ساتھ کس طرح مطابق ہوگی جس میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے مخاطب ہوئے اور اس کی قوم کے سامنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اگر وہ کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے تو میں اسے نہیں دوں گا۔

جواب: صحیح بخاری میں جو کچھ مذکور ہے وہ زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ مسیلمہ دو مرتبہ آیا ہو، پہلی مرتبہ (کسی کے) تابع ہو کر آیا ہو اور بنو حنفیہ کا رئیس کوئی دوسرا شخص ہو اسی لیے اس نے اس کو سامان وغیرہ کی حفاظت کے لیے ٹھہرایا۔ اور دوسری مرتبہ متبوع بن کر آیا ہو اور اس مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خطاب فرمایا ہو۔

یا واقعہ ایک ہی ہو اور وہ اپنے اختیار سے سامان کے پاس ٹھہرا ہو اور حضور علیہ السلام کی مجلس میں حاضری سے نفرت اور تکبر کی راہ اختیار کی ہو اور آپ نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق کرم فرماتے ہوئے اُلفت کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس کی قوم سے فرمایا کہ وہ تم میں سے بُرا آدمی نہیں یعنی اس کا مقام بُرا نہیں کیونکہ وہ سامان کی حفاظت کر رہا تھا اور آپ نے قول و فعل کے ذریعے احسان کرتے ہوئے پیار و محبت کا سلوک کیا۔ پس جب مسیلمہ کے سلسلے میں یہ بات فائدہ مند نہ ہوئی تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اس پر حجت مکمل کر دیں اور ڈر سنانے کے ذریعے اپنا عُذر پیش کر سکیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۷۰)

قبیلہ طے کا وفد

قبیلہ طے کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان میں ان کے سردار زید الخیل بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بہت عمدہ طریقے پر اسلام لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے کسی عربی شخصیت کی فضیلت ذکر کی جاتی ہے تو میں اسے اس سے کم پاتا ہوں البتہ زید الخیل کی خوبیوں تک رسائی نہیں ہوتی پھر آپ نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۳۲۱)

حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے، جب نجد کے ایک چشمے پر پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئے۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ایک قول کے مطابق آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔

ان کے دو بیٹے تھے: مکنف اور حریث۔ ان دونوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مرتدین سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

کندہ کا وفد

کندہ کا وفد اسی یا نوے افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنی زلفوں میں کنگھی کر رکھی تھی، اسلحہ سے لیس تھے اور یمنی جبے پہن رکھے تھے جن پر ریشم چڑھا ہوا تھا۔ جب وہ داخل ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا تم نے اسلام قبول نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں کیوں نہیں! فرمایا: تو تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

اشعریوں اور اہل یمن کا وفد

یہ وفد بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں ان لوگوں کو زیادہ شرف و عزت عطا فرمائی۔

کہا گیا ہے کہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ حافظ ابو الفضل شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سے بعض اہل یمن مراد ہیں اور یہ حمیر کا وفد ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے ابن شاہین کی کتاب "الصحابہ" میں حضرت ایاس بن عمرو الحمیدی کے طریق سے (منقول) پایا کہ وہ حمیر کے کچھ لوگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس دین کی سمجھ حاصل کرنے آئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ عنوان دو طائفوں پر مشتمل ہے لیکن ایک ہی وفد میں ان کا جمع ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ اشعری لوگ، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت حاضر ہوئے اور حمیر کا آنا ۹ھ میں ہوا اور یہ وفود کا سال ہے اسی لیے وہ بنو تمیم کے ساتھ جمع ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷۶)

حضرت یزید بن ہارون نے بواسطہ حمید، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس ایک قوم آئے گی جن کے دل تمہارے دلوں سے زیادہ نرم ہیں، چنانچہ اشعری قبیلہ کے لوگ آئے اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

غدا نلقی الاحبہ   محمد و حزبہ

"کل ہم اپنے محبوبوں سے ملیں گے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت ہے۔"

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

آپ نے فرمایا: اہلِ یمن آئے اور ان کے دل زیادہ نرم اور کمزور ہیں۔ ایمان یمنی ہے، حکمت بھی یمنی ہے اور سکون بکریوں والوں میں ہے اور فخر و تکبر ان لوگوں میں ہے، جو اپنے اونٹوں اور گھوڑوں میں آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ سورج طلوع ہونے کی جانب (مشرق کی طرف) خیموں والے ہیں۔[1] (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۵۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! تمہیں خوشخبری ہو۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے ہمیں خوشخبری دی ہے پس ہمیں عطا کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔

اور کچھ لوگ یمن کی طرف سے آئے تو آپ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو جو بنو تمیم نے قبول نہیں کی۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے قبول کی۔ پھر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس دین سیکھنے اور اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۵۳)

یمن کی طرف سے آنے والوں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم مراد ہے۔

صرد الازدی کا وفد

صرد بن عبداللہ ازدی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ازد کے وفد میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام خوب ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم میں سے مسلمان ہونے والوں پر امیر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مشرک یمنی قبائل کے خلاف جہاد کریں۔

چنانچہ حضرت صرد بن عبداللہ ازدی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نکلے، حتیٰ کہ جرش مقام پر اُترے اور وہاں کچھ عربی قبائل تھے، چنانچہ انہوں نے ایک مہینے تک ان کا محاصرہ کیا اور وہاں رُکے رہے، پھر وہاں سے واپس ہوئے حتیٰ کہ جب وہ ان کے ایک پہاڑ میں تھے تو ان لوگوں نے خیال کیا کہ آپ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے ہیں، وہ لوگ آپ کی تلاش میں نکلے حتیٰ کہ ان کو پایا تو آپ نے ان پر حملہ کر کے خوب قتل کیے۔

اہلِ جرش نے اپنے دو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے تھے، وہ دونوں ایک شام کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اونٹ شکر کے پاس یعنی اس جگہ ذبح کیے جا رہے ہیں جہاں ان کی قوم کے لوگ قتل ہوئے۔ راوی فرماتے ہیں پھر وہ دونوں حضرات حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تو انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تمہاری قوم کی ہلاکت کی خبر دی، پس وہ اپنی قوم کی طرف گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ انہیں اسی دن اور اسی گھڑی قتل کیا گیا

[1] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بکریاں رکھو، ان میں برکت ہے (اور اہلِ یمن بھی بکریوں والے تھے) آواز بلند کرنے کا مطلب زیادہ اونٹ رکھنا ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۳۰)

تھا‘ جس دن اور جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔[1]

چنانچہ جرش کا وفد وہاں سے نکل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کے لیے ان کی بستی کے قریب ایک چراگاہ مختص فرمائی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۱)

بنو حارث کا وفد

حضرت ابن اسحٰق نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں بنو حارث بن کعب کی طرف نجران میں بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے لڑائی کرنے سے پہلے ان کو تین بار اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ مان جائیں تو ان کا اسلام لانا قبول کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے لڑیں۔

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہنچے تو ان کی طرف سواروں کو بھیجا جو ہر طرف پھیل گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اسلام قبول کرو امن میں رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور جس بات کی ان کو دعوت دی گئی تھی اس میں داخل ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال لکھ دی پھر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کا وفد بھی تھا جن میں قیس بن حصین‘ یزید (زید) بن مجل اور شداد بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے مقابل لڑنے والوں پر کس طرح غالب آتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم جمع رہتے ہیں جدا جدا نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی پر ابتداءً ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔

آپ نے حضرت قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا‘ پس وہ شوال کے آخر یا ذی قعدہ میں واپس اپنی قوم کے پاس چلے گئے اور چار ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۱)

ہمدان کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمدان کا وفد آیا جن میں مالک بن نمط‘ ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک بھی شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر ان لوگوں نے آپ سے ملاقات کی اور ان پر یمنی چادریں اور عدن کی دستاریں تھیں اور یہ مہرہ قبیلہ اور ارحب قبیلہ سے منسوب سواریوں پر سوار تھے اور مالک بن نمط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھ رہے تھے۔ مورخین نے ان کے لیے بہت زیادہ عمدہ اور فصیح

[1] اس واقعہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں رُونما ہونے والے واقعات پر مطلع فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین کو عناد اور فرقہ پرستی کے خول سے باہر نکلنے کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین..... ۱۲ ہزاروی۔

کلام ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی اور جو قطعہ زمین انہوں نے طلب کیا آپ نے ان کے لیے مقرر فرمایا اور ان پر مالک ابن نمط کو امیر مقرر کیا۔ ان کو ان کی قوم کے مسلمانوں پر عامل مقرر کرتے ہوئے ان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے لڑیں اور ثقیف کی عادت تھی کہ جو چرنے والا مال، مویشی ان کو ملتا اسے لوٹ لیتے۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۲)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اہلِ یمن کی طرف بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گئے تھے۔ ہم وہاں چھ مہینے ٹھہرے اور ان لوگوں کو دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں اور ان کے ہمراہیوں میں سے کسی ایک کو ساتھ رکھیں۔ (فرماتے ہیں) جب ہم اس قوم کے قریب پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم ایک صف میں کھڑے ہوئے اور حضرت علی آگے بڑھے اور ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا پس تمام ہمدان نے اسلام قبول کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ تمام ماجرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جب آپ نے یہ خط پڑھا تو آپ سجدہ ریز ہوئے اور پھر سر اٹھانے کے بعد فرمایا: ہمدان پر سلام ہو، ہمدان پر سلام ہو۔۔۔ اصل حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

یہ حدیث، پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور ہمدان کی ثقیف سے لڑائی نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے جانوروں کی لوٹ مار کی کیونکہ ہمدان یمن میں اور ثقیف طائف میں تھے۔۔۔ یہ بات ابن قیم نے "الھدیٰ النبوی" میں کہی ہے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۲)

مزنیہ کا وفد

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہم مزینہ قبیلہ کے چار سو آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ جب ہم واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا: اے عمر! اس قوم کو زادِ راہ دیجئے۔ انہوں نے عرض کیا: میرے پاس تو اتنی کھجوریں ہیں جو میرے خیال میں ان لوگوں کو کفایت نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا: جائیے اور ان کو زادِ راہ دیجئے۔ راوی فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو لے کر گئے اور ان کو گھر میں داخل کیا پھر انہیں بالاخانہ پر لے گئے، جب ہم وہاں داخل ہوئے تو وہاں خاکستری اونٹوں کی طرح کھجوروں کے ڈھیر تھے۔ ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لیں۔ حضرت نعمان فرماتے ہیں: میں آخری آدمی تھا جو وہاں سے نکلا میں نے دیکھا تو وہاں سے ایک کھجور بھی کم نہیں

ہوئی تھی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۵)

وفد دوس

یہ وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر میں آیا تھا۔ ابن اسحٰق نے کہا کہ طفیل بن عمرو دوسی بیان کرتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ میں آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے (ابھی ہجرت نہیں فرمائی تھی)۔ قریش کے کچھ لوگ ان کی طرف گئے اور طفیل ایک شریف عقلمند شاعر تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں آئے اور یہ شخص جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہماری جماعت کو تقسیم کر دیا اور ہمارے معاملہ کو بکھیر دیا ہے اور اس کی بات جادو کی طرح ہے جو باپ بیٹے اور بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی میں بھی تفریق ڈالتی ہے۔ ہمیں تجھ پر اور تمہاری قوم پر اس بات کا خوف ہے جو ہمارے درمیان داخل ہو گئی ہے، پس نہ تو ان سے کلام کرنا اور نہ ان کی بات سننا۔۔۔

طفیل بن عمرو دوسی کہتے ہیں: وہ مسلسل مجھے سمجھاتے رہے حتیٰ کہ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا اور نہ ہی آپ سے کلام کروں گا حتیٰ کہ جب صبح کے وقت میں مسجد میں گیا تو میں نے کانوں میں رُوئی ٹھونس دی کیونکہ مجھے اس بات کا خوف تھا کہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پہنچ جائے۔

وہ فرماتے ہیں: میں مسجد میں گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں، آپ کے قریب کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا بعض کلام سنا دیا، پس میں نے نہایت عمدہ کلام سنا۔ میں نے کہا: میری ماں مجھے روئے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں عقلمند شاعر ہوں اور میں اچھی، بُری بات میں تمیز کر سکتا ہوں، تو مجھے کونسی بات اس شخص کی گفتگو سننے سے روکتی ہے۔ اگر ان کی بات اچھی ہوئی تو قبول کروں گا اور اگر بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔

فرماتے ہیں: میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا حتیٰ کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم نے مجھے فلاں فلاں بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ مجھے مسلسل آپ سے ڈراتے رہے حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں رُوئی ٹھونس دی تاکہ آپ کا کلام نہ سنوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کلام سنا دیا، پس میں نے نہایت عمدہ کلام سنا، آپ مجھے اپنے پیغام کے متعلق بتائیں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی تلاوت فرمائی تو اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی نہ سنا تھا اور نہ ہی اس سے زیادہ عدل والا کوئی دین دیکھا۔ میں نے اسلام قبول کیا اور سچی شہادت دی اور میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں کہ میری قوم میری بات مانتی ہے، میں واپس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دوں گا، پس آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ وہ میرے لیے کوئی نشانی بنا دے۔

فرماتے ہیں: میں اپنی قوم کی طرف نکلا حتیٰ کہ جب میں اس پہاڑی پر پہنچا جہاں موجود لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے

تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسا نُور ظاہر ہوا۔

فرماتے ہیں: میں نے کہا یا اللہ! میرے چہرے کے علاوہ نشانی ظاہر فرما' مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ کہیں گے چونکہ میں نے ان کا دین چھوڑا ہے اس لیے شکل بگڑ گئی ہے۔ فرماتے ہیں: وہ نشانی بدل کر میری لاٹھی کے سرے پر لٹکتی ہوئی قندیل کی طرح ہوگئی اور میں پہاڑی سے ان لوگوں کی طرف اُتر رہا تھا حتیٰ کہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچا اور میرا والد جو بہت بوڑھا تھا میرے پاس آیا تو میں نے کہا: اے میرے باپ! مجھ سے دُور رہیں' تیرا مجھ سے اور میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ پوچھا: بیٹے! کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہوں۔ میرے باپ نے کہا: اے میرے بیٹے! تیرا دین میرا دین ہے۔ فرماتے ہیں میں نے کہا: آپ جائیں' غسل کریں اور اپنے کپڑے پاک کریں پھر تشریف لائیں تاکہ میں آپ کو وہ کچھ سکھاؤں' جو میں نے خود سیکھا ہے' چنانچہ میرے والد گئے' غسل کیا' اپنے کپڑے پاک کیے پھر آئے تو میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو وہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی تو میں نے کہا: دُور ہو جاؤ' میرا تجھ سے اور تیرا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کہا: کیوں؟ میں نے کہا: اسلام نے تیرے اور میرے درمیان تفریق کردی ہے۔ میں نے اسلام قبول کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگیا ہوں۔ اس نے کہا: میرا وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے' چنانچہ وہ مسلمان ہوگئی۔

پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے تاخیر کی۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! دوس قبیلے پر زنا کا غلبہ ہے' ان کے خلاف بددُعا فرمائیں۔ آپ نے یُوں دُعا مانگی: "یا اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔" پھر فرمایا: اپنی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ لیکن ان سے نرم رویہ اختیار کرنا۔ فرماتے ہیں: میں ان کی طرف واپس آیا اور ان کو سرزمین دوس پر مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہا' پھر بارگاہ نبوی میں خیبر میں حاضر ہوا۔ ادھر مدینہ طیبہ میں قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانے حاضر ہوئے پھر ہم خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے باقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی (غنیمت سے) حصہ مقرر فرمایا۔

یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت طفیل پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ ابن ابی حاتم نے اس بات کو یقین اور قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ خیبر میں آئے' گویا یہ وفد دوبارہ آپ کے پاس آیا۔

نجران کے عیسائیوں کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد بھی آیا۔ جب وہ مسجد نبوی میں عصر کے بعد داخل ہوئے تو ان کی نماز کا وقت ہوگیا' چنانچہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے ان کو روکنے کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھی۔

یہ لوگ ساٹھ سوار تھے۔ ان میں سے چوبیس افراد ان کے معززین میں سے تھے اور ان چوبیس میں سے تین شخص ایسے تھے، جو ان کے معاملات کے ذمہ دار تھے۔ ایک "العاقب" تھا جو قوم کا امیر تھا، ان میں صاحب رائے اور مشورہ دینے والا تھا، اس کا نام "عبدالمسیح" تھا۔ دوسرا "السید" تھا جو ان کے آنے جانے اور جمع ہونے کا نگران تھا اور اس کا نام "الایہم" تھا اور اسے شرحبیل کہا جاتا تھا، اور ابوحارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا (اس قبیلے سے تھا) ان میں رہ چکا تھا اور اس نے ان کی کتاب پڑھی تھی اور روم کے عیسائی بادشاہوں نے اس کا اعزاز و اکرام کیا اور مال دیا اور وہ پہلی کتب سے سیکھنے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شان وصفت سے آگاہ تھا لیکن اس کی جہالت نے اس کو نصرانیت پر برقرار رکھا کیونکہ وہ لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے اور اس کو نصرانیوں کے ہاں ایک مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا تو انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میرے کلام کا انکار کرتے ہو تو آؤ مباہلہ کریں۔[1]

صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نجران کے دو آدمی جو السید اور العاقب کہلاتے تھے (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کرنے آئے تو ان میں سے ایک نے کہا: ایسا نہ کرو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۹)

ابونعیم کے نزدیک یوں ہے کہ یہ بات ان میں سے "السید" نے کہی تھی جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں اس بات کا قائل "العاقب" تھا کیونکہ وہ ان میں سے صاحب رائے تھا۔ مغازی میں یونس ابن بکیر کی زیادات میں ہے کہ یہ بات شرحبیل نے کہی تھی۔ (اس نے کہا) اللہ کی قسم! اگر یہ شخص نبی ہو اور ہم لعان (یعنی مباہلہ) کریں تو ہم بھی اور ہماری آنے والی اولاد کبھی بھی فلاح نہیں پا سکے گی۔۔۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں "ابدا" کا لفظ ہے (یعنی کبھی بھی) پھر ان دونوں نے کہا: آپ جو کچھ مانگتے ہیں ہم آپ کو دیتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ کسی امانت دار کو بھیجیں لیکن وہ امانت دار ہی ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایسا شخص بھیجوں گا جو واقعی امین ہو گا۔

اس منصب کے لیے صحابہ کرام متوجہ ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعبیدہ بن جراح! (رضی اللہ عنہ) آپ کھڑے ہوں۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس امت کے امین ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۹)

یونس بن بکیر کی روایت میں ہے انہوں نے دو ہزار حلوں (حلہ دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے) پر صلح کی کہ

---

[1] مباہلہ اس وقت ہوتا ہے جب دلائل سے بات نہ بنے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی سچائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں، چنانچہ جو جھوٹا ہو وہ ایک سال کے اندر اندر مر جاتا ہے۔

ایک ہزار رجب میں اور دوسرا ہزار صفر کے مہینے میں دیں گے اور ہر حلے کے ساتھ ایک اوقیہ (ڈیڑھ اونس) چاندی بھی دیں گے۔ یونس نے ان کے درمیان جو طویل معاہدہ لکھا گیا اس کا ذکر کیا۔

ابن سعد نے ذکر کیا کہ "السید" اور "العاقب" دونوں اس کے بعد واپس آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مخالف سے مباہلہ کرنا جائز ہے، جب وہ دلیل کے ظاہر ہونے کے باوجود اپنی بات پر اصرار کرے اور سلف و خلف علماء مباہلہ کرتے رہے ہیں اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جو شخص باطل پر ہو اور وہ مباہلہ کرے تو ایک سال کے اندر اندر وہ مرجاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷۴)

فروہ بن عمرو الجذامی کے قاصد کی آمد

روم کے بادشاہ فروہ بن عمرو جذامی کا قاصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا (اس قاصد کا نام مسعود بن سعد تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور صحابیت کا شرف حاصل کیا) فروہ کی منزل (شام میں) معان نامی جگہ تھی فروہ اسلام قبول کر کے اپنے علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے، فروہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفید خچر بطور ہدیہ روانہ کیا۔ (اور بارہ اوقیہ سونا بھی دیا)

جب ان کے اسلام کی خبر روم میں پہنچی تو ان لوگوں نے ان کو تلاش کر کے قید کر لیا، پھر انہیں فلسطین کے ایک چشمے پر پھانسی چڑھا دیا اور اسی پانی پر ان کی گردن مار دی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۴۶)

بنو سعد بن بکر کا وفد

ضمام بن ثعلبہ کو بنو سعد بن بکر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔۔۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا پھر اس کا گھٹنا باندھا پھر کہا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضور علیہ السلام، صحابہ کرام کے درمیان تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا: یہ تکیہ لگائے ہوئے سفید رنگ والے ہیں۔ اس نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ نے فرمایا: میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور اس میں سختی کا انداز ہوگا لہٰذا آپ اسے محسوس نہ کریں۔ پھر یہ مکالمہ ہوا:

نبی اکرم ﷺ... جو سوال کرنا چاہو کرو۔

سائل... میں آپ سے آپ کے اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کے نام سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟

نبی اکرم ﷺ... ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم رات

دن میں پانچ نمازیں پڑھیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم... ہاں! (مجھے اسی نے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال کے اس مہینے (ماہ رمضان المبارک) میں روزے رکھیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم... ہاں! (اسی نے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لے کر اپنے فقراء پر تقسیم کریں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم... ہاں! (اسی رب نے مجھے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں اس چیز پر ایمان لایا، جو آپ لے کر آئے ہیں، میں اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرف سے نمائندہ ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔ میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۵)

ابن اسحٰق نے اپنے مغازی میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے)۔

راوی کہتے ہیں کہ ضمام مضبوط جلد، سرخ و زرد رنگ اور بالوں کی دو چوٹیوں (مینڈھیوں) والے شخص تھے۔

پھر وہ اپنے اونٹ کے پاس آئے اور اس کی رسی کھول کر وہاں سے نکلے، حتیٰ کہ اپنی قوم کے پاس آئے تو وہ آپ کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ گفتگو فرمائی کہ لات اور عزیٰ بُرے ہیں۔ انہوں نے کہا: ضمام رُک جاؤ۔ برص، جنوں اور جذام کی بیماری سے بچو۔ حضرت ضمام نے فرمایا: تمہارے لیے خرابی ہو یہ کسی کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اور ان پر کتاب نازل کی ہے میں اسی کے ذریعے تمہیں بچاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں ان کی طرف سے تمہارے پاس وہ بات لے کر آیا ہوں جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اور جس سے روکا ہے پس اللہ کی قسم! اس دن ان کے پاس جو مرد اور عورتیں تھیں وہ سب مسلمان تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے افضل وفد کے بارے میں نہیں سنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۹)

طارق بن عبداللہ اور ان کی قوم کا وفد

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت جامع بن شداد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جس کا نام طارق بن عبداللہ ہے، اس نے کہا میں ذوالمجاز کے بازار میں کھڑا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہ کہہ رہا

تھا: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے اور ایک شخص اس کو پیچھے سے پتھر مار رہا تھا--- اور کہتا تھا: اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو ہاشم کا جوان ہے، جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے---

کہتے ہیں میں نے کہا یہ پتھر مارنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ (یعنی ابولہب ہے)

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں: جب لوگ اسلام قبول کر چکے اور انہوں نے ہجرت کی تو ہم ربذہ سے مدینہ طیبہ کا ارادہ کرتے ہوئے نکلے تاکہ وہاں کی کھجوریں حاصل کریں۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے باغات کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا: ہمیں اتر کر لباس تبدیل کرنا چاہیے تو ہم نے ایک شخص کو دو پرانے کپڑوں میں دیکھا۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں۔ کہا: کدھر کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا: ہم مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: وہاں تمہارا کیا کام ہے؟ ہم نے کہا: ہم وہاں سے کھجوریں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین خاتون تھی اور ایک سرخ اونٹ تھا جس کو نکیل ڈالی گئی تھی---

اس شخص نے کہا: کیا تم اپنے اس اونٹ کو بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں اتنی کھجوروں کے بدلے بیچیں گے۔ وہ شخص اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے باغات اور کھجوروں کی اوٹ میں ہم سے غائب ہو گیا تو ہم نے کہا: ہم نے یہ کیا کیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے ایسے آدمی پر اونٹ بیچا جس سے ہم واقف نہیں اور نہ ہی ہم نے رقم لی ہے۔

فرماتے ہیں ہمارے ساتھ جو عورت تھی اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے اس شخص کو دیکھا گویا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کا ایک ٹکڑا ہے، میں تمہارے اونٹ کی قیمت کے سلسلے میں اس کی ضامن ہوں۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے اس عورت نے کہا: اس کو ملامت نہ کرو میں نے ایک ایسے شخص کا چہرہ دیکھا جو تم سے دھوکہ نہیں کرے گا۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھا---

اسی دوران اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہوں، یہ تمہاری کھجوریں ہیں کھاؤ اور سیر ہو جاؤ اور وزن کر کے پوری کر لو۔ چنانچہ ہم نے کھجوریں کھائیں حتیٰ کہ ہم سیر ہو گئے اور پورا پورا ماپ تول کیا پھر ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ جب ہم مسجد میں پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور ہم نے آپ کے خطبہ کے یہ الفاظ سنے، آپ نے فرمایا:

تصدقوا فان الصدقة خير لكم، صدقہ کرو بے شک صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے، اوپر

اليد العليا خير من اليد السفلى۔ والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۳)

وفد نجیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجیب کا وفد بھی آیا اور وہ لوگ کندہ قبیلے کی ذیلی شاخ "السکون" سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ تیرہ افراد تھے اور یہ اپنے ساتھ اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی لائے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض

فرمائی۔۔۔ ان کی آمد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کی عزت افزائی فرمائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اچھے طریقے سے ان کی مہمان نوازی کریں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے رخصت ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ان کو دیگر وفود کو دیئے جانے والے عطیات سے زیادہ قیمتی عطیات دیئے۔

آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ایک لڑکا ہے جو ہم نے اپنے کجاووں کے پاس چھوڑا ہے اور وہ ہم میں سے سب سے چھوٹا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے ہمارے پاس بھیجو۔ جب وہ لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میری حاجت، میرے ساتھیوں کی حاجت جیسی نہیں ہے اگرچہ یہ اسلام میں رغبت رکھتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے شہر سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنی کردے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی:

اللھم اغفرلہ وارحمہ واجعل غناہ فی قلبہ۔ — یا اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی کردے۔

پھر اس کے ساتھیوں کی طرح اس کے لیے بھی عطیات کا حکم فرمایا (جس قدر ان میں سے ایک کو دیا اسی قدر اسے بھی عطا فرمایا) اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

اس کے بعد یہ لوگ ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منیٰ میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: اس لڑکے کا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے اس جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا اور ہم میں کوئی شخص بھی اس کی طرح رزقِ خداوندی پر قناعت کرنے والا پیدا نہیں ہوا۔ اگر لوگ دُنیا تقسیم کریں تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہے نہ توجہ کرتا ہے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۴)

بنو سعد ہذیم کا وفد

قضاعہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے بنو سعد ہذیم کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔

واقدی نے ابن النعمان سے اور انہوں نے اپنے باپ سے جو سعد ہذیم سے تعلق رکھتے تھے روایت کیا فرماتے ہیں: میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم مدینہ طیبہ کے ایک طرف اُترے پھر ہم مسجد حرام کے ارادے سے نکلے[1] اور ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے کہ پہلے حضور علیہ السلام سے ملاقات کرکے بیعت کریں گے، پھر ہم نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام کے لیے بیعت کی اور اس کے بعد اپنے ٹھکانوں پر واپس آگئے۔

---

[1] مسجد حرام سے مراد مسجد نبوی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مدینہ شریف کو حرم قرار دیا اور مسجد نبوی بھی حرم میں داخل ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۱)

ہم نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو پیچھے چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طلب میں کسی کو بھیجا تو ہمیں آپ کی خدمت میں لایا گیا تو ہمارا وہ ساتھی آگے ہوا اور اسلام پر بیعت کی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ہم میں سے سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے۔ آپ نے فرمایا: قوم میں سے سب سے چھوٹا ان کا خادم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، تو اللہ کی قسم! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے وہ ہم سب سے بہتر ہوا اور بہترین قاری بنا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم پر امیر مقرر فرمایا۔ پس قوم کی طرف واپسی تک وہ ہمیں نماز پڑھاتا رہا تو اس طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۵)

بنو فزارہ کا وفد

ابوالربیع بن سالم نے کتاب "الاکتفاء"[1] میں فرمایا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنو فزارہ کا وفد جو دس سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں خارجہ بن حصن اور حربن قیس بھی تھے۔ یہ حضرت عیینہ بن حصن کے بھتیجے تھے اور سب سے چھوٹے تھے۔ یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے تھے اور قحط زدہ تھے اور کمزور سواریوں پر تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے سے متعلق سوال کیا تو ان میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط زدہ ہو گیا ہے اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی کمزور ہو گئے اور ہمارے بچے بھوکے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دُعا کریں کہ وہ ہم پر بارش برسائے اور اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں آپ کی سفارش کو قبول فرمائے (ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا رب آپ سے ہماری سفارش کرے، اس پر آپ نے فرمایا:) سبحان اللہ! تمہارے لیے ہلاکت ہو (کلمہ ترحم ہے بددُعا نہیں) میں اپنے رب کے ہاں سفارش کرتا ہوں کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بہت بلند عظمت والا ہے۔ اس کی قدرت میں تمام آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور وہ اس کی عظمت و جلال سے چرچراتے ہیں (آواز نکالتے ہیں) جس طرح نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے خوف اور بارش کے تمہارے قریب ہونے پر خوشی کا اظہار فرما رہا ہے۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارا رب عزوجل خوشی کا اظہار فرماتا ہے؟ فرمایا: ہاں! دیہاتی نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ سے اس رب کی بھلائی کی نفی نہیں کرتے جو خوش ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات پر مسکرائے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی

---

[1] "الاکتفاء" ابوالربیع کی تصنیف ہے جو مغازی کے سلسلے میں تصنیف کی گئی اور ابوالربیع بن سالم اندلس کے محدث اور بلیغ (خطیب) تھے۔ علم حدیث اور دیگر علوم میں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں۔ وہ بلاغت اور انشاء میں معروف تھے اور شجاع تھے۔ جنگوں میں حصہ لیتے تھے۔ ۵۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۴ھ میں شہادت پائی۔

سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ کی دُعا سے جو کلمات محفوظ ہیں وہ اس طرح ہیں:

اللھم اسق بلدک المیت، اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریعا طبقا واسعا عاجلا غیر آجل، نافعا غیر ضار، اللھم سقیا رحمۃ لا سقیا عذاب ولا ھدم ولا غرق ولا محق۔ اللھم اسقنا الغیث وانصرنا علی الاعداء۔

یا اللہ! اپنے مُردہ (ویران) شہر کو سیراب کردے۔ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو موسلا دھار ہو، موسم بہار کا سماں پیدا کرنے والی ہو موافق اور وسیع ہو فوری ہو اس میں تاخیر نہ ہو، نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو۔ یا اللہ! رحمت کی بارش ہو عذاب کی نہ ہو، نہ گرانے والی نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی ہو۔ یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۹۷)

مکمل دُعا ان شاء اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے سلسلے میں استسقاء (بارش طلب کرنے) کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔

بنو اسد کا وفد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو اسد کا وفد بھی آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا اور ان میں حضرت وابصہ بن معبد اور حضرت طلحہ بن خویلد بھی شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف فرما تھے تو ان کی طرف سے گفتگو کرنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے گواہی دی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ نے ہماری طرف کسی کو نہ بھیجا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (الحجرات: ۱۷)

وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔ آپ فرما دیجئے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

یمن سے وفد بہراء

یمن سے بہراء کا وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہ باب مقداد تک پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا اور حیس (ایک حلوہ جو گھی اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے) کا ایک بڑا پیالہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور پیالہ اس حالت میں واپس کیا کہ اس میں کچھ باقی تھا۔ وہ ایک چھوٹے پیالے میں ڈال کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں بھیج دیا گیا تو آپ نے اور جو افراد گھر میں موجود تھے سب

نے سیر ہو کر کھایا اور پھر وہ مہمان جب تک وہاں رہے اس سے کھاتے رہے۔ وہ ان کے پاس بھیجا جاتا اور ختم نہ ہوا حتیٰ کہ وہ کہنے لگے: اے ابو معبد! آپ نے ہمیں اس قدر سیر کر کے کھلایا کہ ہم پانی پینے پر مجبور ہوئے۔ یہ ہمارا پسندیدہ کھانا ہے اور ہم اسے کبھی کبھی ہی کھا سکتے ہیں۔

ابو معبد نے ان کو بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تناول فرمایا اور واپس کیا اور یہ آپ کی مبارک انگلیوں کی برکت ہے، تو وہ لوگ کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یقین بڑھ گیا۔ انہوں نے فرائض سیکھے اور کچھ دن وہاں ٹھہرے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے تو آپ نے ان کے لیے عطیات کا حکم دیا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

وفدِ عذرہ

صفر المظفر ۹ھ میں عذرہ کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ بارہ مرد تھے جن میں جمرہ بن نعمان بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا۔ وہ اسلام لائے اور آپ نے ان کو شام کی فتح اور ہرقل کے وہاں سے اپنے ملک کی طرف بھاگ جانے کی خبر دی پھر یہ لوگ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کو عطیات دیئے گئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

وفد بلی

وفد بلی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی، پس جو شخص اسلام کے علاوہ دین پر مرا وہ جہنم میں جائے گا پھر وہ آپ سے رخصت ہوئے اور آپ نے ان کو عطیات سے نوازا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

بنو مرہ کا وفد

بنو مرہ کا وفد جو تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سردار حضرت حارث بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارے شہروں کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ہم قحط کا شکار ہیں، پس ہمارے لیے دُعا فرمائیے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی۔ "یا اللہ! ان پر بارش نازل فرما"۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۸)

وہ لوگ کچھ دن ٹھہرے اور عطیات کے ساتھ واپس ہوئے، پھر انہوں نے اپنے علاقے کو یوں پایا کہ اس میں اسی دن بارش ہوئی تھی جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی تھی۔

وفدِ خولان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں مزید بڑھائے' آپ کے پاس خولان کا وفد شعبان ۱۰ھ میں آیا[1] اور یہ دس افراد تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم نے آپ تک پہنچنے میں سخت مشقت اٹھائی اور سخت و نرم زمین سے گزر کر آئے ہیں۔ یہ ہم پر اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے ہم آپ سے ملاقات اور زیارت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جو اپنے سفر کا ذکر کیا تو تمہارے اونٹوں نے جس قدر قدم اٹھائے ہیں تمہیں ان کے برابر نیکیاں ملیں گی اور جو کچھ تم نے میری ملاقات کے حوالے سے ذکر کیا تو جو شخص مدینہ طیبہ میں میری زیارت کرے گا قیامت کے دن اسے میری طرف سے امن اور عہد حاصل ہوگا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: خولان کے بت سے کیا سلوک کیا گیا۔ کیا لوگ اب بھی اس کی پوجا کرتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے اس چیز کی طرف بدل دیا جو آپ لے کر تشریف لائے البتہ ایک بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد[2] اسی سے تعلق جوڑے ہوئے ہیں' اگر ہم وہاں واپس پہنچے تو اس کو گرا دیں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور ایفائے عہد' ادائیگی امانت اور ان باتوں پر سختی سے کاربند ہونے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں۔

اس کے بعد آپ نے ان کو (بارہ اوقیہ اور کچھ زائد چاندی کا) عطیہ عنایت فرمایا اور وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور انہوں نے بت کو توڑ دیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۹)

وفدِ محارب

محارب (بن سعد بن قیس عیلان) کا وفد حجۃ الوداع کے سال بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور یہ لوگ اس دور میں اہلِ عرب میں سے سب سے زیادہ سخت اور جفاشعار تھے' جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل پر اسلام پیش کیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا' چنانچہ ان میں سے بارہ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔[3] (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۹)

---

[1] اس قبیلے کا بانی ابن عمر تھا اور یہ قبیلہ یمن میں تھا۔

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے ایک مرد اور ایک عورت مراد نہیں بلکہ دوسری روایت کے مطابق کئی بوڑھی عورتیں اور کئی مرد مراد ہیں۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۹)

[3] حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح و شام ان کے لیے کھانا لاتے تھے۔ ایک دن یہ لوگ ظہر کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تو آپ نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا۔ آپ اسے دیکھنے لگے تو اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں پہلے دیکھ چکا ہوں۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ عکاظ کے بازار میں تھے تو میں نے آپ سے سخت کلامی کی' ان دنوں میں آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا اب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا' آپ میری بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اسلام کفر کے کسی گناہ کو باقی نہیں چھوڑتا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۹)

وفدِ صداء

(یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس قبیلہ کا جداعلیٰ صداء بن حرب بن علہ تھا)

صداء کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۸ھ میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب آپ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چار سو افراد کے ساتھ بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ یمن میں اس طرف جائیں جہاں صداء قبیلہ ہے۔ تو ان میں سے ایک شخص (زیاد بن حرث) جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی روانگی سے آگاہ ہو چکا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! لشکر کو واپس بھیجئے میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ نے حضرت قیس کو واپس بلالیا۔

اور وہ صدائی اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور ان میں سے پندرہ افراد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے اسلام پر آپ کی بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے، چنانچہ ان میں اسلام پھیل گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان میں سے ایک سو افراد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ یہ بات واقدی نے ذکر کی ہے۔

زیاد بن حارث صدائی کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ لشکر کو واپس کر دیں۔ واقدی نے کہا کہ یہی زیاد بن حارث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفروں میں آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے فرمایا: اے صداء کے بھائی! کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ (وہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا: میرے برتن میں کچھ پانی ہے۔ آپ نے فرمایا: ڈالو! میں نے ایک بڑے پیالے میں ڈالا پھر آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابل رہا تھا۔

(زادالمعاد جلد ۳ ص ۶۰)

غسان کا وفد

غسان[1] کا وفد رمضان المبارک ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تین افراد تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطیات عطا فرمائے اور پھر یہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ (زادالمعاد جلد ۳ ص ۶۴)

وفدِ سلامان

سلامان[2] کا وفد شوال ۱۰ھ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ جس طرح واقدی نے ذکر کیا اور یہ سات افراد

---

[1] غسان ایک چشمے کا نام ہے جہاں ازد قبیلے کے لوگ اُترے تو وہ اس سے منسوب ہو کر غسانی کہلانے لگے۔

[2] یہ قبیلہ اپنے جداعلیٰ سلامان ابن سعد بن زید بن لوث بن سود بن اسلم بن حاف قضاعہ کی طرف منسوب ہے اور یہ قضاعہ کا ذیلی قبیلہ ہے۔

تھے۔ ان میں حبیب بن عمرو بھی تھے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے علاقوں میں قحط سالی کی شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی اور پھر عطیات سے نوازتے ہوئے رُخصت کیا۔ یہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچے تو اسی دن اور اسی وقت بارش ہوئی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲)

بنو عبس کا وفد

بنو عبس[1] کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے قراء (علماء) ہمارے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا اسلام (قبول) نہیں اور ہمارے پاس مال اور جانور ہیں اگر (واقعی) ہجرت کے بغیر اسلام نہیں تو ہم ان کو بیچ کر ہجرت کر لیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲)

وفدِ غامد

(یمن میں ازد قبیلے کی ایک شاخ غامد کہلاتی ہے) ان کا وفد ۱۰ھ میں حاضر ہوا اور یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا۔ انہوں نے اسلام کا اقرار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر عطا فرمائی جس میں احکام شریعت کا ذکر تھا اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ان کو قرآنِ پاک سکھایا پھر ان کو عطیات دے کر رُخصت کیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳)

ازد کا وفد

ازد قبیلے[2] کا وفد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابو نعیم نے کتاب "معرفہ الصحابہ" میں اور ابو موسیٰ مدینی[3] نے احمد بن ابی الحواری[4] کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے

---

[1] ابن شاہین نے ہشام بن کلبی کے طریق سے نقل کیا کہ یہ نو افراد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی اور فرمایا: تم میرے لیے دسواں تلاش کرو میں تمہارے لیے جھنڈا مقرر کرتا ہوں۔ پس حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شامل ہوئے تو ان کے لیے جھنڈا مقرر کیا اور ان کی علامت "یا عشرة" مقرر کی جو آج تک جاری ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۶۲)

[2] یہ قبیلہ اپنے جد اعلیٰ ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن ادد بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔

[3] محمد بن ابی بکر اصفہانی مدینی حافظ شیخ الاسلام تھے۔ ۵۰۱ھ میں ولادت اور ۵۸۱ھ میں وفات ہوئی۔

[4] احمد بن عبد اللہ بن میمون تغلبی کنیت ابو الحسن بن ابی الحواری، ثقہ اور زاہد تھے۔ ۲۳۶ھ میں وفات ہوئی۔

ابو سلیمان دارانی سے[1] سنا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت علقمہ بن یزید بن سوید ازدی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا' انہوں نے فرمایا: ہم سات آدمی جن میں' میں بھی شامل تھا اپنی قوم کے وفد کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم آپ کے پاس پہنچے اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے ہماری سکون اور وقار کے ساتھ گفتگو کو پسند فرمایا۔۔۔

آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا: مومن ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: ہر قوم کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے قول اور تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: پندرہ خصلتیں ہیں' پانچ وہ ہیں جن کے بارے میں آپ کے نمائندوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان پر ایمان لائیں اور پانچ کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ ہم ان پر عمل کریں اور پانچ باتیں وہ ہیں جن کے ہم دورِ جاہلیت میں عادی تھے اور ہم ان پر قائم ہیں۔ اگر آپ ان میں سے کسی بات کو ناپسند کریں (تو ہم چھوڑ دیں گے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میرے نمائندوں نے تمہیں کن پانچ باتوں کا حکم دیا؟

ہم نے عرض کیا: یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لائیں۔

آپ نے پوچھا: میں نے کن پانچ باتوں کا حکم دیا ہے؟

ہم نے کہا: یہ کہ ہم لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھیں' نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' رمضان شریف کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم جاہلیت کی کن پانچ باتوں پر قائم ہو؟

انہوں نے کہا: کشادگی کے وقت شکر' آزمائش کے وقت صبر' قضاء پر رضا' دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور دشمن کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا: یہ لوگ اہلِ حکمت و علم ہیں۔ یہ اپنی سمجھ داری سے نبوت کے لائق ہیں۔ پھر فرمایا: میں مزید پانچ باتوں کا اضافہ کرتا ہوں' پس بیس باتیں پوری ہو جائیں گی۔ اگر تم اسی طرح ہو جس طرح تم نے بتایا۔ (وہ پانچ یہ ہیں) جس چیز کو نہ کھاؤ جمع نہ کرو (کیونکہ اس کا نفع بعد والوں کو ہوگا اور حساب تمہیں دینا ہوگا)' اگر رہائش مقصود نہ ہو تو عمارت نہ بناؤ' اس چیز میں رغبت نہ رکھو جو کل تم سے زائل ہو جائے گی' اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور جس کی طرف جا رہے ہو اور اس میں ہمیشہ رہو گے اس میں رغبت رکھو (جنت مراد ہے)

پس وہ واپس ہوئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳)

---

[1] عبد الرحمن بن احمد بن عطیہ دارانی' داریا کی طرف منسوب ہیں جو دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ زاہد' ثقہ' محدث تھے۔ ۲۱۲ھ میں وفات ہوئی۔

بنو المنتفق کا وفد

بنو المنتفق[1] کا وفد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ دلہم بن اسود سے اور وہ عاصم بن لقیط سے روایت کرتے ہیں کہ لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبداللہ بن المنتفق بن عامر بن عقیل بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ ابو رزین العقیلی جو اہلِ طائف میں شمار ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک ساتھی نہیک بن عاصم بن مالک بن المنتفق بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ جب آپ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے چار دن سے اپنی آواز تم سے پوشیدہ رکھی ہے تاکہ آج غور سے سنو۔ کیا کوئی شخص ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟ تو ان کے ساتھیوں نے کہا: جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ارشاد فرمائیں سنو! شاید سننے سے اپنے خیالات میں گم ہونا یا دوسروں سے گفتگو رکاوٹ بنے۔

سنو مجھ سے سوال ہوگا کہ کیا میں نے (دین کی) تبلیغ کر دی۔ سنو اچھی زندگی گزارو گے--- آگے مکمل حدیث ہے اور اس میں آپ نے قیامت اور اس میں اٹھنے کا ذکر بھی فرمایا۔ جنت اور دوزخ کا ذکر بھی کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کس بات پر آپ کی بیعت کروں؟ تو آپ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا اور فرمایا: نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر (بیعت کرو)۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۴)

وفد النخع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے آخر میں حاضر ہونے والا وفد، النخع کا وفد تھا[2] اور یہ وفد محرم الحرام ۱۱ھ کے نصف میں آیا جو دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ دار الاضیاف (مہمان خانہ یا گیسٹ ہاؤس) میں اترا[3] پھر اسلام کے اقرار کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ لوگ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔[4]

ان میں سے ایک شخص زرارہ بن عمرو نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے سفر کے دوران عجیب بات دیکھی ہے۔ آپ نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا: میں نے ایک گدھی دیکھی ہے جس نے ایک ایسا بچہ

---

[1] عامر بن صعصعہ قبیلے کی شاخ بنو عامر کے بانی کا نام المنتفق تھا۔

[2] مذحج قبیلے کا ایک بطن (شاخ) ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔

[3] یہ مہمان خانہ رملہ بنت حارث نجاریہ صحابیہ کی حویلی تھی۔ حضرت رملہ حضرت معاذ بن عفراء کی زوجہ تھیں۔

[4] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تھا تو ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جنا ہے جس کے رنگ میں سُرخی اور سیاہی کی آمیزش ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنی بیوی (یا لونڈی) کو حاملہ چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا: (یا رسول اللہ) جی ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ہاں تمہارا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ پوچھا: اس کے سُرخ و سیاہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ۔ وہ قریب ہوا تو فرمایا: کیا تم برص کی بیماری میں مبتلا ہو جسے تم چھپاتے ہو؟ اس نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اس بات کا کسی کو علم نہ تھا اور آپ کے علاوہ کوئی اس پر مطلع نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا: یہ اسی کا اثر ہے۔[1]

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا کہ ان کے کانوں میں دو بالیاں اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ عرب کی بادشاہی ہے جو اپنی اچھی حالت کی طرف لوٹ جائے گی۔[2]

عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور وہ زمین سے نکلی۔ آپ نے فرمایا: یہ دُنیا کا باقی ماندہ وقت ہے۔

عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کر میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی اور میرے اس بیٹے کا نام عمرو ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ہوگا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ فتنہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے (پھر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو دائیں، بائیں تبدیل کیا اور فرمایا: گناہ کرنے والا سمجھے گا کہ وہ نیکی کر رہا ہے اور ایک مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون پانی پینے سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تُو اس فتنہ کو پائے گا اور تمہارا انتقال ہوا تو تمہارا بیٹا اس فتنے میں مبتلا ہو گا۔

عرض کیا: یا رسول اللہ! دُعا فرمائیں کہ میں اس فتنے کو نہ پاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی: یا اللہ! یہ اس فتنے کو نہ پائے، چنانچہ اس شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا زندہ رہا۔

پس وہ (اس شخص کا بیٹا) پہلا شخص تھا جس نے (کوفہ میں) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو چھوڑا۔۔۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۷۰)

انشاء اللہ تعالیٰ اس خواب کا ذکر آٹھویں مقصد کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابوں کی تعبیر میں آئے گا۔

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو علمِ غیب کی صورت میں ظاہر ہوا۔

[2] نعمان بن منذر عرب کا بادشاہ تھا۔ تو مطلب یہ ہے کہ عرب والوں کو پہلے کی طرح عزت و شرف حاصل ہو گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی وجہ سے ایرانیوں اور عجمیوں کا غلبہ ختم ہو گا۔